رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۵ جنوری ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

سلسلۂ رقعات عالمگیر

سلطان المعظم اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات کی جمع و ترتیب و اشاعت کا جو کام دارالمصنفین میں چھ سات برس سے ہو رہا ہے،

اور جس کو

ہز اگزالٹڈ ہائینس اعلیحضرت شہریار دکن خلد اللہ ملکہ

کا

شرف انتساب حاصل ہے

اسکی

ایک جلد اور اسپر ایک مبسوط مقدمہ، دونوں چھپ کر تیار ہیں، **مقدمہ** میں اسلام میں فن انشاء کی تاریخ ہندوستان میں صیغۂ انشاء کا حال اور انشاء کے اصول، اور خاص عالمگیر کی طرز انشاء پر بحث، عالمگیر کی تاریخ کے ماخذ کی تفصیل اور پھر اسکی پیدائش سے لیکر بھائیوں کی خانہ جنگی تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود اس کے خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقید ہے اس مقدمہ کی زبان اردو ہے، عالمگیر کے متعلق اس وقت تک کسی زبان میں اس سے بہتر مدافعانہ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، حصول سلطنت تک عالمگیر پر جس قدر اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کا محققانہ جواب ہے،

مؤلفہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۵۰۰، قیمت: غیر مجلد ص، قیمت: مجلد ۴

رقعات عالمگیر جلد اوّل:- شروع سے برادرانہ خانہ جنگی تک کے تمام خطوط و رقعات تاریخی ترتیب سے جمع کیے گئے ہیں آخر میں متعدد ضمیمے ہیں جنمیں شاہجہان، دارا شکوہ، شاہ شجاع، جہان آرا، وغیرہ کے جوابی خطوط شامل ہیں یہ خطوط فارسی ادب و تاریخ کا ذخیرہ ہیں جنکا پڑھنا تیموری تاریخ اور فارسی ادب کے پڑھنے والوں کا فرض ہے لکھائی چھپائی اعلیٰ، لوح رنگین و مطلا، جا بجا سلاطین و شہزادگان تیموری کی تحریروں کے عکسی فوٹو اور سلطان عالمگیر کا عکس خط، ضخامت ۴۰۰ صفحے، مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

قیمت غیر مجلد للعہ مجلد للعہ

"منیجر دارالمصنفین اعظم گڑھ"

جلد بست و ہفتم | ماہ شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۱ء عیسوی | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

محمد علی!

ماتم یہ زمانہ میں بپا تیرے لیے ہے (جوہر)

مولانا محمد علی نے ۴ رشعبان ۱۳۴۹ھ مطابق ۴ رجنوری ۱۹۳۱ء کو ترپن برس کی عمر میں لندن میں وفات پائی،

اس مسافر نے غالب کے اس مصرع کو اپنے شعر میں دہرا کر اپنی مسافرانہ موت کی آپ پیشگوئی کی تھی،

مارا دیارِ غیر میں مجھکو وطن سے دور،

افسوس وہ پر درد آواز جو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۰ء تک ہندوستان اور دُنیاے اسلام کے ہر قیامت آفرین سانحہ پر صداے صور بنکر بلند ہوتی رہی ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی، وہ بیقرار دل جو اسلام اور مسلمانون کی ہر مصیبت کے وقت بیتاب ہوہو جاتا تھا، اور اوروں کو بیتاب کرتا تھا، دریغا کہ قیامت تک کیلئے ساکن ہوگیا، وہ اشک آلود آنکھیں جو دین و ملت کے غم مین آنسوؤن کا دریا بہاتی تھین حسرتا کہ انکی روانی ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی، وہ مترنم لب جو ہر بزم مین خوشنوا بلبل بنکر چہکتے تھے، اُن کے ترانے اب ہمارے کان نہ سنین گے، وہ آتشین زبان جو ہر رزم مین تیغ بران بنکر چمکتی تھی اُسکی تابش اب کسی معرکہ مین ہماری آنکھون کو نظر نہ آئیگی، وہ پر جوش سینہ جو ہمارے مصائب کے پہاڑون کو سیلاب بنکر بہالے جاتا تھا، اس کا تلاطم ہمیشہ کے لیے تھم گیا، وہ پر زور دست و بازو جو شب و روز کی خدمتگذاری اور نبرد آزمائی مین مصروف تھے، وہ اب ایسے تھکے کہ پھر نہ اٹھین گے، اور افسوس کہ شکست خوردہ فوج کا وہ آخری سپاہی جو اعدا کے نرغہ مین تنہا لڑرہا تھا، آخر دشمنون سے چور ہوکر ایسا گرا کہ پھر کھڑا نہ ہوگا، الوداع اے محمد علی! الوداع! والسلام الیٰ یوم القیام،

تو ملت کا عزادار تھا حق ہے کہ ساری ملت تیری عزادار ہو، تو امت محمدیہ کا سوگوار تھا، فرض ہے کہ پوری امت محمدی تیرا سوگ کرے، تو نے دنیاے اسلام کا ماتم کیا تھا، سزاوار ہے کہ دنیاے اسلام تیرا ماتم کرے، ہندوستان کا ماتم دار، طرابلس کا سوگوار، عراق کیلئے غمزدہ، بلقان کیلئے اشکبار، شام پر گریان، انگورہ پر مرثیہ خوان، حجاز کا سوختۂ غم، اور بیت المقدس کیلئے وقفِ الم، اے ہند کے آوارہ گرد مسافر! تیرا حق سرزمین اسلام کے چپہ چپہ پر تھا، مناسب یہی تھا کہ تیرے لئے اولین قبلۂ اسلام کا سینہ پھٹ جائے اور تو اسمین سما جائے،

وہ مشرق کی زمین مین پیدا ہوا لیکن مغرب کی آب ہوا مین نشو و نما پائی، مشرق کی مٹی سے اس کا جسم بنا لیکن مغرب کے ہتھیارون سے اس نے اپنا جسم سجا، اسکا دماغ مغربی، مگر دل مشرقی تھا، وہ مشرق کی حمایت مین بارہا مغرب سے مغرب کے ہتھیارون سے لڑا، اور اس نے اس کا لوہا مانا، وہ مشرق کا آفتاب تھا، یہ آفتاب بھی اگر مشرق مین طلوع ہو کر مغرب مین ڈوبا، تو دنیا کا کوئی نیا واقعہ نہ ہوا، اور اسی لیے حق تھا کہ مشرق و مغرب کا متحدہ مرکز (بیت المقدس) اس کا مدفن بنے، اے مشرق و مغرب کے مالک تو اپنی رضامندیون کے پھول سے اس کا دامن بھر دے،

محمد علی کے کارنامون مین اسکی غزلخوانی کوئی بڑا درجہ نہین رکھتی، لیکن جس طرح اسکی آخری پیشینگوئی کی صداقت کو دنیا نے دیکھا اور تسلیم کیا، کہ وہ آزاد غلام ہندوستان کو واپس نہ آیا، اسی طرح اس کے مرنے پر معلوم ہوا کہ اس نے زندانخانہ مین بیٹھکر اپنے جن واردات کو نظم کیا تھا، وہ سرتاسر صداقت تھے، اور پیشگوئیون کی عجیب و غریب مثالین، اسنے کہا تھا

اللہ ہی کے رستہ مین جو موت آئے تو اچھا

اکسیر یہی ایک دعا میرے لیے ہے

محمد علی! مبارک کہ یہ تیری پرتاثیر دعا، اکسیر بنی، اور تیرے حق مین قبول ہوئی،

مولنا محمد علی کا ماتم جسطرح دنیا مین ہوا، مشرق و مغرب مین ہوا، یورپ اور ہندوستان مین ہوا، مصر اور شام مین ہوا، فلسطین اور اس کے بیت المقدس مین ہوا، وہ شاید ہی کسی کے لیے ہوا ہو، صاحبِ دل شاعر کی اس پیشگوئی کی صداقت سے آج کس کو انکار ہے؟

"ماتم یہ زمانہ مین بپا میرے لیے ہے"

مولانا **شبلی** مرحوم کے مجموعۂ مضامین کی مسلسل جلدون کی اشاعت کی جو امید ہم نے ناظرین کو دلائی تھی، وہ جلد پوری ہوئی، اُن کے مذہبی مضامین کی پہلی جلد مطبع معارف نے ڈھائی سو صفحون مین چھاپکر شائع کی ہے، اس جلد مین اُن کے تمام قرآنی، کلامی، اور فقہی مضامین شامل ہین، حقوق الذمیین بھی اسی مین داخل ہے، ان مضامین کی مفصل فہرست لوح پر ملیگی، اور اشاعت کی غرض سے اسکی قیمت کم رکھی گئی ہے، بہتر یہ ہے کہ جو لوگ ان مضامین کی مسلسل جلدون کے طلبگار ہین، وہ اپنا نام ہمارے ہان فہرست مین درج کرالین،

گذشتہ دسمبر مین ہمارے قریب کے شہر بنارس مین دو تعلیمی مجلسون نے اپنے اجلاس منعقد کیے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈہ، اور آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس آجکل کے سیاسی عہد مین تعلیمی دلچسپی کسکو ہے، تاہم خوشی کی بات ہو کہ بنارس مین دونون کانفرنسون کے اجلاس کامیاب رہے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے خطبہ خوان صدر تو نواب مسعود جنگ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی تھے، مگر اکثر اجلاسون کے صدر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ہے، صدر اول کا خطبۂ صدارت گو مختصر تھا، لیکن جامع تھا، اور لطیف تر یہ ہے کہ جن نازک اور فتنہ انگیز مباحث کو اُنھون نے چھیڑا تھا، اُن کے لیے طرزِ ادا اور اسلوبِ بیان نہایت سنجیدہ اور معتدل اختیار کیا تھا، اور بالکل صحیح طریقہ سے اُنھون نے اپنے سامنے یورپ کا نمونہ نہین، بلکہ مشرق ہی کی ایک ترقی یافتہ قوم جاپان کا رکھا تھا،

کانفرنس مین معمولی تجویزون کے علاوہ بعض مفید اور دلچسپ تقریرین ہوئین، اور بعض علمی مضامین بھی پڑھے گئے، نواب صدر یار جنگ کا مضمون حزین پر نہایت دلچسپی سے سناگیا، مولوی حمید احمد صاحب انصاری متعلم (رجسٹرار) جامعۂ عثمانیہ نے جامعۂ عثمانیہ پر عمدہ مضمون پڑھا، مولوی ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین نے دار المصنفین کی تاریخ اور کام پر ایک مفصل مضمون پیش کیا، جناب محمود احمد صاحب عباسی کی تقریر سلاطین ہند کے فرامین اور یادگارون کے متعلق پر دلچسپ معلومات رکھتی تھی، ڈاکٹر ضیاء الدین، شیخ عبداللہ صاحب، اور پروفیسر فدا علی خان کی تقریرین مختلف موضوعون پر ہوئین، کانفرنس کے استقبالی صدر بابا خلیل احمد صاحب کے خطبہ مین بنارس مین ہندؤن کے تعلیمی ادارون پر بہت اچھا تبصرہ تھا، میری تقریر کا عنوان "عربون کے بعض جغرافی معلومات" تھا،

آل ایشیا ایجوکیشنل کانفرنس بڑی خوبی سے ہوئی، حاضرین اور مہمانون کی بڑی کثرت تھی، بڑی بڑی ہندوستانی ریاستون کے نمایندے بھی تھے، باہر کے لوگون مین چین، سیام، جاپان، اور فرنچ انڈیا کے ممبر آئے تھے، تعجب ہو کہ افغانستان اور ایران کے ہمسایون نے اس سے دلچسپی نہ لی، ہندوستانی صوبون مین مدراس کی اکثریت تھی، بہر حال اہتمام و انتظام، علمی و صنعتی نمایشون، مجمع اور مہمانون کی کثرت، اور عمدہ مقررین کی تقریرون کے لحاظ سے یہ کانفرنس کامیاب رہی، اور چونکہ یہ اس کانفرنس کا سب سے پہلا اجلاس تھا، اسلیے کوئی کمی قابلِ شکایت بھی نہیں،

ایک خاص نقطۂ نظر سے اس آل ایشیا کانفرنس کو دیکھئے تو آپ جس قدر تعجب کرین وہ کم ہی، ہندو وہ قوم ہے جس نے اپنی تاریخ کے روزِ ازل سے لیکر آج تک آریہ ورت کے باہر قدم نہین رکھا، کسی دوسری قوم سے مل کر کام کرنا، اسکی فطرت نہین، اتحادِ اقوامِ ایشیا کسی نظر سے بھی ہو، اسکی آواز سے ہندو بھائیون کے کان کبھی آشنا نہین، لیکن باین ہمہ یہ دیکھکر اپنے وطنی بھائیون کی ذہنیت کے حسنِ انقلاب پر کسقدر حیرت ہے کہ انھون نے آل ایشیا ایجوکیشنل کانفرنس کا تخیل کیا، اس کا انتظام کیا، اُن کے امرا نے اس کے لیے چندے دیے، اُن کے

اہل علم و اہل تعلیم نے اس مین اپنا وقت اور قابلیت صرف کی، اُن کے نوجوان اُسمین والنٹیر بھرتی ہوئے، اور کانفرنس کے عرصۂ اجلاس کے قدم قدم پر ان کی زندگی کے نشان ملتے تھے،

خدا جانے ہم مسلمان اس نکتہ کو کب سمجھینگے کہ اصل شی زندگی کی روح ہے، وہ پیدا ہو تو سب کچھ پیدا ہو، جسم مین روح ہو تو اس کے ہر عضو مین احساس ہوگا، ورنہ بیجان جسم کے کسی ایک عضو مین احساس پیدا کرنے کی کوشش سے پورے جسم مین روح پیدا نہ ہوگی، تومون کی روح مذہب یا سیاست ہے، جو قوم ان دونون سے بھاگیگی وہ فنا ہو کر رہیگی،

ڈاکٹر ایس ایم متر ا ایک ہندو وید تھے، جنھون نے اپنا ویدک مطب لندن جاکر کھولا تھا، اور کامیاب ہوئے تھے، بہت سی کہنہ بیماریون کے معرکے کے علاج کئے، اُن کے وہان انگریز شاگرد بھی پیدا ہوئے، منجملہ انکے ایک انگریز خاتون مسز چاپلین ہین، مسز موصوفہ نے ویدک علاج کی نسبت انگریزون کے شکوک دور کئے ہین، اور ویدک طریقہ علاج پر ایک کتاب انگریزی مین لکھی ہے، جسکا نام ہے FUNDAMENTAL ASPECTS OF HINDU MEDICAL TREATMENT اور لیوزک کمپنی (۴۶ گریٹ رسل اسٹریٹ لندن) نے چھاپی ہے، ٹائمز نے اپنے لٹریری سپلیمنٹ مین اسپر ریویو کیا ہے، کیا اسلامی طب اور ویدک سے بھی زیادہ کہنہ، قدیم اور فرسودہ ہے کہ اس نئے عہد مین اسکو پیش کرتے ہوئے مسلمان طبیب جھجکتے ہین؟ اور اپنے پر موقوف نہین، دل و دماغ مین قوت چاہئے

دار المصنفین مین جو مسجد بن رہی تھی، بحمد اللہ کہ بنکر تیار ہوگئی، مجلس کے صدر نشین نواب صدر یار جنگ مولنا شروانی بنارس سے جونپور ہو کر اعظم گڈہ صرف اس غرض سے تشریف لائے کہ اس مسجد کا افتتاح کرین، افتتاح کی رسم یہ تھی کہ ۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو جمعہ کے دن مولانا کی امامت مین اسمین جمعہ کی نماز ادا کیگئی، اور بعد نماز "مسجدون کی اصلی آبادی" پر ایک مؤثر وعظ فرمایا، یکم رمضان المبارک سے وہ باقاعدہ کھل گئی، اور نماز و جماعت و تراویح قائم ہوگئی، خدا دار المصنفین کے ساکنون کو توفیق دے کہ وہ اسکی ظاہری و باطنی آبادی مین کوشان رہین،

مقالات

مولینا حمید الدین!

ولادت ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۴ء ۔ وفات ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء

فغان کہ گشت نیوشندۂ سخن خاموش   دگر بگو نہ تسلی کنم من این لب و گوش

اس سے پہلے ہندوستان کے جن اکابر علماء کا ماتم کیا گیا ہے، وہ کل وہ تھے، جن کی ولادت (حمید) اور نشو و نما انقلاب زمانہ سے پہلے ہوئی تھی آج سب سے پہلی دفعہ ہم نے عہد کے سب سے پہلے عالم کی وفات کے ماتم مین مصروف ہین، ہم ایک ایسے گریجویٹ عالم کا ماتم کرتے ہین جو اپنے علم و فضل، زہد و ورع، اور اخلاق و فضائل مین قدیم تہذیب کا نمونہ تھا لیکن جو اپنی روشن خیالی، جدید علوم و فنون کی اطلاع و واقفیت اور مقتضیات زمانہ کے علم و فہم مین عہد حاضر کی سب سے بہتر مثال تھا، اس سے پہلے ان تمام علماء نے جو نئے علم کلام کا اپنے کو بانی کہتے اور سمجھتے ہین، جو کچھ کہا اور لکھا، وہ دوسرون سے سنی سنائی باتین تھین، لیکن اس جماعت مین یہ پہلی ہستی تھی جس نے فلسفۂ حال کے متعلق نفیاً یا اثباتاً جو کچھ کہا اور لکھا وہ اپنی ذاتی تحقیق اور ذاتی علم و مطالعہ سے،

آج ہمارے سامنے ایسے متعدد علماء کی مثالین ہین جنھون نے عربی علوم کی تکمیل کے بعد انگریزی تعلیم شروع کی، اور بی اے اور ایم۔ اے اور پی ایچ ڈی کی سندین حاصل کین، لیکن اس طرح کہ

جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

نئے رنگ نے پرانے رنگ کو اتنا پھیکا کر دیا کہ ان پر اس کا نشان بھی نظر نہیں آتا، لیکن آج ہم جس ہستی کا تذکرہ کر رہے ہین، اُس کا یہ حال تھا کہ اس کے نئے رنگ کی شوخی سے اس کے پرانے رنگ کا گہرا پن اور بڑھ گیا تھا اور اس کو دیکھکر یہ سمجھنا بھی مشکل تھا کہ یہ علی گڈھ کالج اور الہ آباد یونیورسٹی کا گریجویٹ ہو، بلکہ سچ یہ ہے کہ اس کی سادگی کو دیکھکر عوام بظاہر اس کو عالم بھی مشکل ہی باور کر سکتے تھے، مگر وہ تھی، جو اب لے زمانہ مین کوئی نہین،

ولادت | اعظم گڈھ سے دو اسٹیشن پہلے پھریہا ایک گاؤن ہے، وہی مولانا کا پدری وطن تھا، اسی پھریہا کو عربی شکل دیکر مولانا اپنے نام کے ساتھ کبھی کبھی فراہی لکھا کرتے تھے، مولانا شبلی مرحوم اور مولانا حمید الدین میرے پھوپھیرے بھائی تھے، مولانا حمید الدین کے والد مولوی عبد الکریم صاحب مولانا شبلی کے ماموں تھے، دونوں بھائیوں کی پیدائش چھ برس آگے پیچھے ہوئی، مولانا شبلی ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۷ء مین پیدا ہوئے، اور مولانا حمید الدین صاحب ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۳ء مین، مولانا حمید الدین کے حقیقی چھوٹے بھائی شیخ حاجی رشید الدین صاحب ہین، جو علی گڈھ کالج کے پرانے تعلیم یافتون مین ہین، اور سر سید کے عہد کے طالب العلم اُن سے اچھی طرح واقف ہین،

مولانا کا اصلی نام تو حمید الدین تھا، مگر وہ اس نام کو جو درحقیقت عربی قاعدہ سے لقب ہو، اپنے لئے معنوی حیثیت سے بلند سمجھتے تھے، اس لئے وہ عربی تصانیف مین اپنا نام عبد الحمید لکھتے تھے، اور تمام بڑے بڑے عالمانہ آداب والقاب کو چھوڑ کر صرف معلم کہلانا اپنے کو پسند فرماتے تھے، بنابرین، وہ اپنا نام المعلم عبد الحمید الفراہی، کتابون کی لوحون پر لکھا کرتے تھے،

تعلیم | مولانا نے پہلے حفظ شروع کیا، اور قرآن مجید کے حافظ ہوئے، اور فارسی کی ابتدائی کتابین اسی ضلع کے ایک دیہات چتارا کے باشندہ مولوی مہدی حسین صاحب سے پڑھین، اس زمانہ مین شرفا کی تعلیم کا فارسی ادب سب سے اہم جزو تھا، مولانا کو ادبیات سے فطری لگاؤ تھا، چنانچہ فارسی زبان اور فارسی ادب کا ذوق بچپن سے اُن مین نمایان تھا، اس وقت مولانا شبلی مرحوم عربی کی اعلیٰ کتابین اعظم گڈھ مین مولانا فاروق

صاحب چریاکوٹی سے پڑھ رہے تھے، مولانا فاروق صاحب اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم ہونے کے ساتھ فارسی کے بھی بہت بڑے ادیب اور استاد تھے، مولانا حمید الدین صاحب کی آمدورفت یہان بھی رہا کرتی تھی، اور یہ عالمانہ صحبتین انکو ملا کرتی تھین،

ابھی مولانا کی عمر سولہ برس کی تھی، کہ فارسی کے سب سے مشکل گو شاعر خاقانی شروانی کے تتبع مین ایک قصیدہ لکھا جس کی ردیف آئینہ اور قافیہ جوہر کیفر وغیرہ ہے، سلطان عبد الحمید خان کی مدح مین ہی، مطلع ہی

بے جلوۂ رخ تو بود مضطر آئینہ ، خار افگند بہ پیرہن از جوہر آئینہ

بعد کے شعر ہین،

گیسوے ہمچو شب تو بیارا ے دہم بصبح فرمائے تو بیا در واز خاور آئینہ

گستاخ دیدہ است بروے تو لاجرم چشم سپید یافت بدین کیفر آئینہ،

آئینہ واگذار و بیا در دو دیدہ ام، چشم بود ز آئینہ بہتر ہر آئینہ،

در بزم انس خویش چرا جاے دادۂ تا می شود برابر تو اکثر آئینہ،

کے با ضمیر شاہ شود ہمسر آفتاب

کے روے ہمچو ماہ ترا ہمسر آئینہ

۲۸ شعرون کا قصیدہ تھا، لوگون کو پڑھکر بڑی حیرت ہوئی، یہ فارسی، یہ لطف زبان، یہ شیرینی، اور یہ شکوہ دیکھکر سب کو تعجب تھا، مولانا شبلی فرماتے تھے، کہ مین نے اس کو لیجا کر مولانا فاروق صاحب کو دکھایا، اور پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ کس کا کلام ہے، اُنھون نے فرمایا یہ تو نہین بتا سکتا، مگر قدما مین سے کسی کا معلوم ہوتا ہے، مولانا شبلی نے فرمایا یہ حمید کا ہے، حیرت ہوگئی،

مولانا حمید الدین صاحب فطرۃً نہایت ذہین، نہایت طبّاع، اور نہایت دقیقہ رس تھے، انکا ذہن نہایت صاف تھا، وہ اول ہی وہلہ مین بے کج و پیچ حقیقت کی منزلِ مقصود تک پہونچ جاتے تھے، ان کا تیرِ نظر

مسائل کی تشریح اور مشکلات کے حل مین ہمیشہ نشانہ پر بیٹھیتا تھا، دماغ اتنا سلجھا تھا، کہ کتنا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو وہ اسکی اصل تہ تک پہونچ جاتے تھے، اور اگر وہ مناظرہ پر اتر آتے تو کیسی ہی غلط بات ہو وہ اسکی ایسی عمدہ عمدہ دلیلین پیش کرتے تھے کہ حریف ساکت ہوجاتا تھا، اور سمجھ لیتا تھا کہ یہ مولانا کی اصلی رائے ہی، مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ مسکرا کر فرماتے کہ یہ تو غلط تھا اصلیت یہ ہے،

فارسی کے بعد مولانا نے عربی کی تعلیم شروع کی، اور بھائی (مولانا شبلیؒ) سے عربی پڑھنے لگے، چنانچہ متوسطات تک مولانا شبلی ہی سے تعلیم پائی، مولانا شبلی جب یہان سے باہر نکلے تو یہ بھی گئے، لکھنؤ جاکر مولانا حمید الدین صاحب نے فرنگی محل مین، مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی سے کچھ پڑھا، اس زمانہ مین لکھنؤ مین خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی (پروفیسر فارسی کیننگ کالج لکھنؤ و مصنف قیصر نامہ) لکھنؤ مین فارسی کے نہایت مستند استاد اور شاعر تھے، اُن کی صحبتون مین شرکت کا اتفاق ہوتا رہا، اور ان دونون بھائیون سے خواجہ صاحب کے اس فارسی کے رشتہ سے تعلقات محبت، عزیزانہ حیثیت تک پہونچ گئے تھے، لکھنؤ کے بعد مولانا لاہور جاکر مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری سے عربی ادب کی کتابین پڑھین، اس زمانہ مین یہان نیا نیا اورنٹل کالج کھلا تھا، مولانا فیض الحسن صاحب اپنے عہد کے مشہور ادیب اسمین مدرس تھے، انکا نام سنکر دور دور سے طلبہ پڑھنے آتے تھے، لیکن مولانا حمید الدین صاحب نے مولانا فیض الحسن صاحب سے خارج مین پڑھا، اور یہین اُن کی ملاقات مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی سے ہوئی، اور وہ دوستی تک پہونچی، جو آخر تک قایم رہی، اور اسی دوستی کی کشش تھی کہ مولوی وحید الدین صاحب سلیم جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد تک پہونچے،

مولانا بیس برس کی عمر مین ۱۳۰۳ھ مین عربی تعلیم سے فارغ ہوگئے، اور عربی ادب مین بھی وہ کمال حاصل کیا کہ سچ یہ ہے کہ وہ اسمین اپنے استادون سے بھی گوے سبقت لے گئے، ان کا عربی دیوان اس بیان کا شاہد ہے،

انگریزی تعلیم اس زمانہ مین انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا، مگر یہ کفر مولانا نے توڑا، اِنچ کے طور پر انگریزی

کچھ پڑھ لینے کے بعد کرنل گنج اسکول الہ آباد مین داخل ہوگئے انٹرنس کا امتحان پرائیویٹ طور پر دے کر ایم اے او کالج علی گڈھ مین داخل ہوگئے، یہ علی گڈھ کالج کے اوج شباب کا زمانہ تھا، سرسید اس کے ناظم اعلیٰ، مسٹر آرنلڈ اور بک وغیرہ اس کے پرنسپل اور پروفیسر، اور مولانا شبلی اس کے مدرس، مولانا حالی وہان کے مقیم و ساکن تھے، ہر وقت علمی مسائل و تحقیقات کے چرچے رہتے تھے، اور ان بزرگون کی صحبتین حاصل تھین، جنمین ہر ہونہار طالب العلم کے فطری جوہر کے چمکنے کا موقع حاصل تھا، مسٹر آرنلڈ فلسفہ پڑھاتے تھے مولانا کو فلسفۂ جدیدہ کا ذوق انھین کی تعلیم سے ہوا،

اس زمانہ مین کالج کے ہر طالب العلم کو عربی و فارسی بھی لازماً پڑھنی پڑتی تھی، مگر سرسید نے ان کے متعلق مسٹر بک کو لکھکر بھیجا کہ حمید الدین عربی و فارسی کے ایسے ہی فاضل ہین جیسے آپ کے کالج کے استاد اور پروفیسر ہین، اس لئے انکو مشرقی علوم کے گھنٹون سے مستثنیٰ کر دیا جائے، چنانچہ وہ مستثنیٰ کئے گئے،

مولانا حمید الدین صاحب کی تالیف و تصنیف کا عہد طالب العلمی ہی سے شروع ہو گیا تھا، اور خود بزرگون نے فرمائش کرکے شروع کرایا، اسی زمانہ مین علی گڈھ کالج کے دینیات کے لئے سرسید نے مولانا شبلی مرحوم سے عربی مین سیرۃ نبوی پر ایک مختصر رسالہ لکھوایا تھا، جس کا نام "تاریخ بدء الاسلام" ہے، پھر مولانا حمید الدین صاحب سے اس کا فارسی مین ترجمہ کرایا، استاد و شاگرد کے یہ دونون عربی و فارسی رسالے اسی وقت چھپ گئے تھے،

سرسید کو طبقات ابن سعد کا ایک ٹکڑا وفود نبوی کے متعلق کہین سے ہاتھ آیا تھا، اس وقت تک یہ چھپی نہین تھی، سرسید نے مولانا حمید الدین صاحب سے اسکا فارسی ترجمہ کرا کے چھپوایا، اس کی زبان ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد سامانی کا کوئی نثر نویس فارسی لکھ رہا ہے،

غالباً ۱۸۹۲ء مین یا اس کے پس و پیش الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔

۱۸۹۵ء مین عربی مین ایم اے کا امتحان دینا چاہا تھا، مگر نہین دے سکے، ۱۸۹۶ء مین مدرسۃ الاسلام

لہ مکاتیب شبلی جلد دوم بنام مولانا حمید الدین صاحب خط نمبر ۱،

کراچی مین مدرسی کی کوشش کی، سر سید نے سرٹیفکٹ دیا، اسی زمانہ مین مسٹر آرنلڈ انگریزی مین عربی گرامر کی ایک مختصر کتاب ترجمہ کرانا چاہتے تھے، اس کے لئے مولانا ہی کا نام ان کے ذہن مین تھا،[2]

ملازمت | بہرحال مولانا کا تعلیمی عہد ختم ہو گیا، ۱۸۹۰ء وہ مدرسۃ الاسلام کراچی مین مدرس مقرر ہوگئے، یہ مسلمانون کا ایک انگریزی کا بہت پرانا اسکول ہے، اس کی عمارت بہت شاندار، اور اسٹاف اعلیٰ ہے، اور سندھ مین اس کو کافی شہرت حاصل ہے، مولانا اسمین ۱۸۹۶ء تک رہے، ۱۸۹۶ء مین امیر عبدالرحمان خان والی کابل ایک ترجمہ کا محکمہ قائم کرنا چاہتے تھے، اسمین ابن خلدون کا ترجمہ بھی پیش نظر تھا، اس کے لئے مولانا شبلی نے انکا انتخاب کیا، مگر کسی وجہ سے یہ تجویز عمل مین نہ آسکی، اور وہ کراچی مین بدستور رہے، اور درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھا، اسی کے قیام کے زمانہ مین ۱۹۰۰ء مین انکا فارسی دیوان شایع ہوا، اور مولانا شبلی مرحوم کے بار بار کے تقاضے سے جیسا کہ مکاتیب شبلی جلد دوم مین اُن کے خطوط سے ظاہر ہے اعلیٰ مباحث پر نقد و نظر کی طرف توجہ فرمائی، اور خصوصیت کے ساتھ قرآن پاک کے نظم و بلاغت مین انہماک پیدا ہوا، اور جمہرۃ البلاغۃ نام رسالہ لکھا جسکا خلاصہ مولانا شبلی مرحوم نے خود اپنے قلم سے الندوہ کے دسمبر ۱۹۰۵ء مین شایع کیا،

اسی زمانہ مین (غالباً ۱۹۰۲ء مین) جب اُس وقت کے ویسرائے لارڈ کرزن نے سواحل عرب اور خلیج فارس کا سیاسی بحری سفر کیا تھا، اور سواحل کے عرب شیوخ اور امرا کو اپنی ملاقات کے لئے جمع کیا تھا، تو مولانا ہی کا انتخاب ترجمان کی حیثیت سے ہوا تھا، وہ اس سفر مین لارڈ کرزن کے ساتھ تھے اور عرب سردارون کے سامنے لارڈ کرزن کی طرف سے جو عربی تقریر پڑھی گئی تھی، وہ انھین کی لکھی ہوئی تھی،

۱۹۰۶ء مین گورنمنٹ نے علی گڈھ کالج کو ایک معتد بہ عطیہ عربی تعلیم کے لئے دیا تھا، جس کے لئے شرط یہ تھی کہ اسکا پروفیسر کوئی یورپین ہو، چنانچہ جرمن فاضل یوسف ہارویز کا اس کے لئے انتخاب ہوا،

---

[1] مکاتیب شبلی جلد دوم بنام مولانا حمید الدین صاحب، خط نمبر ۲ [2] ایضاً خط نمبر ۳،

ساتھ ہی مولانا کا انتخاب مددگار پروفیسر کی حیثیت سے ہوا، اور وہ علی گڈھ چلے آئے، علی گڈھ مین بھی وہ زیادہ دن نہین رہے، بہرحال جتنے دن بھی رہے، اپنے علمی کاروبار مین مصروف رہے، ہارویز صاحب مولانا سے اپنی عربی کی تکمیل کرتے تھے، اور مولانا اُن سے عبرانی سیکھتے تھے، اور ساتھ ہی قرآن پاک کی تفسیر اور تفسیر کے مقدمہ کے اجزار کی تالیف کا کام جاری تھا،

مولانا شبلی مرحوم کے تعلق کے سبب سے، پھر خود مولانا حمید الدین صاحب کے ذاتی فضل وکمال کے باعث علی گڈھ کے علمی حلقہ سے ان کے روابط قائم ہوگئے تھے، خصوصًا نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی رئیس حبیب گنج کی ذوق آشنا اور قدر شناس نگاہون سے وہ کہان بچ سکتے تھے، چنانچہ اکثر آمد ورفت رہتی تھی، نواب صاحب ممدوح نے مولانا کی وفات کے بعد جو والا نامہ مجھے لکھا ہو اسمین رقم فرماتے ہین،

"مجھکو مولانا سے دیرینہ نیاز حاصل تھا، ابتدائی ملاقات کا ذریعہ علامہ شبلی مرحوم تھے، علی گڈھ کی پروفیسری کے زمانہ مین ملا، پھر حیدرآباد مین ...... علی گڈھ کے دور مین بھی تدبر قرآنی کا شغف جاری تھا، روزانہ ۳ بجے شب سے صبح کے نو بجے تک اسمین وقت صرف کرتے تھے، ملاقات کے وقت نتائج تحقیق بیان فرماتے، اس زمانہ مین دیگر کتب سماوی کا مطالعہ اور اسکی مدد سے مطالب قرآنیہ کا حل خاص کر پیش نظر تھا، اسی حالت مین علی گڈھ چھوڑا"

اجزا جو لکھے جاتے تھے وہ مولانا شبلی مرحوم کی خدمت مین بھیجتے رہتے تھے، اور مولانا اس کے متعلق اپنی رائے خطوط مین اور زبانی ظاہر فرماتے تھے، شروع شروع مین استاد کو اپنے شاگرد کے اس نظریے سے اختلاف تھا کہ قرآن پاک کے مطالب ومعانی مرتب ومنظم ہین، اور وہ مولانا حمید الدین صاحب کی اس کوشش کو رائگان سمجھتے تھے، لیکن جب انھون نے ان کی تفسیر کے متعدد اجزا دیکھے تو قائل ہوتے چلے گئے اور آخر داد دینے لگے، اور حوصلہ افزائی کرنے لگے، اور آخر آخر مین تو وہ مولانا حمید الدین

کی نکتہ دانی کے اس درجہ قائل ہو گئے تھے کہ قرآنی مشکلات کے حل مین وہ ان سے مشورہ لینے لگے[1] ایک خط مین لکھتے ہین :-

"تفسیر ابی لہب اور جمہرۃ البلاغہ کے اجزا بغور دیکھے، تفسیر پر تمکو مبارکباد دیتا ہون، تمام مسلمانون کو تمھارا ممنون ہونا چاہئے، بلاغت کے بعض اجزا معمولی اور سرسری ہین، ارسطو کا رد البتہ قابل قدر ہی" (جون ۱۹۰۵ء)

علی گڈھ کے قیام ہی کے زمانہ مین انھون نے اقسام القرآن لکھی یعنی اس مشکل کا حل فرمایا کہ خدا نے قرآن مجید مین قسمین کیون کھائی ہین، اس سوال کے جواب مین سب سے پہلے امام رازی نے تفسیر کبیر مین جستہ جستہ فقرے لکھے تھے، پھر ابن القیم نے التبیان فی اقسام القرآن لکھی، مگر مولانا حمید الدین صاحب کی تحقیقات نے اپنی الگ شاہراہ نکالی، اور حقیقت یہ ہے کہ اس بارہ مین انھون نے ایسی داد تحقیق دی کہ تیرہ سو برس مین اسلام مین کسی نے نہین دی، مولانا شبلی مرحوم نے اُنکے اس رسالہ کا خلاصہ نہایت مسرت اور خوشی کے ساتھ الندوہ اپریل ۱۹۰۶ء مین شایع کیا، اور عربی رسالہ اقسام القرآن کے نام سے الگ شایع ہوا اسکے بعد اس رسالہ کو مزید تحقیقات سے مؤید کرکے امعان فی اقسام القرآن کے نام سے علی گڈھ مین چھپوایا[2] اس وقت سے لیکر آج تک مختلف مدعیان تحقیق نے اقسام القرآن پر جو کچھ کہا ہی، وہ تمام تر مولانا کے خوان علم کی زلہ ربائی ہی،

اس کے بعد اگست ۱۹۰۶ء مین اقسام القرآن کے علاوہ سورہ ابی لہب اور سورہ قیامت کی تفسیرین چھپین اور اہل علم نے اُن کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، علامہ سید رشید رضا صاحب المنار مصر جو خود تفسیر لکھ رہے تھے، انھون نے ان پر مداحانہ اور معترفانہ تقریظ لکھی، اور تحسین کی ۱۹۰۶ء کے بعد جب مولانا حمید الدین صاحب کراچی یا علی گڈھ سے وطن آتے جاتے تو لکھنؤ مین بھائی

---

[1] یہ تمام مدارج مکاتیب شبلی کی دوسری جلد مین نظر آئین گے، [2] ابھی حال مین دار المصنفین نے مولینا کے اس رسالہ کو مصر سے خوبصورت ٹائپ مین چھپوایا ہی، ایک مہینہ مین امید ہی کہ ہندوستان پہونچ جائے، شاید ۸ر قیمت ہو،

کے پاس کچھ دن ٹھہر کر آتے جاتے، اور ۱۹۰۵ء سے مولانا خاص طور سے تقاضا کرکے بلواتے اور اپنے پاس ٹھہراتے، مقصود یہ تھا کہ ندوہ کے طلبہ ان سے فائدہ اٹھائین، چنانچہ انھین کے اصرار سے کئی دفعہ وہ ندوہ مین آ آ کر رہے اور طلبہ کو کبھی فلسفۂ جدیدہ اور کبھی قرآن کے سبق پڑھائے، مین بھی اس زمانہ مین ندوہ کا طالب العلم تھا، مولانا کے ان درسون سے مستفید ہوا،

اس زمانہ مین مولانا ابو الکلام صاحب مولانا شبلی مرحوم کے پاس ندوہ مین مقیم تھے، اور الندوہ کے مددگار اڈیٹر تھے، وہ مولانا حمید الدین صاحب کی ان صحبتون سے مستفید ہوتے رہے، اور قرآن پاک کے درس و نظر کے نئے راستون کے نشان پانے لگے، اور بالآخر الہلال کے صفحات مین اس جادہ پیائی کے مختلف مناظر سب کی نظرون کے سامنے آئے، اسی زمانہ مین، ندوۃ العلماء نے ان کو اپنی مجلس انتظامی کا رکن بنایا، اور آخر زمانہ تک وہ برابر رکن رہے،

مولانا حمید الدین صاحب علی گڈھ مین دو سال کے قریب رہے، اس کے بعد ۱۹۰۸ء مین الٰہ آباد یونیورسٹی مین عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، کالج کے درس کے علاوہ بقیہ اوقات وہ تالیف و تصنیف مین صرف کرتے تھے، یہین سے انھون نے سورۂ تحریم کی تفسیر شایع کی، اور خالص فارسی مین یعنی عربی الفاظ کی آمیزش کے بغیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے مواعظ کا عبرانی سے فارسی نظم (مثنوی) مین ترجمہ شروع کیا تھا، مولانا کا الٰہ آباد ہی مین قیام تھا کہ ان کے اہل برادری مین ایک نئے عربی مدرسہ کے قیام کی تحریک پیدا ہوئی، مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین صاحب مرحوم نے اس تحریک کی عنان اپنے ہاتھ مین لی اور ۱۹۱۰ء اعظم گڈھ مین مولانا حمید الدین صاحب کے قریہ پھریہا سے ایک اسٹیشن بعد سرائے میر نام مقام مین آبادی سے باہر ایک باغ مین اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی، مولانا شبلی نے اس کی نظامت کا بار مولانا حمید الدین صاحب کے کندھے پر رکھنا چاہا، ۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء کے ایک مکتوب مین وہ لکھتے ہین:-

"کیا تم چند روز سرائمیر کے مدرسہ مین قیام کر سکتے ہو، مین بھی شاید آؤن، اور اس کا نظم و نسق درست کر دیا جائے، اسکو گروکل کے طور پر خالص مذہبی مدرسہ بنانا چاہئے یعنی سادہ زندگی اور قناعت اور مذہبی خدمت مطمح زندگی ہو"[1]

اس مدرسہ نے رفتہ رفتہ ان دونون بزرگون کے زیر ہدایت ترقی شروع کی، اور یہ لوگ کبھی کبھی اس کو دیکھتے رہے،

مولانا ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء تک الہ آباد مین رہے،

حیدر آباد دکن مین دار العلوم کے نام سے ایک قدیم عربی مدرسہ تھا جس نے حیدر آباد کی علمی و تعلیمی ترقی مین کار نمایان انجام دیا تھا، اُس کا الحاق مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات سے تھا، غالباً ۱۹۰۸ء مین مدراس یونیورسٹی نے اس الحاق کو توڑ دیا، اب ریاست کے تعلیمی محکمہ کے ذمہ دار افسرون کو اس قدیم مدرسہ کے جدید انتظامات و تغیرات کی فکر لاحق ہوئی، اور اس کے لئے نواب عماد الملک مرحوم سابق ناظم تعلیمات حیدر آباد دکن، اور مسٹر الماللطیفی آئی سی ایس جو اس وقت ناظم تعلیمات تھے، اور مسٹر حیدری وغیرہ نے اہل فن کی مجلس بنائی جس کے ایک ممبر مولانا شبلی مرحوم تھے، مولانا نے اس کے لئے ایک اسکیم مرتب کی، اور ایک مشرقی یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے کی تجویز پیش کی، یہ تجویز اُسی وقت الندوہ مین مولانا نے شایع بھی کر دی تھی، مولانا شبلی مرحوم کا اُس وقت کا تخیل یہ تھا کہ عربی زبان کی یہ ایک یونیورسٹی ہوگی جسمین جدید علوم کی بقدر ضرورت آمیزش ہوگی، یہ اسکیم مدت تک زیر بحث رہی، اس اسکیم کے مطابق دار العلوم کو چلانے کے لئے مولانا حمید الدین صاحب کا انتخاب ہوا، اور وہ اُس کے صدر (پرنسپل) بنائے گئے، اور ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء کے اوائل مین الہ آباد سے حیدر آباد چلے گئے،

حیدر آباد جا کر اس نئی مشرقی یونیورسٹی کے خاکہ بنانے مین مصروف ہوئے، درس و تدریس

---

[1] مکاتیب شبلی ج ۲ ص ۳۳،

کے علاوہ مدرسہ کی انتظامی نگرانی بھی اُن کو کرنی پڑتی تھی، اُنھون نے رفتہ رفتہ مدرسہ کی ظاہری و باطنی ترقیون کی کوششین شروع کین، مسٹر الماطیفی سے اُن کے خیالات کا اتحاد نہ ہوا، بالآخر ایک دو سال کے بعد مسٹر الماطیفی کی جگہ راس مسعود صاحب نے لی، اور انھون نے اُن کے ساتھ مل کر کام شروع کیا،

مولانا شبلی مرحوم کی فرمایش سے نواب عماد الملک مرحوم نے قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کا جو کام شروع کیا تھا، وہ نصف کے قریب انجام پا چکا تھا، مگر اُسمین جا بجا نقائص تھے، نواب صاحب نے مولانا حمید الدین صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھایا، اور مدت تک یہ شغل جاری رہا، کہ مولانا روزانہ صبح کو نواب صاحب کے یہان جاتے، اور نواب صاحب باین ہمہ ضعف و پیری انگریزی ترجمہ پر مل کر غور کرتے، اور مناسب مشورہ ملنے پر اصلاح و ترمیم کرتے، اس طرح اُن کے ترجمہ کے کئی پارون پر نظر ثانی ہوئی، پھر یہ کام رک گیا، لیکن یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ نواب صاحب مرحوم کی وفات کے بعد یہ اصلاح شدہ اجزا اس طرح کاغذات مین مل گئے کہ پھر انکا پتہ نہ چلا، مینے نواب صاحب مرحوم کے خلف الرشید نواب مہدی یار جنگ بہادر کو تحریری و زبانی کئی دفعہ انکی تلاش کی طرف توجہ دلائی، مگر انھون نے اُن کے ملنے سے مایوسی ہی ظاہر کی،

مولانا شبلی مرحوم اس وقت سیرۃ نبویؐ کی پہلی جلد لکھ رہے تھے، یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کے مناظرانہ مسائل اور قرآن پاک کے استدلالات مین وہ برابر اپنے بھائی سے مشورے لیتے رہتے تھے، جو مکاتیب (۷-۵-۳) سے ظاہر ہین، سیرت جلد اول کے مقدمہ مین حضرت اسمٰعیلؑ کی سکونت اور قربانی کے متعلق جو باب ہے، اس کا مواد مولانا حمید الدین ہی نے بہم پہونچایا تھا، جس کو آیندہ چل کر مولانا حمید الدین صاحب مرحوم نے بڑھا کر اور پھر اور زیادہ استقصاء کر کے الرای الصحیح فی من ھو الذبیح کے نام سے الگ شائع کر دیا، (باقی)

دربار عادلشاہی کا ایک مشہور مورخ

رفیع الدین شیرازی مصنف تذکرۃ الملوک،

از

جناب سید احمد اللہ صاحب قادری نائب اڈیٹر رسالۂ تاریخ،

دکن مین جن باکمال ہستیون نے علم تاریخ کی قابل قدر خدمات انجام دی ہین اُن مین رفیع الدین شیرازی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، رفیع الدین کے آبا و اجداد شیراز کے رہنے والے تھے، ۹۶۷ھ مین رفیع الدین وطن کو خیرباد کرکے دہلی مین چلے آئے، اُن کے والد بزرگوار کا نام نورالدین توفیق تھا، یہ بڑے عالم وفاضل آدمی تھے، جس زمانہ مین رفیع الدین دہلی مین وارد ہوئے تھے، اس وقت ہندوستان پر اکبر کے اقبال کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اور دکن مین پانچ سلطنتین برسر اقتدار تھین جن مین بیجاپور، احمد نگر، اور گولکنڈے کے فرمان روا خاص درجہ رکھتے تھے، خاص کر داد و دہش اور علمی فیاضیون مین شاہان بیجاپور ان سب سے زیادہ مشہور تھے، اور ان کے نام کا سکہ مشرق اور مغرب مین یکسان رواں تھا، اسی باعث رفیع الدین بھی ۹۶۷ھ مین دہلی سے سیدھا (نصرت آباد) ساگر[1] مین چلا آیا اور وہان سے بیجاپور مین آکر سلطان علی عادل شاہ (۹۶۵ھ-۹۸۸ھ) کے دربار مین باریاب ہوا، بادشاہ نے اس کو اپنے پاس خوان سالار کے عہدہ پر مامور فرمادیا، اور بعد مین منصب حوالداری محلات اور خزانہ داری

[1] بیجاپور کی ایک سرکار تھا۔ دیکھو سوانح دکن از منعم خان ہمدانی مخطوطہ۔

کی خدمات بھی مزید عنایت کین،

۹۸۰ھ مین یہ بیجاپور کے مقتدر امرا مین شمار کیا جاتا تھا، اور اسوقت بادشاہ کے حکم سے محل پر متعین کیا گیا تھا۔ جب ۲۳ صفر ۹۸۸ھ کو سلطان علی عادل شاہ کا قتل ہوا تو یہ اور افضل خان شیرازی دونون بادشاہ کے فرودگاہ تک بلاپس وپیش داخل ہوگئے، مگر جسوقت محل مین پہنچے، اس وقت بادشاہ خنجر کے صدمے سے گھائل ہو کر انتقال کر چکا تھا۔

افضل[1] خان شیرازی بیجاپور کا وزیر اعظم اور رفیع الدین شیرازی کا برادر عم زاد تھا۔

۹۸۸ھ مین جب سلطان ابراہیم عادل شاہ تخت نشین ہوا تو اس وقت شہزادہ کی عمر نو سال کی تھی۔ امرا نے وزارتِ عظمیٰ کی خدمت پر کامل خان دکنی کا تقرر کرا دیا۔ اور چاند بی بی (بیگم سلطان علی عادلشاہ) شہزادہ کی نگران مقرر ہوئی۔ کامل خان نے ابتدا مین نہایت جانبازی اور مستعدی سے اس خدمت کو انجام دیا، لیکن بعد مین بعض امرا کے اغوا سے سرکش ہو گیا،

اس وقت رفیع الدین نے حفاظتِ ملک کے لئے جو تدابیر اختیار کئے تھے، وہ تاریخ مین خاص الفاظ مین لکھے گئے ہین۔

---

[1] افضل خان شیرازی ایران کا رہنے والا تھا، جب یہ آٹھ سال کا تھا، اُس وقت اس کا باپ مرگیا، ملا فتح اللہ شیرازی سے اس نے علوم کی تحصیل کی اور جب خود فاضل ہو گیا تو ہندوستان چلا آیا اور سلطان علی عادلشاہ کے زمانہ مین اپنے چند شاگردون کو ساتھ لیکر بیجاپور آیا، اس باعث اس کی بادشاہ تک جلد شہرت ہوگئی، بادشاہ نے اسے اپنے ملازمین کے زمرہ مین شامل کر لیا، اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوے اس نے بیجاپور کی وزارتِ عظمیٰ حاصل کر لی، یہ بڑا علم دوست شخص تھا اس کے دربار مین بڑے بڑے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے، خود اس کا استاد ملا فتح اللہ شیرازی بھی اسی کے باعث دکن مین چلا آیا، اس کے علاوہ عزیز الدین فضل اللہ یزدی، ملا اصفہانی، سید طرابلسی اور مرشد قلی جیسے مشاہیر علما اس کے خانوادے سے متوسل تھے، اس کے حالات دکن کی تمام تاریخون مین کثرت سے ملتے ہین،

رفیع الدین اسوقت مہتمم خزانہ تھا، کامل خان نے اس سے شاہی خزانہ سے جواہرات طلب کئے، جس پر یہ جواہرات کا صندوق لے کر کامل خان کے پاس گیا۔ اُس نے ان میں سے نہایت اچھے اچھے اور بیش قیمت جواہرات علحدہ کرلئے، اور انھیں دوسرے صندوق مین محفوظ کردیا۔ رفیع الدین نے اس وقت بڑی جراُت کرکے ان تمام کی ایک فرد تیار کرلی، رفیع الدین کی یہ حرکت کامل خان کو پسند نہین آئی، اور یہ ناخوش ہوگیا، اس کے بعد رفیع الدین اور کامل خان مین علانیہ طور پر مخالفت ہوگئی، رفیع الدین چونکہ افضل خان کا بھائی تھا۔ اس لئے کامل خان اس کو کسی قسم کا نقصان نہین پہنچا سکا،

اس سنہ مین کچھ ایسے سیاسی انقلابات پیش آئے، کہ کامل خان کو چاند بی بی نے کشور خان[۱] سے قتل کرادیا، اس خدمت پر پھر افضل خان شیرازی کو مامور کردیا۔ اب رفیع الدین کی کمان اور بلند ہوگئی۔ ابھی دنون مین نظام شاہی بادشاہ اور بیجانگر کے راجاؤن نے متحد ہوکر عادل شاہ کے بعض علاقون کو تاراج کرنا شروع کیا۔ چاند بی بی نے افضل خان شیرازی کو سرلشکر مقرر کرکے اُن کے مقابلہ کو روانہ کیا، افضل خان نے ان کو ایسی سخت اور فاش شکستین دین، کہ مدت تک سر نہ اٹھا سکے،

افضل خان چونکہ مدافعت کے لئے بھیجا گیا تھا، چاند بی بی نے عارضی طور سے اس خدمت پر کشور خان کا تقرر کردیا، کشور خان بھی بعض وجوہات کے باعث اس خدمت سے معزول کردیا گیا، جس کے بعد یہ خدمت اخلاص خان[۲] حبشی کے تفویض ہوئی، اخلاص خان اور افضل خان مین

---

[۱] بیجاپور کے امراے عظام سے تھا، اس کا تذکرہ دکن کی سیاسی تاریخ مین سنہ ۹۸۱ھ سے نظر آتا ہے، اُس نے بیجاپور مین بہت سے کارہائے نمایان انجام دئے ہین، سنہ ۹۸۸ھ مین مصطفےٰ خان کے ایک جان نثار کے ہاتھ سے مارا گیا۔ [۲] یہ بھی بیجاپور کے امراے کبار سے تھا، سنہ ۹۹۰ھ مین دلاور خان نے قید کردیا، جسکے بعد اسکی آنکھین ضائع کردی گئین، سنہ ۱۰۰۰ھ مین مرتضیٰ آباد مرچ مین بحالت قید انتقال کیا،

کسی بات پر رنجش ہوگئی تھی، دوسری وجہ اس مخاصمت کے بنا رکی مورخین یہ بتاتے ہین کہ اخلاص خان کا خیال تھا کہ دربار سے غیر ملکی امرا، کا اثر توڑے اور سلطنت کو ان لوگون سے محفوظ کرے اس ارادے کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے اس نے افضل خان شیرازی کو ایک بہانہ سے قید کر دیا، رفیع الدین چونکہ اس کا بھائی تھا۔ اس لئے یہ بھی گرفتار کیا گیا، جب رفیع الدین قید کرکے جیل خانہ مین بھیجا گیا تو اسوقت افضل خان شیرازی بھی اسی محبس مین قید تھا۔ اس کا یہ عالم تھا کہ دونون ہاتھون مین ہتھکڑیان پڑی ہوئی تھین، اور گلے مین طوق اور پاؤن مین بیڑیان ڈالی گئی تھین، رفیع الدین اس واقعہ کو اپنی تصنیف تذکرۃ الملوک مین بڑے اندوہگین طریقہ سے بیان کرتا ہے،

ابراہیم زبیری نے بھی اس سانحہ کو بساتین السلاطین مین لکھا ہے:۔

"جب رفیع الدین جیل خانہ مین بری طرح ڈالا گیا تھا، اس کا بھائی بھی وہان موجود تھا، اسکی حالت اسوقت بہت نازک تھی، اور مٹی پر بیٹھایا گیا تھا، رفیع الدین اس آفت آسمانی کو دیکھکر زار و قطار رونے لگا، اور کہنے لگا کہ کل در و دیوار جسکے آگے صف بستہ تھے، اور جسکا پیر زمین پر کبھی نہین پڑتا تھا، آج اس کا یہ عالم ہے"

رفیع الدین کے پہنچنے کے کوئی ایک ساعت بعد کئی آدمی جیل خانہ مین داخل ہوئے، اور افضل خان کو پکڑ کر باہر لے آئے، اور اُسی روز اسے عین بازار مین قتل کر دیا، نعش دو روز تک بازار مین پڑی رہی، تیسرے روز شاہ فتح اللہ شیرازی[1] کے آدمیون نے اُسے اُٹھا کر دفن کر دیا۔ اگرچہ رفیع الدین بھی اسی دن قتل کر دیا جاتا، مگر بعض اُمرا نے بڑی سعی و کوشش کرکے اُسے بچا لیا، اور چند دن کے بعد قید

[1] فتح اللہ شیرازی اپنے زمانہ کے بڑے متبحر عالم تھے، جن کو عقل حادی عشر بھی کہا کرتے ہین، افضل خان شیرازی کی سعی کے باعث شیراز سے بیجاپور مین آئے، اور افضل خان کے انتقال کے بعد دکن چھوڑ کر ۹۹۰ھ مین دہلی چلے گئے، اور اکبری ملازمین مین داخل ہو کر عضد الدولہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے، شوال ۹۹۷ھ مین اکبر کی معیت مین سری نگر کشمیر مین انتقال کیا، اکبر کو اس واقعہ کا بہت رنج ہوا۔ اور فیضی نے اس موقعہ پر ایک مرثیہ لکھا،

سے بھی رہا کر دیا گیا، اور اس کی قدیم خدمت پھر بحال ہوگئی،

۹۹۰ھ کے اوایل مین دلاور خان اور اخلاص خان حبشی مین کچھ آویزش ہوگئی اور دلاور خان نے بعض اُمراء کو اپنا شریک حال کر لیا۔ اور حمید خان بھی اسی کا ہم راز ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلاور خان اور اخلاص خان حبشی مین جنگ وجدال شروع ہوگیا، حمید خان[1] لڑائی جھگڑون کو نہایت مذموم تصور کرتا تھا۔ اس نے رفیع الدین شیرازی، حیدر خان، شیخ سالم اور مولانا دوست محمد خان کو اپنے سفیر بنا کر اخلاص خان حبشی کے پاس صلح کے لئے روانہ کیا، لیکن اخلاص خان نہایت تیز مزاج اور سخت آدمی تھا۔ اوس نے صلح نہیں کی، جس کے باعث رفیع الدین کو بے نیل مرام واپس ہونا پڑا،

۱۰۰۰ھ مین سلطان ابراہیم عادلشاہ نے رفیع الدین کو اپنی جانب سے سفیر مقرر کرکے احمد نگر مین امن قائم کرنے کے لئے چاند بی بی کے پاس بھیجا۔ اوس زمانہ مین احمد نگر کے اُمراء نہایت سرکش اور باغی ہوگئے تھے، رفیع الدین پہلے شاہ درگ مین سہیل خان[2] کے پاس گیا، سہیل خان اور بادشاہ مین کچھ رنجش ہوگئی تھی، اس نے بادشاہ کی طرف سے سہیل خان کا دل صاف کر دیا، یہان سے احمد نگر گیا، احمد نگر کی حالت اس وقت نہایت خراب تھی۔ حتیٰ الامکان اس نے قیام امن کی تدابیر اختیار کئے امراء مین اور چاند بی بی مین دو تین دفع صلح بھی کرادی۔ لیکن شورش پسند امراء نے پھر لڑائی جھگڑے شروع کردیے، رفیع الدین ان قضیون کی یکسوئی کے لئے تقریباً چودہ ماہ تک احمد نگر مین مقیم رہا۔ لیکن جب امن کی کوئی صورت نہ دیکھی تو مجبور ہو کر اُس نے یہان کی سارے حالات

[1] بیجاپور کے جلیل القدر امراء سے تھا۔ بڑا سیدھا اور صاف گو امیر تھا۔ بعد مین اس سے اور دلاور خان سے لڑائی ہوگئی،

[2] ابراہیم عادلشاہ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اُس نے مغلون کے مقابلہ مین بڑی ناموری حاصل کی تھی۔ بادشاہ نے اسے اعتقاد الدولہ کا خطاب سرفراز کیا تھا، رفیع الدین نے تذکرۃ الملوک مین لکھا ہے کہ اس کا دربار بادشاہی دربار سے کسی طرح کم نہین ہے، اس کے حالات بساتین کے مصنف نے بھی تفصیل کے ساتھ لکھے ہین،

ابراہیم عادل شاہ کے پاس لکھ بھیجے، جس پر بادشاہ نے اسے بیجاپور آنے کا حکم دیا، اس کے بعد یہ ۹۶۶ھ کے وسط مین بیجاپور چلا آیا۔

اس کے قیام احمد نگر کے زمانہ مین چاند بی بی اسے دوسرے تیسرے روز برابر یاد کیا کرتی تھی۔ اور اس کے استقبال کے لئے نظام شاہیون کیجانب سے ایک سر، سرنوبت بھیجا جاتا تھا۔

رفیع الدین کے احمد نگر سے واپس ہونے کے بعد بادشاہ نے اس کے ساتھ خاص مراعات کین اور کچھ عرصہ کے لئے یہ بیجاپور کا حاکم بھی بنا دیا گیا اور سلطان نے اسے شہزادہ محمد عادلشاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۶۷ھ) کا اتالیق مقرر کیا، اُس نے ملک کی بہت سی اصلاحین کین، جنکا تذکرہ دکن کی تمام عمومی تاریخون مین ملتا ہے،

رفیع الدین شیرازی کی مشہور تصنیف تذکرۃ الملوک ہے، جو دکن مین خاص عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، رفیع الدین نے ۱۰۱۷ھ مین تذکرۃ الملوک کو لکھنا شروع کیا، اور ۱۰۲۰ھ مین چار سال کی قلیل مدت مین اختتام کو پہنچایا، یہ نو ابواب پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

باب اوّل، سلاطین بہمنیہ کے حالات اور اُن کے محاربات، اُس زمانہ کی سیاسیات پر تبصرہ، محمود گاوان کے سوانحات بہمنی خاندان کے چودہ بادشاہون کا تذکرہ، جن مین آخر کے چار بادشاہ (احمد شاہ رابع، علاء الدین، ولی اللہ، کلیم اللہ) شامل نہین ہین۔

باب دوم، تذکرہ یوسف عادل شاہ اور اس کا سلسلۂ نسب،

باب سوم، تذکرہ اسمٰعیل عادل شاہ،

باب چہارم:۔ تذکرہ ابراہیم عادل شاہ اول، راجگان بیجانگر کی تاریخ اور اُن سے لڑائیان،

باب پنجم، علی عادل شاہ کی تاریخ جلوس اور ابتدائی معرکے، رام راج والی بیجانگر اور علی عادلشاہ کا حملہ احمد نگر (۹۶۷ھ تک)

باب ششم، شاہان گجرات کی تاریخ، اور شہنشاہ اکبر کی دکن کی فتوحات، نظام شاہی اور قطب شاہی بادشاہون کی تاریخ، چاندبی بی کی شادی، تالیکوٹہ کی لڑائی، فتح بنکاپور تک کے مسلسل واقعات (۹۸۳ھ)

باب ہفتم، سلطان علی عادل شاہ کی وفات (۹۸۸ھ) اس کے بھائی افضل خان کی سرگذشت (۹۸۹ھ) علی عادل شاہ کے بعض اذکار،

باب ہشتم، سلطان ابراہیم عادل شاہ کے حالات، اس زمانہ کی سیاست پر تبصرہ معرکہ آرائیان، اور رفیع الدین شیرازی کی سہیل خان کے پاس شاہ درگ کو روانگی، چاندبی بی کی طلبی پر احمدنگر کی جانب کوچ،

باب نہم، سلاطین مغلیہ کے حالات شہنشاہ بابر (۹۳۲ھ ۹۳۷ھ) سے نورالدین جہانگیر کے جلوس تک (۱۰۱۴ھ) سلاطین صفویہ کی تاریخ شاہ عباس صفوی کے حالات، دکن سے صفویون کی راہ و رسم ۱۰۱۸ھ تک، ملک عنبر حبشی (وفات ۱۰۳۵ھ) راجو دکنی کے تذکرے، ایلورے کے غار دکن پر شاہزادہ پرویز بن جہانگیر کی تاخت و تاز یعنی حملہ اسیر گڈھ،

تذکرۃ الملوک سلاطین بیجاپور کی نہایت مبسوط اور مستند تاریخ ہے اور فرشتہ کی تاریخ پر بھی اہمیت رکھتی ہے، اس کا مصنف جس قدر بار رسوخ واقع ہوا تھا۔ فرشتہ کو بیجاپور مین وہ درجہ حاصل نہین تھا، بلکہ یہ خود اسی کے خانوادے کا خوشہ چین تھا۔ فرشتہ ابتداءً مین احمد نگر مین رہا کرتا تھا۔ ۹۹۸ھ مین یعنی سلطان علی عادلشاہ کی وفات کے دس سال بعد بیجاپور مین آیا، اور سلطان ابراہیم عادل شاہ کے حکم سے تاریخ لکھنا شروع کی اور ۱۰۱۵ھ مین ختم کیا، بخلاف اس کے

رفیع الدین شیرازی بیجاپور مین ۹۶۲ھ سے مقیم تھا، اس نے علی عادل شاہ کو بھی دیکھا تھا، اور اس کی برسون ملازمت کی تھی اس بنیاد پر جیسا کہ یہان کے حالات سے یہ باخبر تھا کوئی اور دوسرا مورخ ایسا واقف نہین تھا، فرشتہ بیجاپور مین آنے کے تقریباً دس پندرہ سال بعد تاریخ فرشتہ کو ترتیب دینا شروع کیا برخلاف اس کے رفیع الدین نے پچاس سال کے تجربات کے بعد اپنی کتاب کی بنیاد رکھی، فرشتہ نے عادلشاہیون کے کوائف کے لئے صرف چند صفحات وقف کئے ہین، لیکن رفیع الدین نے پوری کتاب انھی بادشاہون کے حالات مین لکھی ہے،

شاہان بیجاپور کے متعلق جسقدر مفید معلومات تذکرۃ الملوک سے اخذ ہوسکتی ہین، وہ کسی اور تاریخ سے میسر نہین ہوسکتین،

تذکرۃ الملوک کے تصنیف ہونے کے بعد جس قدر مصنفین نے بیجاپور پر لکھا ہے، ان سبھون نے قریب قریب تذکرۃ الملوک سے فائدہ اٹھایا ہے،

۱۲۴۰ھ مین محمد ابراہیم زبیری نے بساتین السلاطین کے نام سے بیجاپور کی ایک تاریخ لکھی ہے، اس کا سب سے بڑا ماخذ تذکرۃ الملوک ہے اور بعض جگہ اس سے اصل عبارتین بھی نقل کرلی ہین، یہ کتاب انگریزون کے بیجاپور پر تسلط پانے تک کے حالات پر مشتمل ہے،

ملا ظہور بن ملا ظہوری نے محمد نامہ مین رفیع الدین کو درباری مورخ لکھا ہے،

میجر کنگ (M. KING) نے برہان المآثر سے صرف سلاطین بہمنیہ کے حالات ترجمہ کئے تھے، اس مین ضمناً تذکرۃ الملوک کے مختلف اجزا جو بہمنیون سے تعلق رکھتے ہین شامل کردئیے ہین، یہ مضمون انڈین انٹی کویری مین شائع ہوا تھا اسکے بعد لوزک کمپنی لندن نے اسے بصورت کتاب ۱۸۹۹ء مین شایع کیا ہے،

تذکرۃ الملوک کا ایک نہایت نفیس اور خوشخط نسخہ ہمارے یہان موجود ہے جس کو ہم عنقریب شائع کرنے والے ہین، اور اس کا بہت بڑا حصہ چھپ چکا ہے،

روضۂ تاج محل کی تعمیر

اور

اس کے طرّاح و معمار

از مولوی عبداللہ صاحب چغتائی، لیکچرار اسلامیہ کالج لاہور

مولوی عبداللہ صاحب نے گذشتہ سال عثمانیہ یونیورسٹی کی مجلس تاریخ کے دہ سالہ جشن میں اس موضوع پر ایک مضمون پڑھا تھا، جس کا اختصار ہدیۂ ناظرین ہے، مولوی صاحب عنقریب اس مضمون کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں مع تصاویر شائع کرینگے،

"معارف"

ارجمند بانو بیگم جو ممتاز محل کے لقب سے مشہور ہے آصف خان یمین الدولہ بن مرزا غیاث بیگ طہرانی کی لڑکی تھی، سنہ ۱۰۰۰ھ مطابق سنہ ۱۵۹۴ء میں پیدا ہوئی، اور ۱۹½ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۲۱ھ میں شاہجہان کے ساتھ جب کہ شاہجہان کی عمر تقریباً ۲۱ سال کی تھی اسکی شادی ہوئی، اس کے بطن سے کل ۱۴ اولادیں پیدا ہوئیں جنمیں سے آٹھ لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں اورنگ زیب عالمگیر اسی کے بطن سے تھا، اس نے برہانپور میں ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۷ مئی سنہ ۱۶۳۱ء کو انتقال کیا، بیبدل خان نے نہایت عمدہ تاریخ وفات کہی "جائے ممتاز محل جنت باد" ملا عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے کہ بادشاہ پر اس صدمۂ جانکاہ کا اسقدر اثر پڑا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد فرط غم سے تمام بال سفید ہوگئے، اور ملا محمد صالح کمبوہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ اس حادثہ کے بعد ہر سال جب ذیقعدہ کا مہینہ آتا تو بارگاہ شاہجہان میں تعزیت کا سامان ہوتا بادشاہ سفید پوش اور تمام امرار ماتمی لباس میں ملبوس

ہوتے، صحیح ہے،

غم بادشاہان غم کشور لیست

اوّل اوّل اسکی لاش کو برہانپور ہی کے باغ زین آباد مین امانۃً دفن کیا گیا، لیکن بعد مین ۱۷ جمادی الاولی ۱۰۴۱ھ مین اُس کو اکبرآباد مین منتقل کر لیا گیا اور ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۴۱ھ مطابق دسمبر ۱۶۳۱ء کو ۶ ماہ تک اُس کو صحن باغ مین امانۃً سپردِ خاک کیا، اس کے بعد وہ اصل مقبرہ مین جو اب تاج محل کے نام سے مشہور ہے دفن کیگئی،

بادشاہ نے اُس قطعۂ زمین کو جہان اس وقت مقبرہ نظر آتا ہے، راجہ جے سنگھ نبیرۂ راجہ مان سنگھ سے حاصل کیا، اور اس کے عوض اُس کو ایک دوسرا وسیع قطعۂ زمین عنایت کیا، بظاہر اس مقام کے انتخاب کے دو سبب معلوم ہوتے ہین، ایک تو یہ کہ وہ دریاے جمنا کے کنارے واقع ہے، دوسرے یہان سے قلعہ کا منظر اور قلعہ سے یہان کا منظر نہایت واضح طور پر نظر آتا ہے،

روضۂ ممتاز محل کی تعمیر ۱۰۴۱ھ مین شروع ہوئی اور ۱۰۵۲ھ مین پورے بارہ سال مین تکمیل کو پہنچی، تکمیل کے بعد بادشاہ خود امراء و مقربین دربار کے ساتھ اس کے دیکھنے کے لیے تشریف لائے، اور جیسا کہ بادشاہ نامہ و عمل صالح مین مذکور ہے غرباء و مساکین کو خیرات کثیرہ سے بیگم کی یاد مین مالامال کر دیا،

اس روضہ کے متعلق ایک مصور کا خیال ہو کہ "شاہجہان کی آنکھون مین بیگم کی وفات سے جو آنسو بھر آئے اُن مین سے ایک قطرہ منجمد ہو کر سنگ مرمر کے روضہ مین تبدیل ہو گیا" یہ تو ایک شاعرانہ خیال ہے، لیکن درحقیقت یہ روضہ دنیا کی عمارتون مین بے مثل تسلیم کیا گیا ہے، اور اسی بنا پر فرانسیسی، اطالوی، ارمنی، پرتگالی وغیرہ سب اسکی تعمیر کا فخر حاصل کرنا چاہتے ہین، اور اُنھون نے اپنی پوری طاقت یہ ثابت کرنے کے لیے صرف کر دی ہے کہ یہ روضہ انھی کے ملک کے صناعون کا بنایا ہوا ہے، لیکن یہ دعوے بالکل بے بنیاد ہے، اور ہم اسکی تردید نہایت تفصیل کے ساتھ کرنا چاہتے ہین،

شاہجہان بحیثیت ماہر فن تعمیر

فن تعمیر کا سب سے بڑا دلدادہ نورالدین جہانگیر شاہ تھا، اس لیے اُس کے لڑکے شہزادہ خرم میں جو بعد کو شاہ جہان کے لقب سے مشہور ہوا ابتدا ہی سے فن تعمیر کا ذوق پیدا ہوگیا تھا، یہی وجہ ہے کہ شالامار باغ کشمیر کی تعمیر کا اہتمام جہانگیر نے جیسا کہ تزک جہانگیری اور عمل صالح دونوں میں ہے شاہ جہان کے سپرد کر دیا تھا، خوش قسمتی سے تاج کی تعمیر سے پہلے دو روضے جو اس سلسلے میں اہمیت رکھتے ہیں تعمیر ہو چکے تھے یعنی دہلی میں مقبرۂ ہمایون اور لاہور میں مقبرۂ جہانگیر، اول الذکر تو بغیر میناروں کے تعمیر ہوا ہے جس کے درمیان میں نصف کروی شکل کا ایک گنبد ہے جس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ تاج اسی کے نمونہ پر بنایا ہوا، اور دوسرا جہانگیر کا مقبرہ جس میں درمیانی گنبد تو نہیں ہے مگر چاروں کونوں پر مینار موجود ہیں، معاصر مورخین کا بیان ہے کہ ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۳۲ء میں جب تعمیر روضہ کا انتظام شروع ہوا تو اس وقت ممتاز بیگم کا باپ باوجود ناسازی صحت کے شاہ جہان کے ہمرکاب تھا، روایت کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ماہرینِ فن سے مشورہ کیا اور مشورہ کے بعد ایک لکڑی کا نمونہ بنا کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا جو بعد میں منظور ہوا اور اسی نمونے پر روضہ کی تعمیر ہوئی،

تاج کے معمار

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روضہ کی بنیاد کس نے ڈالی؟ معاصر مورخین شاہجہان ملا عبد الحمید لاہوری اور محمد صالح کمبوہ دو شخصوں کے نام بتاتے ہیں، ایک میر عبد الکریم اور دوسرے ملا مرشد شیرازی جو جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آیا اور جسے مکرمت خان کا لقب دیا گیا اور اسی کے زیر اہتمام تاج تعمیر ہوا ایک اور تیسرا نام امانت خان شیرازی طغرا نویس کا بھی ملتا ہے، چنانچہ تاج کے دروازہ پر کتبہ کندہ ہے "فقیر الحقیر امانت خان شیرازی فی ۱۰۴۸ھ ہزار چہل وہشت ہجری"

دوازدہم جلوس مبارک،

مسٹر ڈبلیو ٹاٹن ہاٹسفیلڈ نے ۲۷ مئی ۱۹۲۳ء کے اسٹیٹسمین مین "تاج کے طراحین اور عام مغالطے" کی سرخی سے ایک طویل مضمون سپرد قلم کیا تھا، جس مین دو چند معمارون کے نام اور بتاتے ہین، چنانچہ وہ لکھتے مین کہ تاج کی بنیاد ایک ایرانی محمد عیسیٰ آفندی نے ڈالی جس کے ساتھ امانت خان شیرازی محمد حنیف بغدادی اور مکرمت خان (مخلص خان) ایرانی شریک تھے، سنگ بنیاد سے لیکر چوٹی تک تاج بالکل اسلامی طرز رکھتا ہے اور اس مین وینسی یا فلورنساوی طرز کا شائبہ نہین ہے،

تاج کے علاوہ شاہجہانی عہد مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، وہ بھی ان ہی بعض کے زیر اہتمام تعمیر ہوئین، چنانچہ قلعۂ لاہور کا دروازہ جو عہد شاہجہان مین ۱۰۴۱ھ مین ازسرنو تعمیر ہوا، اسکی پیشانی پر ایک بہت بڑا کتبہ اشعار مین ہے، اور اس کے آخر مین باہتمام میر عبدالکریم لکھا ہے،

بندہ یکدل مرید معتقد عبدالکریم،

بعد اتمام عمارت یافت این تاریخ سال

دائما چون دولت این بادشاہ جم سپاہ

این ہمایون برج عالی باد از آفت زوال

۱۰۴۱ھ جلوس

اور شاہجہان آباد دہلی کا قلعہ مکرمت خان کے اہتمام سے تعمیر ہوا جس کی عام تاریخی کتابون سے تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ خافی خان اپنی تاریخ منتخب اللباب صفحہ ۶۲ مین لکھتا ہے کہ "علی مردان خان نے پشاور مین ایک مسقف بازار اصفہان کی طرز پر تعمیر کیا اور اس کے کونون پر مثمن برج بنوائے، اس کا مطرح اس نے مکرمت خان شیرازی کے پاس دہلی روانہ کیا جبکہ قلعہ دہلی اس کے زیر اہتمام تعمیر کیا جا رہا تھا،

ان تمام معمارون کے علاوہ شاہجہان اور ممتاز بیگم کے والد یمین الدولہ کا ذوق تعمیر اس پر مستزاد

تھا، چنانچہ سال ہفتم سلطنت کے کشمیر جاتے ہوئے جب شاہ جہان لاہور سے گذرا ہے اور دار السلطنت لاہور کے قلعہ مین بعض تبدیلیون کی خواہش کی ہے تو محمد صالح کمبوہ نے اس کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے:۔

"پس از پرداخت این معانی بمرمت اندیشی عمارات دولت خانہ دار السلطنت کہ از دیر باز کسے بدان نپرداختہ بود توجہ تمام مبذول داشتند، بنابر آنکہ عمارات غسل خانہ و خوابگاہ در اصل باعتبار طرح و وضع دل پسند و خاطر خواہ آنحضرت نبود معماران ہندسہ پرداز حسب الامر اعلیٰ بتازگی طرحہائے غریب نظر فریب رقم نمودہ از نظر مشکل پسند گذرانیدند، در رنگ ریختن و بنا نہادن باتمام رسانیدن طرحے کہ ازان جملہ مختار افتادہ بود باہتمام وزیر خان و سائر متصدیان لاہور باز گذاشتند، طرح عمارات شاہ برج کہ در عہد حضرت جنت مکانی طرح افگندہ ساختہ آمدہ از رنگ طرحہائے تازہ کہ بخاطر اقدس رسیدہ بود ریختند، و شرح کمیت و کیفیت آن یمین الدولہ کہ درباب طرحہائے و تصرفات دریں ید طولی دارد حسب الامر اعلیٰ از دستخط خود بر ہمان طومار مطرح ثبت کردہ بمہندسان سپرد کہ عمل آن دستور العمل را دستور العمل سازند۔"

اوران سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونون فن تعمیر کے کس قدر ماہر تھے اور ایرانی طرز پر کام کرنے والے کس قدر ماہر فن معمار دربار مین موجود تھے، ان تاریخی روایات کے علاوہ تاج مین بعض ایسی اندرونی خصوصیات موجود ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خالص اسلامی طرز کی عمارت ہے اور اس کو مسلمان معمارون نے تعمیر کیا ہے، مثلاً

گنبد

جس کی نسبت میرا خیال ہے کہ مشکل سے کوئی شخص مجھ سے اس بات مین اختلاف کریگا، کہ "تاج محل" غالباً ہندوستان مین پہلی عمارت ہے جس مین مسلمانون نے وہ ہرا بلب نما تاتاری گنبد بنایا، اگرچہ تاریخ اس بات کو بالکل واضح نہین کرتی کہ "تاج" واقعی علی مردان خان کا طرح کردہ تھا، مگر یہ بات قابل غور ہے

کہ تاج کی عمارت اُن اسلامی عمارات سے بالکل مشابہت اور مطابقت رکھتی ہے جو کہ شیراز اور سمرقند مین اس وقت تعمیر کی گئی تھین ایران مین ہم بے شمار ایسی عمارات دیکھتے ہین جو تاج سے مشابہ ہین اور جنھین خالصًا ایرانی مسلمانون نے تعمیر کیا، غالبًا انھین روایات کے تحت مین تاج مین گنبد خصوصیت سے شامل کیا گیا، اور اسی گنبد پر تمام عمارات کا انحصار ہے جیسا کہ بغداد کی جامع مسجد مین جو کہ ابو جعفر المنصور عباسی کی بنا کردہ ہے اور جس کی تعمیر کہا جاتا ہے کہ بعد مین ہوئی وہی بلب نما گنبد نظر آتا ہے،

مگر اس قسم کا سب سے بڑا نمونہ جو شاہجہان کے سامنے تھا وہ ان کے اپنے الوالآبا تیمور کا مقبرہ تھا جو ۱۴۰۵ء مین سمرقند مین تعمیر ہوا تھا اس مقبرہ کے گنبد کی اندرونی بناوٹ اور ساخت بالکل تاج کے گنبد سے ملتی جلتی ہے، اس کے علاوہ ترکستان مین تیمور کی مسجد اس کے روضہ کی تعمیر سے ایک سال پہلے تیار ہوئی وہ بھی تاج کے مشابہ ایک گنبد لیے ہوئے ہے، تیمور کے روضہ کے معمار اعلیٰ کا نام محمد بن محمود اصفہانی اور اس کی مسجد کے معمار کا نام خواجہ حسین شیرازی تھا، غرضکہ ہمارا خیال کہ ان ایرانی عمارات کو خالص ایرانی مسلمانون نے تعمیر کیا ہے اس اندرونی شہادت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے،

ہمین اس "تاج" کے گنبد کا بلب نما نمونہ دوسری حالت مین سوائے دمشق اور ایران کے اور کہین نہین ملتا جو کہ اس تاج سے پہلے تعمیر کئے گئے،

نظریہ پرچین کاری

غرضکہ ان تمام شہادتون سے ثابت ہوتا ہے کہ تاج کی تعمیر مین کسی یورپین معمار کو دخل نہین ہے، لیکن تاج مین پرچین کاری کا جو کام پایا جاتا ہے اسکی بنا پر بعض یورپین مورخین کا خیال ہے کہ یہ صنعت اطالوی صناعون کا کارنامہ ہے، چنانچہ مسٹر فرگسن اپنی تاریخ مین صفحہ ۳۰۶ پر تحریر کرتے ہین،

"ابتدائے ۱۷ صدی عیسوی مین اطالوی حسن کار خصوصیت سے فلورنس سے ہندوستان مین لائے گئے اور یہ کہا جاتا ہے کہ انھون نے ہندوستانیون کو سنگ مرمر مین کھود کر پرچین کاری کرنا اور اس مین قیمتی

پتھر سمونا سکھایا"

لیکن مسٹر ہرجیس اس کی تردید مین لکھتا ہے:-

"اگرچہ ہندوستان مین مغلیہ زمانہ کے دو آخری بادشاہون کے زمانہ مین اطالوی حسن کار خدمت پر تھے مگر کوئی شہادت نہین کہ وہ کسی اعلیٰ منصب پر سرفراز تھے، جبکہ حسن کاران شیراز و بغداد و سمرقند اور قسطنطنیہ اپنے فن مین مہارت تامہ رکھتے تھے وہ اس تعمیر تاج مین موجود تھے بہت ممکن ہے کہ تاج محل کی علی مردان خان نے طرح ڈالی ہو۱؎"

اس اطالوی نظریہ کی تردید مین سرجارج برڈوڈ اپنی کتاب انڈین آرٹس مین لکھتے ہین:-

"تاج کی پرچین کاری ہرگز فلورنس کی طرز کی نہین ہے، بلکہ ہندوستانی مغل زمانہ کی پسندیدگی کے مطابق ہے۔ شاہجہان شہنشاہ ہند کے علاوہ کسی دوسرے غیر ملکی حسن کار کے مذاق و ذوق کا ہرگز ہرگز تتبع نہین ہے"

اس کی تائید مین سرجان مارشل اپنی رپورٹ ۳-۱۹۰۲ء مین مانڈو کے بیان مین لکھتے ہین:-

"پرچین کاری معمولی حالت مین بہ نسبت اس کے جو آجتک معلوم ہوئی ہے روضہ خلجی پر مانڈو وسط ہند مین ملی ہے، اس کو اطالوی فن قرار دینا ٹھیک نہین ہے کیونکہ محمود خلجی جس کی یاد مین یہ روضہ بنایا گیا سنہ ۱۴۷۵ء مین فوت ہوا تھا"

ان اقتباسات سے پرچین کاری کا غیر اطالوی ہونا ثابت ہو گیا، ان تین ماہرین اثریات میں سے، جنھون نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بسلسلۂ ملازمت ہندوستان مین گذارا ہے، ان سب کی تحقیقات کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پرچین کاری مین ہرگز ہرگز کسی یورپین یا غیر ملکی ماہر فن نے حصہ نہین لیا، اور نہ کوئی غیر ملکی ماہر فن ہی اس وقت یہان موجود تھا، بلکہ آگرہ ہی مین ممتاز محل کے جد امجد اعتماد الدولہ کا جو روضہ ہے اس پر جو پرچین کاری

۱؎ یہ اگرچہ درست ہے کہ علی مردان خان بہت بڑا مہندس وقت تھا مگر اس کا تاج کے نقشہ سے کوئی تعلق نہین ہے کیونکہ یہ ہندوستان مین سنہ ۱۶۳۸ء مین آیا جبکہ تاج کی عمارت کو شروع ہوئے ۸ سال ہو چکے تھے۔

کا کام ہے وہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ہندوستان کے لوگ روضہ تاج محل کی تعمیر سے پہلے ہی اس فن کے بہت بڑے ماہر تھے،

مسٹر ڈبلو ناٹن ہافسٹینڈ نے ۷ ر مئی ۱۹۲۳ء کے اسٹیٹسمین (STATESMAN) مین "تاج" کے طراحین اور عام مغالطے" کی سرخی سے ایک طویل مضمون سپرد قلم کیا تھا، اس مین وہ کہتے ہین :-

"پرتگالی پیشوایان مذہب سباسٹین مینرق اور جوزف ڈی کاسٹرو کی سند سے ہمین باور کرایا جاتا ہے کہ آگرہ کے "تاج" کی طرح ایک اطالوی جیرو نیمو ویرو ڈوسنے ڈالی اور پرچین کاری (PIETRADURA) کی آرایش فرانسیسی آگسٹیاں ڈی بورڈو کی نگرانی مین کرائی گئی، میرا اپنا یہی عقیدہ تھا، مین نے اپنے دوران قیام آگرہ مین اس کا بغور مطالعہ کیا،

غالبًا یہ فرانسیسی وہی ہے جسے شاہجہان نے دجیانگر کے تخت کے نمونہ کا تخت طاؤسی بنانے کے لیے مقرر کیا تھا، مگر کوئی شہادت قابل اطمینان دستیاب نہین ہوتی کہ اس نے "تاج" کی طرح ڈالی یا اس کے دوران تعمیر مین نگرانی کا کام سرانجام دیا، یہ فن تعمیر ایرانی دبستان سے تعلق رکھتا ہے، اگر یہ کام اس فرانسیسی سے سرانجام ہوا ہوتا تو اس کے ہم وطن برنیر، تیونو، ٹیوریز وغیرہ اپنی کتابون مین ضرور اس کا تذکرہ کرتے، اور بالخصوص مؤخر الذکر جس نے اپنے عہد کا مفصل حال لکھا ہے، اس مین کوئی شک نہین کہ اطالوی شخص بسلسلۂ ملازمت مغلیہ خاندان کے زمانہ مین یہان موجود تھا، اور اسی نے ۱۶۴۰ء مین انتقال کیا اور پرانے قبرستان آگرہ مین دفن کیا گیا، جہان اب بھی اس کی قبر موجود ہے، "تاج" کی طرح ایک ایرانی محمد عیسیٰ آفندی نے ڈالی جس کے ساتھ امانت خان شیرازی، محمد حنیف بغدادی اور مہندس خان (مخلص خان) ایرانی شریک تھے، سنگ بنیاد سے لیکر چوٹی تک تاج" بالکل اسلامی طرح رکھتا ہے اور اس مین دینسی یا فلورنساوی طرز کا شائبہ بھی نہین ہے،

مسٹر فنیسٹم آنجہانی نے کچھ دنون قبل مجھے آگرہ سے لکھا تھا:-

مین آپ کے ساتھ اس خیال مین متفق ہون کہ "تاج" کی طرح اندازی یا تعمیر کے ساتھ ایک اطالوی یا فرانسیسی کے نام کی وابستگی بالکل بے بنیاد دلایل پر مبنی ہے، اس کے دونون پہلوؤن کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، مگر میرے ہان ایسا مواد ہے جو اس نظریہ کا جواب پیش کرنا چاہتا ہے، میری بھی وہی رائے ہے جو آپ کی ہے، دونون غیر ملکی نامون کو "تاج" کی طرح اندازی سے کسی زمانہ مین بھی کچھ تعلق نہین رہا، اور یہ کہ اس کا طرّاح اور معمار استاد عیسیٰ ہی ہے جیسا کہ آگرہ مین مشہور ہے، "تاج" کا خاکہ بالکل اسلامی یا مشرقی ہے

حال ہی مین اطلاع ملی ہے کہ ترکی کے فاضل محمد ثریا نے ایک کتاب سجل عثمانی کے نام سے شائع کی ہے، اس مین محمد عیسیٰ کی مکمل سوانح عمری لکھی ہے، افسوس ہے کہ وہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی،

ہمعصر یورپین سیاحون کی رائے

شاہجہان کے عہد مین تین سیاح کے اسما ملتے ہین، اور ان مین سے دو کے سفرنامہ مطبوعہ بھی ملتے ہین، لیکن ان مین ہمین جیسا کہ متذکرۂ بالا بیانات مین دیگر یورپین نقادانِ فن نے بھی ہماری تائید کی ہے، کسی یورپین صاحب فن کا "تاج" کی تعمیر کے سلسلہ مین نام نہین ملتا، بلکہ خود ان سیاحون کی مندرجۂ ذیل رایون سے جو کچھ واضح ہوتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے،

(۱) موسیو تھیونو (THE NENOT) "یہ عجیب و غریب عمارت اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ ہندوستان کے باشندے فن تعمیر سے نابلد نہیں ہین، اگرچہ طرز تعمیر یورپ کے لئے اجنبی ہے، یہ اعلیٰ مذاق ہے اور یونانی یا دوسرے قدیم فن سے متمیز ہے، دیکھنے والا بھی کہہ سکتا ہے، کہ یہ بہت ہی نفیس نمونۂ تعمیر ہے"،

برنیر و ٹیورنیر (BERNIER & TAUERNIER) "سب سے اخیر دفعہ مین نے اس کو جا کر دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیسی سوداگر بھی تھا، اور میری طرح اس کی بھی یہی رائے تھی کہ یہ ایک ایسی

عمارت ہے کہ جس کی کامل طور پر تعریف نہین ہو سکتی، مگر مین کچھ نہین کہتا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندوستان مین مدت سے رہنے کے سبب میرا مذاق بگڑ گیا ہو، لیکن میرا رفیق جو نو وارد تھا اس نے یہ کہا کہ تمام فرنگستان مین ایسا حیرت افزا اور عـزم و شان کا مکان مین نے کوئی نہین دیکھا"

وہ موسی دی لاماتھی سے وارسے وزیر فرانس کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ "یہ عمارت ایک خاص اور نرالی ہی وضع رکھتی ہے لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہین۔ اور میری رائے مین بالضرور اس قابل ہے کہ ہماری فن تعمیر کی کتابون مین جگہ پائے، اور اس کا تصفیہ مین آپ پر چھوڑتا ہون، لیکن مین جو یہ کہہ رہا ہون کہ یہ مقبرہ ایک حیرت افزا عمارت ہے کیا یہ سچ نہین ہے۔ مین یقینی طور پر یہ کہتا ہون کہ یہ مکان اہرام مصر کی بہ نسبت جو ان کھُرّے پتھرون کے ڈھیر ہین، اور باہر کی طرف سے بجز اس کے کہ زینہ کی طرح نیچے اوپر رکھکر پتھرون کا ڈھیر لگا دیا گیا ہے کچھ نہین ہے، اور جن کی اندرونی ساخت بھی بالکل معمولی ہے، جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو، دنیا کے عجائبات مین شمار کئے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے،

نتیجہ

متذکرۂ بالا بیانات سے مین نے دو امور پر زور دیا ہے، یعنی نہ تو کسی یورپین کا تعمیر "تاج" مین دخل ہے، اور نہ اس مین غیر اسلامی عنصر شامل ہے، یہ نتیجہ مختصر او جوہات ذیل پر مبنی ہے:-

(۱) شاہجہان بذات خود بہت بڑا ماہر فن تعمیر تھا،

(۲) یہ روضہ میر عبدالکریم اور مکرمت خان شیرازی وغیرہ کے زیر اہتمام تعمیر ہوا، جو ماہر فن تھے،

(۳) علی مردانخان اور آصف خان جن کو قرب شاہجہانی حاصل تھا، بہت بڑے طرّاحان فن تھے،

(۴) ان سب ماہرین کے کارنامے ہندوستان مین ملتے ہین، جو بالکل طرز فن مین متمیز

اسلامی ایرانی ہین،

(۵) مین نے دیگر محققین کی آرا کو بھی آپکے سامنے پیش کر دیا ہے جو بالکل متفق ہین کہ کسی یورپین کا وجود دوران تعمیر تاج ؔمین یہان نہین تھا،

(۶) مین نے داخلی اور خارجی دلائل سے بھی بحث کر دی ہے،

(۷) سب سے بڑھ کر طرز تعمیر کا تقابل بھی پیش کر دیا ہے،

غرضیکہ ان سب امور کو مدنظر رکھ کر میرا خیال ہے کہ تاج ؔایک مسلمان کا طرح شدہ ہے، جس کے دل مین سوز تھا اور مرنے والی بیگم کی محبت تھی، اور اسی کو سزاوار تھا کہ وہ مرحومہ کے روضہ کی طرح ڈالتا،

"گنجینۂ تحقیق"

از مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ اعظم گڈھ،

(۳)

پانچوین صورت اخذ و استفادہ کی یہ ہے کہ متقدم کے ایک خیال کی مدد سے کوئی دوسرا جداگانہ خیال اُس سے مغائر یا متضاد یا مماثل پیدا کیا جائے، مثلاً غالب کا شعر یہ ہے:-

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لون
ہر اک سے پوچھتا ہون کہ جاؤن کدھر کو مین

اس شعر کو پیش نظر رکھکر حضرت فانی نے ایک دوسرا لطیف تر اور بالکل مغائر خیال پیدا کیا ہے،

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھون نہ خضر سے بھی کہ جاؤن کدھر کو مین

مثلاً حسب ذیل اشعار:-

امرء القیس مکر مفر مقبل مدبر معاً
کجلمود صخر حطہ السیل من عل

سہیل اگر چلنا تو نقش پا بھی لغزش سے مٹا دینا
نہین زیبا کسی کو کوے جانان کا پتا دینا

(عرفی) طفیان نازبین کہ جگر گوشۂ خلیل خود زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

اے سوزِ ناتمام کہاں جائے اب خلیل

(سہیل) آتشکدہ کو بھی تو گلستان بنا دیا

یہ بات ہر کس و ناکس کے بس کی نہین ہے، بلکہ صرف چند باکمالون کے لیے مخصوص ہے اور وہ بھی مدت کی مشق و ممارست کے بعد حاصل ہوتی ہے، غالب کے ہان اسکی مثالین بکثرت ہین اور یہی غالب کا سب سے بڑا کارنامہ ہے،

مثلاً عشاقِ ہوس پیشہ کا خیال ہے کہ برسات کی کالی کالی راتین بے مے و معشوق بسر کرنا قیامت ہے، غالب بھی برسات کی اندھیری راتین گذارنا دشوار سمجھتا ہے، مگر اسکی وجہ اور بتاتا ہے :- ؎

کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تارِ برشگال ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ پہلا مصرعہ سنکر سامع کے ذہن مین وہی قدیم خیال پیدا ہوتا ہے، لیکن جب دوسرے مصرعہ مین غیر متوقع طور پر ایک نئی اور اچھوتی بات معلوم ہوتی ہے تو روح کو غیر معمولی سرور حاصل ہوتا ہے، یہی اندازِ بلاغت ہے جو حسب ذیل اشعار مین ملحوظ رکھا گیا ہے،

عشق اگر غم داد و جان و دل ستد عیشش مکن

(عرفی) بیع اوّل بود و آشوبِ خریداری نبود

پہلے مصرعہ سے جو خیال ذہن مین قائم ہوتا ہے وہ یہ کہ عشق کو اس گران فروشی کے لیے الزام نہ دینا چاہیئے، مگر دوسرا مصرعہ اس سے بالکل مخالف خیال یعنی الزامِ ارزان فروشی کی توجیہ کرتا ہے، بعض جگہ ذو معنیین استفہام سے بلاغت پیدا کیجاتی ہے مثلاً بابا فغانی فرماتے ہین،

ای کہ می گوئی چرا جامے بجانے می خری این سخن باساقیِ ما گو کہ ارزان کردہ است

(علامہ شبلی) یارمی پرسید شبلی را کہ چون برباد رفت مشتِ خاکے در ہوا ئیش پریشان کردہ ام

چون کے معنی (کس وجہ سے) اور (کس طرح سے) دونون ہوتے ہین، یہان محبوب تجاہلِ عارفانہ کے

انداز مین عاشق کی بربادی کا سبب پوچھتا ہے اور سامع چونکہ سبب بربادی کو بدیہی سمجھتا ہے اس لیے استفہام کے دوسرے معنی مین جواب دیتا ہے، اور بربادیِ عاشق کی تصویر کھینچکر رکھدیتا ہے۔

تمام عشاق کو کوچۂ یار مین دفن ہونا چاہئے کسی قدیم شاعر کا شعر ہے :- ؎

دفن کرنا مجھکو کوئے یار مین　　　قبر بلبل کی بنے گلزار مین

مگر غالب نکتہ سنج جو وبائے عام مین مرنا بھی نہین چاہتا تھا، اس پامال خیال سے اپنی ایک الگ شاہراہ نکال لیتا ہے

اپنی گلی مین دفن نہ کر مجھ کو بعدِ قتل

میرے پتہ سے غیر کو کیون تیرا گھر ملے

یہان ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے، کہ معشوق کے حسن سے زیادہ شہیدِ محبت کا واقعۂ شہادت اہمیت اختیار کرلیگا، اور کوچۂ یار مشہدِ عاشق کی حیثیت سے شہرت پذیر ہوگا نہ بہ حیثیت مسکنِ محبوب،

اساتذہ کہتے ہین کہ غم عشق مین انسان کو ہنسی نہین آتی مگر غالب ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ مین وہ ازلی غم نصیب ہون کہ عشق سے پیشتر بھی جو ہنسی آتی تھی وہ حقیقۃً ہنسی نہ تھی زہر خند تھی اور دل کی وارفتگی کا ماتم،

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی　　　اب کسی بات پر نہین آتی،

حضرت خواجہ شیراز معشوق کی ایک خال سیاہ پر سمرقند و بخارا نثار کر دیتے ہین، مگر غالب نکتہ شناس جانتا ہے کہ عاشقِ بے سروسامان کے ذہن مین سمرقند و بخارا کا خیال آنا اصولِ نفسیات کے خلاف ہے بڑے سے بڑا اہتمام جس کی غالب کو حسرت ہی رہگئی یہ تھا کہ محبوب کی تشریف آوری کے وقت کہین سے ایک بوریا ملجاتا

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی　　　آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا

دوسرے شعرا بھلا کب گوارا کرتے کہ محبوب کو کوچۂ رقیب کا راستہ بتاآئین مگر حضرت غالب یہ بھی کرتے ہین اور بہ وجہِ معقول کرتے ہین،

جادہ شناس کوئے غیر بودم و دوست راہ جوے

منکر ذوقِ ہمرہی خردہ بہ رہبری گرفت

رقیب کی خطا پر غالب کی سرزنش کیجاتی ہے، دوسرا ہوتا تو خفا ہوتا مگر غالب خوش ہوتے اور اتنا خوش ہوتے ہین کہ اس جوشِ مسرت کو ایک متاعِ عزیز کی طرح نگاہِ اغیار سے چھپانے کی کوشش کرتے ہین اور شکریہ کو شکایت کی شکل مین پیش کرتے ہین مگر مسرت ہے کہ نالۂ فریاد سے بھی نغمۂ نشاط بنکر نکل رہی ہے، ملاحظہ ہو

۵ اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

اسلاف یہ کہتے آئے تھے کہ معشوق اتنے ظالم، اتنے ستمگار اور اتنے شقی القلب ہوتے ہین کہ نالۂ مظلوم ہی کو نغمۂ محفل سمجھتے ہین، غالب بھی یہی کہتا ہے مگر وہ آدابِ محبت کا راز دان ہے، کوئی ایسی بات جس سے معشوق کی تنقیص ہو اسکی زبان سے نکل نہین سکتی، لہذا ادائے خیال کے لیے ایسا پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے کہ عیب کو ہنر بنا دیا ہے،

دورِ چشمِ بد تیری بزمِ طرب سے واہ وا نغمہ بن جاتا ہے گر نالہ مرا وان جائے ہے

گویا یہ معشوق کی سنگدلی نہین ہے بلکہ اس بزمِ نشاط کی فضا ہی ایسی روح پرور ہے کہ غم، سرور سے اور نالہ نغمہ سے بدل جاتا ہے،

دنیا نالۂ عشق کو شکوۂ جفا سمجھتی ہے اور غالب اسکو تقاضائے ستم قرار دیتے ہین،

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہین ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہین

یہان ایک نکتہ اور بھی قابلِ توجہ ہے، بیدادگرون کی فطرت یہ ہے کہ ستم بھی کرتے ہین مگر فریادِ ستم سے خفا بھی ہوتے ہین یہانتک کہ مظلومون کا منھ جبرًا بند کرنے کے خیال سے ہر فریاد پر جورِ جدید کی بارش کرتے ہین، ایسے ظالمون سے شکوۂ بیداد حقیقۃً ایجادِ ستم کی تحریک ہے کیا حالاتِ حاضرہ پر غالب کا یہ الہامِ شعری بالکل منطبق نہین ہوتا،

وحدۃ الوجود کا خیال ایک پامال خیال ہے، اور سب نے لکھا ہے، لیکن غالب کے ایک شعر کی مثال دنیائے ادب مین نہ مل سکیگی،

نہ تھا جب کچھ خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۔ ڈبو یا مجھکو ہونے نے نہوتا مین تو کیا ہوتا

"فلسفہ" "منطق" "تصوف" اور شاعری کا اس درجہ دلکش اجتماع شاید کہین نہ نظر آسکے،

اشک محبت یا قطرۂ کو موتیون پر سب ترجیح دیتے ہین کسی استاد کا شعر ہے،

تاک راسیراب کن اے ابر نیسان در بہار ۔ قطرہ تا مے می تواند شد چرا گوہر شود

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے ۔ آنکھون مین وہ قطرہ ہے جو گوہر نہوا تھا

بوس پیشہ عشاق عموماً حسن مین جذبۂ خود نمائی کو پسند کرتے ہین اور جتنا ہی ادھر سے ناز و عشوہ کی بارش ہو اور فریب دلبری کی کوشش کیجائے اسیقدر یہ دلفروشی پر آمادہ ہوتے ہین، مگر غالب، بلند نظر غالب، فطرت انسانی کا رازدان، اور فلسفۂ عشق کا نکتہ شناس ہے، وہ خود اپنے قصد و ارادہ سے گرفتار ہونے کے لئے طیار ہے اور ایک حسن بے پروا اور نگاہ غلط انداز پر شہید ہو جانے کے لیے آمادہ مگر جہان کسی نے اس کو گرفتار کرنے کے لیے کمند پھینکی اور قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی وہین اسکی فطرت خود پسند نے اباکیا، یہی وجہ ہے کہ جلوہ سربازار خواہ کتنا ہی دلفریب کیون نہ ہو بلند فطرت طبائع کے لیے کوئی سامان کشش نہین رکھتا، غالب نے اسی بات کو دو جگہ کہا ہے، اور ہر جگہ جداگانہ رنگ مین کہا ہے:-

سادگی پر اُسکے مرجانیکی حسرت دل مین ہے ۔ بس نہین چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل مین ہے

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا ۔ لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

نظیری کا ایک بیتیل شعر ہے:-

مرا بہ سادہ دلیہائے من توان بخشید

خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

غالب نے پورا مصرعہ نظیری کا دن دھاڑے اڑا لیا، اور چوری سے بھی نہین بلکہ سینہ زوری سے اور کمال یہ ہے کہ اسطرح اپنی ملکیت بنا یا کہ اگر نظیری زندہ ہوتا تو اسکو اپنا مال لیجانے مین شبہ ہوتا اور اس دلیرانہ قزاقی کے صلہ مین اپنا دیوان نثار کر دیتا،

جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالب

خطا نمودہ ام وچشم آفرین دارم

تقدیر و تدبیر کی جنگ سلف سے چلی آتی ہے، ایک فریق اگر تقدیر کا قائل ہے تو دوسرا تدبیر کا، غالب دونون مین صلح کرا دیتا ہے اور ایسی صلح کہ دونون کی بات رہجاتی ہے۔

ہرچہ فلک نخواست است ہیچکس از فلک نخواست

ظرف فقیہ مے نہ جست بادہ ناگزک نخواست

مطلب یہ ہے کہ بیشک تدبیر ہی سے سب کچھ ہوتا ہے مگر خود تدبیر کا بن آنا بھی تو تقدیر یعنی قدرتی محرکات اور ماحول کے اثرات پر مبنی ہے،

یہ امر مسلمات شاعری مین ہے کہ عشاق کی آہین بے اثر نالے نارسا اور دعائین نامقبول ہوتی ہین، غالب اپنی دعا ہائے پیہم کے غیر مستجاب ہونے پر عاجز آکر ایسی صورت نکالنا چاہتا ہے کہ معاذ اللہ کارکنان قضا و قدر کو بھی شکست ہوجائے، اور ایسی دعا کرے کہ خدا سے بھی مسترد کرتے بن نہ پڑے، بتایئے ایسی دعا کیا ہوسکتی ہے، لیجئے حضرت غالب کی زبان سے سنیے،

حریف مطلب مشکل نہین فسون نیاز

دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

ملک الشعرا کلیم کا ایک ہمثیل شعر ہے:-

کے بہرنا محرمے چاک جگر خواہم نمود | منکہ زخمش را نہان از چشم سوزن داشتم

غالب نے اس شعر کے ہر مصرعہ سے ایک جداگانہ خیال پیدا کیا اور دو ایسے الہامی شعر لکھدیے جو اردو زبان مین ہمیشہ بے مثل رہین گے،

نظر لگے نہ کہین اُس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیون میرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

یہ وہی زخم جگر کو دکھانے کی مخالفت ہے مگر یہان دنیا ہی دوسری ہے،

دوسرا شعر ملاحظہ ہو: ؎

زخم سلوانے یہ مجھپر چارہ جوئی کا ہی طعن   غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین

اس شعر کا خیال شعر کلیم کے دوسرے مصرعہ سے ماخوذ ہے مگر بالکل مخالف اور اچھوتا خیال باندھا ہے جو کلیم کی تخیل سے براصل نازک تر ہے،

میلی کا شعر ہے،

بیم از وفا مدار بده وعدهٔ کہ من
از ذوق وعدهٔ تو بہ فردا نمی رسم

اسی کے لگ بھگ اور میرے خیال ناقص مین اسی سے ماخوذ مگر بدرجہا بلند تر غالب کا حسب ذیل مشہور شعر ہے

تیرے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مرنہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

آرگس نے اسکو سرقات غالب کی مثال مین پیش کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ دونون خیال بجنسہ ایک ہین، میلی کے "ہان قبل وعدہ ہے اور یہان بعد وعدہ"

حیرت ہے کہ حضرت بیخود بھی اس کے متعلق یہ فرماتے ہین "میری رائے مین حضرت آرگس کا خیال صحیح ہے" مین عرض کرونگا کہ حضرت بیخود نے آرگس سے ایک جگہ اتفاق بھی کیا تو غلط، کیا سوء اتفاق کی مثال ایسے

بہتر ہو سکتی ہے، اوّلاً تو مین حضرت آرگس کا یہ فقرہ نہین سمجھا (مگر میلی کے ہان قبل وعدہ یہان بعد وعدہ) میلی اپنے شعر مین معشوق سے التجاے وعدہ کر رہا ہے اور ایفاے عہد سے پہلے اپنے مرجانے کا یقین دلاکر وعدہ لینا چاہتا ہے، معلوم نہین اس التجا کا کیا حشر ہوا، قیاس تو یہی ہوتا ہے کہ وعدہ نہ ہوا ہوگا بہرحال جب وعدہ ہونے یا نہ ہونے کا کوئی پتہ شعر سے نہین چلتا تو قبل وعدہ یا بعد وعدہ کیا؟ غالب معشوق کے فریب وعدہ مین مبتلا نہ ہونے پر اظہار فخر کر رہا ہے، یہ البتہ بعد وعدہ کا واقعہ ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ بنائے خیال دونون کے ہان ایک مشہور عام عقیدہ ہے کہ انسان انتہاے خوشی کا تحمل نہین کر سکتا، مگر نتیجہ کے اعتبار سے دونون اشعار بالکل مختلف ہین، میلی کا شعر فطرت انسانی کے خلاف ہے، اور اسی کی اصلاح غالب نے اپنے شعر مین کی ہے، میلی کا معشوق سے یہ کہنا کہ تم وعدۂ وصل کر دو تمھین ایفائے عہد کی زحمت نہ ہوگی اور مین وقت معہودہ کے میسر ہی محض وعدہ کی خوشی مین مرجاؤنگا، کیا صریح دھوکہ اور کھلا ہوا جھوٹ نہین ہے؟ شادی مرگ صرف اس واقعۂ مسرت پر ممکن ہے، جو بالکل غیر متوقع طور پر یکایک ظہور پذیر ہوا اور جو حقیقۃً ناقابل برداشت خوشی کا موجب بھی ہو سکتا ہو، وعدۂ معشوق تو بخیال شعرا کوئی بڑی اہم چیز نہین ہے، یہ تو ہر وقت بہ آسانی کیا جاتا ہے اور اُس سے زیادہ آسانی کے ساتھ توڑا جاتا ہے، اسکی خوشی کیا؟ جبکہ وفا کی امید ہی نہین، ہان ایفائے عہد البتہ ایک غیر معمولی مسرت کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن جو وعدہ ابتدا ہی سے بخیال عدم ایفا لیا جا رہا ہے اس پر خوشی کیونکر ہو سکتی ہے، اور خوشی نہین تو شادی مرگ یعنی چہ؟

برعکس اس کے غالب کا شعر محض ایک شعر ہی نہین بجائے خود ایک داستان ہے، عاشق صدمۂ فراق مین جان بلب ہے، اور محبوب کی خدمت مین عریضۂ شوق بھیجتا ہے، کہ اب ہجر مین جینا دشوار ہے اگر آپ ایک خون ناحق کا گناہ اپنے سر لینا نہین چاہتے تو خدا را سرِ بالین آجائیے، یا اگر فوراً نہین آسکتے تو کوئی تاریخ ہی متعین کر دیجئے، تاکہ اس وعدے کے سہارے انتظار کی گھڑیان جھیلی جاسکین، معشوق اس خط کے جواب مین محض بہ نیت تسکین عاشق اور بلا خیال ایفائے عہد ایک مدت معینہ کے بعد آنے کا وعدہ کر لیتا ہے،

اتفاق سے عاشق سخت جان وعدے تک زندہ رہجاتا ہے، پھربھی محبوب وفائے عہد نہین کرتا، اب پھر یہ فریب خوردۂ محبت معشوق کو اس کا وعدہ یاد دلاتا ہے، مگر وہان یہ ارشاد ہوتا ہے، "آپ بھی اچھے خاصے احمق ہین یہان وفائے عہد کا ارادہ ہی کب تھا، یہ وعدہ تو جھوٹ موٹ محض اس لیے کر دیا تھا کہ تمھاری جان بچی رہے اور فہرستِ شہدا مین ایک غیر ضروری اضافہ نہ ہو، عاشقِ ناشاد کے لیے یہ اندازِ جواب سخت دلشکن ہوتا ہے اور جب وصالِ یار سے قطعی مایوسی ہوجاتی ہے تو یہ کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم شماتتِ ہمسایہ سے تو محفوظ رہے اور اُلٹا حماقت و ابلہی کا الزام تو سر نہ پڑے، چنانچہ خجالت سے بچنے کے لیے فوراً جواب دیتا ہے، (تو یہان کب آپ کے وعدون پر اعتبار تھا، آپ یہ نہ سمجھین کہ مین آپ کے وعدون کو باور کرکے اب تک جیتا رہا ہون، قصہ اس کے بالکل برعکس ہے، اگر مین سچ سمجھے ہوتا تو خوشی سے مر نہ گیا ہوتا،)

ممکن ہے کوئی معترض یہ کہے کہ داستان کا پہلا حصہ غالب کے الفاظ سے پیدا نہین ہوتا اور یہ اس ناچیز کی جدت طرازی ہے مگر مین عرض کرونگا کہ قرینۂ مقام خود اس مکالمۂ حسن وعشق کے ابتدائی ٹکڑے کو ظاہر کر رہا ہے کہ آغازِ گفتگو یون ہوا ہوگا،

علاوہ برین "ترے وعدہ پر جئے ہم" کا فقرہ یہ بتاتا ہے کہ وعدہ کے سہارے جیتے رہنے کا واقعہ فریقین مکالمہ مین مسلم ہے اور اس فقرہ کا قائل پہلے جان بلب تھا، جینے کی توقع نہ تھی، مگر وعدہ کرنے والے نے اس مہجورِ جان بلب کی زندگی قائم رکھنے کے خیال سے وعدہ کر لیا تھا، اور اب زندہ رہجانے پر طعن کر رہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ طعن صرف اس بات پر ہوسکتا ہے کہ جھوٹے وعدہ کو سادہ لوحی سے سچ باور کیا، اور اسی الزام کی تردید عاشق ان الفاظ مین کرتا ہے "یہ جان جھوٹ جانا" یہ غالب کا کمال ہے کہ محض قرینۂ مقام پر اکتفا نہ کرکے خود الفاظِ شعر سے واقعہ کے محذوف ٹکڑے کی طرف ذہنِ سامع کی رہبری کر دی ہے، یہ صنعت اکثر اساتذہ نے برتی ہے، حضرت خواجہ حافظ علیہ الرحمہ کا مشہور شعر ہے،

صبا حکایتِ زلفِ تو درمیان انداخت　　بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ می زد

اب حکایتِ زلف سننے کے بعد بنفشہ کے غرورِ حسن اور اہتمامِ آرائش پر کیا گذری، حافظ خود کچھ اس کے متعلق نہیں فرماتے اور سامع کی تخئیل پر چھوڑ دیتے ہیں،

خود حضرت غالب نے بھی ایک دوسرے شعر میں ندرتِ بیان کا یہی اسلوب اختیار کیا ہے اور واقعہ کے کچھ اجزائے ماقبل و مابعد حذف کر دیئے ہیں،

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسبان کے لیے

جناب بیخود نے یہ فرمایا ہے کہ غالب و مومن کے اشعار میں اتفاقیہ توارد ہوگیا ہے، میں یہ عرض کرونگا کہ توارد تو جب ہو کہ غالب کو شعرِ مومن کا علم نہ ہو، کون باور کریگا کہ مومن کا اتنا مشہور شعر جس کو یاس و آسی، نیاز و آرکس سب جانتے ہوں اس سے غالب کے کان ناآشنا رہے ہونگے حق یہ ہے کہ شعرِ غالب اصلاحِ شعرِ مومن ہے، اور اتنی بہتر اصلاح ہے جس پر غالب کو بجا طور پر ناز ہو سکتا تھا،

اشعارِ غالب کے حل میں ایک مقام پر اور مجھ کو حضرت بیخود سے اختلاف ہے، وہ شعر یہ ہے،

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفس رنگ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

بیخود صاحب نے بہ تقلید شوکت میرٹھی مرحوم اس شعر میں قفس رنگ کو قفسی رنگ پڑھا ہے اور شعر کا مطلب یہ بیان کیا ہے (قمری بھی نالہ کش ہے اور بلبل بھی، قمری سوزِ عشق سے جل کر کفِ خاکستر ہے اور بلبل خاک سیاہ اور اس طرح دونوں اپنے سوزِ عشق کا مرقع بنی ہوئی ہیں، ان کا دعویٰ عشق مسلم ہے، اے نالہ! میں اپنے سوزِ دل کے ثبوت میں دنیا کو کیا دکھاؤں خالی نالہ دعوی بے دلیل اور موجبِ رسوائی ہے)

میں یہ دعوی تو نہیں کرتا کہ مولانا بیخود کا بیان کردہ مطلب غلط ہے مگر اسکو کیا کروں کہ ذوقِ شعری اس مفہوم کو غالب کی طرف منسوب کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہے، اس کے دو وجوہ ہیں، اولاً تو قفسی رنگ کا لفظ کانوں کو کھٹکتا ہے، یہ تو وہی قصہ ہوا جیسا کہ کسی شارح صاحب نے حا

کے اس شعر مین

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش و لے   دام تزویر مکن چون دگران قرآن را

دِگران کو دُگران پڑھا، اور پھر دُگر نام کی ایک عجیب و غریب چڑیا ایجاد کی جس کے پرون پر کچھ نقوش خطِ نسخ سے مشابہ ہوتے ہین، اور دوسری چڑیان ان نقوش کو آیات قرآنی سمجھکر شاید قرأت کے لیے دُگر کے پاس آتی ہین اور دُگر اس حیلہ سے ان خوش اعتقادون کو چٹ کر جاتی ہے، علاوہ برین قفسی رنگ سے رنگ سیاہ ہی کیون مراد لیا جائے، کیا قفس کے لیے ضروری ہے کہ لوہے کا ہی ہو اکثر پنجرے بانس یا بیتل کی تیلیون کے بھی تو ہوتے ہین، جناب بیخود کا استدلال جو کتابت دیوان پر ہے وہ چندان قابلِ اعتنا نہین ہے، خود یہی مجموعۂ مقالات بیخود صاحب کے اہتمام مین شائع ہوا ہے، مگر کتابت کی غلطیان ایسی کثرت سے ہین کہ الامان، وجہ ثانی اختلاف کی یہ ہے کہ اگر بیخود صاحب کی تعبیر صحیح مان لیجائے تو اس کے معنی یہ ہوے کہ غالب اپنے مرتبۂ عشق کو بلبل و قمری کے عشق سے فروتر سمجھتا ہے اور یہ امر غالب کی فطرت کے بالکل مخالف ہے۔

میری نظر سے غالب کی جتنی شرحین گزری ہین کسی مین بھی اس شعر کی صحیح تعبیر نہین کی گئی، مگر جناب حسرت موہانی نے تو "ے نالہ" کو جزو نالہ بنایا، پھر بھی مفہوم شعر ویسا ہی لاینحل رہا، غالب مرحوم کو کیا خبر تھی کہ مقبولِ عوام ہونے کی مصیبت جس سے وہ جیتے جی ہمیشہ پناہ مانگتے، اور دامن بچاتے رہے، مرنے کے بعد ان کے سر پڑے گی اور نوبت یہان تک پہنچ جائے گی کہ ذوق سخن کی بنا پر نہین بلکہ محض تجارتی اغراض سے دیوان غالب کے رنگا رنگ اڈیشن شائع کیے جائینگے اور عجیب و غریب شرحین لکھی جائینگی جن کو دیکھکر اگر غالب زندہ ہوتے تو سر پیٹ لیتے۔

ان شرحون کو دیکھکر مدت سے یہ خیال رہ رہ کے دل مین چٹکیان لیتا تھا کہ جب ہر سطح کے اشخاص شارح غالب کی حیثیت سے جلوہ گر ہو رہے ہین تو یہ ناچیز بھی کیون نہ لہو لگا کر شہید ون مین

شامل ہو جائے، مگر مکر دہات زمانہ نے کبھی اتنی فرصت نہ دی کہ ارادہ عمل کی صورت اختیار کرتا، اور اب تو اسکی ضرورت بھی نہین معلوم ہوتی کیونکہ جناب بیخود کے جو مضامین اب تک طبع ہو چکے ہین، ان مین غالب کے اکثر مشکل اشعار کا صحیح حل کر دیا گیا ہے، خدا کرے جناب ممدوح کی موجودہ شرح دیوان غالب جلد نظر فروز ہو اور پرستاران غالب کے ذمے سے یہ فرض کفائی ساقط ہو جائے بہرحال یہ تو جملہ معترضہ تھا، جہانتک مذکورہ بالا شعر کے شرح کا تعلق ہے یہ نیاز مند جناب بیخود کا ہمنوا نہین ہے، اسلیے اپنی فہم ناقص اور ذہن نارسا کے مطابق جو مفہوم اس شعر کا سمجھ مین آتا ہے وہ نذر ناظرین ہے، پہلے چند مقدمات ذہن نشین کر لینا ضروری ہین،

۱۔ قفس رنگ کے وہی معنی ہین جو جناب نظم طباطبائی نے لکھے ہین یعنی سبد رنگ ان معنون مین یہ لفظ زبان فارسی مین مستعمل ہے اور وجہ ظاہر ہے، رنگ کو اڑنے کی بنا پر طائر سے تشبیہ دیتے ہین، یہان بلبل کی رعایت سے قفس رنگ کا لفظ سبد رنگ سے زیادہ مناسب ہے،

۲۔ نالہ کشی ایک صفت مشترک ہے جو بلبل، قمری، اور عاشق ناشاد سب مین پائی جاتی ہے،

۳۔ نالہ کشی اگر حقیقی ہو تو نظری ظہور ہے دل کی اندرونی کاوشون کا، اور یہ کاوشین ایک شاعر کے خیال مین صرف سوز محبت سے پیدا ہوتی ہین،

۴۔ سوز منافی ہے افسردگی اور سرد طبعی کا، خاکستر وہ ہے جسمین ایک چنگاری بھی نہ بچ جائے اور سوز کا نشان تک نہ پایا جائے،

۵۔ سوز منافی ہے رنگینی کا کیونکہ رنگینی علامت عیش و نشاط ہے اور سوز محبت نام ہے حزن واضطراب کا،

اب شعر کا مطلب سنیے، (یون ظاہری طور پر تو بلبل و قمری کی صدائین بھی نالۂ عاشق سے ملتی جلتی ہین مگر نالۂ عاشق اور نوائے بلبل و قمری مین اصل و نقل کا فرق ہے، عاشق کے نالے تو سوز محبت کی بیتابی ظاہر کرتے ہین، یہ بات فغان بلبل و قمری مین کہان، قمری محض راکھ کا ڈھیر ہے جسمین سوز محبت کی کوئی چنگاری

نہین ہے، اور بلبل ہمہ تن رنگینیِ نشاط ہے اسکو سوزِ محبت سے کیا سروکار؟ ان دونون کی صورتین خود اس امر کی شاہد ہین کہ یہ ذوقِ جگر سوختگی سے محروم ہین اور انکی نالہ کشی محض نقالی ہے) یہان "اے نالہ" سے مراد "اے نالۂ بلبل و قمری" ہے، خود اپنا نالہ مخاطب نہین ہے، اس شعر کا مطلب سمجھنے مین شارحین نے جو غلطی کی ہے اسکا سبب یہ ہے کہ لفظ خاکستر سے ذہن خاکستر کی علت یعنی آگ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ سب حضرات آغاز ہی یہان سے کرتے ہین کہ "قمری جلکر راکھ کا ڈھیر ہو گئی ہے" حالانکہ نہ تو مشبہ اور مشبہ بہ مین پوری تاریخی مطابقت ضروری ہے نہ معلول مین علت کا وجود دیا پایا جانا ہمیشہ لازمی ہے، آئے دن سیلابون سے مکانات منہدم ہوتے رہتے ہین مگر کیا ہمیشہ کھنڈر مین پانی کا موجود رہنا ضروری ہوتا ہے، یہان شاعر نے خاکستری رنگ کی بنا پر قمری کو کفِ خاکستر کہا اور چونکہ خاکستر سوز سے بالکل خالی ہوتی ہے اس لیے قمری کو سوزِ محبت سے محروم سمجھنے کے لیے شاعرانہ استدلال پیدا ہو گیا، برعکس اس کے شارحین نے خاکستر کی موجودہ حالت سے قطع نظر کرکے اس کی سابقہ حالت کو وجہ شبہ قرار دیا اور قمری کے خاکستری رنگ کو دلیل سوزِ محبت سمجھا، جب اس طرح شعر کے ابتدائی ٹکڑے کا مفہوم ہی منشائے شاعر کے خلاف بدل دیا گیا تو معنی کی چول کیونکر بیٹھے مجبوراً کسی نے تفسی رنگ ایجاد کیا کسی نے اے نالہ کو جزنالہ بنایا پھر بھی مفہومِ شعر چیستان کا چیستان ہی بنا رہا، سچ ہے

خشتِ اول چون نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

مین نے اس مجموعۂ مقالات کو من اولہ الی آخرہ معاندانہ نظر سے دیکھا اور یہ کوشش کی کہ کہین کوئی وجہ اختلاف نظر آئے تو اس کو ظاہر کر دون، تاکہ دیانتِ نقد کا حق ادا ہو جائے، اور میرا ضمیر مجھکو بیجا پاسداری کا مجرم نہ ٹھہرائے لیکن یا تو میری نگاہ اتنی نکتہ رس نہین، یا خود یہ مضامین اتنے بلند معیار کے ہین کہ ۱۸۴ صفحات کی ضخامت مین بجز چند مذکورۂ بالا مقامات کے کوئی ایسی قابلِ ذکر فروگذاشت نہین ملی جس سے اختلاف ضروری معلوم ہو، اور جن مقامات پر مین نے اختلافِ رائے بھی کیا ہے انکی نسبت بھی میرا یہ دعویٰ نہین ہے کہ میری ہی رائے صحیح ہے مگر بہرحال اظہار ضروری تھا مجھے افسوس ہے کہ یہ تبصرہ غیر معمولی طور پر

طویل ہو گیا، اور تمہید کے علاوہ مصنف حدائق البلاغت کا اختلاف اور سرقہ و استفادہ کی بحث کا ٹکڑا غیر ضروری حد تک پھیل گیا، مگر چونکہ یہ ناچیز تصنیف و تالیف کا خوگر اور ضبط خیالات کا عادی نہیں ہے، اس لیے مجبوراً جو خیال جس ترتیب سے دماغ میں آتا گیا، قلمبند کر دیا گیا، نظر ثانی اور حک و اصلاح کی نوبت نہ آئی، ان حالات میں امید ہے کہ ناظرین چشم پوشی فرمائینگے،

ہاں یہ گذارش کر دینا ضروری ہے کہ مضامین زیر نظر کی طباعت جہانتک حسن خط اور کاغذ کی نفاست کا تعلق ہے بہت عمدہ ہوئی ہے، البتہ کتابت کی غلطیاں بکثرت ہیں، اور یہ ایک ناگزیر مصیبت ہے اور بعض اغلاط کتابت تو غالبًا ارتاحلی آئی ہیں، مثلاً خاقانی کے مندرجہ ذیل شعر میں برکنم کے بجاے برکشم لکھ گیا ہے،

خارا چو مار برکنم و انگه از عصا صد چشمه چون کلیم زخارا برآورم

فارسی میں کپڑے اتارنے کو جامہ کندن کہتے ہیں اسی لیے کپڑے بدلنے کا کمرہ جامہ کن کہلاتا ہے،

یہ غلطی غالبًا ابتدا میں مطبع نولکشوری نے کی ہو اب تک چلی جاتی ہے اور نہ تو تین فاضل شارحین نے اس پر توجہ کی ہے نہ خود مولانا بیخود نے کوئی خیال فرمایا۔

کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ دیدیا گیا جس سے ایک بڑی حد تک تلافی ہو جاتی ہے، مجھے امید ہے کہ اردو علم ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بالعموم اس کتاب کا خیر مقدم کرینگے،

تلخیص و تبصرے

سیدی علی چلپی ہندوستان مین

ترکی امیر البحر سیدی علی کے نام سے لوگ کم واقف ہین، اس نے سفر نامہ کے طور پر محیط، اور مرأۃ الممالک کے نام سے دو کتابین لکھی ہین، "محیط" اس لحاظ سے نہایت قیمتی کتاب ہے کہ اس مین اُن راستون کا مفصل بیان ہے جو عرب جہاز رانون نے قرون وسطیٰ کے پچھلے دور مین اختیار کئے تھے قبل اس کے کہ اہل پرتگال نے ان مشرقی بحیرون کو عبور کرکے اپنے بیانات و نقشہ جات کے ذریعہ سے یورپ کو ان کے حالات سے مطلع کیا، "محیط" کے جن ابواب مین تفصیلی بیانات ہین اُن کا ترجمہ ڈاکٹر ایم بٹنر (DR.M.BITTNER) نے جرمن زبان مین کیا ہے، سیدی علی کی دوسری کتاب "مرأۃ الممالک" سے لوگون کو نسبتہً کم واقفیت ہے، اسکا ترجمہ ۱۸۱۵ء مین وان ڈیز (VON DIEZ) نے جرمن مین کیا اور چند سال بعد ایم مارس (M. MORRIS) نے فرانسیسی زبان مین کیا، ۱۸۹۹ء مین وسط ایشیا کے مشہور سیاح آرمینس ویمبری (ARMINIUS) نے ایک تازہ انگریزی ترجمہ شایع کیا، کارخانۂ وطن لاہور نے ایک زمانہ مین اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا تھا، گو بہت غلط ہے۔

ہمین سیدی علی کے متعلق جو کچھ واقفیت ہے وہ اسی غیر معمولی کتاب سے حاصل ہوئی ہے جسمین اس نے خود اپنے حالات بیان کئے ہین، وہ سلطان سلیمان اوّل کے زمانہ مین تھا اور اسکی خدمات کا بیشتر حصہ اسی سلطان کی ملازمت مین گذرا، اس کے باپ کا نام حسین تھا، اُس کا بیان ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد سے اسکا

باپ اور دادا شاہی اسلحہ خانہ غلطہ کے مہتمم تھے، اس نے خود بھی فن جہاز رانی کا عمیق مطالعہ کیا تھا، وہ فتح رہوڈس (RHODES) کے موقعہ پر موجود تھا اور اُن تمام لڑائیون مین شریک تھا جو بحر روم مین واقع ہوئین، نیز خیرالدین پاشا کی تمام فتوحات مین اس کا ہمرکاب تھا، اس نے ہیئت، فلسفہ اور فن جہاز رانی پر کتابین لکھین اور کاتب رومی کے نام سے مشہور ہوا،

۱۵۳۵ء مین بہادر شاہ سلطان گجرات شہنشاہ ہمایون سے شکست کھا کر اہل پرتگال کی مدد حاصل کرنے کے لیے دیو (DiU) پہنچا، اور اس مدد کے معاوضہ مین اہل پرتگال کو دیو (DiU) مین ایک قلعہ بنانے کی اجازت دی اور اس قلعہ کی تعمیر نہایت تیزی سے شروع ہوگئی، بہادر شاہ نے سلطان ترکی کی خدمت مین بھی مدد کی درخواست بھیجی تھی لیکن قبل اس کے کہ ترکی بیڑا بہادر شاہ کی مدد کو پہنچے اس کا مقابلہ پرتگالی بیڑے سے ہوگیا، اور سلیمان پاشا امیرالبحر کو نومبر ۱۵۳۸ء مین دیو (DiU) سے واپس ہونا پڑا، چند سالون کے بعد ۱۵۵۱ء مین ایک دوسرا ترکی بیڑا مصری امیرالبحر پیری بیگ کی سرکردگی مین سوئز سے روانہ ہوا اور خلیج فارس مین پہنچکر ہرمز (HOYMUZ) کو جو پرتگالیون کا مقبوضہ تھا تاراج کیا لیکن آخر اسے بھی پرتگالی بیڑے سے پسپا ہونا پڑا، پیری بیگ خود مصر پہنچ گیا لیکن اس کے جہازات کا بیشتر حصہ بصرہ مین رہ گیا، ان جہازات کو واپس لیجانے کی خدمت مراد بیگ کو سپرد ہوئی، لیکن وہ بھی ناکام رہا، آخر سلطان ترکی نے سیدی علی چلپی کو مصر کا امیرالبحر مقرر کرکے اس بیڑے کو بصرہ سے واپس لیجانے پر مامور کیا،

سیدی علی حلب سے موصل ہوتا ہوا بغداد پہنچا اور وہان سے کربلا کی زیارت کے لیے گیا، بغداد واپس آکر وہ قطالامارہ کو روانہ ہوا اور واسط سے گذر کر زکیہ گیا اور وہان سے بصرہ پہنچا، یکم شعبان ۹۶۱ھ کو بصرہ سے مصر کی طرف جہازات روانہ ہوا، راستہ مین مسقط کے قریب پرتگالی جہازون سے مقابلہ ہوا جس مین پندرہ مین سے صرف نو ترکی جہاز محفوظ رہ سکے، اس کے بعد یہ مختصر ترکی بیڑا ایک زبردست طوفان مین گرفتار ہوکر ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرف بہہ نکلا، اس طوفان مین ان جہازون کو بہت نقصان پہنچا، خود سیدی علی

کا جہاز بری طرح زخمی ہوگیا تھا، آخر بمشکل تمام یہ مجروح بیڑا سورت پہنچا جہان عماد الملک وزیر سلطان احمد نے اسے مدعو کیا تھا،

جس زمانہ مین سیدی علی گجرات پہنچا وہ اس ملک کیلئے نہایت انتشار اور ابتری کا زمانہ تھا، چند ہی روز قبل محمود ثانی قتل کیا جا چکا تھا اور اسکی جگہ احمد خان احمد شاہ ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھا یا گیا تھا اور محض نام کا سلطان تھا، علی چلپی نے گجرات کے سیاسی حالات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے اور اس سلسلہ مین سلطان محمود کے قتل اور ناصر الملک، خداوند خان اور عادل خان کا ذکر کیا ہے جنھون نے اس وقت کی سیاسی فضا مین نمایان حصہ لیا تھا

یہ دیکھکر کہ بحری راستہ سے مصر پہنچنا ناممکن ہے، سیدی علی نے بری راستہ سے سندھ، پنجاب اور افغانستان ہوتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچنے کا فیصلہ کیا، آخر نومبر یا ابتدائے دسمبر ۱۵۵۴ء مین وہ اس لمبے سفر کے لیے روانہ ہوا اور بھروچ، بڑودہ، چمپانیر، اور محمود آباد سے گذرتا ہوا احمد آباد پہنچا جو اس وقت بھی گجرات کا دار السلطنت تھا، راستہ مین اسے تاڑ کے درخت نظر آئے اور اس نے تاڑی کو اتارتے ہوئے بھی دیکھا، یہ اس کے ساتھیون کے لیے ایک عجیب چیز تھی، وہان اُسے بڑے بڑے برگد کے درخت بھی دکھائی دیئے جنکی جڑین شاخون سے لٹک رہی تھین اور وہ اس قدر وسیع تھے کہ اُن کے نیچے "ہزارون" آدمی کھڑے ہو سکتے تھے. بعض مقامات پر خیمہ کے ہر چہار طرف بے شمار بندر اور چھوٹے چھوٹے طوطے جمع ہو جاتے تھے، سورت سے روانہ ہونے کے تقریبًا پچاس روز بعد غالبًا جنوری ۱۵۵۵ء کے پچھلے حصہ مین سیدی علی احمد آباد پہنچا اور وہان وزیر عماد الملک اور سلطان احمد ثانی سے ملاقات کی، سلطان بہت مہربانی سے پیش آیا اور ایک گھوڑا، کئی اونٹ اور سفر خرچ کے لیے روپیہ پیش کیا، سیدی علی کا بیان ہے کہ سلطان نے اُسے بھروچ کی گورنری بھی پیش کی تھی لیکن اس نے قبول نہین کیا، عماد الملک کے مکان پر اتفاق سے ایک پرتگالی سفیر سے ملاقات ہوگئی، دونون مین گفتگو نہایت تیزی سے ہوئی اور اس سفیر نے سیدی علی کو دھمکی دی کہ تم کسی بندر گاہ سے نہ جا سکو گے جس کا جواب سیدی علی نے یہ دیا کہ مین خشکی ہی سے بھی سفر کر سکتا ہون، احمد آباد کے قیام مین سیدی علی نے شیخ احمد مغربی کے مزار کی زیارت کی

اور سہین اس نے اپنی مشہور کتاب "محیط" کی تالیف بھی کی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

اینسٹین کا عالمگیر مذہب

اینسٹین (EINSTEIN) کو لوگ دہری کہتے ہین، لیکن یہ ممتاز سائنس دان اور فلسفی جس نے دنیا کے سامنے اپنا نظریۂ اضافیت پیش کیا ہے، درحقیقت دہری نہین، البتہ اُس کا یہ عقیدہ نہین ہو کہ خدا ایک عظیم الشان انسانی ہستی ہے، اور نہ اُس کے نزدیک اس معنی مین گناہ کوئی چیز ہے جس معنی مین عام طور پر گناہ کو گناہ سمجھا جاتا ہے، اس کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے جو اُن لوگون مین بھی مشترک ہے جنھون نے اسکی طرح کائنات کے ماٰخذ کو دریافت کرنے کی کوشش کی ہے اور جنکو ہمیشہ اس کو اصل راز سے دوچار ہونا پڑا ہے وہ اس نقطۂ نظر کو "عالمگیر مذہبی حس" (COSMIC RELIGIOUSSENSE) کے نام سے پکارتا ہے،

اینسٹین مین حاد درجہ انسانیت ہے، وہ ظرافت کو پسند کرتا ہے اور لوگون کو خوش دیکھنا چاہتا ہے؛ اس کا قول ہے کہ "سب سے زیادہ خوبصورت شے جو کہین بھی پائی جاسکتی ہے ایک ایسا چہرہ ہے جس سے مسرت ٹپکتی ہو" خود اُس کا چہرہ دلچسپی کے اوقات مین چمک اٹھتا ہے،

اینسٹین فرقہ وارانہ سیاست مین شامل نہین ہوتا، بجائے اس کے اُسے رفاہ عام کے کامون سے خاص طور پر دلچسپی ہے، دوستون سے اکثر صلح و آشتی کے موضوع پر گفتگو کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی مضبوطی سے جس کا اظہار علوم و فنون، ادبیات اور اقتصادیات مین ہو رہا ہو جنگ کا استیصال ہو جائے گا،

نیو یارک ٹائمس میگزین کے ایک مقالہ مین وہ مذہب کی ابتدا کو مختصر طور پر بیان کرتا ہے، اسکا خیال ہے کہ مذہب انسان کے فطری مطالبوں کا جواب ہے، دنیا کے قدیم باشندون مین "خوف کا مذہب" تھا، بھوک کا خوف، جنگلی جانورون کا خوف، بیماری اور موت کا خوف اور ان سب سے محفوظ رہنے کے لیے لوگ انسان کے مثل دیوتا، ان کے سامنے قربانیان پیش کرتے تھے، اس کے بعد وہ مذہب

آیا حس کا مبدأ انسانون کے اشتراکی جذبات مین ہے، مثلاً حس کا مبدأ اُس رب کی ہدایت اور محبت کی تمنا مین پایا جاتا ہے جو حفاظت کرتا ہے، فیصلہ کرتا ہے، جزا اور سزا دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہی خدا کا اشتراکی یا اخلاقی تخیل ہے۔ "عالمگیر مذہبی حس" کو وہ یون بیان کرتا ہے،

"ہر زمانہ کے مذہبی پیشواؤن مین یہ عالمگیر مذہبی حس پایا جاتا تھا، جو نہ عقائد کو تسلیم کرتا اور نہ خدا کو انسانی شکل مین مانتا، لہذا کوئی مذہبی ادارہ ایسا نہین ہو سکتا جس کے خاص خاص اصول عالمگیر مذہبی تجربہ پر مبنی ہون، چنانچہ ہر زمانہ کے بے دینون ہی مین ایسے لوگ ملتے ہین جنکو یہ بلند ترین مذہبی تجربہ حاصل تھا، بیشتر لوگ اپنے ہمعصرون کو دہریے معلوم ہوتے تھے لیکن کبھی کبھی ولی بھی سمجھے جاتے تھے، اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو ڈیموکرائٹس (DEMOCRITUS) فرانسس آف آسائسی (FRANCIS OF ASSISI) اور اسپنوزا (SPINOZA) ایک دوسرے سے قریب معلوم ہوتے ہین، اگر یہ عالمگیر مذہبی تجربہ خدا یا اصول مذہب کے صحیح تخیل کی جانب رہنمائی نہین کر سکتا تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل کیا جا سکے، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم و فن کا سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہے کہ اُن لوگون مین جو اس کی صلاحیت رکھتے ہین اس جذبہ کو بیدار کر کے قائم رکھین، اس طرح ہم سائنس اور مذہب کے تعلقات کی وضاحت کر سکتے ہین جو مروجہ راے سے بہت مختلف ہوگی، تاریخ کے مطالعہ سے مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے حریف نظر آتے ہین جنمین اتفاق ہو ہی نہین سکتا، اور اس کا سبب بھی واضح ہے، اس شخص کے لیے جو تمام واقعات مین قانون علت کا قائل ہے اور جو دل سے اس قانون کا معتقد ہے ایک ایسی ہستی کا تخیل جو دنیا کے واقعات کے تواتر مین دخل دیتی ہو قطعی ناممکن ہے، نہ خوف کے مذہب کا اور نہ اشتراکی و اخلاقی مذہب کا کوئی اثر ایسے شخص پر ہو سکتا، ایسا خدا جو جزا و سزا دیتا ہے اُس کے خیال مین بھی نہین آسکتا اس لیے کہ انسان اپنی اندرونی اور بیرونی ضروریات کے مطابق کام کرتا ہے اور خدا کی نظر مین وہ اپنے کامون کے لیے اسی قدر کم ذمہ دار ہے جس قدر ایک بیجان

شے اپنی حرکات کے لیے ہے"

اینسٹین کے خیال میں سائنس پر اخلاق کی تخریب کا الزام غلط ہے، وہ کہتا ہے کہ "انسان کا اخلاقی برتاؤ تو زیادہ تر ہمدردی، تعلیم، اور اشتراکی تعلقات پر مبنی ہے اس کے لیے مذہب کی مدد کی ضرورت نہیں، انسان کی حالت بہت افسوسناک ہوتی اگر اسکی صحیح روش کیلیے موت کے بعد کی سزا و جزا کے خوف و توقع ہی کی ضرورت ہوتی، لہذا یہ بالکل قدرتی ہے کہ مذاہب نے ہمیشہ سائنس کی مخالفت کی ہے اور اس کے حامیوں کو سزائیں دی ہیں، لیکن دوسری طرف میں یہ بھی کہتا ہوں کہ سائنس کی تحقیقات کے لیے عالمگیر مذہبی حسن ہی سب سے زیادہ قوی اور اعلیٰ محرک ہے، جو شخص تحقیقات سائنس کے محض عملی حصہ کو جانتا ہے وہ اُن لوگوں کی دماغی حالت کے سمجھنے میں غلطی کر سکتا ہے جنھوں نے ارباب شک کے ساتھ رہ کر بھی اپنے جیسے تمام دنیا اور ہر زمانہ کے دماغ والوں کی رہنمائی کی ہے، جن لوگوں نے اپنی زندگیاں اس قسم کے کاموں کے لیے وقف کر دی ہیں صرف انھیں کو اس جذبہ کا احساس ہو سکتا ہے جس نے ان لوگوں کو اپنے مقصد پر قائم رہنے کی قوت بخشی ہے، یہ عالمگیر مذہبی حس ہی ہے جس نے اس قوت کو پیدا کیا، ایک ہمعصر نے صحیح کہا ہے کہ ہمارے مادیت کے زمانہ کے سچے مذہبی لوگ وہی ہیں جو تحقیقات میں سچے دل سے لگے ہوئے ہیں"!

سلطان صلاح الدین

اسلام اور مسلمانوں کے متعلق یورپ کے اہل قلم کا جو رویہ ابتدا سے چلا آتا ہے اس میں عملاً اب تک بہت کم فرق ہوا ہے، اس لیے عرصہ دراز کے بعد اگر نظر کسی ایسی تحریر پر پڑ جاتی ہے جو عام روش سے مختلف ہوتی ہے تو بے اختیار یہ سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ "اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب" چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ ٹائمس کی ایک قریبی اشاعت کے مطالعہ میں پیش آیا جو غالباً ناظرین کے لیے بھی ایک غیر معمولی چیز ہوگی مسٹر چارلس روز بالٹ (CHARLES ROSE BAULT) نے سلطان صلاح الدین کی سیرت لکھی ہے اس پر ٹائمس کے ادبی ضمیمہ میں ایک تبصرہ ہوا ہے، ذیل میں اسی کا خلاصہ ہے، کاتب یورپین مصنفین مسٹر روز بالٹ

کی انصاف پسندی کی تقلید کرتے،

موجودہ معیار کی رو سے جنگ صلیبی کے عیسائیون کی اخلاقی حالت مسلمانون کے مقابلہ مین اکثر قابل شرم تھی اور اگر صلاح الدین کے ساتھ انصاف برتا جائے اور اُسے مذہبی تعصب سے علٰحدہ کرکے تاریخی روشنی مین دیکھا جائے تو وہ اپنے دشمنون سے بہتر مبارز اور بہتر انسان معلوم ہوتا ہے، ایسا شخص جس نے اکثر اُن صفات کی قابل تعریف مثالین پیش کی ہین جو عام طور پر دین عیسوی کی طرف منسوب کیجاتی ہین، اُس کے عیسائی حریفون نے تو بیشتر ان خوبیون سے لاپروائی برتی اور موجودہ زمانہ مین اُن کی وعدہ خلافی کی عادت پر خاص طور سے توجہ ہوتی ہے، ہمیشہ ایسا نہین ہوتا تھا کہ اہم ملکی اسباب کی بنا پر کوئی شخص اپنا وعدہ توڑ ڈالتا بلکہ یہ رواج ہی تھا کہ معاہدہ سے پورا فائدہ اٹھانے کے بعد اسکی خلاف ورزی کرتے اور مذہبی پیشواؤن سے "بیدینون" کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑنے کی معافی حاصل کرلیتے آج یہ بات بے شرمی اور ناانصافی کی اور نہایت نامناسب معلوم ہوتی ہے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ اس زمانہ مین اس کی اجازت تھی، بلکہ غالبًا ممالک عیسوی کے دشمنون سے اس طرح پر فائدہ اٹھانا مستحب سمجھا جاتا تھا، مگر صلاح الدین غیر مسلمون کے ساتھ معاہدہ پر قائم رہا حالانکہ وہ اپنے مذہب اور اُس زمانہ کے قانون کی رو سے معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والون کے ساتھ سختی سے پیش آسکتا تھا، اس نے ایسی رواداری کا اظہار کیا جس سے یورپ ناآشنا تھا اور ایسی انسانیت کا برتاؤ کیا جس سے عیسائی تقریبًا ناواقف تھے، اپنے دشمنون کیساتھ ایسی مراعات اور عالی ظرفی برتی جو اعلٰی ترین ستایش کی مستحق ہے، صلاح الدین کے بیت المقدس فتح کرنے سے تقریبًا نوے سال قبل عیسائیون نے اس مقدس شہر کو فتح کیا تھا لیکن فتح کے وقت صلاح الدین نے اپنے دشمنون کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا مقابلہ جنگ صلیبی کے مبارزون کے برتاؤ سے کرتے وقت عیسائیون کو شرم آنی چاہیئے، سلطان کی عنایتین اور نوازشین عام تھین، اس کی خاکساری، نرم دلی اور مہربانی صرف سائلون، صوفیون، شاعرون اور درویشون تک محدود نہ تھی بلکہ اسکی وسعت بے یارو مددگا

عیسائیون، خطرناک دشمنون جنھین قانونِ جنگ کے مطابق وہ قتل کرسکتا تھا یا بطور غلام کے فروخت کرسکتا تھا، اور فتنہ انگیز حریفون تک تھی،

روس اور ٹیگور

ہندوستان کے ممتاز فاضل ڈاکٹر سررابندرناتھ ٹیگور آجکل روس کی سیاحت مین مصروف تھے، یورپ نے روس کے جدید انقلاب کی بناپر جو عام بیزاری ساری دنیا مین اسکے خلاف پھیلادی ہے معلوم ہو کہ اسکے اسباب تمامتر سیاسی ہین، ہمین اس سے بحث نہین کہ موجودہ صورتِ حال یورپ کی راہِ انسانیت مین کس حد تک خلل انداز ہوگی، دیکھنا یہ ہے کہ تمدنی حیثیت سے یہ تحریک باشندگانِ روس کیلئے کہان تک مفید ثابت ہوتی ہے، اس سلسلہ مین ڈاکٹر ٹیگور کا یہ بیان کس قدر دلچسپی سے پڑھاجائیگا جو انھون نے عینی مشاہدہ کی بنا پر حال مین ایک اخبار کے نمائندہ کو دیا تھا:-

"روس نے تو معجزہ کر دکھایا، مین ماسکو گیا اور دیکھا کہ جس قسم کی تعلیم روسی دہقانون اور مزدور پیشہ لوگون کو دیجاتی ہے، اس سے وہ صرف کارخانون مین کام کرنے کے قابل نہین بنتے بلکہ تمدنی حیثیت سے بھی ترقی کر رہے ہین، مین نے ان سادہ مزاج روسیون کو ناچ گھر، عجائبخانہ، تھیٹر اور تمدنی زندگی کا دوسرے تمام مرکزون مین جمع ہوتے ہوئے دیکھا، گذشتہ آٹھ دس سالون مین روس مین جسقدر ہوچکا ہے وہ ہم ہندوستانیون کے لئے ایک زبردست معجزہ سے کم نہین ہے، زار کے زمانہ مین روس کے عوام ویسے ہی جاہل اور احمق تھے جیسے آج ہندوستان کے عوام ہین، ہندوستان مین صرف پانچ فیصدی لوگ ایسے ہین جو کچھ لکھ پڑھ سکتے ہین، تعلیم یافتہ نہین محض لکھنے پڑھنے کے قابل، دس سال قبل روس کی حالت بھی اس سے بہتر نہ تھی، لیکن اب یہ دیکھکر مجھپر نہایت درجہ اثر ہوا کہ غریب سے غریب روسیون مین بھی نوشت وخواند کی ترویج، حقیقی تمدن کے عناصر اور حسن کا ذوق پایا جاتا ہے، پہلے قومی اور مذہبی منافشات روس مین بھی عام تھے جیسے کہ آجتک ہندوستان مین عام ہین، مگر اب وہان پر تمام لڑائیان ختم ہوچکی ہین، یہودیون، آرمینیون، عیسائیون اور مسلمانون نے سوالات کا سبق سیکھ لیا ہے، اسمین شبہہ نہین کہ روس کے اربابِ حل وعقد تعلیمی ادارون سے معاشیاتی اور سیاسی مسائل کی اشاعت کا کام لیتے ہین، لیکن ان خیالات سے مجھے کوئی تعلق نہین، مین کسی کی معاشیاتی تعلیم پر اظہار رائے نہ کرونگا، اسلئے کہ اس مضمون سے مجھکو سروکار نہین مجھے تو اس طریق سے دلچسپی ہے جو روس نے عوام کو روشن خیال بنانے کے لیے استعمال کیا ہے، اہل روس قدیم مذہبی اعتقادات کے قائل نہین ہین، ان کا مذہب نوعِ انسان کی خدمت ہے،،

"ع-ح"

اخبار علمیہ

۱۹۳۰ء کے نوبل انعامات پانیوالے

علم طبیعیات مین، ہم دسمبر کے معارف مین ہندوستانی فاضل پروفیسر رامن کے نوبل پرائز حاصل کرنے کی مسرت بخش خبر سنا چکے ہین، موصوف کلکتہ یونیورسٹی مین علم طبیعیات کے استاد ہین، ۷ رنومبر ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوئے، مدراس یونیورسٹی سے اعلیٰ امتیاز کے ساتھ سند حاصل کی، پھر ہندوستانی سول سروس سے منسلک ہوئے، اور شعبہ مالیات کے ایک ممتاز عہدے پر فائز کئے گیے، اور اسی کے ساتھ اپنا علمی مشغلہ بھی جاری رکھا، اور ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیون کی دعوت پر مدراس، لاہور، پٹنہ اور ناگپور وغیرہ مین آپ نے وقیع خطبے دیے، اسی کے ساتھ ہندوستان اور انگلستان کی مختلف علمی مجلسون مین علم طبیعیات کے شعبہ کی صدارت تفویض ہوئی، پھر سول سروس سے سبکدوش ہوکر مستقل طور پر کلکتہ یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے، جدید علم طبیعیات مین انکی چند اہم تصنیفات بھی ہین، جنمین سب سے اہم ترین وہ تصنیف ہے، جس مین انھون نے علم طبیعیات مین اپنے ایک جدید ترین اکتشاف کی تشریح کی ہو، اور اسکو اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے "فعل رامن" سے موسوم کیا ہے، علم طبیعیات کے علماء و ماہرین نے موصوف کے اس جدید اکتشاف کا نہایت مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا، کہ اسکی بنیاد پر علم طبیعیات مین چند اہم مسائل کا اضافہ ہوا، اور اسی کے اعتراف مین موصوف کو یہ نوبل پرائز عطا ہوا ہے،

علم طب مین، ۱۹۳۰ء مین علم طب کا نوبل پرائز امریکہ کے ایک فاضل ڈاکٹر کارل لانڈ اشٹینر کو تفویض ہوا، موصوف ۱۸۶۸ء مین پیدا ہوئے، ۱۹۰۹ء سے اپنا علمی مشغلہ جاری کیا، اور اس وقت

نیویارک کے مشہور انسٹیٹیوشن راکفلر کے شعبہ طب کے رکن خاص ہین، اسی طرح علم ادب کا نوبل پرائز امریکہ کے ایک مشہور فسانہ نویس سنکلر لوئز کو دیا گیا ہے، یہ اسوقت امریکہ کے فسانہ نگارون مین بہت زیادہ مقبول ہین ۱۸۸۵ء مین پیدا ہوئے، یل یونیورسٹی امریکہ سے سند حاصل کی، اولاً فن صحافت مین آئے پھر فسانہ نگاری کا سلسلہ شروع کیا، اور اسوقت ان کے چند افسانے خاص شہرت رکھتے ہین، اور علم کیمیا کا نوبل پرائز پروفیسر ہانز فشر کو عطا کیا گیا، یہ میونک یونیورسٹی جرمنی مین علم کیمیا کے استاد ہین،

شام مین ایک اہم اثری اکتشاف

موسیو تھیرو ڈیو سکریٹری محکمۂ آثار قدیمۂ شام نے پیرس کے ایک آثار قدیمہ کی اکاڈیمی مین شام کے آثار قدیمہ کے متعلق ایک بیان دیا ہے، جس مین ایک اہم سماری خط کے کتبہ کا تذکرہ کیا ہے، یہ کتبہ لاذقیہ سے ۱۲ کلومیٹر پر ایک پہاڑی پر دستیاب ہوا ہے، اس کتبہ سے ایسے حروف ابجد (حروف تہجی) کا اکتشاف ہوا ہے جو تیرہ سو سال قبل مسیح مستعمل تھے، یہ حروف ابجد فنیقی ہین اور ۲۸ حرفون پر مشتمل ہین، انھین اس عہد کے آرامی تمدن سے خاص لگاؤ ہے، یہ حروف اینٹ کی سلون پر کندہ ہین، اُس مین کل آٹھ سطرین ہین جو مسلسل ایک رزمیہ قصیدہ پر مشتمل ہین، جس مین فنیقیون کے قدیم افسانے بیان کئے گئے ہین، اس کتبہ کے اکتشاف سے سامی مذاہب اور سامی زبانون کے اصول پر نہایت اہم روشنی پڑتی ہے، اور پھر علماے فن کے درمیان حروف ہجا کی اصل کے متعلق جو اختلافات ہین، ان مین بھی جدید کتبہ سے بڑی مدد ملے گی،

اندھون کا ایک ماہوار رسالہ

انگلستان سے اندھون کے لئے ایک ہفتہ وار اخبار "بنتس" جاری ہے جو مصور شائع ہوتا ہے

اب اسی دفتر سے انھی حروف مین ایک ماہوار رسالہ اعلیٰ پیمانہ پر نکلنے والا ہے، یہ رسالہ دنیا مین سب سے پہلا رسالہ ہے جو اندھون کے پڑھنے کے لئے جاری ہوگا،

سیارۂ نیچون کا طول یوم

ابھی تک سیارگانِ فلک مین سے نیچون اور زہرہ کے دنون کا طول یوم دریافت نہ ہوسکا تھا لیکن ڈاکٹر مورنے اب سیارۂ نیچون کا طول یوم مقرر کردیا ہے، ان کی تحقیق مین وہ ۷ گھنٹہ کا ہوتا ہے، اب صرف زہرہ اور پلیٹو کے طول یوم کی دریافت باقی رہ گئی ہے،

ابھرنے والے اور ڈوبنے والے جزیرے

بحرِ ہند مین بعض ایسے جزیرے ہین جو کبھی ڈوب جاتے ہین اور کبھی ابھر آتے ہین، چنانچہ ۱۹۲۳ء مین ہانگ کانگ اور ملایا کے درمیان ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا، جس مین کچھ ڈاکو سکونت پذیر تھے، کچھ دن گذرے کہ یہ جزیرہ اچانک آپ سے آپ تہ آب ہوگیا، اور جتنے ڈاکو یہان موجود تھے سب غرقاب ہوگئے، تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اس وقت یہ جزیرہ تقریباً ۲۵ قد آدم، پانی کے نیچے ہے،

ثقل سماعت اور بدہضمی

حال مین شکاگو (امریکہ) کی ایک طبی کانفرس مین اس عجیب وغریب نظریہ کا اعلان ہوا ہے کہ بدہضمی بھی ثقلِ سماعت کا سبب ہوسکتی ہے، نیویارک کے ڈاکٹر گوٹ لیب (DR. GOTTLIEB) کا خیال ہے کہ ثقلِ سماعت کے مریضون مین سے اکثرون کو معدہ اور آنتون کی شکایتین ہوتی ہین، ایسے لوگون کو خصوصاً ڈکار اور سوزشِ قلب سے تکلیف رہتی ہے، کھانے کے بعد دیر تک معدہ مین گرانی

رہتی ہے اور اکثر قبض رہتا ہے، ساتھ ساتھ درد سر، ضعف بصر اور اضمحلال کی شکایت بھی ہوتی ہے، عام طور سے یہی شکایتیں ثقل سماعت کے پیدا ہونے سے قبل پائی جاتی ہیں، ڈاکٹر موصوف نے ثقل سماعت کے اکتالیس مریضوں کا نہایت تفصیل کے ساتھ طبی معائنہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ ان میں سے اکتالیس کو بدہضمی کی شکایتیں تھیں،

مچھرون کی غذا

مچھرون کی بسر ہمیشہ خون ہی پر نہین ہوتی، وہ کثرت سے ایسے مقامات پر بھی رہتے ہین جہان کسی قسم کا خون نہین ملتا، مثلاً صحرائے افریقہ اور قطب شمالی کے برفستانی مقامات، ان کی فطری غذا پودون کا عرق ہے، حال کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قسم کے عرق کو خون پر ترجیح دیتے ہین، بہر حال اس مین شبہہ نہین کہ وہ اُن مقامات پر بھی اطمینان سے رہ سکتے ہین جہان کسی قسم کے جانور نہ پائے جاتے ہون، نر مچھر مطلق خون نہین چوستا، یہی نہین کہ مچھر کی مادہ نر سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نر کبھی نہین کاٹتا،

ہوائی جہاز اور ریلوے ٹرین کی معاونت

یورپ اور آسٹریلیا کے ہوائی جہازون مین نہایت تیز سرچ لائٹ (SEARCHLIGHTS) لگائی جا رہی ہین، جنکا مقصد یہ ہے کہ جہازون کے خطرہ کے اوقات مین ان روشنیون کے ذریعہ سے ریلوے ٹرینون کو روک کر مسافرون کو منتقل کر دیا جائے، ان مین سے بعض روشنیان پانچ لاکھ بتی طاقت (CANDLE POWER) کی ہین، جہاز کے رہنما کو جب کوئی دشواری پیش آتی ہے تو وہ اسی روشنی سے اپنے اترنے کا اشارہ کرتا ہے اور ٹرین رک جاتی ہے،

مریض درختون کے معالجہ کیلئے ایک آلہ کی ایجاد

برلن کے مضافات مین ایک باغ کے اندر چند ماہرین علم نبات اپنے اپنے علمی تجربون مین مشغول ہین، اسی سلسلہ مین ان ماہرین فن نے ایک جدید آلہ ایجاد کیا ہے، جو درختون کے عوارض کی اصلاح مین کام آئیگا، یہ آلہ مریض درختون پر لگایا گیا اور مقصد مین پوری کامیابی حاصل ہوئی،

"ر"

کلامِ شرف

از شاہ ابوالشرف صاحب مجددی دہلوی مہاجر مدینہ منورہ،

نکلا تھا منھ سے سوزِ جگر کی لپک گئی ... اٹھا وہ درد دل مین کہ بجلی چمک گئی

یہ بھی شگوفہ ایک بہار و خزان کا تھا ... گلشن مین چہچہاتے ہی بلبل پھڑک گئی

نکلی کوئی امید نہ نکلے مکان سے وہ ... حسرت غریب در پہ سراپا ٹپک گئی

کچھ بھی نہ آنسوؤن سے بجھی ہائے دل کی آگ ... چھینٹا پڑا تو اور بھی ظالم بھڑک گئی

لو اشکِ عندلیب کے موتی بکھر گئے ... موجِ نسیم دامنِ گل کو جھٹک گئی

ملجائے کچھ تو منزلِ مقصود کا پتہ ... اے یاس کر مدد مری امید تھک گئی

باتین کسی کی بزم کو گلشن بنا گئین ... منھ سے جھڑے وہ پھول کہ محفل مہک گئی

تنہا وہ جائین ہو نہ سکا چشم و دل سے یہ ... حسرت کے ساتھ میری نظر دور تک گئی

جھونکا نسیم صبح کا بادِ فنا ہوا ... دامن مین تھی خزان کے کلی جب چٹک گئی

وعدہ بشرطِ یاد کیا تھا جو آنے کا ... بھولے سے آج یاد بھی رستہ بھٹک گئی

ہے مست اسی کی نکہتِ مستانہ کا شرف
جس پھول کی شمیم سے دنیا مہک گئی

لیے ہوئے

از جناب مشہدی صوفی آبادی،

ہے آرزو تری دلِ مضطر لئے ہوئے
بیتاب ہے حباب سمندر لیے ہوئے

آئی بہار شیشہ و ساغر لئے ہوے
ہر موجِ گل ہے زلفِ معنبر لیے ہوئے

دیوانگی شوق کا عالم ہے دیدنی
دیوانہ اور شورشِ محشر لئے ہوئے

رندانِ بادہ نوش بھی جوشِ بہار سے
اچھلیں کہیں نہ ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

پھیلی ہوئی ہی بزمِ تصور میں روشنی
پہلو میں کسکو ہے دلِ مضطر لئے ہوئے

پھر اُس کی چشمِ مست سے ہی دلکو ارتباط
پھر جھومتا ہوں شیشہ و ساغر لیے ہوئے

ہر ذرہ اضطراب میں ہی فرطِ شوق سے
یعنی ہوں دل میں فتنۂ محشر لیے ہوئے

پھر اٹھ رہی ہی قلب میں اک موجِ انبساط
طوفانِ صد نشاط ہے ساغر لیے ہوئے

ہر قطرہ خونِ دل کا ہی اک حشر رقص میں
وہ آرہے ہیں ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے

سرخ آنسوؤں نے داغِ محبت کے پھول میں
یعنی ہی اشک اشک گلِ تر لیے ہوئے

کیا تنگنائے دہر میں جاتا ہے سیر کو
دنیائے آرزو دلِ مضطر لیے ہوئے

دل میں نمودِ حسن سی ہے ارتقائے غم
یعنی خیالِ یار ہے نشتر لیے ہوئے

دل کا سفینہ غرق نہ ہو مشہدی کہیں
ہر قطرہ اشک کا ہی سمندر لیے ہوئے

غزل

از نجم ندوی

یہ نگاہ فریب اثر کب تک
کوئی بھٹکے اِدھر اُدھر کب تک

بحرِ ہستی میں جب قدم رکھا
موج و طوفان سے پھر حذر کب تک

پیجیئے لاکھ جامِ آبِ حیات | تلخئ مرگ سے مفر کب تک
گلۂ جورِ آسمان تا کے | شکوۂ آہِ بے اثر کب تک
رہے منت پذیرِ ابرِ کرم | سوزِ دل، سوزشِ جگر کب تک
رند طامع، تو نازنین ساقی | دیکھئے آئے جام ادھر کب تک
تابکے غم مین خودکشی سے گریز | انتظارِ اجل، مگر کب تک
تابکے زلفِ یار کا سودا | یہ ستائے گا دردِ سر کب تک
عمر بھر کون کس کو رویا ہے | روئین گے مجھکو نوحہ گر کب تک
کچھ رہائی کی بھی رہین خوشیان | مائم سختِ بال و پر کب تک
کہین آسن جما کے بیٹھ رہین | نجمؔ پھریئے گا دربدر کب تک

کلامِ تپشؔ

شیخ عبداللطیف صاحب تپشؔ، معلم گورنمنٹ کالج لیہ پور

جان دینا مرا ہنسی ہی سہی | دل لگی ہو تو دل لگی ہی سہی
کل تو رونا پڑیگا ہنس لو آج | عشق کی ابتدا ہنسی ہی سہی!
اپنے وعدے سے آپ تو نہ پھرین | میری تقدیر مین بدی ہی سہی
لطفِ ابرِ بہار تم دیکھو | دیدۂ تر، نمایشی ہی سہی
آزمایش ہے ظرفِ واعظ کی | میرے حصے مین کچھ کمی ہی سہی
نہ بجھاؤ مرا چراغِ وفا | رونقِ بزمِ مدعی ہی سہی
کر چکے آپ دوستی مجھ سے | آؤ کچھ روز دشمنی ہی سہی
اپنی ہستی کی کچھ خبر ہے تپشؔ | نہ سہی بیخودی خودی ہی سہی

اردو کے نئے رسالے،

ہم نے مارچ ۱۹۳۰ء مین اردو کے جدید اخبار و رسائل کو ناظرین کے سامنے پیش کیا تھا، اب نو ماہ کی طویل مدت مین اردو فن صحافت مین نئی پیداوار کا ایک انبار لگ گیا ہے، ہمین قدیم سنت کے مطابق آج جنوری کے رسالہ مین اردو صحافت کی نئی پیداوار کو ناظرین سے روشناس کرانا ہے،

اردو کے جدید رسائل اپنے موضوع اور دائرۂ عمل کے لحاظ سے مختلف شعبون مین تقسیم کئے جاسکتے ہین، چنانچہ ان مین سے ایک خاص تعداد مذہبی رسالون کی ہے، پھر طویل سلسلہ علمی و ادبی رسائل کا ہے، چند پرچے مخصوص عورتون اور بچون کے شائع ہوئے، اور چند ایسے بھی ہین جو عام علمی و ادبی خدمت کے بجائے کوئی مستقل تخیل اپنے سامنے رکھتے ہین،

مذہبی رسالے | اردو کے جدید رسائل مین سے یہ چند رسالے البلاغ (لکھنؤ) قیام الدین (لکھنؤ) جامع العلوم (کانپور) تذکرہ (مئو اعظم گڈھ) آستانہ (اجمیر) اور الصدیق (لائل پور) ہین، ان مین سے بعض اگرچہ خالص مذہبی نہین، لیکن اُن کے مضامین کا بیشتر حصہ "مذہبی اور اسلامی" مباحث پر مشتمل ہوتا ہے،

البلاغ اڈیٹر جناب مولوی سید محمد افضل صاحب ثاقب ندوی بہرائچی حجم ۴۸ صفحے ماہوار، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت :- صہ پتہ دفتر البلاغ نظیر آباد لکھنؤ،

مولوی سید محمد افضل شاہ صاحب ثاقب ندوی اردو فن صحافت کے ایسے خدمتگذارون مین ہین

سپنے طریقہ پر کچھ نہ کچھ ہمیشہ کرتے رہتے ہین، موصوف کے زیر ادارت البلاغ نام سے ایک ہفتہ وار پرچہ
ہوئے نکلتا تھا، وہ اب ماہانہ رسالہ کی شکل مین تبدیل ہوگیا ہے، البلاغ کا اصل مطمح نظر تبلیغ واشاعت"
ہے، لیکن چونکہ ایک ہفتہ وار اخبار سے رسالہ کی شکل مین بدل کر آیا ہے، اسلئے روایات قدیمہ کے پاس سے
نہ کچھ سیاسی مقاصد بھی سامنے ہین، اور اسوقت اس کا دائرۂ بحث "تبلیغ واشاعت' ملکی معاملات و
سلامی سیاسیات اور ایشیا اور عالم اسلامی کے درمیان رابطۂ اتحاد و اتفاق" ہے، اسلئے مضامین کا بیشتر
ہ مذہبی و اسلامی مسائل پر ہوتا ہے، نیز دعوت اصلاح اور اخلاق و موعظت کا عنصر بھی شامل ہے، رسالہ
ن مصر و شام کے اچھے اخبار و رسائل کے اقتباسات و تراجم خصوصیت سے ہوتے ہین، آخر مین "اخبار
لم" کے عنوان سے تین چار صفحون مین ایسی خبرین ہوتی ہین، جو آئندہ زمانہ کے تاریخی واقعات ہوجائینگے

قیام الدین اڈیٹر جناب حسن انصاری حجم ۴۰ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی متوسط درجہ،
قیمت للعہ رسالانہ، پتہ:۔ اشاعت العلوم فرنگی محل لکھنؤ،

قیام الدین، مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی مرحوم کی یادگار، مجلس اشاعت العلوم کا
ہوار آرگن ہے، رسالہ مختلف قسم کے مذہبی، علمی اور ادبی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، مضامین کے پہلو بہپلو
ین اور غزلین بھی درج ہوتی ہین، فرنگی محل کو جو مرکزیت حاصل ہے، اس کے لگاؤ سے کبھی کبھی رسالہ
ے قلمی معاونین مین ملک کے مشاہیر کے نام بھی نظر آجاتے ہین، لیکن پھر بھی یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ابھی
ضامین کے پہلو بہپلو تشنہ مباحث مضامین ایسے درج ہوتے ہین، جن سے ایک طرف رسالہ کے معیار کو
مدمہ پہنچتا ہے، اور دوسری طرف مضامین مین باہمی توازن قائم نہین رہتا، رسالہ کو جو شرف انتساب
حاصل ہے، ضرورت ہے کہ اس کے شایان شان رسالہ ترتیب پائے، لیکن مضامین کی نوعیت مین جو عام تدریجی
رقی ہے اور لائق مدیر جس جانفشانی سے رسالہ کی ترتیب و تدوین مین مصروف ہین، اوس سے توقع ہے کہ ہم
س کو ایسے معیار پر بہت جلد دیکھ لین گے جو فرنگی محل کی مرکزیت اور مولانا عبد الباری مرحوم کی ذات گرامی

، شایانِ شان بن کر اور اسلامی ثقافت کو قائم رکھ کر اسلامی علوم و آداب کا صحیح خدمت
زار ہوگا،

جامع العلوم اڈیٹر حکیم مولوی محمد فاروق صاحب بہاری حجم ۴۰ صفحے قیمت سالانہ ہ پتہ مہتمم صاحب
مدرسہ جامع العلوم و جامع مسجد کانپور۔

ہندوستان کے مشہور شہروں مین کانپور کو یہ شرفِ اولیت حاصل ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ انقلاب کے
بعد سب سے پہلے اسی شہر مین علوم عربیہ کی ترویج کے لئے ایک مدرسہ فیض عام کے نام سے مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھوں سے قائم ہوا اور جس نے سارے ہندوستان مین ایک مرکزی حیثیت حاصل
کرلی، پھر امتدادِ زمانہ سے جب اسکی بنیادین متزلزل ہوئین تو اسی کی ایک شاخ **جامع العلوم** نے اس کے
بار کو سنبھال لیا، اور ۱۳۲۸ھ مین وہ مدرسہ اپنی اسی شاخ مین مدغم کردیا گیا، اور اس وقت سے آج تک
اس نے علوم عربیہ کی قابلِ قدر خدمت انجام دی اور اسوقت قدیم وضع کے عربی مدرسون مین امتیازی
حیثیت رکھتا ہے زیرِ تبصرہ رسالہ اسی مدرسہ کا ایک تبلیغی رسالہ ہے مضامین تمامتر مذہبی ہین، نیز مدرسہ کے
حالات و کوائف بھی درج ہوتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ مضامین مین کوئی خاص ترتیب نہین، یہان تک
کہ فہرستِ مضامین بھی منسلک نہین، ضرورت ہے کہ رسالہ کی ترتیب و تدوین پر خاص توجہ کیجائے،

تذکرہ مرتبہ جناب ابوالمآثر اعظمی (مولوی فاضل) دفتر اشاعت "دار المطالعۃ التصنیف"
مئو اعظم گڈہ حجم ۴۰ صفحے ماہانہ لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت ع۲ سالانہ

ہمارے پڑوس مئو اعظم گڈہ سے یہ جدید رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے، اسوقت اس کا پہلا پرچہ
پیشِ نظر ہے، مرتب نے "شذرات" مین تذکرہ کے ابواب یہ قرار دیے ہین "حقائق قران، نکاتِ حدیث،
علم کلام جدید، تحقیقی تصوف، تاریخ و سیر، ادبیات، اخلاق و معاشرت، تنقید، اخبار علمیہ، اور تراجم"
لیکن اس پہلے پرچہ مین تین تاریخی مضامین مختصر اور سرسری ہین اور "نکاتِ حدیث" کے ذیل مین

الدین النصیحۃ پر چند صفحے لکھے گئے ہین، اور دو تین نظمین اور غزلین، دعا ہے کہ رسالہ اپنے مقاصد مین آیندہ کامیاب ثابت ہو،

آستانہ (اجمیر) مدیر جناب کامل اجمیری حجم ۴۴ صفحے ماہانہ لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ پتہ:۔

دفتر مجلہ آستانہ اجمیر شریف،

"آستانہ" نام سے ایک ہفتہ وار اخبار اجمیر سے شائع ہوتا تھا، اب اوسی کے بجائے یہ ماہوار رسالہ اسی نام سے جاری ہوا ہے، رسالہ کا پہلا پرچہ پیش نظر ہے، ہم اسکو صحیح طور پر "خواجہ غریب نواز نمبر" کہہ سکتے ہین، اکثر مضامین حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ ہی سے متعلق ہین، غالباً آستانہ کا دائرۂ عمل تصوف و صوفیائے کرام کی حد تک محدود ہو، اور یہی خواجہ غریب نواز کے آستانہ کے شایانِ شان ہوگا، ضرورت ہے کہ آستانہ کے صفحون مین صوفیائے کرام کے حالات وسیر اور اخلاق و موعظت کو جدید قالب مین ایسے رنگ سے پیش کیا جائے، کہ اسکو زمانہ قبول کر سکے، اور مسلمانون کے اصلاحِ معاشرت و اخلاق مین سودمند ثابت ہو،

الصدیق، اڈیٹر مولوی احمد دین خانصاحب، وآنریری اڈیٹر جناب شیخ غلام رسول صاحب گجراتی۔
مقامِ اشاعت. ۵۵ گ ڈاکخانہ کلیانوالہ ضلع لائل پور پنجاب حجم ۴۲ صفحے لکھائی چھپائی ناقص چندہ سالانہ ۲ / نمونہ مفت،

یہ ایک مذہبی تبلیغی رسالہ ہے، اور اسی نوع کے مضامین اور نظمین درج ہوتی ہین، سرورق پر یہ عبارت سرنامہ ہے "مسلمانون کو دینداری کی صحیح تعلیم دینے والا ادبی علمی اخلاقی مذہبی تاریخی ماہوار حنفی رسالہ" بعض بعض پرچون مین سیاسیات ہند پر بھی مضامین ہوتے ہین جنمین مسلمانون کو آل انڈیا کانگریس کے مقاطعہ کی مذہبی حیثیت سے دعوت دیجاتی ہے،

| علمی و ادبی رسالے | اس دور مین اردو کے علمی و ادبی رسائل بھی بکثرت شائع ہوئے، جنمین سے ہمین خصوصیت

کے ساتھ چند رسالون ادب لکھنؤ، تسنیم آگرہ، طور دہلی، ارمغان دہلی، صوفی پنڈی بہاء الدین، اور کوثر دہلی کا تذکرہ

کرتا ہے، کہ یہی ابھی تک بہ پابندی شائع ہوئے ہین،

ادب - مرتبہ جناب سید اعظم حسین صاحب حجم ۲، صفحے ماہوار، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت سالانہ للعہ، نمونہ کا پرچہ ۸/، پتہ:- دفتر ادب لکھنو،

ہم رسالہ ادب کا اجمالی تذکرہ گذشتہ تبصرہ مین سرسری طور پر پیش کر چکے ہین، اس اثنا مین متعدد پرچے نظر سے گذرے، اور ہم مسرت سے اس کا اظہار کرتے ہین کہ ہمارے معاصرین مین ایک اچھے ہمعصر کا اضافہ ہوا، یہ صحیح معنون مین ایک علمی وادبی رسالہ ہے، ملک کے اچھے اہل قلم اس کے قلمی معاونین مین ہین، تحقیقی تنقیدی، تاریخی اور ادبی مضامین بالعموم شائع ہوتے ہین، خصوصاً ادبی نقد و تبصرہ اس کا خاص موضوع ہے، اور نہایت حزم و احتیاط سے قلم اٹھایا جاتا ہے، اگرچہ یہ بھی صحیح ہے، کہ ذاتیات کی جھلک اس حزم و احتیاط پر بھی کبھی نظر آجاتی ہے، اصغر کی کتاب پر تنقید و جواب تنقید کا جو سلسلہ رہا وہ اس سے خالی نہین ہے، اگرچہ عام ادبی رسائل مین یہ طرز تنقید بھی مفقود ہے، لیکن ادب کو ہم اس سے زیادہ بلند معیار پر دیکھنا چاہتے ہین، علمی حصہ مضامین پر بھی ابھی مزید توجہ کی ضرورت ہے، سلطانہ رضیہ پر جو مضمون شائع ہوا ہے اس کے مباحث د مواد شائع شدہ ترتیب کے بجائے دوسری ترتیب کے محتاج ہین، اسی طرح کبھی کبھی بعض مضامین کے مباحث مین تشنگی باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح رسالہ کا سرورق اٹھتے ہی حکیم و وید کے تجربون کا تعارف بھی مذاق سلیم پر بار ہے، لیکن ان خورده گیریون سے قطع نظر کرکے بے شبہہ رسالہ کا ہر پچھلا پرچہ پہلے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے، اور اگر یہی رفتار قائم رہی تو ہمین پوری توقع ہے کہ ہم بہت جلد اس کو اسی معیار پر دیکھ لینگے، جو حقیقی معیار ادب ہے، اور بے شبہہ اس وقت بھی وہ ملک کے ادبی رسالون مین اپنی ایک مخصوص جگہ رکھتا ہے، اور گہوارۂ علم و ادب لکھنو کے انتساب کے شایان شان ہے،

تسنیم، (آگرہ) ادیر جناب فانی بدایونی، معاون جناب مانی جائسی و مخمور اکبرآبادی حجم ۲، صفحے ماہوار، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت صہ، پتہ:- دفتر تسنیم محلہ مائی تھان - آگرہ

فانی نے شاید پہلی مرتبہ دنیائے صحافت مین قدم رکھا ہے، اور اس وقت تسنیم کا پہلا پرچہ ہمارے سامنے ہے،

رسالہ کو دنیائے ادب کی جس ذات گرامی سے شرف انتساب حاصل ہے وہ اس کی کامیابی اور اس کے صحیح معیار اور صحیح ذوق کی سب سے بڑی ضمانت ہے، اس پہلے نمبر مین بھی بعض مضامین "توارد خیالات" وغیرہ اچھے بلند معیار ہین، لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے تسنیم کا سب سے اہم افادی پہلو ہر مہینہ پابندی سے کلامِ فانی کی اشاعت ہے، اگرچہ فانی کی غیر فانی شاعری کے ساتھ ان کی غیر متقل مزاجی بھی شہرۂ آفاق ہے، اس لیے ابھی ہماری صرف یہی دعا ہے کہ ہمین کسی آیندہ موقع پر اس کے چند نمبرون پر یکجا تبصرہ کرنے کا موقع ملے، آخر مین معاون مدیرون کو مبارکباد دیتے ہوئے ہمین کسی قدر تامل ہے، کہ پہلے ہی پرچہ مین "غیظ و غضب" کے بجائے "غیض و غضب" شایع ہو (ص ۷) اور وہ منتخب مضامین پر نظر ثانی کرتے ہوئے اصلاح نہ کر سکین، بات معمولی ہے، لیکن ایک قابل قدر رسالہ مین ہے، اس لیے اس کا تذکرہ بھی ضروری تھا۔

طور، ایڈیٹر جناب منظور احمد صاحب بی اے حجم ۵۰ صفحے ماہوار کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت سے

پتہ :۔ دفتر رسالہ طور درگاہ شریف اندرون جامع مسجد دہلی،

یہ ایک "مذہبی، ادبی اور سیاسی" رسالہ ہے، اردو کے عام ادبی رسالون سے اسکی سطح بلند ہے، قلمی معاونین کا دائرہ اچھا خاصہ ہے، اس وقت تک دو پرچے اس کے نظر سے گذرے، امید ہے کہ رفتہ رفتہ اچھی ترقی کریگا، رسالہ محنت اور جانفشانی سے مرتب ہوتا ہے، اردو کے ادبی رسالون مین متانت و ثقاہت کی جو عام کمی ہے مسرت ہے کہ کارکنان طور نے خصوصیت سے اس کا لحاظ رکھا ہے، اگر اسکی رفتار یہی رہی تو ہم بہت جلد اسکو کسی بلند معیار پر دیکھ سکین گے۔

ارمغان۔ اڈیٹر جناب اشرف صبوحی حجم ۴۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ قیمت عہ

پتہ :۔ دفتر ارمغان دہلی،

یہ ایک ماہوار رسالہ "مصور ادبی رسالہ" ہے، مضامین مین زیادہ تر افسانے یا "افسانہ نما" مضامین ہین، نیز اردو شعر و شاعری بھی اس کا خاص موضوع ہے، رسالہ اپنے ارزان قیمت کے لحاظ سے بیش قیمت ہے؛

امید ہے کہ ادبی مضامین کے شائق اس کی ہمت افزائی کرینگے،

صوفی، مدیر جناب محمد الدین صاحب اعوان حجم ۹۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ، سرورق خوشنما، قیمت سالانہ قسم اول سے قسم دوم ع؁ پتہ:- پنڈی بہار الدین گجرات (پنجاب)

رسالہ صوفی عرصہ دراز سے جاری ہے اب اس نے ایک نیا قالب بدلا ہے، اور بامعاوضہ مضامین کے اہتمام سے اچھے خاصے مضامین اسکو حاصل ہوجاتے ہین، رسالہ کے مضامین زیادہ تر تاریخی وادبی ہوتے ہین، ادب مین بیشتر حصہ افسانہ کا ہے، امید ہے کہ اس جدید نظم سے پہلے سے زیادہ بلند معیار پر شائع ہوگا،

کوثر، اڈیٹر جناب پروفیسر ظفر صاحب تابان حجم ۶۰ صفحے لکھائی چھپائی اچھی کاغذ معمولی قیمت ۸؍ پتہ:- دفتر رسالہ کوثر دریبہ کلان دہلی،

یہ ایک "مذہبی ادبی مصور" رسالہ ہے، مضامین مین بھی یہ دونون عنصر یکجا ہین، پروفیسر ظفر تابان عام ادبی رسالون مین برابر لکھتے رہتے ہین، توقع ہے کہ رسالہ انکی ادارت مین کامیاب ہوگا،

مدارس کے طلبہ اور کمسن بچون کے رسالے | اس اثنا مین انگریزی مدارس کے طلبہ اور کمسن بچون کے چند رسالے خزینہ تاریخ (حیدرآباد) صحیفہ عثمانی (کھام گاؤن) مسلم یونیورسٹی اسکول میگزین (علی گڈہ) عزیز (گورکھپور) اور ہونہار (لاہور) شائع ہوئے ہین،

خزینۂ تاریخ، (حیدرآباد) مدیر جناب سید یوسف الدین متعلم کلیہ جامعہ عثمانیہ حجم ۱۴۱ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط درجہ سرورق خوشنما، قیمت ۱۲؍ پتہ:- دفتر بزم تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

یہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کی بزم تاریخ کا ایک غیر موقت الشیوع رسالہ ہے، اس بزم تاریخ مین تاریخ کے مختلف موضوع پر خطبات کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور حیدرآباد اور مختلف اطراف ملک کے ممتاز اصحاب خطبات کے لیے مدعو ہوتے ہین، انہی خطبات کو مجلس کا بنیۂ بزم ترتیب دیکر شائع کرتی ہے، چنانچہ اس

پہلا رسالہ ۱۳۴۹ف مین شائع ہوا تھا، اور اب ۱۳۵۰ف کا دوسرا نمبر شائع ہوا ہے جو اس وقت پیش نظر ہے، اس مین سات آٹھ مضامین "اسلامی حملون سے پیشتر ہند کی عام حالت" "خوارج" "نواب مرشد قلی خان کے کارنامے"، "ملک عنبر" "امام ابن حزم" "اہم تاریخی نوشتے" "اور تاریخ بینی کے فوائد" وغیرہ ہین، پھر اسی طرح چند تاریخی نظمین "احیاء علوم" "ہمایون کا استقلال" اور "مہرالنسا" وغیرہ ہین" آخر مین بزم کے حالات وکوائف درج ہین، رسالہ دلچسپ اور خصوصاً تاریخ کے طلبہ کے لیے سودمند ہے۔

صحیفۂ عثمانی، (کھام گاؤن) نگران ادارۂ تحریر خطیب سید شبیر حسین صاحب، ادارۂ تحریر جناب محمد ایوب صابر، سید افسر، محمد قمرالدین خان، مرزا غلام دستگیر بیگ صاحبان، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ، قیمت درج نہین، پتہ:۔ دفتر صحیفۂ عثمانی انجمن ہائی اسکول کھام گاؤن (برار)

یہ انجمن ہائی اسکول کھام گاؤن کے شعبۂ بزم ادب کا ایک ماہوار علمی و ادبی رسالہ ہے، رسالہ کی طباعت لاہور مین ہوتی ہے اور اشاعت کھام گاؤن سے، ہمارے پیش نظر اس وقت دوسرا نمبر ہے۔ جو دوسرے سے چوتھے نمبر تک تین مہینون پر مشتمل ہے، اور اس کا مجموعی حجم ۷۰ صفحے ہے، رسالہ کے قلمی معاونین مین، مشاق اہل قلم اور نومشق طلبہ دونون ہین، مضامین کا عام معیار بلند ہے، اگرچہ مضامین مین زیادہ حصہ تراجم کا ہے، لیکن انتخاب اچھا ہے، زیر تبصرہ پرچہ مین "یادِ رفتگان" (جسمین صوبہ متوسط کے اخبار و رسائل کی تاریخ ہے) "خواجہ محمود گاوان شہید" اور "شاہانِ اسلام بہ حیثیت ادیب" وغیرہ مضامین دلچسپ معلومات سے پر اور معیار کے بلند ہین، لیکن رسالہ کا خاص نقص یہ ہے کہ اکثر مضامین ناتمام ہین، مذکورۂ بالا مضامین کے ناتمام ہونے کے علاوہ جو چند افسانے ہین، وہ بھی مکمل نہین ہین، "ادبیات" کے عنوان مین انگریزی نظمون کا ترجمہ زیادہ ہے اور اکثر کی زبان صاف سلیس اور طرز ادا دلکش ہے، اور بعض نظمون کی اصل بھی انگریزی ٹائپ مین چھاپی گئی ہے،

مسلم یونیورسٹی اسکول میگزین، (مصور) مدیر جناب سید محمد صاحب حجم حصہ اردو ۵۰ صفحے وحصہ انگریزی ۱۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت درج نہین، پتہ مسلم یونیورسٹی علی گڈہ۔

یہ مسلم یونیورسٹی کے اسکول کے طلبہ کا میگزین ہے، اس وقت اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے، مضامین تقریباً سب اسکول کے طلبہ کے ہیں، اور بے شبہہ سب کے سب اچھے اور طلبہ کے لیے مفید ہیں، جس میں چھوٹے چھوٹے اخلاقی انسانی معاشرتی اصلاحی مباحث تحقیقات جدیدہ پر تاریخی مضامین، اور چند مضامین شعر و شاعری سے متعلق ہیں۔ رسالہ مصور شائع ہوتا ہے، اور تصویرین مضامین سے متعلق ہوتی ہیں، زیر تبصرہ رسالہ مین تصویرون کے گیارہ ورق ہیں، جو چکنے کاغذ پر صاف ستھری چھپی ہیں، امید ہے کہ یہ رسالہ ملک کے عام اسلامی مدارس مین بھی قبول ہوگا۔

عزیز (ماہوار) ایڈیٹر جناب بدیع الزمان صاحب اعظمی حجم ۴۲ صفحے سالانہ قیمت ۱؎ لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی، پتہ:- دفتر عزیز جارج اسلامیہ ہائی اسکول گورکھپور،

گورکھپور کے چند روسار و معززین کی سرپرستی مین کمسن بچون اور بچیون کے لیے یہ رسالہ جارج اسلامیہ ہائی اسکول سے نکلنا شروع ہوا ہے، مضامین تعلیمی اور اخلاقی ہوتے ہین، جو اسکول کے چھوٹے اور بڑے درجہ کے طلبہ کے کام آئین، مضامین کا بیشتر حصہ جناب بدیع الزمان صاحب اعظمی ٹیچر جارج اسلامیہ ہائی اسکول کے قلم سے ہوتا ہے، نیز اسلامی مدارس کے طلبہ مین مضمون نگاری کا ذوق پیدا کرنا بھی اس کا مطمح نظر ہے، اور چند مضمون مین نومشق طلبہ کے مضامین درج ہوتے ہین، ضرورت ہے کہ اسکول کے مسلمان طلبہ اس رسالہ کے خریدار بنین اور اپنے مضمون نویسی کی مشق پیدا کرین،

ہونہار، (ہفتہ وار رسالہ) مرتبہ جناب اکرم صاحب بی اے حجم ۱۶ صفحے فی اشاعت، کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ، قیمت ۱؎ سالانہ، پتہ:- دفتر رسالہ ہونہار ریلوے روڈ لاہور،

یہ کمسن بچون کے لیے ایک مفید، دلکش اور خوبصورت ہفتہ وار علمی رسالہ ہے، اس کے چند پرچے نظر سے گذرے اور اس وقت ۱۱ دسمبر ۱۹۳۰ء کا پرچہ سامنے ہے، مضامین مین بچون کی تعلیمی و علمی ضروریات کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور ان کے معیار کے مطابق ہر قسم کا مواد فراہم کیا جاتا ہے، بعض مضامین خالص علمی ہوتے ہین، جنھین

بچون کو مفید معلومات دلکش انداز مین سمجھائے جاتے ہین، بعض مضامین تاریخی ہوتے ہین، اور ان کا انداز بیان بھی دلچسپ اور سبق آموز ہوتا ہے، پھر خصوصیت سے کوئی نہ کوئی اخلاقی افسانہ کہانی کے طرز بیان مین ہر اشاعت مین دیا جاتا ہے، اور اخیر مین ایک صفحہ خبرون کا ہے جس مین بچون کی استعداد کے مطابق خبرین درج کیجاتی ہین، اس وقت ملک مین بچون کے جس قدر رسالے نکل رہے ہین، ان مین اپنی ترتیب، تنوع مضامین، مباحث کی افادیت، افزایش معلومات، لکھائی چھپائی اور کاغذ کے معیار سے ایک اچھے رسالہ کا اضافہ ہوا ہے، رسالہ کی زبان اور اسکی سلاست، روانی بچون کے لائق ہے، امید ہے کہ ملک مین یہ قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا،

عورتون کے رسالے اس طرف عورتون کے رسائل مین سے صرف ایک نیا رسالہ سرتاج ہے، جس کو صرف اس لحاظ سے نیا کہتے ہین کہ اب وہ ملتان سے لاہور چلا آیا ہے،

سرتاج (لاہور) زیر سرپرستی بیگم سر محمد شفیع صاحبہ زیر ادارت سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم ملویہ رضویہ

دار الاشاعت سرتاج لاہور، حجم ۴۸ صفحے چندہ سالانہ پانچروپے،

سرتاج سب سے پہلے ۱۹۲۵ء مین ملتان سے نکلا اور ۱۹۲۶ء مین مطبع کی دقتون کی وجہ سے بند ہوگیا، اس کے بعد اس کا دوبارہ اجرا رہوا، اور دوبارہ التوار، اب اس کا دفتر ملتان سے لاہور مین منتقل ہوگیا ہے، اور سر محمد شفیع صاحب کی بیگم صاحبہ نے اسکی سرپرستی قبول فرمائی ہے، اور اس طرح اسکی مستقل زندگی کا سہارا مل گیا ہے، اس طرف سرتاج کے چند نمبر نظر سے گذرے، محترمہ سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم طبقۂ نسوان کے مفید خدمات انجام دینے والی خاتون ہین، اور مسرت ہے کہ موصوفہ کا اپنے خدمات کی انجام دہی مین جو مطمح نظر ہے، وہ جادۂ اعتدال پر قائم ہے، موصوفہ کے پیش نظر مسلمان لڑکیون مین جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کی اصل تعلیم و تربیت کی حقیقی روح پیدا کرنا ہے، کہ مسلمان لڑکیان جہان جدید تعلیم حاصل کرین اسی کے ساتھ اسلام کی مکمل مذہبی تعلیم سے ان مین جلا پیدا کیجائے کہ وہ اسلامی اخلاق و تربیت کا صحیح آئینہ ہون، موصوفہ نے ان مقاصد کی تکمیل کیلئے

ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے، او انہی خیالات کی اشاعت کے لئے زیر تبصرہ رسالہ سرتاج کو جاری کیا ہے، چنانچہ موصوف کا یہی مطمح نظر سرتاج کے ہر مقالہ مین جھلکتا ہے، مضامین کا معیار بلند ہے، جو اپنے موضوع کے لحاظ سے مختلف نوع کے ہوتے ہین، ادبیات کا حصہ بھی ہوتا ہے، جسمین شریف بہو بیٹیون اور کنواری لڑکیون کے پڑھنے کے لائق نظمین اور غزلین ہوتی ہین، رسالہ عمومی حیثیت سے مفید اور دلچسپ ہے، امید ہے کہ وہ نسوانی طبقہ مین مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا،

کسی ایک موضوع کے ترجمان رسالے

اسی زمانہ مدت مین چند ایسے رسالے بھی نکلے ہین جو خصوصیت کے ساتھ کسی ایک موضوع سے متعلق ہین، وہ ضیاء القریش (امرتسر)، فلم ریویو (کلکتہ) اور الکشاف (حیدر آباد) ہین،

ضیاء القریش، اڈیٹر قاضی عنایت علی صاحب حجم ۵۲ صفحے، لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت عہ/ر پتہ: رسالہ ضیاء القریش حلقہ نمبر ۱ امرتسر،

ضیاء القریش "انجمن قریشیان ہند" کا خاص آرگن ہے، یہ انجمن "قریشیان ہند" (جنھین عرف عام مین شیخ کہا جاتا ہے،) کی باہمی تنظیم کے لیے عالم وجود مین آئی ہے، کہ وہ ہندوستان کی اس قوم کے حالات درست کرے، اور ان کے تعلیمی، تجارتی، صنعتی اور بالخصوص معاشرتی حالات کو سدھارے، یہ رسالہ انھی مقاصد کی تبلیغ و اشاعت کرتا ہے، علاوہ ازین مختلف مذہبی موضوع پر مختلف مضامین شایع ہوتے ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ اپنے دائرہ مین قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا،

فلم ریویو، اڈیٹر وائی کے طارق، حجم ۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ عہ/ر پتہ: دار الاشاعت نمبر ۱۲ و ۱۳ اپٹوار ریگان کلکتہ،

فلم ریویو ہندوستانی فلم سازی کا ترجمان ہے، کلکتہ سے شائع ہوتا ہے، ابتدا مین چند صفحے شذرات کے ہین، جنہین ہندوستان کی "فلمی دنیا" پر رائین ہین، پھر مضامین شروع ہوتے ہین، جو فلم سازی، فلمی مناظر

کی تفصیل و تشریح، ڈرامہ کے تاریخی پہلو پر بحث، اور فلم ایکٹر اور ایکٹرس کے سوانح حیات اور کارناموں کی تفصیل میں ہیں، اسکے بعد "معلومات" کا عنوان ہے جسمیں فلمی افسانوں کی خبریں درج ہیں، پھر فلم کی خبریں کے عنوان میں بمبئی، کلکتہ اور مدراس وغیرہ کی مشہور فلم کمپنیوں کی اہم خبریں درج کیجاتی ہیں، رسالہ میں فلمی مناظر، فلم ایکٹر اور ایکٹرس کی تصویریں آرٹ پیپر پر شائع کیجاتی ہیں،

الکشافہ (حیدرآباد) مدیر جناب محمد حمید اللہ صاحب ایم اے ال ال بی، شرکائے مدیر جناب ضیاء الدین احمد، محمد فاروق اور غلام علی صاحبان حجم ۳۲ صفحے تقطیع ۱۸×۲۲ کاغذ لکھائی چھپائی متوسط درجہ چندہ سالانہ سے، پتہ:- بوائے اسکاؤٹ ہیڈ کوارٹرس سیف آباد حیدرآباد۔

یہ حیدرآباد روور اسکاؤٹس ہیڈ کوارٹرس ٹروپ کا ماہوار فنی رسالہ ہے، اس کا موضوع بحث اسکاؤٹنگ ہے، جس کا حیدرآباد میں "کشافہ" ترجمہ کیا گیا ہے، رسالہ کی اہم خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ "اس کے تمام مضامین معاوضہ دیکر حاصل کئے جاتے ہیں" اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے، تمام مضامین موضوع سے متعلق ہیں جنمیں "اسکاؤٹ کے فرائض" "اسکاؤٹ کے ابتدائی معلومات" "اسکاؤٹ کا نصاب تعلیم" اور "اسکاؤٹ کے نمونے اسلامی تاریخ میں" بتائے گئے ہیں، حیدرآباد کی یہ اسکاؤٹ سوسائٹی ایک مفید کام یہ انجام دینا چاہتی ہے کہ "مورس" سسٹم کے بجائے عربی حروف مخففات میں، اشاروں کی گفتگو کے طریقے ایجاد کرے، اور اس کا ابتدائی کوڈ ترتیب پاچکا ہے، اور اس دوسرے نمبر میں "اردو مورس" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون بھی درج ہے۔ امید ہے کہ حیدرآباد کے علاوہ دیگر مقامات کے وہ مسلمان طلبہ جو بوائے اسکاؤٹ کے نظام میں شامل ہیں، اس رسالہ سے فائدہ اٹھائیں گے[1]۔

"م"

---

[1] اس مہینہ میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے رسالوں کے خاص نمبر اور نئے اخبارات پر تبصرہ شائع نہ ہو سکا یہ آئندہ مہینہ میں پیش ہوگا،

سلطان شہید:- از جناب محمود خان صاحب محمود بنگلوری حجم ۱۰۶ صفحے کاغذ عمدہ اور لکھائی چھپائی متوسط قیمت ۱ر پتہ جناب محمود خان صاحب نمبر ۴۹ بازار یکی، وڈ کنٹونمنٹ بنگلور،

ٹیپو سلطان کو ہندوستان کی پچھلی تاریخ میں جو نمایاں امتیاز حاصل ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کا مستحق ہے، کہ اس کی ایک مستند تاریخ ہماری زبان مین لکھی جائے، اب تک اس بحث پر جو کچھ ہوا ہے وہ بیحد ناقص ہے، اس خاندان کی تاریخ کے لئے ضرورت ہے کہ فارسی، مرہٹی، انگریزی اور فرنچ مین جو کچھ ہے اسکو پڑھ کر لکھا جائے، شکر ہے کہ سلطان مرحوم کے ایک ہموطن اہل قلم جناب محمود خان صاحب محمود بنگلوری نے ادھر توجہ کی ہے، اُنھون نے سلطان شہید کے نام سے ٹیپو سلطان کے اجمالی حالاتِ زندگی اور اہم کارنامے قلمبند کئے ہین، کتاب گو ایک حد تک دلچسپ ہے، تاہم اسکو ہم مکمل نہین کہہ سکتے، مصنف نے اپنی کتاب سلطان شہید کے ساتھ والہانہ عقیدت سے لکھی ہے، سلطان کی علمی اور قومی کوششون کو پھیلا کر لکھا ہے، اوس کی رحمدلی اور بے تعصبی کے واقعات بھی درج کئے ہین، زبان مین گو غلطیان پائی جاتی ہین، مگر ہم ان کو دکھنی اردو سمجھکر مواخذہ کے قابل نہین سمجھتے، باینہمہ طرز بیان مین سلاست، روانی اور دلکشی ہے،

یوم عزا:- محققہ، جناب مولوی سید راحت حسین صاحب بی اے بی ال وکیل، صدر دار التالیف، چھپرہ ضلع سارن حجم ۴۸ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۴ر پتہ:- مرغوب بک ایجنسی لاہور،

جناب مولوی سید احت حسین صاحب بی ال وکیل کو علم ہیئت و ریاضی سے خاص لگاؤ ہے، اور وہ اس موضوع پر مختلف رسائل القمر وغیرہ شایع کرچکے ہین، اب انھون نے واقعۂ کربلا کی صحیح شمسی تاریخ پر محققانہ نظر ڈالی ہے، اور علم ہیئت و ریاضی کے مختلف اصول و قوانین سے مدد لے کر ثابت کیا گیا ہے کہ یوم عاشورا شمسی حساب سے ۱۳ ر اکتوبر یوم چہارشنبہ کو واقع ہوا، یہ حیثیت تو اس رسالہ کی ایک علمی حیثیت تھی، اسی کے ساتھ موصوف نے اس موضوع پر اپنے مذہبی نقطۂ نظر سے بھی بحث کی ہے، اور ماتم کنان واقعۂ کربلا کو محرم کی دسوین تاریخ مین مراسم مذہبی ادا کرنے کے علاوہ ہر سال کی ۱۳ ر اکتوبر کو بھی یوم عزا منانے کی دعوت دی ہے، اور شیعی نقطۂ نظر سے ان دونون دنون یوم عاشورا، و یوم عزا مین چند مخصوص امتیازات بھی قائم کئے ہین، موصوف کو اپنی اس تحریک مین اتنا انہماک ہوا کہ صرف اسی کی خاطر انھون نے عراق کا سفر اختیار کیا، اور اپنی تائید مین عراق کے علما، و مجتہدین سے فتوے حاصل کئے، جو رسالہ مین منسلک ہین، علاوہ ازین چند صفحون مین واقعۂ کربلا کا بھی اجمالی ذکر ہے، لیکن اس کے جزئیات تاریخی حیثیت سے استناد کے محتاج ہین، رسالہ مین قمری سے شمسی تاریخ معلوم کرنے کیلئے مختلف جدولین بھی دی گئی ہین،

قدیم افسانے:۔ مرتبہ جناب عبد القادر صاحب سروری ایم اے ال ال بی شائع کردہ انجمن امداد باہمی مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن حجم ۱۷۰ صفحے، تقطیع چھوٹی کاغذ لکھائی چھپائی متوسط، قیمت عہ

جناب عبد القادر صاحب سروری نے "دنیاے افسانہ" کے نام سے ایک مفید سلسلۂ افسانہ جاری کیا ہے، اور مسرت ہے کہ اس تقریب مین اُن کے قلم سے اردو ادبیات مین ایک دلچسپ اضافہ ہو رہا ہے، اس کے متعدد حصے اب تک شائع ہو چکے ہین، زیر تبصرہ حصہ مین دنیا کے قدیم افسانے یکجا کیے گئے ہین، اور قدیم مصری، یونانی، روسی، ہندی، ایرانی اور عربی ادبیات مین سے مختصر

و ودلکش افسانے کہانی کی شکل میں ترتیب دئے گئے ہین، اور بے شبہ سب کے سب دلچسپ ہین، ہر افسانہ کی ابتدا میں اس کا تعارف اور اس کے متعلقہ حالات بطور تعلیق درج کئے گئے ہین، کتاب کی ترتیب خصوصیت کے ساتھ تعریف کے لائق ہے،

تاریخ الامت :- (حصہ ہفتم) مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری ضخامت ۱۲۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط قیمت ۸/ ۔ پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

مولانا نے تاریخ الامت کے نام سے جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس کا یہ ساتوان حصہ تاریخ آل عثمان ہے، اس مین سرسری طور پر ترکون کی رزمیہ تاریخ نقل کی گئی ہے، کتاب مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ ہے، مولانا نے تاریخ الامت کے سلسلہ کو اسی حصہ پر ختم کر دیا ہے، حالانکہ اس سلسلہ کی چند اہم کڑیان ابھی باقی رہ گئی ہین، مصنف نے اس آخری حصہ کے دیباچہ مین ان تبصرون کا بھی حوالہ دیا ہے جو تاریخ الامت پر وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ہین، اس سلسلہ مین فرمایا ہے کہ یہ کتاب علمی نہین تعلیمی ہے، اس لئے اس پر "زبان طعن دراز" کرنا مناسب نہین، مولانا خود جانتے ہین کہ جاننے والون نے "زبان طعن" کس امر پر دراز کیا ہے، اور جواب کس امر کا وہ دے رہے ہین،

مکمل ہندسہ علمی : از جناب محمد منیر الدین صاحب بی اے مددگار ریاضی عثمانیہ سنٹرل ٹکنیکل انسٹیٹیوٹ حیدرآباد، ضخامت ۱۶۰ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی معمولی قیمت عہ/ ۔ پتہ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد،

حیدرآباد کے اسکولون کے میٹرک کے درجون مین علم ریاضی پڑھانے کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے جو چار حصون مین منقسم ہے، اور ہر ایک مین میٹرک کی استعداد کے مطابق ریاضی کے مختلف مسائل مثلثون کی ساخت، ذواربعة الاضلاع، رقبے اور دوائر کا ذکر ہے اور تمام مسائل کے لئے مشقین دی گئی ہین، رسالہ نصاب کے مروجہ طریقہ پر تالیف ہوا ہے،

"ر"

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ — فروری ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت :- پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

سلسلۂ رقعاتِ عالمگیر

سلطان الہند محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات کی جمع و ترتیب و اشاعت کا جو کام دارالمصنفین میں چند
برس سے ہو رہا ہے،

اور جس کو

ہز اگزالٹڈ ہائینس اعلیٰحضرت شہریار دکن خلد اللہ ملکہٗ

کا

شرفِ انتساب حاصل ہے

اُسکی

ایک جلد اور اُسپر ایک بسیط مقدمہ، دونوں چھپ کر تیار ہیں، مقدمہ میں اسلام میں فنِ انشاء کی تاریخ، ہندوستان میں صیغۂ انشاء کا حال اور انشاء کے اصول، اور خاص عالمگیر کی طرزِ انشاء پر بحث، عالمگیر کی تاریخ کے ماخذ کی تفصیل اور پھر اسکی پیدائش سے لیکر بھائیوں کی خانہ جنگی تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود اس کے خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقید ہے، اس مقدمہ کی زبان اردو ہے، عالمگیر کے متعلق اس وقت تک کسی زبان میں اس سے بہتر مدافعانہ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، حصولِ سلطنت تک عالمگیر پر جس قدر اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کا محققانہ جواب ہے۔

مؤلفہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۵۰۰، قیمت: غیر مجلد ہے، قیمت: مجلد چہ

رقعاتِ عالمگیر جلد اوّل:- شروع سے برادرانہ خانہ جنگی تک کے تمام خطوط و رقعات تاریخی ترتیب سے جمع کیے گئے ہیں، آخر میں متعدد ضمیمے ہیں جنمیں شاہجہان، دارا شکوہ، شاہ شجاع، جہاں آرا، وغیرہ کے جوابی خطوط شامل ہیں، یہ خطوط فارسی ادب و تاریخ کا ذخیرہ ہیں جنکا پڑھنا تیموری تاریخ اور فارسی ادب کے پڑھنے والوں کا فرض ہے، لکھائی چھپائی اعلیٰ، لوح رنگین و مطلا، جا بجا سلاطین و شہزادگان تیموری کی تحریروں کے عکسی فوٹو اور سلطان عالمگیر کا عکس خط، ضخامت ۴۰۰ صفحے:- مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

قیمت غیر مجلد للعہ، مجلد للعہ

منیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ

جلد بست و ہفتم | ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۱ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

ہر قسم کی کامیابی صرف دو چیزوں پر موقوف ہے، ایک تو چند طے شدہ اصولوں کو دل سے تسلیم کر لینا، اور دوسرے ان طے شدہ اصولوں کے مطابق سختی سے عمل کرنا، ان کو عام محاوروں میں اصول و عمل کہو، یا مذہب کی زبان میں ایمان اور عمل، بات ایک ہی ہے، سوال یہ ہے کہ پہلے اصول پھر عمل، یا پہلے عمل اور پھر اصول، ظاہر ہے کہ فلسفیانہ حیثیت سے یہی جواب ملیگا کہ پہلے اصول پھر عمل، پہلے آئیڈیا پھر پریکٹس، پہلے پروگرام، پھر اسکی پابندی، یہ کہنا کس قدر حماقت ہے کہ پہلے پابندی، پھر پروگرام، پہلے پریکٹس پھر آئیڈیا، پہلے عمل پھر اصول، اسی طرح یہ کہنا کہ پہلے عمل پھر ایمان، کس درجہ حماقت ہے،
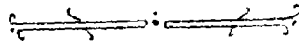
کسی سمجھدار انسان سے کوئی کام نتیجہ کے سمجھے بوجھے بغیر صادر نہیں ہو سکتا، وہی نتیجہ اُس کام کی غرض و غایت ہوتی ہے، اخلاق محض اخلاق کا تصور غرض و غایت اور نتیجہ کے بغیر ممکن ہی نہیں، اخلاق کا کمال اعمال میں نہیں بلکہ انکی غرض و غایت کی بلندی، اور ذاتی خواہشوں اور دکھاوے اور نمایش، اور طلب معاوضہ سے انتہائی پاکی میں ہے، انسان کے اعمال کا پست و ذلیل جذبات، اور نفسانی ہوا و ہوس سے پاک ہونا، اخلاق کی بلندی و طہارت کے لیے ضروری ہے، انسان کا کام صرف اسی قدر نہیں ہے کہ کسی غریب آدمی کو چند پیسے دیدے بلکہ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ یہ کام اس طرح کیا جائے، کہ کرنیوالے کا اس سے مقصود اپنی ناموری، نمایش، معاوضہ، فریب اور اس غریب کو ممنون احسان بنانا نہ ہو، بلکہ صرف، اخلاص قلب ہو، ان قلبی جذبات اور دل کے رجحانات کی اصلاح و پاکی بجز اس کے ممکن نہیں کہ ایک دانائے رموز اور عالم الاسرار ہستی کا یقین کیا جائے جو دلوں کی ایک ایک رگ کی جنبش اور ایک ایک ریشہ کی حرکت کو دیکھتا، سنتا اور جانتا ہے اسلیے خدا پر ایمان لائے بغیر حسن عمل اور حسنِ خلق کا تصور ہی ممکن

نہین، کہ جوارح کے اعمال کی درستی، سراسر قلب کے اعمال کی درستی پر موقوف ہی،

آج جبکہ مسلمانون کو عملاً کام کرنا ہی، صرف باتین بنانا نہین، کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہین، جو اس پر بحث نہین کرتے کہ ایمان ہو یا حسن خلق، عملاً حاصل کرنا چاہیئے، بلکہ اس پر بحث کرتے ہین کہ نجات اخروی کا ذریعہ محض ایمان ہے، یا محض حسن عمل؟ صرف حسن عمل ہی سہی، ہمارے داعی اسی کا نمونہ بنکر دکھائین، اسی کی اہمیت نمایان کرکے بتائین وہ کبھی اسکی دعوت نہین دیتے کہ نماز پڑھنی کسقدر ضروری ہے، دیگر دعوت یہ ہو کہ نماز پانچ وقت ہو کہ تین ہی وقت؟ تین ہی وقت سہی، مگر ان تین وقتون مین پڑھی بھی تو جائے، یہ وہ لوگ ہین جو ایجابی اسلام کے بجائے صرف سلبی اسلام کو مسلمانون کی ہر ترقی کا ذریعہ جانتے ہین، حالانکہ پانچ وقتون والا غازی سلطان صلاح الدین، سلطان محمد فاتح اور سلطان سلیمان اعظم پانچ وقتون کی نماز پڑھنے سے نہ اپنی سلطنت کھو بیٹھے، اور نہ اس عہد کے ملاحدہ ترک صلاۃ اور عدم ایمان کے باوجود ملک کا چھوٹا سا گوشہ بھی حاصل کرسکے، اگر ملک ہی حاصل کرنا ترقی ہے؟

اصل یہ ہے کہ آج کل جہان یورپ کی ہر چیز مین نقالی ہے، مذہب اور اصلاح مذہب مین بھی نقالی ہے، یورپ کے ریفارمیشن کی تاریخ پڑھ پڑھ کر ہر جدت پسند کو اسلام کا لیوتھر بننے کا خیال ہی لیکن یہ خبر نہین کہ اسلام و مسیحیت مین اشتراک کیا ہی جس کے لیے اسلام کو لیوتھر کی ضرورت پیش آئے، عیسائیون نے عیسائیت ملنے کے پندرہ سو برس بعد، عیسائیت چھوڑکر سلطنت پائی لیکن مسلمانون نے تو اسلام اور سلطنت ایک ساتھ پائی، اور جب سے اسلام چھوڑا، سلطنت بھی چھوٹی، کیا یہ فرق ہمارے نئے مصلحین کے سامنے ہے؟ غلط رسوم و رواج، اور خارجی بدعات کا نام مذہب نہین، محمد (صلعم) کا اسلام وہی ہے جو محمد (صلعم) کے عہد مین مجسم ہوکر نظر آیا، اور جسکی تصویر اب بھی اوراق مین محفوظ ہے، محمد کا اسلام وہ نہین ہے جس کی تصویر آپ اپنے دماغ سے کھینچکر دکھائین،

نواب عبد السلام خان مرحوم رامپوری سب جج اُن لوگون مین تھے جنکو کتابون کا عاشق زار کہنا چاہیے، وہ عمر بھر نوادر کتب کے جمع کرنے مین مصروف رہے، اور وہ ان کو اسقدر عزیز رکھتے تھے کہ اُن کے لیے ہر قسم کی تکلیف گوارا کرنیا راحت جانتے تھے، مونڈہ پانڈے ضلع مرادآباد ریلوے اسٹیشن کے قریب ان کا گاؤن تھا، وہان انکا کتبخانہ تھا، ابھی ایک ہی دو برس ہوے کہ ان کا انتقال ہوا، اُن کے صاحبزادون نے اب اپنے کتبخانہ کی (۱۱۴۸) کتابین مسلم یونیورسٹی کی لٹن لائبریری کو پانچ برس کے واسطے مستعار دیدی ہین، کتابین لائبریری مین پہنچ چکی ہین اور انکی فہرست تیار ہورہی ہے، امید ہو کہ ہماری مسلم یونیورسٹی ان جواہر پارون کی قدر کریگی، اور اس مدت متعینہ مین ان سے کچھ فائدہ اٹھائیگی،

بمبئی کے محکمۂ تعلیم نے وہان کے مسلمانون کی فرمائش سے ایک "شعبہ امداد و ترقی علوم اسلامیہ" قائم کیا ہے، اسکی طرف سے سال بسال آیندہ مختلف عنوانات پر پبلک لکچر ہونگے، امسال مارچ مین اس سلسلہ کا آغاز ہوگا، اور اس آغاز کا قرعۂ انتخاب اڈیٹر معارف کے نام نکلا ہے، اوائل مارچ مین ممبئی انجمن اسلام ہال مین چار لکچر ہونگے، جنکا عنوان بمبئی کی مناسبت سے "عربون کی جہازرانی" ہوگا،

چند برسون سے علماے مصر کو ادھر توجہ ہوئی کہ دینی اور علمی کتابون کو پورے اہتمام و توجہ سے حسن و خوبی کیساتھ شایع کیا جائے، اس سلسلہ مین آخری کتاب صحیح مسلم مع شرح امام نووی کی اشاعت ہے، صحیح مسلم مع نووی مدت ہوئی کہ ہندوستان مین نولکشور پریس سے بہت بڑی تقطیع پر ایک جلد مین چھپی تھی، ذیل مین نہایت باریک خط مین نووی کی شرح تھی، اور اوپر متن، فہرست غائب اور اسقدر مسخ و بدنما صورت مین تھی کہ سخت ضرورت کے علاوہ اس کے اُٹھانے کے ساتھ اس کا مطالعہ بھی گران گذرتا تھا، مگر اب مصر کے علمائے آٹھ جلدون مین اس خوبی، اہتمام صحت، اور حسن طبع کے ساتھ شائع کیا ہے کہ گویا یہ کہنا چاہیئے کہ انھون نے نووی کو نولکشور کے مدفن سے زندہ کرکے اٹھا دیا ہے، ہر جلد کے ساتھ مطالب کی مفصل فہرست بھی لگادی ہے، بمبئی کے کتب فروشون کے پاس ملیگی قیمت اٹھارہ روپیے،

مقالات

مولانا حمید الدین ؒ
(۲)

ولادت ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۲ء) ــ وفات ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۰ء)

فغان کہ گشت نیوشندۂ سخن خاموش
دگر چگونہ تسلی کنم من این لب و گوش

پچھلے نمبر مین مولانا حمید الدین صاحب مرحوم کے قیام حیدر آباد کے عہد تک کے واقعات گذر چکے ہین[1]، اب اس کے بعد کے حالات لکھے جاتے ہین،

مولانا حمید الدین صاحب فطرۃً نہایت تنہائی پسند، گوشہ نشین، اور بڑے لوگون سے ملنے جلنے سے وہ عمداً بہت بچتے تھے، اس لئے حیدر آباد دکن جاکر بھی جو ایک عالم کا مرکز، اور خوش قسمتون کا عجائب خانہ ہے، اُن کی حالت مین کوئی تغیر نہین ہوا، سوا اپنے حلقہ کے خاص لوگون کے جن سے ان کو اتحادِ ذوق تھا، اور کہین آتے جاتے نہین تھے،

اب یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا شبلی مرحوم، اور ندوۃ العلماء کے دوسرے ارکان کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی تھی جسکا سبب سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ یہ کنسرویٹو اور لبرل کی پرانی جنگ تھی،

---

[1] معارف کے پچھلے نمبر (جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۶) مین لکھا گیا تھا کہ دار العلوم حیدر آباد کا تعلق مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات سے تھا، مگر حیدر آباد سے ایک دوست مطلع کرتے ہین کہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات سے اسکا الحاق تھا، انڈین یونیورسٹیز ایکٹ کے بعد یہ الحاق ٹوٹ گیا،

اور آخر ۱۹۱۳ء میں مولانا شبلی نے دار العلوم ندوہ کی معتمدی سے استعفا دیا، تو اپنی پرانی تجویز یعنی ایک دار المصنفین اور دار التکمیل کی بنا ڈالنے کا خیال آیا، مگر یہ خیال ہنوز دل میں تھا یا کاغذ کے صفحہ پر تھا، اس کے لئے کبھی لکھنؤ کبھی کسی اور مقام کی فکر تھی، اسی اثنا میں اگست ۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی کے عزیز بھائی مولوی اسحٰق صاحب وکیل ہائیکورٹ الہ آباد کے انتقال نے اُن کو بالکل سرد کر دیا اور لوٹ کر اعظم گڈھ کو اپنا ٹھکانا بنایا، اور اس کے لئے زمین و بنگلہ وقف کیا، اور چاہا کہ مدرسہ سرائے میر اور اپنے نیشنل ہائی اسکول (جس کو ۱۸۸۳ء میں یہین قایم کیا تھا) اور دار المصنفین کو ملا کر ایک علمی و تعلیمی دائرہ بنا لین، اس عزم و یاس کے عالم کشمکش مین مولانا حمید الدین صاحب کو لکھا:۔

"بھائی اچھا ہوا کیا، ولن یصلح العطار ما افسد الدھر دو دن اچھا رہا تو چار دن بیار رہتا ہون، لیکن بات چیت کرتا ہون، لوگ سمجھتے ہین کہ کوئی شکایت نہین، نظام جسم برہم ہو چکا، ابھی ابھی سردی لگی حالانکہ دوپہر کا وقت ہے،

افسوس یہ ہے کہ سیرت پوری نہ ہو سکی، اور کوئی نظر نہین آتا کہ اس کام کو پورا کر سکے۔

......اور اگر دار المصنفین قایم ہوا تو تمھارے سوا کون چلائیگا"

یہ اکتوبر ۱۹۱۴ء کا خط ہے، ۲۸ر اکتوبر کو لکھا:۔

"برادرم، وقت تو یہ تھا کہ ہم چند لوگ یکجا ہوتے اور کچھ کام کرتے، لیکن میری دنیا طلبی کا یہ حال ہے کہ خود بے نیاز ہو گیا ہون، لیکن عزیزون کی بے تعلقی شاق ہوتی ہے، سید سلیمان بھی تعلق موجودہ پر راضی نہین، ذرا اشارہ ہو تو میرے پاس آجائین، مین خود روک رہا ہون"

مرا اگر تو بگذاری اے نفس طامع
بسے بادشاہی کنم در گدائی،

اس کے تین ہی ہفتہ کے بعد مولانا شبلی نے ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال کیا، مولانا حمید الدین صاحب وفات سے ایک دن اور مین دو دن پہلے پہونچا تھا، مجھے حکم دیا کہ "سب چھوڑکر سیرت" مولینا حمید الدین صاحب جب پہونچے تو مصنفِ سیرت کی مقدس زبان خاموش ہو چکی تھی، آنکھین کھول کر بھائی کی طرف دیکھا، اور چپ ہو گئے، اس خاموش نگاہِ حسرت مین وصیتون اور فرمائشون کے ہزارون معنی پوشیدہ تھے جنکو اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہین،

اس موقع پر ہم جان نثارون مین صاحب ہوش وہی تھے، ماتم کے آنسو بھی خشک نہین ہوئے تھے، کہ اُنھون نے تیسرے دن اس وقت مولانا شبلی مرحوم کے جو چند تلامذہ جمع ہو گئے تھے، اُن کی ایک مختصر سی جماعت نعمانیہ بنائی جس نے اپنا یہ مقصد قرار دیا کہ وہ مولانا شبلی کے ادھورے کامون کی تکمیل کریگی، مدرسہ سرائمیر کی صدارت مدرسین مولانا شبلی صاحب متکلم ندوی کے سپرد ہوئی، اسکی نظامت مولانا مسعود علی ندوی نے اپنے سر لی، دار المصنفین کی تشکیل اور تاسیس کے لئے اسی جماعت کے ارکان نے ماہوار چندے لکھوائے اور اسکا اہتمام بھی مولینا مسعود علی صاحب ندوی نے اپنے ذمہ لیا، اور سب سے زیادہ یہ کہ شبلی منزل مین ان کامون کی انجام دہی کی خاطر تنہا قیام گوارا کیا،

اس کے بعد مین اور وہ دونون مل کر سرکار عالیہ نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ والیۂ عالیہ بھوپال کی طلبی پر بھوپال گئے، سرکار عالیہ نے تسلی دی اور سیرۃ کی تصنیف کی رقم کو بدستور ہم دونون کے نام جاری فرمادیا، اور یہی دار المصنفین کے وجود و نشو و نما کے لئے ابرِ کرم کی پہلی بارش تھی، حیدر آباد جاکر مولانا نے کوشش فرمائی، اور نواب عماد الملک کی تائید سے وہ کوشش کامیاب ہوئی، اور مولانا کا تین سو ماہوار کا وظیفہ دار المصنفین کے نام منتقل ہوا، یہ دار المصنفین کی بقا کی بہترین ضمانت بنی، اس کے بعد گو باقاعدہ مجلسی انتخاب نہین ہوا تھا، تاہم ان کی حیثیت صدر مجلس کی اور میری ناظم کی تھی، بعد کو باقاعدہ تاسیس اور وضع دستور العمل کے بعد یہی قانونی شکل

بن گئی اور وہ آخر تک دار المصنفین کی مجلس عاملہ کے صدر نشین رہے،

مولانا شبلی مرحوم نے اپنے دو مذکورۂ بالا آخری خطوط مین جو کچھ لکھا تھا وہ مولانا حمید الدین صاحب مرحوم کی آیندہ زندگی کا نصب العین بنگیا، گو دار العلوم حیدر آباد کے تغیر اور جامعہ عثمانیہ کے مفید و مبارک تخیل کی سودمندی کی خاطر انھون نے چندے حیدر آباد کا قیام گوارا کیا، مگر انکا دل اور کام وطن مین لگا تھا،

مولانا حمید الدین صاحب کے تصور نے مجوزہ دار العلوم کی تشکل ہی بدل دی، مسلم یونیورسٹی اور ہندو یونیورسٹی کے وجود نے یونیورسٹی کے "کنسر ویٹو آئیڈیا" مین بھی انقلاب پیدا کر دیا، مولینا حمید الدین صاحب ہی تھے جنھون نے عصری علوم وفنون کی اردو زبان مین تعلیم کی تجویز پیش کی، اور اُس کا خاکہ تیار کیا، انکا تخیل یہ تھا کہ دینیات کی تعلیم عربی مین ہو اور باقی تمام علوم یہان تک کہ اصول فقہ بھی اردو مین پڑھایا جائے، لیکن راس مسعود صاحب اور نواب سر حیدر نواز جنگ حیدری صاحب نے ان کے اس تخیل کو کہ علوم کی تعلیم کی زبان اردو ہو قبول کیا، مگر یہ کہ تمام لڑکون کو در اصل دینیات کی عربی تعلیم دیجائے قبول نہین کیا، اور یہی درحقیقت حیدر آباد سے اُن کی دل برداشتگی کا سبب ہوا،

۱۹۱۸ء سے جامعۂ عثمانیہ کی تیاری اور کتابون کے ترجمہ کا اور اصطلاحات کے وضع کرنے کا کام شروع ہوا، وہ اس مجلس کے رکن تھے، اور وضع اصطلاحات مین مفید مشورے دیتے تھے، اور جامعہ کے نقش تخیل کی رنگ آمیزی مین مصروف تھے، تا آنکہ اگست ۱۹۱۹ء مین باقاعدہ اسکے افتتاح کی نوبت آئی،

نواب صدریار جنگ مولینا حبیب الرحمان خان شروانی جو اس زمانہ مین صدر الصدور ہو کر حیدر آباد پہونچ چکے تھے، اور وہ جامعۂ عثمانیہ کے سب سے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے تھے، وہ اپنے والا نامۂ مذکور مین فرماتے ہین :-

"جامعہ عثمانیہ کی بنیاد رکھنے والون مین مولانا کے ہاتھ بھی تھے"

مگر بعض وجوہ کے باعث یہ ہاتھ فوراً اپنی جگہ سے ہٹ گیا، گو ظاہری سبب یہ بھی تھا کہ حیدر آباد کی آب وہوا مرحوم کو راس نہین آئی، اُن کے درد سر کی عارضی بیماری نے دائمی صورت اختیار کرلی، اس درد کے دورہ سے وہ بے چین ہو جاتے تھے، اور پھر کسی کام کے قابل نہین رہتے تھے، باایہمہ یہان کے قیام کے دوران مین خرد نامہ یعنی مواعظ سلیمانی کی تکمیل کی، اور چھپوائی پھر اسباق النحو کے نام سے عربی صرف و نحو کے آسان صورت مین نئے اصول پر اردو مین دو رسالے مرتب کئے اور انجمن ترقی اُردو کی طرف سے وہ چھپے، اپنے استاد ادب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم کا عربی دیوان تصحیح کرکے چھپوایا، الرای الصحیح تصنیف کی، اور تفسیر کے بعض مقدمات لکھے، اسی کے ساتھ درس قرآن کا ایک حلقہ قائم کیا، مغرب کے بعد یہ مجلس جمع ہوتی تھی، مولانا تقریر فرماتے تھے، لوگ شکوک پیش کرتے تھے وہ جواب دیتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم ہو جاتی تھی، ہمارے فاضل دوست مولینا مناظر احسن صاحب گیلانی جو اِس وقت جامعہ عثمانیہ مین پروفیسر ہین، وہ اس مجلس کے خاص لوگون مین تھے، ایک دو دفعہ مجھے بھی شرکت کا اتفاق ہوا، کبھی کبھی مولوی وحید الدین صاحب سلیم مرحوم بھی اسمین بیٹھتے تھے،

مولانا حیدر آباد مین ۱۹۱۹ء تک رہے، اور عین اسوقت جب جامعہ عثمانیہ کا ہیولیٰ صورت قبول کر رہا تھا انھون نے استعفا دیدیا، ذمہ دار ارکان حکومت چاہتے تھے کہ مولانا قیام کرین، مگر وہ اپنی طبعی بے نیازی اور استغنا کو راہ دیکر متوکلاً علی اللہ اکبر ارباہوا کی جگہ چھوڑ کر وطن چلے آئے، حیدر آباد مین جبتک وہ رہے بے ہمہ اور باہمہ ہی علم کی قدر و منزلت اور بے نیازی کو انھون نے پوری طرح نباہا اور جو لوگ ان سے ذاتی طور پر واقف تھے، اور انکا حلقہ بہت محدود تھا، اُن پر مولانا کی جدائی بڑی شاق گذری، باایہمہ وہ ان کے رنگ طبع کو دیکھکر انکو مجبور نہ کرسکے، مولینا کو حیدر آباد سے نہ کوئی پنشن مل سکی، اور نہ کوئی وظیفہ ہوا نہ کسی اور قسم کی مالی امداد کے پانے کی انھون نے کوشش کی، چونکہ وہ الہ آباد یونیورسٹی سے حیدر آباد بھیجے گئے تھے اس لئے الہ آباد یونیورسٹی

کی طرف سے کل تیس پینتیس روپے کی ان کو پنشن ملی،

اعظم گڈھ واپس آکر مولانا نے اپنے وطن پھریا مین قیام فرمایا، خاندانی موروثی زمینداری کا کچھ کام کبھی کبھی دیکھ لیتے تھے۔ ایک دو لڑکون کو کچھ پڑھا دیتے تھے۔ ورنہ زیادہ تر وقت یاد الٰہی نماز تلاوت، اور قرآن پاک کے غور و فکر مین بسر ہوتا تھا، اسی وقت آیا کہ مولانا مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کی طرف توجہ فرمائین۔

مدرسۃ الاصلاح ... دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب تک کسی چیز کا ڈھنڈورا نہین پیٹا جاتا لوگ اس کو حقیقت نہین سمجھتے۔ ... کو بہت کرکے دکھانا اس عالم فریب کا خاصہ ہے، مگر مولانا کی طبیعت کا رنگ الگ تھا، وہ اعلان و تعلی سے بہت دور رہا کرتے تھے، اور بہت کو تھوڑا لکھکر بھی وہ دکھانا نہین چاہتے تھے۔

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کی بنیاد دین کو بہتون کا ہاتھ شریک ہو لیکن اس کے تخیل کی تعیین اور اس تخیل کے مطابق مدرسہ کو چلانا اس کا نصاب درس بنانا مدرسون کو اپنے انوکھے خیال سے متفق کرنا خاص طلبہ کو اپنے مذاق کی تعلیم دینا اور پورے مدرسہ کو اپنے نہج کے مطابق لے چلنا، خاص انھین کا کام تھا۔

مدرسۃ الاصلاح کیا ہے؟ آج جب کہ ہر بڑے شہر کی گلی گلی مین، بلکہ قصبون اور دیہاتون تک مین عربی کے مدرسے قایم ہین، اور ہر سال اُن کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے تو مولانا کا ایک نئے مدرسہ کے قیام پر اپنی زندگی وقف کر دینا، اور اپنی عمر کے آخری پورے بارہ برس اس پر تصدق کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کے جواب مین بجائے اس کے کہ ہم خود کچھ کہین مدرسہ کی مطبوعہ روداد سے ایک اقتباس نقل کرتے ہین، اور یہ وہ تحریر ہے جو خود مولانا نے لکھی تھی، یا اُن کی فرمایش سے لکھی گئی، اور ان کی نظر سے گذر کر اصلاح پا چکی تھی،۔

"مسلمانون کی موجودہ پستی جو اُن کی زندگی کے ہر شعبہ پر طاری ہے زیادہ تر نتیجہ ہے اس خرابی کا جو ان کی مذہبی تعلیم مین صدیون سے پیدا ہو گئی ہے، جب تک مسلمانون کی مذہبی تعلیم اپنے صحیح نہج پر قایم رہی، وہ برابر دین و دنیا کے تمام شعبون مین ترقی کرتے رہے، لیکن جب سے یہ شاہرا

کج ہوئی، دینی مدارس اور مذہبی پیشواؤن کی کثرت کے باوجود مسلمانون کا زوال شروع ہوا، اور برابر بڑھتا گیا، ....

ان حالات مین خدا نے ایک جماعت کو اپنی توفیق بخشی سے سرفراز کیا، اور اس نے طے کر لیا کہ جس سطح پر علوم دینیہ کی تعلیم ہو رہی ہی، وہ قطعی ناقص اور غیر منتج ہی، جب اسلام ہماری دینی و دنیاوی فلاح کا جامع ہی تو اسلامی تعلیم کے یہی معنی ہون گے، کہ وہ نہ صرف ہمارے عبادات کا دستور العمل ہو، بلکہ زندگی کے تمام شعبون مین وہ ہمارے لئے مشعل ہدایت ہو، اب ہمارے درد کا اگر کوئی علاج ہی تو وہ محض رسمی تعلیم اور نصاب مروج کو ختم کرنا نہین بلکہ مذہبی تعلیم کو اس کے صحیح معنون مین جاری کرنا ہی یعنی وہ وسعت و جامعیت جو اسلام کا مفہوم ہی، اور "تفقہ فی الدین" اسی سے عبارت ہی، اس جماعت نے اس بلند معیار تعلیم کو پیش نظر رکھکر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جسکا نام **مدرسۃ الاصلاح** ہی،

مدرسۃ الاصلاح کا دعوی ہو کہ اس نے مذہبی تعلیم کی صراط مستقیم کو پالیا ہی، اس نے اُسے اپنا مقصد اساسی قرار دیا ہے ...... وہ مقصد اساسی اور وہ صراط مستقیم کیا ہی؟ وہ وہی ہے جس پر آنحضرت صلعم نے اپنی امت کو چھوڑا تھا، اور جس کی آخری خطبہ مین وصیت فرمائی تھی، کہ "مین تمھارے لئے کتاب اللہ چھوڑے جاتا ہون، جب تک اسے مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے" مدرسۃ الاصلاح کا دعوی ہی کہ مسلمانون کے انحطاط و تنزل کا اصلی سبب یہی ہے کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم کو آہستہ آہستہ ترک کرتے گئے اور وہ علوم جو قرآن مجید کے لئے آلہ اور وسیلہ ہو سکتے تھے، انکی تحصیل مین اس قدر مصروف ہو گئے کہ وہ خود مقصود بالذات بن گئے، یہان تک کہ ہوتے ہوتے قرآن مجید کے درس و تدریس کے لئے اُنھون نے بالکل جگہ نہ چھوڑی، اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ محض تلاوت و حفظ الفاظ پر اکتفا کر لیا گیا، اور ہم پر رسول خدا کی یہ شکایت منطبق ہونے لگی، یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو ایک چھوڑی ہوئی چیز سمجھ لیا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ

کی توفیق سے مدرستہ الاصلاح نے یہ راز پالیا اور قرآن مجید کو سرچشمۂ ہدایت وترقی تسلیم کرکے جملہ علوم کی تعلیم اس کی تعلیم کے ماتحت کردی، وہ ادب، فقہ، حدیث، تاریخ، سیر، منطق وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، لیکن اس طور پر کہ جس علم کی طرف قدم بڑھے، قرآن کی روشنی مین، اور جو دروازہ کھلے قرآن ہی کے اندر سے کھلے"

اس تشریح کے بعد آپ نے سمجھا ہوگا کہ مدرستہ الاصلاح کیا ہے؟ اور مولانا نے اس مدرسہ کو ترقی دیکر ملت کی کیا اصلاح کی؟ اور اُنھون نے گران بہا معاوضہ، اعلیٰ اعزاز، دنیاوی منصب اور شہرون کی لذت بخش زندگی کو چھوڑکر، سادگی، قناعت اور گمنامی کے ساتھ اپنی عمر کا ایک جگ کیون ایک دیہات مین بیٹھکر عربی کے ایک مدرسہ کی خدمت گذاری مین بسر کردیا،

یہ مدرسہ مولانا کے گھر سے ایک اسٹیشن کے فاصلہ پر ہے، مولانا ہر ہفتہ مین تین دن شب و روز مدرسہ مین بسر فرماتے تھے، اور سنکر تعجب ہوگا کہ اس اہتمام کے ساتھ آتے تھے کہ اپنے قیام تک کے لئے کھانا پکواکر ساتھ لاتے تھے، یا بعد کو پک کر آجاتا تھا، اس مدرسہ مین مولانا کی ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی، جسمین وہ قیام فرماتے تھے،

اس مدرسہ کی بنیاد محض توکل پر ہے، اور مولانا کو اپنے خدا پر یہ اعتماد تھا کہ کبھی مدرسہ کے متعلق ایک دفعہ بھی یہ تصور اپنے دل مین نہین لائے کہ کل کیا ہوگا، وہ کہتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ "خدا دیگا" اور یہ ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ انکا خدا اُن کو دیتا تھا، اُنھون نے کبھی اپنے مدرسہ کے لئے کسی سے چندہ نہین مانگا، اور کبھی علم اور قوم کیلئے بھی غیر کے آگے ہاتھ نہین پھیلایا، ایک دفعہ مدرسہ ہی کی خاطر کلکتہ کی راہ سے رنگون گئے اور مقصد مدرسہ کا سرمایہ ہی تھا، مگر اپنی زبان سے کسی تاجر وسوداگر سے مدرسہ کے لئے تحریک نہین کی، مگر بہرحال کامیاب آئے،

اُنھون نے سب سے پہلے اپنے مدرسہ کے لئے ایک اچھی خاصی وسیع مسجد بنوائی، اس کے بعد درسگاہ

کے لئے ایک چھوٹا سا بنگلہ بنایا، پھر ایک دار الاقامہ بنوایا جس کی تین کمتین بن چکی ہین، ایک باقی ہی کتبخانہ کے لئے ایک مکان بنوایا مسجد کے علاوہ تمام عمارتون کی چھتین کچی یعنی کھپرون کی ہین، کتبخانہ مین کچھ کتابین اورون کی دی ہوئی ہین، مگر زیادہ خود اپنا ذاتی کتبخانہ مدرسہ کو عنایت فرما دیا تھا، اور جو اُن کی وفات کے بعد مدرسہ کے اندر آبھی گیا ہی،

مدرسہ کا ماہانہ خرچ تعمیرات کے علاوہ پانچ چھ سو ہے بعض مخلصین نے کچھ جائداد ین، اعظم گڈھ، رنگون اور کلکتہ مین مدرسہ کے نام وقف کی ہین، کچھ مدرسہ نے رنگون مین خود خریدا ہی، مگر ہنوز آمد و خرچ برابر نہین، ضلع کے مسلمان سالانہ عُشر اور قربانی کی کھالون اور نقد چندون سے امداد بھی فرماتے ہین، تاہم یہ تمام سرمایہ مدرسہ کی روز افزون ضرورتون کے لئے کافی نہین،

یہ مدرسہ اسٹیشن سرائمیر کے پاس ایک میدان مین واقع ہے، ادھر ادھر دور تک آبادی سے خالی ہے، چارون طرف دور ہٹ کر مسلمانون کے دیہات ہین، یہین کے باشندے اس کے ممبر، خادم اور کارکن ہین، جو موقع پر جمع ہو کر کام کو انجام دیتے ہین اور چلے جاتے ہین، انتہائی سادگی اور صفائی اس مدرسہ کا جزو اعظم ہی، مدرسین مین بعض پرانے مدرسون کے تعلیم یافتہ ہین، چند دار العلوم ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل ہین، اور بعض خود مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہین، مدرسہ کے سب سے پرانے خادم ایک سادہ وضع بزرگ مولانا محمد شفیع صاحب ہین، جو نہایت اخلاص کے ساتھ شروع سے آج تک مدرسہ کی نگرانی اور مالی انتظام کر رہے ہین،

مدرسہ کے یہ مدرسین جس سادگی، اخلاص اور ایثار کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہین، اس کی مثال ہمکو کسی اسلامی درسگاہ مین نہین معلوم، سب سے بڑی تنخواہ اعلیٰ مدرس مولانا شبلی صاحب ندوی کی ہے پینتیس ۳۵ روپے ہے حالانکہ اُن کے پڑھائے شاگرد اور ان کے ساتھی اس سے دوگنی چوگنی زیادہ تنخواہ پا رہے ہین،

مولانا علماء کی گداگرانہ خصلت سے سخت نفرت رکھتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ مولویون کے مدرسہ سے بھی گداگری کی لعنت دور ہو جائے چنانچہ مدرسہ کے لئے بھی انھون نے جائداد خریدی جسکا سال بسال منافع

آتا ہے، اور صرف اپنی کوشش سے تمام عربی مدارس کے برخلاف اس مدرسہ مین تجارتی و صنعتی آمدنیون کے ذرائع پیدا کئے، خود اپنی طرف اور مدرسہ کے بعض مخلص ہمدردون کی طرف سے کچھ سرمایہ لگا کر مدرسہ مین آٹا پیسنے کا مشین مع انجن کے لگایا، اور اس سے مدرسہ کو روزانہ کی آمدنی ہوجاتی ہی، مدرسہ کے اندر جوتا بنانے کا ایک شعبہ قائم کیا جہان اچھے جوتے پمپ اور شو وغیرہ بنتے ہین،

مدرسہ کی تعلیمی کیفیت یہ ہے کہ تمام مدرسین مولانا کے زہد و تقویٰ اور فضل و کمال سے اُن کے گرویدہ تھے، سب سے پہلے مدرسین کو اپنا ہم خیال بنایا، اُن سے قرآن مجید کے مباحث اور علوم عالیہ کے مسائل مین اپنی تحقیقات بیان فرماتے رہتے تھے، اُن کو اپنا طریقۂ تعلیم سمجھاتے اور بتاتے تھے، عربی مین صرف و نحو کی تعلیم مین سب سے زیادہ وقت برباد ہوتا تھا، خود مولانا نے صرف و نحو کے دو رسالے لکھے جنکا مدار تمام مشق پر ہے، وہ دونون رسالے وہان پڑھائے جاتے ہین، اور وہ کافی ہوتے ہین، نصاب تعلیم سے تمام غیر ضروری علوم نکال دئیے ہین، قدیم منطق و فلسفہ کی ایک ایک دو دو کتابین رہنے دی ہین، ادب عربی پر خاص زور دیا، فقہ کی تعلیم فقہ اسلامی کی حیثیت سے دیجاتی ہو، حدیث کسی عصبیت کے بغیر پڑھائی جاتی ہے، اور تعلیم کا اصلی مرکز و محور قرآن مجید کو رکھا گیا ہی،

مولانا جب تک زندہ رہے خود مدرسین اور اعلیٰ طلبہ کا ایک حلقہ بناکر اس کو پورے قرآن مجید کا درس کئی دفعہ مختلف نقطہ ہائے نظر سے دیا، ساتھ ساتھ جدید فلسفہ کی بعض شاخین بھی ان طلبہ کو خود پڑھائین، چنانچہ بعض مستعد طلبہ نے مولانا کے اس درس سے پورا فائدہ اٹھایا، جنمین قابل ذکر مولوی امین احسن صاحب اصلاحی ہین، ہماری آیندہ توقعات اُن سے بہت کچھ وابستہ ہین،

مولانا اخیر عمر مین تصنیف و تالیف کے بجائے اپنا تمامتر وقت انھین طلبہ کے غور و پرداخت اور تعلیم و تربیت پر صرف فرماتے تھے، اور انھین کو اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے تھے،

زبان اردو کی پہلی تصنیف اور اس کا مصنف

از

جناب ابن مظہر صاحب زبیر فاروقی، حیدر آبادی

آج کل ملک میں اردو کی قدیم تاریخ کے غیر مربوط سلسلوں کو باہم جوڑنے کی کوششیں جاری ہیں، تاکہ یہ زبان بھی دنیا کی مستند زبانوں میں شمار ہو، اس لئے بڑے اساتذہ اردو ادب کارناموں کی چھان بین کرکے اُن کے خدمات کو دنیا کے آگے پیش کر رہے ہیں اور نئی تلاش کا سلسلہ برابر جاری ہے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو اس کی تاریخ میں کوئی ایسا شخص چھوٹ جائے، جو اس زبان کا موسس معاون رہا ہو، اور پھر اس مسلسل تحقیقات سے مدد لیکر اردو کی مکمل اور مبسوط تاریخ لکھی جاسکے،

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کے قول پر لوگ ولی دکنی کو اردو شاعری کا آدم تسلیم کرتے تھے، لیکن ان کے بعد جو محققین کی جماعت پیدا ہوئی ہے، وہ آئے دن اپنی نئی نئی تحقیقات سے نئے نئے معلومات بہم پہونچا رہی ہے، کچھ عرصہ تک یہ خیال بھی رہا کہ ملا غواصی اور نصرتی و عبداللہ قطب شاہ بھی اردو کے اولین شعرا میں سے ہیں، لیکن اس کے بعد کی تحقیقات سے جو پتہ چلا ہے، وہ ذیل کے چند نفوس زبان اردو کے اولین محسن خیال کیے جاتے ہیں،

(۱) حضرت امیر خسرو (علیہ الرحمہ) (۲) حضرت خواجہ بندہ نواز (علیہ الرحمہ)

(۳) حضرت شاہ (شیخ) خوب محمد چشتی گجراتی (علیہ الرحمہ)

پہلے سلسلہ کا نام، جو حضرت امیر خسرو کا ہے، ان کے اشعار کے متعلق اکثر بلکہ بیشتر لوگ

مختلف الخیال ہین اور جو اشعار اُن سے منسوب کئے جاتے ہین، وہ مشکوک ہین لیکن تاہم ہمارا خیال ہے کہ اردو کی بنیاد اس زمانہ مین پڑچکی تھی لیکن اس عہد مین کوئی تالیف یا تصنیف نہین کی گئی،

حضرت خواجہ صاحب کو اردو کا اولین مصنف خیال کیا جاتا ہی، چنانچہ اس کے ثبوت مین ان کے کئی رسالون مین سے ایک رسالہ جو زیادہ طور پر موثق سمجھا جاتا ہی، وہ رسالہ "معراج العاشقین" ہے اس رسالہ کو مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے تاج پریس مین چھپوا کر شایع کر دیا ہی، اس کے تقریباً (۲۴۳) سطرین ہین، اس رسالے مین صرف تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہین،

اکثر لوگون کا خیال ہے کہ "یہ رسالہ اصل نسخے کی صحیح نقل نہین معلوم ہوتا" کیونکہ جگہ جگہ الفاظ اور فقرے حذف کر دئے گئے ہین، اور اُن کا یہ بھی گمان ہے کہ "شاید یہ کتاب کسی شمالی ہند کے باشندے کی تحریر ہو"، اگر ہم اس رسالہ کو خواجہ صاحبؒ ہی کا مان لین، تو جب بھی یہ ایک مختصر سا رسالہ نثر ہی،

تیسرا نام جو پیش کیا جاتا ہے، وہ شاہ خوب محمدؒ گجراتی کا ہے جنکی ذات، ہمارا موضوع قلم ہی،

اس زمانے مین صوبۂ گجرات کے پرسکون امن وامان نے وہان بھی بہت سے اہلِ علم پیدا کئے تھے، اس علاقہ پر مسلمانون نے متعدد حملے کئے، لیکن پانچوین صدی کے اوائل کا وہ مشہور حملہ ہے، جو سلطان محمود غزنوی نے لشکر جرار کے ساتھ اس پر کیا تھا، اس حملہ کا اثر یہ ہوا کہ یہان بھی کچھ مسلمان آباد ہو گئے، ان کی تعداد مین برابر اضافہ ہوتا رہا، یہان تک کہ سلطان علاؤالدین خلجی کے عہدِ سلطنت مین یہ صوبہ مسلمانون کے قبضۂ اقتدار مین آگیا، اور اس پر اسلامی شان وشوکت کا پرچم لہرانے لگا، اس کے بعد پھر اس پر کوئی زبردست حملہ نہ ہوا، اور یہان کے صوبہ دار ایک عرصہ تک سلطنت دہلی کے ماتحت رہے، لیکن خاندانِ تغلق کے تاجدار فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد دکن کی ریاستین آزاد ہوگئین تو پڑوسی کی خوش حالی کو دیکھ کر، صوبۂ گجرات نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اور تقریباً دو سَو برس تک بالکلیہ آزاد رہا،

سلاطین گجرات نے اپنی علم پروری سے بہت سے اہل علم کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا اور خود وہان کے باشندے بھی علم و ادب کے بڑے ماہر تھے، محمود شاہ اول اور بہادر شاہ کے علمی اور ادبی ذوق نے ان لوگون کی بہت حوصلہ افزائی کی، ان کے عہد حکومت مین اردو زبان جو اس وقت مقامی حالات کے تحت گجراتی کہلاتی تھی، بولی اور سمجھی جاتی تھی، ان کے زمانۂ سلطنت مین اس زبان نے اچھی خاصی ترقی کر لی، یہان تک کہ اسمین تصنیف و تالیف کا کام بھی ہونے لگا، چنانچہ خوب محمدؒ اسی عہد کے شاعر معلوم ہوتے ہین، انھون نے خوب ترنگ مین بہت سے مقامات پر بہادر شاہ کا ذکر کیا ہے، چنانچہ یہ ایک شعر ملاحظہ ہو:-

فتح ہوئی مانڈو کی جب،
حاکم شاہ بہادر تب.

اگر آٹھوین صدی ہجری مین اردو کی کوئی مستقل اور مستند تصنیف پیش کیجا سکتی ہے، تو صرف خوب محمدؒ کی کتاب خوب ترنگ ہی ہوسکتی ہے، اس کتاب کو زبان اردو کی اولین تصنیف، اور اس کے مصنف شاہ (شیخ) خوب محمدؒ کو اردو شاعری کا آدم قرار دیا جائے، تو بلا شبہہ ٹھیک اور درست ہے، کیونکہ اب تک جتنے شعراء اور مصنفین اردو کا پتہ چلا ہے، وہ یا تو قیاسی ہین، یا اگر ہین تو ان کے اشعار کی تعداد بالکل ہی کم ہے، جو حقیقت مین شمار اور وقعت کے قابل نہین.

یہ کتاب گجری زبان مین ہے، قدیم اردو کے کئی نام تھے، گجرات مین جو بولی، بولی جاتی تھی اس کا نام گجری زبان ہوا، اور دکن مین جو مروج تھی وہ دکنی یا ہندی کہلائی، ان دونون مقامون کی زبان مین کچھ زیادہ فرق نہ تھا، البتہ مقامی حالات و معاشرت کے تحت، صرف چند الفاظ کا فرق تھا، جس زمانے مین یہ گجری، علاقۂ گجرات مین بولی جاتی تھی، اسی عہد مین، دکن مین دکنی زبان بھی مروج تھی، شاہان گجرات کی بیدار مغزی، اور سلطنت کے نظم و نسق کی خوبیون، اور حکومت کے بہترین

قوانین، بڑے بڑے کارزارون اورمعرکون مین شجاعانہ وبہادرانہ مقابلون نے دکن پر بڑا اثر ڈالا خصوصاً بہادرشاہ کا عہد ان کارنامون کے باعث بہت مشہور رہے، تو اریخ گجرات ناقل ہین کہ بہادرشاہ کا اثر دکن پر اس قدر بیٹھا ہوا تھا، کہ شاہانِ دکن نے اپنے خطبون مین اس کا نام تک شریک کروا لیا۔ جب دونون سلطنتون مین اس قدر باہمی ارتباط وتعلق تھا، تو ضرور اس کا اثر زبان پر بھی پڑا ہوگا، حال ہی مین بعض اصحاب، خوب ترنگ اور اُس کے مصنف کو پبلک سے روشناس کرا چکے ہین، مین اپنے مضمون مین، اصل کتاب کے مطالعہ سے اُسے اور تفصیل کے ساتھ بیان کرونگا،

ڈاکٹر اسپرنگر نے کتبخانہ شاہان اودھ کی فہرست مین خوب ترنگ کے ایک نسخہ کا ذکر کیاہے، اور اس کے مصنف کا نام کمال الدین محمد سیستانی اور تخلص خوب بتایا ہے، ڈاکٹر موصوف کے خیالات جو انھون نے اس کتاب کے متعلق ظاہر کئے ہین، وہ بہت کم صحیح ہین، ہم آگے چل کر ان سب کی وضاحت کرین گے، ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی لکھاہے، کہ فارسی زبان مین مصنف نے اس کی ایک شرح لکھی ہے، اس کا نام "امواجِ خوبی" رکھا ہے، پھر شرح کا سنہ تالیف ۹۸۶ھ بیان کرکے، دیباچہ سے یہ چند سطرین بھی نقل کی ہین،

"قصیدہ براعت استہلال، ما بعد حکایت تمثیل عذر خواہی، تاریخ کتاب آغازِ خوب ترنگ با ترجمہ شرح نامکہ مسامت باموا ج خوبی، از بعضے منقولات حضرت شیخ کمال محمد رحمہم اللہ، در معارفِ محمدیہ علیہ السلام"

انڈیا آفس مین اس کے دو نسخے موجود ہین، پہلے کی تاریخ تحریر ۳ صفر ۱۰۸۶ھ دوسرے کی ۲۸، ربیع الثانی ۱۰۸۶ھ ہے، ان دونون مین صرف فرق اتنا ہے کہ پہلے مین اصلِ نظم حاشیہ پر ہے اور دوسرے مین اصل عبارت متن مین اور شرح حاشیہ پر لکھی گئی ہے، (دیکھئے مخطوطاتِ فارسی (۱۰۵۵) اور (۲۶۰)۔

اردو شہ پارے کے مصنف ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور نے شیخ خوب محمدؒ کی تصنیف کا نام "خوش ترنگ" بتلایا ہی، لیکن صفحہ (۴۵۴) پر جو سنین درج کئے ہین، اُس مین امواجِ خوبی کا سنہ تالیف یون درج ہے،

"۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ء امواج خوبی (خوب ترنگ کی فارسی شرح) کی تکمیل گجرات"

یہان پر خوب ترنگ نام لکھنے سے، یہ پتہ چلتا ہے کہ کاتب نے صفحہ (۱۵) پر غلطی سے خوب ترنگ کے بجائے "خوش ترنگ" لکھ دیا ہے،

یہ کتاب، ایک طویل مثنوی ہے، اس کا موضوع مسائلِ تصوف ہین، فن شاعری کی حیثیت سے اس مین کوئی خوبی نہین، اور نہ خوب محمدؒ کوئی خوش گو شاعر تھے، صرف اپنے مرشد کے اقوال کو نظم کرنا مقصود تھا، اس لئے انھون نے اس کتاب مین سوائے مسائل تصوف کے اور کوئی چیز بیان نہین کی، وہ درویش صفت اور فقیر منش آدمی تھے، شاعری تلازمات اور اس کے تکلفاتِ لایعنی کی دردسری کیون گوارا کرتے، پھر بھی مثنوی کی طرزِ عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ متوسط طبقہ کے شعرا سے تو ضرور تھے، موجودہ دریافت مین صرف یہ کتاب، زبانِ اردو کی اولین مستقل اور مستند تصنیف ہونے کے باعث قابلِ قدر ہی[1]،

اس دور کی جتنی بھی تصانیف ہین، زیادہ تر اسی موضوع (تصوف) پر نظر آتی ہین، یہ کتابین اس بات کی شہادت دیتی ہین، کہ ان دنون فلسفہ و تصوف کا خوب زور تھا، مشرق مین کشش روحانی کا عمل دخل تھا، ہند کے جس کونے پر نظر پڑی، ہر شخص اسی رنگ مین رنگا ہوا، نظر آتا تھا، یہ کتاب ساری معرفتِ الٰہی سے پر اور تصوف کے بیانات سے لبریز ہے،

---

[1] اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے، انڈیا آفس کے علاوہ انگلستان کے ذخیرۂ دکھنیات مین، اور نواب سالار جنگ بہادر، و مولوی عبدالحق صاحب بی اے، کے کتبخانون مین بھی پائے جاتے ہین،

اس کے با کمال مصنف کا صحیح نام، خوب محمدؐ ہی ہے، مصنف کی سوانحِ حیات معلوم کرنے کے لئے جن جن کتابون کا مطالعہ کرنا پڑا، اُن سب مین ان کے نام کا سر حرف بدلا ہوا دکھائی دیا، کہین میان لکھا تھا تو کسی مین شاہ، اس اختلاف سے ہمین بحث نہین، یہان تو صرف خوب محمدؐ کے نام اور اُن کی تصنیف سے کام ہے،

میان صاحب ولی کامل اور عابدِ مرتاض تھے، رات دن خدا کی عبادت مین مصروف اور اس کی محبت مین سرشار رہتے تھے، علم دین کے متبحر عالم تھے، ان کے ارادت مندون کا حلقہ بھی وسیع تھا، انھون نے اس کتاب مین اپنے مرشد کا نام شیخ کمال محمدؐ سیستانی بتلایا ہی، شیخ کمال محمدؐ کی ہستی بھی اس وقت کے اولیاءِ عظام سے تھی، گو آپ سیستان مین پیدا ہوئے، لیکن عمر کا بڑا حصہ بغداد مین بسر فرمایا، اُس زمانے مین آپ جیلانی بسطامی شاہ کے لقب سے مشہور تھے، چنانچہ خوب ترنگ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو، جو عذرِ کتاب کی تحت درج ہے،

مین مرشد تھین سینان بیان ‫ ‫ دی مرشد صاحبِ عرفان،

جھون مجھی سکھلایا دین، ‫ ‫ جنھین مجھ دل ہوا لیقین،

جیلانی بسطامی شاہ، ‫ ‫ بغدادی جس چستر کلاہ،

ہر ماضی پر حجت لیکھ، ‫ ‫ ہون معتقد ہوا، اُن دیکھ،

وارث محمدؐی ہر تھا نون، ‫ ‫ شیخ کمال محمدؐ نانون،

کیا عروج مقام اقدم. ‫ ‫ اللھم اغفر و ارحم.

کہ تاریخ تہون کی خوب ‫ ‫ جن عدد دون ذاکر محجوب

"ذاکر محجوب" سے سنہ (۹۸۶) ہجری نکلتا ہی.

اُن کو تھا یہ علم کمال ‫ ‫ خذالعلم افواہ الرجال،

اس کے چند سطر بعد کتاب کا نام بھی درج فرمایا ہی، ملاحظہ ہو،

وہ جو مجھکو ن آئی ترنگ　　　جمع کئی لی تس تس ڈھنگ

پیشِ نظر نسخے مین اس شعر کی شرح فارسی مین یون درج ہے،

"یعنی از آن جرعہ دریانما، مر موجے کہ زد جمع کردم"

خوب ترنگ تس دیا خطاب　　　مدح رسول اللہؐ کی باب

ڈاکٹر اسپرنگر نے جو "کمال الدین محمد سیتانی" نام لکھاہے، وہ ان بیانات سے غلط ثابت ہوتا ہی، ڈاکٹر صاحب کو ناموں کے سمجھنے مین غلطی ہوئی، انھون نے مرشد کے نام کو مصنف کا نام سمجھا، لیکن پھر بھی یہ کمال الدین محمدؐ، نام معلوم نہین کس طرح لکھدیا، مصنف نے جو شرح لکھی ہی، اُس کا نام بھی اپنے نام کے مناسبت سے "امواج خوبی" رکھاہے، ان باتون سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ مصنف کا نام خوب محمدؐ ہی ہے، اور ہمارے دوسرے بیانات سے بھی آیندہ ثابت ہوگا، شیخ خوب محمدؐ گجرات کے باشندے تھے، اور احمد آباد کے مضافات مین رہتے تھے، وہ اس کتاب مین "ہم عذر خواہی در نظم" کے عنوان مین، پہلے شعر کی شرح یون تحریر فرماتے ہین، ؎

جیون مری بولی، مین بات　　　عرب عجم مل ایک سنگھات

"یعنی[1] چنانچہ ہر یک شعرا بزبانِ خود شعرمی گویند من بزبان گجراتی کہ آمیزست بالفاظ عربي وعجمی بے کم وبیش می گویم عیب نکنید"

اس مقدس ہستی کا انتقال شہر برہان پور مین ہوا، اُن دنون برہان پور اہل علم کا مرکز، اولیائے کرام کا معدن، اور شرفا کا مخزن تھا، اس کی عظمت کو تاریخی حیثیت نے، اور چار چاند لگادیئے، لیکن اس بات کا پتہ نہین چلتا، کہ انھون نے احمد آباد کو خیرباد کہکر، برہان پور کا کیون

---

[1] فارسی عبارت بالکل اسی طرح نقل کی گئی ہو جسطرح کہ کتاب مین درج ہی،

رخ کیا، وہین حیاتِ مستعار کے بقیہ ایام یادِ الٰہی مین بسر کرکے سنہ ۱۶۱۴ء مطابق سنہ ۱۰۲۳ھ مین خوب ترنگ کی تالیف کے (۲۲) برس بعد، عالمِ جاودانی کی راہ لی،

تحفۃ الکرام کی جلد اول مین، صفحہ (۶۷) پر خوب محمدؒ کے متعلق حسبِ ذیل سطور درج ہین،

" میان خوب محمد چشتی درویش کامل و صاحبِ لسان، و صاحبِ سخن بودند، در تصوف دستِ رسا داشتہ و بر جامِ جہان نما شرح نوشتہ، امواجِ خوبی و خوب ترنگ نیز از ایشان یادگار مشہور و معروف است" بست و چہارم شہر شوال سنہ یکہزار و یک صد و سہ بعالمِ دیگر انتقال نمودند، تاریخِ وصال "خوب تھے" گفتہ است۔ قبر شریف در چوک احمدآباد متصل مسجدِ فرحت الملک دروازہ واقع است"

صاحبِ تحفۃ الکرام کا یہ بیان کہ میان خوب محمد چشتی نے سنہ ۱۰۰۳ھ مین وفات پائی، خود اُن کے پیش کردہ۔ مادۂ تاریخ سے غلط ثابت ہوتا ہی، وہ لکھتے ہین کہ کسی نے اُن کی تاریخِ وفات "خوب تھے" لکھی ہی، ابجد کے حساب سے اس سے سنہ ۱۰۲۳ھ نکلتا ہے، یہ زمانۂ وفات (۱۰۰۸) کے قریب قیاس ہوسکتا ہی، اگر سنہ (۱۰۰۳) ہجری کو مان لین تو یہ دقت پیش آئے گی کہ خوب ترنگ تو سنہ ۹۸۶ھ مین تصنیف ہوئی، اور اس کی شرح کی تکمیل سنہ ۱۰۰۱ھ مین ہو تو گویا خوب ترنگ کی تالیف کے (۱۷) برس بعد انکا انتقال ہوا، اس لحاظ سے سنہ ۱۰۰۳ قابلِ قبول نہین، اب ہمارے پیش کردہ سنہ وفات (۱۰۰۸) ہجری اور (۱۰۲۳) مین بھی پندرہ برس کا بل پڑتا ہی یعنی تصنیفِ کتاب کے (۳۷) برس بعد انتقال کا ہونا، یہ ایک ایسا قیاس نہین قرار دیا جا سکتا ہے، جو قیاس مع الفارق سمجھا جائے، اس لئے اس مسئلہ پر زیادہ بحث کی ضرورت نہین،

ایک دوسری بات تصفیہ طلب یہ ہی کہ انھون نے احمدآباد ہی مین وفات پائی یا برہان پور مین؟ اُن کے خاندان کا ایک مرید جو خود ان کی کتاب کی شرح لکھ رہا ہی، وہ لکھتا ہے، کہ برہان پور مین انتقال ہوا، اور مولفِ شہ پارے جلد اول نے تحفۃ الکرام کے مصنف کا ساتھ دیا ہے، اُن کا بھی

یہ بیان ہے کہ "وہ چوک احمد آباد مین دفن ہوئے"

لیکن ہم اپنے اس بیان کی تصدیق کے لئے ان کے اس مرید مذکور کا بیان درج کرتے ہین، جسکو اس نے خوب ترنگ کی خود نوشتہ شرح کے دیباچہ مین لکھا ہے، (یہ کتاب کتبخانہ آصفیہ مین شرح خوب ترنگ کے نام سے فارسی زبان کے فن تصوف مین موجود ہے) لکھتا ہے، ؎

ہست برہان پور مقام دمدفنش رہنمائی مریدان فنش

یہ ساری شرح فارسی زبان مین منظوم ہے، اس کا مصنف (یا کاتب) محمد یحییٰ قادری ہے، جو لاہور کا باشندہ تھا، اس شرح کا نام بھی "شرح خوب ترنگ" رکھا ہی،

اس شرح کے آخری صفحے مین یہ عبارت درج ہے،

"تاریخ اختتام غرہ شہر رمضان ۱۰۹۶ھ روز یکشنبہ محمد یحییٰ قادری لاہوری"

اور شروع صفحہ پر اس طرح درج ہے:۔

"شرح کتاب خوب ترنگ از تصنیفات حضرت قطب العرفا شاہ خوب محمد چشتی گجراتی قدس سرہ العزیز"

کیونکہ یہ شرح مصنف کے عہد سے ایک حد تک قربت رکھتی ہی، اور اس کا مصنف ان کے خاندان کا مرید بھی ہے، تو اس لئے ہم اس بیان کو تحفۃ الکرام کے بیان سے زیادہ صحت پر مبنی سمجھنے پر مجبور ہوتے ہین،

مصنف خوب ترنگ کے اجداد کے خاندان کا خاص تعلق حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ سے ہے، قادری اور شطاری خاندان مین بھی پیری مریدی کرتے آئے ہین، چنانچہ محمد یحییٰ قادری دوسری جگہ لکھتا ہے، ؎

قادری و شطاری است اور اطریق لطف حق بودہ ہر حالش رفیق

ان کے بعد ان کی اولاد بھی برہان پور ہی مین مقیم رہی جس وقت یہ شارح شرح لکھ رہا تھا اس وقت تک اُن کی اولاد زندہ موجود تھی. وہ شرح کے دیباچہ مین اُن کے لئے دعا کرتا ہی، ؎

قدس سرہ سرّ جمیل ، عمر فرزندان او بادا طویل

خوب محمدؒ نے جو خود شرح لکھی ہے، اس کا بھی ایک نسخہ کتبخانۂ آصفیہ مین موجود ہے، اس نسخے کے آخر صفحہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو،

"نسخۂ امواج خوبی، شرح خوب ترنگ من تصنیفات شیخ خوب محمد چشتی گجراتی کتبہ فاضل ساکن حیدرآبادی، ہشتم شہر شعبان سنہ ۱۲۹۰ھ روز سہ شنبہ بوقت نیم ساعت روز گذشتہ در سکندرآباد عرف حسین ساگر"

اسپرنگر نے جو امواج خوبی کا سنہ تصنیف (۹۶۰) ہجری بتلایا ہے، وہ قرین قیاس نہین، کیونکر ممکن ہو سکتا ہے، کہ جب کتاب ہی لکھنا شروع نہ کی گئی ہو، قبل از قبل اُس کی شرح تیار ہو جائے، خوب ترنگ کا تو وہ سنہ تالیف (۹۸۶) بتلائین اور شرح اصل کتاب سے (۲۶) برس پہلے ہی تیار ہو جائے، اکثر لوگون کے پیش کردہ سنین سے بھی، ان کا بیان غلط ثابت ہوتا ہے، اب تک خوب ترنگ کی یہی دو شرحین دستیاب ہوئی ہین،

ڈاکٹر زور نے اردو شہ پارے جلد اول مین امواج خوبی کا جو سنہ تالیف سنہ ۱۵۹۲ء لکھا ہی، وہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ خوب ترنگ سنہ ۹۸۶ھ ۱۵۷۸ء مین تصنیف ہوئی، اس کے چودہ سال بعد مصنف کو اس کی شرح سنہ ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۲ء مین لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی،

خوب محمدؒ نے عربی و فارسی پر پوری پوری مہارت ہونے کے باوجود اس کتاب کو ایک بازاری زبان، جو اُس زمانے مین باعث ننگ و شرم خیال کیجاتی تھی تصنیف کیا،

شیخ موصوف نے خوب ترنگ کی شرح، امواج خوبی مین بہت بہت معافی چاہی ہے،

اور اصل کتاب مین بھی متعدد شعر معذرت مین کہے ہین،

ایک جگہ فرماتے ہین ؎

خوب کہی کا خوب ترنگ سنتین کھو نہ کیجیو تنگ

دوسری جگہ عذر خواہی کے ساتھ ساتھ تاکید بھی فرماتے ہین، ملاحظہ ہو، ؎

جو کچھ خطا اس منہ تون پائی ادسے صحی کر براخدائی

ہن اتنا کھون کو دجھپائی مت ان سمجھی بول بھرائی

اس کی شرح مختصر الفاظ مین، یون آخری شعر کے نیچے درج کی ہی،

"یعنی بہزار منت می گویم کہ بے فہمید تغیر و تبدیل سخن مکن"

"درہم عذر خواہی در نظم" کے عنوان کے بعد، کے دوسرے شعر ملاحظہ ہون ؎

تیو نہین کہو نکا کرین کھوڑ، ایا بول کیا نہین چھوڑ،

(عیب)

انہان شعر کا قصد نہ لیکہ انہان مراتب کھون سو دیکھ،

غرض یہ کہ. بے چارے کسی مجبوری کے باعث یا کسی ایسی وجہ سے اس کو ہندی ہین لکھ گئے ہین، کہ خود کو یہ کام حقیر اور ذلیل معلوم ہوتا تھا، بے چارے زمانہ کے طور طریق سے اس زبان کے استعمال کو ذلت خیال کرتے تھے.

اس کتاب کا صحیح نام خوب ترنگ ہے، اس کا آغاز: دوسری ماہ شعبان روز دوشنبہ ۹۸۶ھ مین ہوا ہے، اور تقریباً چھ ماہ کے عرصہ مین اس کتاب کی تحریر اختتام کو پہونچی یعنی محرم کے مہینے مین ختم ہوئی، چنانچہ مصنف کی لکھی ہوئی تاریخ ملاحظہ ہو،

نسخے کی تاریخ اِس تھا نہ پائے عددہر مصرع مانہ

خوب محمد کتی بچارا چودہ گھاٹ اس برس ہزار

دو جا چاند، سوتھا شعبان　　　دیس دو شنبہ لکھیا بیان

تو گویا کتاب ۱۱۱۴ھ مین مکمل ہوئی شاہ صاحب کبھی اپنا تخلص خوب اور کہین پورا نام خوب محمد بھی نظم کرتے تھے

اس کا جو نسخہ پیش نظر ہے، اس کے (۱۴۹) صفحے بڑی سائز پر مین، کتاب کا کاغذ نہایت ہی قدیم معلوم ہوتا ہے، اس کی طرز تحریر اور بعض مشکل الفاظ اور اشعار کی شرح سے یہ شائبہ گذرتا ہے کہ شاید یہ کتاب مصنف کی خود نوشتہ ہو، اس کی اختتامی سطر ملاحظہ ہو،

"تمام شد کتاب خوب ترنگ، در شہر خرم در بلدہ بسونت نگر"

ہم نے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی کہ "بسونت نگر" کے محل وقوع کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرین، لیکن اس مین کامیابی نصیب نہیں ہوئی، گمان غالب یہ ہے کہ شاید صوبہ گجرات کا کوئی مشہور قدیم شہر ہوگا۔

کتاب کی عبارت کا آغاز "رحمت اللہ باد احمد را، امر" کے بعد اس کے نیچے ایک سطر مین بسم اللہ الرحمن الرحیم، رب یسر وتمم بالخیر کے درمیان لکھی ہوئی ہے، اس سطر کے بعد ان اشعار سے کتاب کا آغاز ہوا ہے،

بسم اللہ کہون بہت ذات　　　جس رحمان رحیم صفات

اس شعر کی شرح جو فارسی مین مصنف نے اس کے نیچے درج کی ہے، ملاحظہ ہو،

"بنام حق از ہستی مطلق سخن آغاز کنم، کہ آن ذات بصنعت رحمت وجودی، عام وخاص را ظہور کرد"

ذات صفات اسما افعال　　　جمع مفصل جیند اک حال

اس شعر کی شرح،

"یعنی ذات وصفات، اسمار و افعال، جمع و تفصیل در یک حال اند، مثالش تخم چون جمع است و شاخ و برگ و شگوفہ تفصیل تعین شجر محل جمع و تفصیل است کہ حال تخم و شاخ و شگوفہ است"

پوری کتاب ذیل کے مضامین عنوانات پر منقسم ہے، جن کی لفظ بہ لفظ نقل کیجاتی ہی،

(۱) حمد خدا مع دو تمثیلات، (۲) عذر کتاب مع ایک تمثیل، (۳) ہم عذر خواہی در نظم، (۴) آغاز خوب ترنگ، (۵) مرتبہ لاتعین ہویت ذات مطلق نمودن در خود مع ایک جھولنہ کے (۶) حضرت وحدت (۷) قوس احدیہ، (۸) بیان فرق میان احدیت وغیب ہویت مع دو تمثیل و ایک جھولنہ (۹) قوس ظاہر وجود (۱۰) قوس ظاہر علم مع سوال وجواب و تمثیل مراتب، (۱۱) حقایق موجودات کہ در ہر مرتبہ نامے دیگر دارد مع ایک جھولنہ، (۱۲) خلق پیش از ظہور عین حق بود وحق بعد از ظہور عین عالم (۱۳) یافتن ذات مطلق از اسقاط اضافات، (۱۴) وجودے کہ قائم بوجودے بود، در حقیقت اورا وجودی نہ بود (۱۵) حکایت آمدن از طرف وجود، و مالک شدن بر ہر مقام (۱۶) مراتب وجود (۱۷) اول نور وجود محسوس میشود، اما از لطافت مدرک نمیگردد (۱۸) تفصیل حضرت الٰہیت (۱۹) فرق مراتب مع ایک جھولنہ (۲۰) بطور صفات حق وعید مع ایک جھولنہ (۲۱) احاطہ افعال حق در عالم (۲۲) حق فاعل بصارت است، نہ بذات مع ایک جھولنہ کے، (۲۳) ہر صفات کہ است بحر ہستی در ملی گردد مع دو سوال اور ایک جواب و ایک جھولنہ کے (۲۴) اللہ و عبد از روے ہستی ہر یک باحدیت خود قایم اند مع ایک جھولنہ (۲۵) مقدمہ فاعل مختار مع تمثیل و ایک جھولنہ (۲۶) مرتبہ محمدیت مع ایک جھولنہ (۲۷) مرتبہ اعیان ثابتہ کہ حکما آن را ماہیات خوانند مع دو جھولنے اور ایک سوال وجواب کے (۲۸) حضرت روح، (۲۹) دائرہ عشق در تمثیل روح مع ایک تمثیل (۳۰) مرتبہ عبودیت (۳۱) حکایت مرتبہ خلافت، (۳۲) حضرت قلب و مثال (۳۳) حکایت تمثیلات و علم، (۳۴) حکایت صفائی دل (۳۵) حکایت در مرتبہ طلب، (۳۶) حکایت مرتبہ سلوک، (۳۷) حکایت سند مراقبہ (۳۸) حکایت

مرتبہ تفرقہ جمعیت (۳۹) حکایت سوال وجواب درنفی واثبات (۴۰) حکایت مراقبہ در شغل علم (۴۱) حکایت مراقبہ درشغل سمع (۴۲) حکایت مراقبہ درشغل بصر، (۴۳) شرط ذکر (۴۴) مرتبہ غیرت (۴۵) مراتب عشق، (۴۶) حکایت مرتبہ حیرت (۴۷) مقامات معراج (۴۸) حکایت مرتبہ شفاعت ولایت کہ آنجا گناہ عین عبادت است (۴۹) حکایت تمثیل سیرکردن خواب مع دو اقسام خواب (۵۰) مرتبہ رسالت (۵۱) حکایت المجاز قنطرت الحقیقة (۵۲) حضرت جسم (۵۳) حجاب صورت (۵۴) حجاب رنگ (۵۵) حجاب الیاء ثلاثہ (۵۶) حجاب لذت (۵۷) حجاب محسوس لمس، (۵۸) حجاب بوی مع سوال وجواب (۵۹) حجاب آواز (۶۰) حجاب نقل مع حکایت تمثیل (۶۱) عناصر اربعہ مع سوال وجواب (۶۲) مو الید ثلاثہ (۶۳) حکایت دانستن مقصد (۶۴) حکایت غفلت زخود (۶۵) مرتبہ انسان کامل

اس کتاب کے مسطورۂ بالا (۶۵) عنوان ہیں، مگر رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۹ء میں (۱۸) عنوان کا ذکر ہے، تصوف کے مسائل کو اس قدر وضاحت او تمثیلات سے بیان کیا گیا ہے، کہ معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ لے، اور ایسے ایسے نکات درج کئے ہیں کہ شاید ہی اس زمانہ کی کسی دوسری تصوف کی کتاب میں مشکل ملیں، اس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے، کہ ہر ایک مسئلہ نہایت واضح ہو، تاکہ متعلمان تصوف کے لئے کوئی مشکل باقی نہ رہے،

گروہ صوفیہ کے علاوہ دوسروں کی نظر میں اس کتاب کا اڑتالیسواں ۴۸ عنوان "حکایت مرتبہ شفاعت ولایت کہ آنجا گناہ عین عبادت است" نہایت ہی تعجب خیز ہے،

معارف: بیجاپور کے سفر میں شاہ امین الدین علی کے مقبرہ میں ہمنے ایک چھوٹا سا کتبخانہ دیکھا تھا جسمین تصوف کی بعض قلمی کتابیں تھیں، انمیں ایک رسالہ سلوک بھی تھا جسپر مصنف کا نام اسطرح لکھا تھا "محمد میاں گجراتی بن شیخ حسام الدین محمد عرف خوب میاں بن شیخ رشید الدین مودود لاحشی (الچشتی ؟) فرحشائی متوطن احمد آباد گجرات" قابل تحقیق ہے کہ یہ "خوب میاں" نہی "شاہ خوب" تو نہیں ؟ "سلیمان"

خیابانِ دانش

چھٹا باب

(تقسیمِ فلسفہ)

از مولوی ابو القاسم صاحب سرور (حیدر آباد)

تعریف کی طرح تقسیمِ فلسفہ مین بھی اختلافِ آرا ہے۔ فلسفہ کی مختلف تقسیمون کے وسیع سلسلہ مین صرف ایک تقسیم ایسی ملتی ہے کہ جو امتیاز و اعتبار اور مسلّم ہونے مین اپنی نظیر نہین رکھتی، اور یہ وہی مشہور ذہانت ارسطاطالیس کا نتیجۂ تجربہ ہے جس نے پہلے پہل فلسفہ کو **نظری** اور **عملی** مین منقسم کیا، یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ لفظ نظری بعض اوقات جو خیالی اور مفروضی الفاظ کا ہم مفہوم سمجھا جاتا ہے، وہ اصطلاحِ فلسفہ نہین، فلسفہ اس لفظ کو اس معنی مین کبھی استعمال نہین کرتا، علم ضمناً ہمیشہ نظر مین شریک رہتا ہو۔ وہ اصول جن سے غایتِ عمل کی تحصیل ہوا کرتی ہو، ان کی معرفت و علم کو **نظر** کہتے ہین، تو فلسفۂ نظری علم کا نام ہے اور فلسفۂ عملی مین بغیر اس نظر یعنی علم کی شرکت کے چارہ ہی نہین، اس اعتبار سے **نظری** عام ہو اور **عملی** خاص اس وجہ سے کہ فلسفۂ نظری مین عمل شامل ہو، اور عملی نظری مین شریک نہین۔ نظری و عملی ارسطاطالیس کی یہی تقسیمِ فلسفہ حکیم زینو کے شاگردون مین بھی اعتبار کی نظر سے دیکھی گئی، ان کے علاوہ رومی اور یونانی فلاسفہ نے بھی اسی تقسیم کو مرجح قرار دیا ہو، کتب عربیہ مین بھی یہی ارسطو کی تقسیمِ فلسفہ اختیار کی گئی ہے،

یہان عربی کتابون سے حکمت کی تعریف اور اس کے اقسام وغیرہ کا مختصر بیان مناسب معلوم ہوتا ہی حکمت کی یہ تعریف کی گئی ہے، کہ موجوداتِ عالم حقیقت اور نفس الامر مین وہ جس طرح ہون طاقت وامکان بشری کے موافق ان کو جاننے اور ان کے علم حاصل کرنے کو حکمت کہتے ہین، حکمت کی دو قسمین کین، ایک عملی دوسری نظری، انسان کے عزم وارادہ وقدرت واختیار پر جن موجودات کے وجود کا انحصار و وابستگی ہے ان قسم کے موجودات کا علم حکمت عملی کہلاتا ہے، اور ایسے موجودات جنکا وجود انسان کے عزم وارادہ کی زد سے بالکل باہر ہے، جیسے افلاک وعناصر نباتات وحیوانات وغیرہ ان کا علم حکمت نظری کے نام سے موسوم ہے حکمت نظری تین اقسام پر منقسم ہے، علم طبعی، علم ریاضی، علم مابعد الطبیعۃ،

علم طبعی مین اس قسم کے موجودات سے بحث کیجاتی ہے، جو بغیر مادہ کی آمیزش کے وجود پذیر نہین ہوسکتے اور اپنے موجود ہونے مین مادہ کی احتیاج رکھتے ہین، مثلاً حیوانات و نباتات وغیرہ،

علم ریاضی مین اس طرح کے موجودات موضوع بحث قرار پائے ہین، جو اپنے وجودِ ذہنی مین تو محتاجِ مادہ نہ ہون، لیکن خارج مین بغیر مادہ کے لگاؤ کے نہ موجود ہوسکین جس طرح سطح، خط، دائرہ، کرہ، یا مثلاً اعداد وغیرہ، کہ ان کا وجود ذہنی مادہ سے بالکل بے نیاز ہے لیکن خارج مین وجود کے لئے بغیر مادہ کے چارہ ہی نہین،

علم مابعد الطبیعۃ مین ایسے موجودات معرض بحث مین آتے ہین کہ جنکا وجود ذہنی وخارجی، دونون حالتون مین مادہ کا ادنیٰ منت پذیر نہین یعنی بغیر کسی قسم کی آمیزش مادہ کے وہ موجودات عرصۂ وجود مین جلوہ گر ہوتے ہین اور اسی طرح ذہن انسانی کے لئے بھی وہ ممکن التصور ہین، جیسے خدائے عزوجل کی ذات مستجمع صفات اور عقول یعنی ملائکہ ونفوس وغیرہ، علم مابعد الطبیعۃ کی بھی دو قسمین ہین، علم الٰہی اور امورِ عامہ یا فلسفۂ اولیٰ،

علم الٰہی، مین ذاتِ بحت اور عقول ونفوس سے بحث کی جاتی ہے، اس علم کو یونانی زبان مین تیولوجیا کہتے ہین،

علم امور عامہ، موجودات کے اصول عام سے بحث کرتا ہی یعنی اس طرح کے امور کلی جس طرح کہ وحدت، کثرت، وجوب، امکان، حدوث، قدم وغیرہ ہین ان امور کلی کی مبسوط بحثین اور ان کے مالہٗ وماعلیہ پر نظر ڈالنا امور عامہ کا فریضہ ہے، اس علم کو زبان یونانی مین انطولوجیا کہتے ہین،

حکمت نظری کی پہلی قسم یعنی علم طبعی اس کی آٹھ قسمین کی گئی ہین، علم سماع طبعی، علم السماء والعالم، علم کون وفساد، علم آثار علوی، علم معادن، علم نبات، علم حیوان، علم النفس،

علم سماع طبعی سے ان اشیاء کے حالات کی معرفت حاصل ہوتی ہی جن سے تغیر قبول کرنے والی چیزین متغیر ہوا کرتی ہین، جس طرح زمان، مکان، حرکت، سکون، نہایت، لانہایت وغیرہ،

علم السماء والعالم مین اجسام بسیطہ، اجسام مرکبہ، اور احکام بسائط علوی وسفلی کی شناخت ومعرفت کا تذکرہ رہتا ہی،

علم کون وفساد مین عناصر وارکان کی معرفت اور ایک ہی مادہ کا مختلف صورتین اختیار کرنیکا بیان کیا جاتا ہے،

علم آثار علوی، حوادث ارضی وسماوی جس طرح زلزلہ، برف وژالہ، باد وباران، برق ورعد وغیرہ کے اسباب وعلل سے بحث کرتا ہی،

علم معادن سے مرکبات اور ان کی کیفیت ترکیب کی معرفت حاصل کیجاتی ہی،

علم نبات مین اجسام نامیہ اور ان کے نفوس وقویٰ سے بحث ہوا کرتی ہی،

علم حیوان، مین حرکت ارادی سے حرکت کرنے والے جسمون کے حالات وغیرہ معرض بحث مین آتے ہین،

علم النفس، نفس ناطقہ سے بحث کرتا ہو، اس طرح کہ جس سے ابدان وغیرابدان انسانی نفس ناطقہ کی تدبیر و تصرف کی کیفیت معلوم ہوتی ہو،

حکمت نظری کی پہلی قسم علم طبعی کے ان اصول کے بعد اس کے فروع کا نمبر ہی، اور وہ بہت ہین، مثلاً علم طب، علم احکام نجوم، علم فلاحت، وغیرہ،

فن منطق داخل حکمت ہے یا نہیں، اس مین اختلاف ہے، بعض نے اس کی نسبت اثباتی صورت اختیار کی، اور بعض نے یہ خیال کر کے منطق حقیقۃً معلومات کے توسط سے اکتساب مجہولات کا صرف ایک طریقہ ہے، اور [illegible] وسیلہ و ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے نہ کہ اصل مقصد، اس بنا پر داخل حکمت سمجھنے سے انکار کر دیا، حکمت نظری کی [illegible] علم طبعی کی [illegible] حکمت نظری کی دوسری قسم علم ریاضی کے بھی چند اصول و فروع ہین [illegible] علم [illegible] یا علم حساب، علم نجوم اور علم ہیئت، علم تالیف،

علم ہندسہ، مقادیر متصلہ [illegible] یونانی مین جو [illegible] کے نام سے موسوم ہی،

علم حساب [illegible] بحث ہے، جسے علم عدد اور ارثماطیقی بھی کہتے ہین

علم نجوم و ہیئت مین [illegible] اور ان کے اوضاع باہمی اور اجرام سفلی کی نسبت سے بحث ہوتی ہی، لیکن علم احکام نجوم جو فروع علم طبعی سے ہے وہ اس مین شامل نہین،

علم تالیف سے تالیفی نسبتون کا علم حاصل کیا جاتا ہی، اور یہی علم تالیف تھوڑے سے تغیر سے علم موسیقی بنجاتا ہو، جبکہ تناسب اصوات اور بین الاصوات حرکات، سکنات، کمیت زمان وغیرہ کا تعلق اس سے کر دیا جائے، علم ریاضی کے اصول چہارگانہ کے بعد اس کے فروع ہین،

علم مناظر و مرایا، علم جبر و مقابلہ، علم جرِ اثقال وغیرہ کا شمار کیا گیا ہے حکمت نظری کے اقسام اور اس مین سے ہر ایک کے اصول و فروع کے بیان کے بعد حکمت عملی کی تقسیم لائق مطالعہ ہے، اسکی تین قسمین ہین:-

علم الاخلاق، علم تدبیر منزل، علم سیاست مدن،

نوع انسانی کے افعال صناعی اور حرکات ارادی کی مصلحتون کی معرفت کو حکمت عملی کہتے ہین، اس سے معاش و معاد کی تنظیم احوال اور درجۂ کمال پر نفس کے فائز ہونے کے لئے بشری حرکت ارادی اور فعل صناعی کی بہ اعتبار سودمندی تعیین و تخصیص کیجاتی ہی،

علم الاخلاق، مین اس واقفیت و معرفت کا تعلق ایک ہی ذات سے وابستہ رہتا ہے،

علم تدبیر منزل، مین یہ واقفیت ایک ایسی جماعت سے متعلق ہوتی ہی، جو کسی خانوادہ یا قبیلہ مین باہم سکونت پذیر ہین، جس طرح زن و شو، فرزند و پدر، ہمشیر و برادر، نوکر چاکر وغیرہ وغیرہ

علم سیاست مدن، مین اس شناخت و معرفت کی ضمیر کا مرجع وہ انسانون کا بن ہی، جو کسی ایک شہر یا اقلیم مین باہمی سلسلۂ معاشرت سے رونما ہوا ہو،

اس محل پر فلسفہ اور منطق کی نوعیتِ تعلق بھی دیکھنے کے قابل ہی یعنی فلسفہ کی مذکورہ تقسیم سے نظری و عملی دونون حصون مین سے کس حصہ سے منطق کا رشتۂ تعلق قایم کیا جا سکتا ہے، تلامذۂ افلاطون کی تحقیق مین فلسفہ کے لئے منطق ایک آلہ بھی ہے، اور جزو بھی متعلمینِ ارسطا طالیس منطق کو صرف آلہ کہتے ہین، آخر دور کے پیروانِ افلاطون کے نزدیک منطق ایک ماتحت شاخ کی حیثیت رکھتی ہے، ارسطو اور حکیم زینو کے شاگردون کی نظر مین منطق کا سلسلۂ انتساب عملی فلسفہ ہی سے مربوط ہے، اس لئے کہ یہ ایک آلہ ہی اور آلہ ہونے کے لحاظ سے فلسفۂ عمل کا اسے جزو تصور کرنا نامناسب نہین، اسی ضمن مین اس امر کی توجیہ و توضیح بھی غیر مناسب نہین، کہ فلسفہ کی بعض شاخون کا علوم

اور بعض کا **فنون** کے نام سے موسوم ہونے کا کیا سبب ہے، بالاجمال اس کا اس طرح بیان کر دینا کفایت کرتا ہے۔

(امتیاز علوم و فنون)

فلسفہ کی وہ شاخیں جو مستقلاً ذہن کا ذریعہ ہوں جن سے ذہن بحث و ورزش کا خوگر اور عادی ہو، لیکن اس غور و خوض کی رو یدگی یا ماحصل و نتیجہ کوئی مستقل ظہور نہ پیدا کرے تو ایسی صورت میں انھیں علوم کہا جائیگا، اور اس کے مقابلہ میں ان شاخوں کو جن کی وجہ سے ذہنی ورزش مستقل اور پایدار نتائج کی پیدائش کا سبب ٹھہرے، فنون کے نام سے نامزد کرینگے، مثلاً علم الادیان، علم الاخلاق، آئین جہانبانی وغیرہ سے افراد ناس میں فرائض شناسی کی تعلیم اور ادائے فرائض میں مستعد بنانا ان کی صرف یہی غرض و غایت ہے، اس بنا پر انھیں علوم کہا جاتا ہے۔ اور منطق، معانی، تصوری، سنگتراشی، جنکے آئین و قواعد کے مجموعے اور صنائع کا سرمایہ بالاستقلال باقی رہتا ہے، اس بنا پر انھیں فنون کہتے ہیں، لیکن اس طرح کا امتیاز فلسفی علوم ہی کے لئے مخصوص و متعین ہے۔

ذیلی اور ضمنی بحثوں کے بعد تقسیم فلسفہ کی جانب پھر توجہ کیجاتی ہے، اس بارے میں ارسطاطالیس نے جو کچھ کہا عموماً اسے تسلیم کیا گیا، ڈیکارٹ اور فکٹی دونوں کے دونوں اسی کے ہمنوا ہیں لیکن بیکن خدا، قدرت، اور انسان کو موضوع بحث قرار دیکر الہیات، طبعیات، عقلیات ان تین قسموں میں فلسفہ کی تقسیم کرتا ہے، ڈیکارٹ کے پیروں نے منطق، مابعد الطبعیات، طبعیات، اخلاق یہ چار حصے تقسیم فلسفہ کے لئے معین کئے، ایک اور نقاد کے نزدیک حصص ثلثہ میں اقسام فلسفہ کا انحصار ہے یعنی

ذہن کے ظہورات کا علم،

ذہن کا علم النوامیس،

مابعد الطبعیات کا علم،

علم ظہورات سے ذہن کے دیکھے بھالے ہوئے واقعات کی بحث مراد ہے،

ذہن کے علم النوامیس سے ان اصول وآئین کی بحث مقصود ہے، جن کے یہ واقعات مطیع ہین،

علم مابعد الطبیعات ان واقعات سے حاصل کئے ہوئے استدلال ونتائج کی بحث کا نام ہی،

پہلا وہ حصہ جس حصے مین ذہنی واقعات معرضِ بحث مین آتے ہین، اسے ذہن کا فلسفۂ استقرائی کہا جاتا ہی، واقعات کی بھی تین قسمین ہین:-

پہلی قسم، انسانی قوائے علیہ کے ظہورات،

دوسری قسم، ظہوراتِ تاثر، جس طرح مسرت اور الم،

تیسری قسم، ظہوراتِ قوائے تمنیات، جیسے عزم، ارادہ، خواہش،

دوسرا وہ حصہ جسمین اصول وآئین کے واقعات تابع ومحکوم ہین، ایسے قوانین جس حصہ مین موضوعِ بحث قرار پائین اسے علم النوامیس کہتے ہین، انقسام واقعات ذہنی کی بنا پر اس علم کے بھی تین شعبے قرار دیئے ہین:-

پہلے شعبہ، مین قوائے علیہ کا علم النوامیس منطق کو ٹھہرایا ہے،

دوسرے شعبہ، مین رعنائی وزیبائی کو تاثرات کا علم النوامیس مانا ہی،

تیسرے شعبہ، مین علم الاخلاق کو تمنیات کا علم النوامیس تسلیم کیا ہی،

تیسرا وہ حصہ جو واقعات کے محصلہ نتائج واستدلال کا مبحث ہے، اسے علم الوجود مابعد الطبیعات کے علم کے نام سے نامزد کرتے ہین،

تقسیم فلسفہ کے بارے مین یہ طریقہ مناسب معلوم ہوتا ہی کہ پہلے مطلق فلسفہ کی مادی اور ذہنی دو قسمین کیجائین، اور ذہنی کو تین قسمون مین اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ذہن کے ظہورات کا علم یا فلسفہ ایک (۱) ذہن کا علم النوامیس دو (۲) مابعد الطبیعات کا علم تین (۳)،

(باقی)

خاورنامہ دکھنی

(از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی ایف آر اے ایس لندن)

(۲)

اس تفصیل کے بعد اوس دکھنی نظم کا نمونہ مختلف مقامات سے پیش کیا جاتا ہے، جس سے نہ صرف کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے، بلکہ شب کا سماں، جنگ کا سین، شب خون، حملہ، جری جنگ، دو شخصون کا مقابلہ وغیرہ امور پر بھی کافی روشنی پڑ سکتی ہے،

ابتدائی کتاب

حمد

اول جب کیا یو کتاب ابتدا — بندیا بات مین نقش نام خدا

جو صاحب ہے وعقل ہور جان کا — کیا دین بخشش او ایمان کا

وہے ایک صاحب ا پر ہور تلین — جو ہستی پر اس کی گواہین ہمین

فردوسی کی تعریف :-

جو شاعر تھا فردوسی پاک زاد — اچھو حق کی رحمت سون او بہوت شاد

دنیا مین ہوئی بات استی تپد — ہوا شعر تھی بھی انی بہرمند،

ہو شعر اس خوب آبے روان — کیا ازبھوا تال کیا از خسروان

کیا نامہ او خلق مین نام دار — رہیا جگ مین ایس یتیج یو یادگار

اسی طرح چند شعر لکھنے کے بعد آخر مین کہتا ہے :-

اسر یک بیت پر بہشت اس کو دیا — ملک بات کا اس کو بخشش کیا

صفت بہوت توحید مین اس کرون　　مگر مین بھی یک نکتہ ایسا کہون

جو آپس نکلتی تھی ہوی دولت منجے،

بلندی دیوی ہور رحمت منجے

اصل قصہ کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے:۔

جو مسجد مین اقصا کی بیت الحرام　　رسول قریشی علیہ السلام

مبارک و قت کون جو یک نامدار　　جو بیٹھے تھے مسجد مین اس وقت شاد

زبان کھول یاران آپس مین اپنی　　تھورا بہوت ہر یک لگے بولنے

بولیا ایک جوان مالک نامدار　　نہ ہوسی دنیا مین بھی دسرا سوار

بولیا سعد وقاص مجھ سار کا　　نہین کوئی مجلس مین مجھ کار کا

جوان ایک ابوالمحجن ایس ناؤ تھا　　جو مردی مین اس ناؤ سب ٹھانو تھا

ہنر کا دوا دل مین روشن اتھا　　ہنر سب او حیدر سی سکیا اتھا

اونچی ہور نیچی بات آئی درمیان　　عمر حیابگی لے کر آیا وہان

مار یا او ابوالمحجن او سعد کون　　ہوئی دونون جانان بھی رنجیدہ جون

ایک شب کا سین ملاحظہ ہو:۔

آیا تھا زمین پر بی جون شاہ زنگ　　زمین ہور زمان کون لیا یا تھا پی تنگ

سفیدی پی کھینچی تھی کمہ پر نقاب　　پرند سیہ نہا تھا آفتاب

زمین پر عنبر کا منڈپ تھا تمام　　ہوا کون سراپردہ تھا مشکفام

زمین پر تو سنبل تھا نہیں تھا سمن　　کیا تھا پی سویں کا کسوت چمن

کیا تھا محل کی بہتر شاہ چین　　صبا حی کا تھا مرغ بھی خواب مین

زمین ہور زمان تین پی کا جل بھریا ۔۔۔ انگار جا کر جگ مین دہوان بھر رہیا

جتی مرغ ماہی کون تھا جوت خواب ۔۔۔ زمین کون در رنگ آسمان باشتاب

فلک نو طبق گوہران سون سنوار

ہوا کون پی زیور کیا صد ہزار

شب زفاف کے متعلق صراحت دیکھو:۔

دل افروز ہور حیدر کون وان جا ۔۔۔ کئے عقد دو نو کا سب لوگ جا

زن و مرد کا کام جون سب ہوا ۔۔۔ اتھی رات ساری محل مین او جا

تارے اتھی بیٹھی سب رات کون ۔۔۔ جھپی دیکھ کر او ایت کالی سون

عروس صبح کی جونکہ جلوا کری ۔۔۔ فلک کی پی مجرے تھی بہار آپہری

علی بھی یو لائی دل افروز کون ۔۔۔ کہی اپنے تون پان یو گنج بہی زون سون

ایک جنگ کا سمان:۔

چلیا جنگ تہی شاہ دلدل سوار ۔۔۔ اچایا او دلدل نشان غبار

کیا ایک حملہ او لشکر اوپر ۔۔۔ سواران چلے آئی اپس کرد کر

گھوریان کے نعل اتھی زمین چاک ہوئی ۔۔۔ اپتی بی لرزی مین سب خاک ہوئی

نفیریان کی نالی کی آسمان مین ۔۔۔ اتی کرد لشکر تھی میدان مین

سواران کے پانوکی پی او ارتھے ۔۔۔ زمین مین کی مردی اتی داز یہی

گرد مین جوت بجلی چمکتی تھی تیغ ۔۔۔ جون بجلی دیسی ابر مین بید ریغ

بہت سر جو یاری تھی در زیر نعل ۔۔۔ سمان تریا کی ہوئی تھی پی لعل

موئی ہور زخمی پرے تھے تہی ۔۔۔ جو جینی کون وان بات نہین تھی کتی

علیؓ مار یاری تھی وان سوار	جو افلاک اس کر سکیا ہین شمار
آپس زور بازو ستے او نامدار	مار بات سو ھور بھی یک ہزار
امن منگنین باقی لگے سب سیاہ	سران تھی رکھی سب آپس کا کلاہ
زبان سون صفت اسکی کرنے لگے	آپس سر کون زنہار منگنین لگے
علیؓ کی ایمان لیا او نوہے امان	نبی کا لتن کون تمارا ایمان،
او کوئی ہوگا مج تیغ تھی رستگار	جو ارسپی تھی دل کی دھوو ایکا غبار

جون ارسپی تمن دل کون روشن کرے

حکم پر پیمبر کے گردن دھرے

ابو المحجن اور رعد کا مقابلہ ملاحظہ ہو۔

آیا رعد ایس پر جا نو فیل مست،	چلتی لیا رعد سپی تیغ دست،
وو یا گان لڑلے لیکر شمشیر تیز	زمین پر کئے ایس وقت ستخیز،
مارے اس اپر ہر طرف تھی لی تیر	سپر سون رکھیا دہانپ اپنا ادسیر
سپر کی بلمن بجلی دستی تھی تیغ	دسی بجلی جون ابر مین بیدریغ
غصے سون مارے زخم ہوریون لڑے	جو سر تھی سپر نگرے ہو کر اتری
جوانان کی بازو تھی شمشیر یون	ہوئی تھی جو جو کا ن سپر کند جون
سوار رعد کی ایس تھی میدان مین	ہوئی دیکھ حیران وان سب جتن
آخر کو ابو المحجن نامدار،	کیا سر اپر رعد کی تیغ باز،
سپر لیا یا سر پر او جگی سوار	دو ٹکڑے ہوا او سر جون خیار
سپر کاٹ کر تیغ اتری ملار،	کالی ترک پولاد سر ایک بار

چلیا رعد کی سر تھی بھی لعل خون ہوا ترک پولاد سون سرنگون
مار یا گرم ہو غصے سون پہوان کاٹیا زین ہو رسب تمام کستوان

اسی سپر تھی یم، یا نو لک دوکیا
اس تیغ زین سون باندیا،

بحری جنگ کے حالات ملاحظہ ہون :۔

انو بوے نوبت بجا از فراز جو ہبکر لگے نوبت بجی بان پی باز
بہی کشتی ین تھی ایرلے لفیر بہری دریا اوپر تمام آکر تیر
دو کشتی یو تیران تھے ایرے نہنگان پی او دلکہ جہکراوسے
سپہ کون دیا اوپنچ گوراب دل جگر کی لہو سون سیراب دل

. . . .

ہر یک طرف کشتی سون کشتی لگی نہین کوئی لڑنے تھی اسمین پنکے،
سر نیزہ سنیان سون گستاخ ہو سوئی بہوت ستی ین سوراخ ہو،
ہوا مردیان تھی دریا سارا سیاہ جو کشتی کون جانی ہین ابری راہ

تن مردیان سون جاگا سارا بہریا
لہو کی جا نو دستی تھی سب دریا

شب خون حملہ کا ذکر دیکھو :۔

کیا دل سون او بھی شب خون کرین لہو سون تمام دشت جیحون کرین
ہر یک ملک تھی لشکری لیایا ہون انو سات بھی جکر اسس لا ہون
لیا جن کر لشکر او پنجاہ ہزار کیتی تھی سواران جو اوکا رزار

شبخون کی نیت سون او آئے بہار علی کے او لشکر پر کتے گزار

اتھی رات کالی او ظلمات سی نہین تھا اجت زہرہ ہور مشتری

جو اس رات مین مالک رزم خواہ طلاوہ او پر تا تھا ے کر سپاہ

اتھی سات اس مرد جنگی ہزار طلاوے کون نکلیا تھا او نا مدار

نگہ کر گرد دیکھا ابن گشت مین، سیہ آتا سون دیکھا ان دشت مین

انین جا نیا لیا یا شبخون سپاہ ہوا ایک طرف چھور لشکر کی راہ

کیا بانک لشکر مین او بھی بلند، کہ ہشیار اچھیو سب جنین زورمند

جو لیا یا ہے خاور نین اپنا ہ سپاہ تمن لیو شمشیر ہور باندو راہ

- -

کیا خاوران بہوت کوشش کرو لئو تیغ ہور تیرہ جوشش کرو

نکو چھو رو ایکس کون جانی کون بہار مگر سر پری اس کے نہین تھی تلار

پنیکا جو لو حیدر نام دار دونا چھور سی جیتا ن بھی یکسوار

ہلیا جتنا لشکر بو لیا جو نکہ شاہ طاری کی اپاس ایا سپاہ

جو ن آیا برسنی اہال تیغ و تیر او برسیا بہت مردان برابر قیر

طاوے کی شمشیر لے ہاتھ مین سران بہوت کاتی اسی سات مین

بہت کو نیان مالک ے گرز گران کاریا سروران کی بھی سرتھی وان

ہوا کالا وان دشت سب گرد تھی پچھانی نہین ایسی وان مرد بھی

چمکتی تھی بجلی ہور تیغ وان سپتاری ہو دستبان سہان ہان

کالی رات ہور گرد ہور تیغ تیز کہو اسیتی بھی کیسی رستخیز،

شبخون کا لشکر ہوا کہا یہ ا   کیا خاوران جھکرت مین دل بڑا

دو فوجون کا مقابلہ ملاحظہ فرمایئن۔

آئی درمیان سواران تمام   اتھی ہاتھ مین تیغ آئینہ فام

لی شمشیر ان پر انو کھوئے دست   گئے مارکر سرفرارکون پست

مارے تیغ جس مرد پر سر فرار   دو نیمہ کئے گھورا گھورا سوار

جی نس گردن اوپر مارے تیغ کون   دو ٹکر ایسا سرنت سوا سرنگون

دیران کی لہو تھی بدنشان اندرون   جون دریا مین موج ماری بخون

ہوئی بھتی اسپان پولاد نسل   دبی سم تھی دم لک او درآب

تمام دشت وصحرا پری دست وپا   چلے ان اپر سب جنگ آزمائے،

شمان نی درزیر نعل سوار   کاٹی کی تھی شمشیر سون جو خیار

دیکھی جونکہ یاران حیدر کہ تیغ   جانو میو لہو جھر کی او بیدریغ

چلی تھی دست سازی تاری سیاہ   دو لشکر ہوئے ایک دررزم گاہ

جمشید شاہ کا نامہ لکھنا۔

لکھایا اُسی وقت یک نامہ شاہ   بی تھہال جاو کون خاور سیاہ

لکھن ہارا لیکر قلم جھر کیا مشک،   جو کاغذ تھا اس کا جون کافور خشک

پر تہارا اس نامے کون جون پڑیا   او خاور تھی یک نامور کن دیا،

اسی بولیا اس بات تھی جاتون راہ   حصن پیل کون جا ازین بارگاہ

خبر میری ہہال کن تون بجا   آیا ہے دشمن میرے پر بڑا

عرب ملک تھی آیا ہے لشکری   سوان ہین اسمین زہرہ کشوری

سپھد اردو مرتا ہے روز سیلے ۔ جو تازی زبان سون کہیں ہی علیؒ

عمرو عیار کی ایک عیاری کا حال اس طرح بیان کیا ہے :-

گیان اس کے نزدیک پنجاہ تن | او خسرو کنین جا کیان انجمن ،
او بتان او شکر خندہ ہور نوس لب | ایتھان چاند تن او در تیرہ شب
اتھا مکہ رن کا جانو نو بہار | تمام خوش شکل تازیان ہور ایدار
اتھا بول شیرین و رفتار خوش | انو گیت گایان تی بسیار خوش
یکس تی لیائی شادمانی رپی | بجائے جو نکہ اسنیار او چنگ دنی
سراپردہ مین رہتے او اتر تھے | جو او سبا زو کیر زہرہ لی ساز تھے
تون بولے گا آئی زچرخ کبود | بجانے کون زہرہ فلک تھی فرود
کنیزان جنیان رقص کیتا وہان | ریا صین پر سنبل بی دنیال دہان
عمر نے نظر کیتا از زیر تخت | سنواریا انیس کون بیعد گونہ رخت
عروسان کی نمن سنواریان او تن | آیا بہار او دیکہ کر انجمن
پرستاران اس بھور کر سب کیان | بجاتے تہی ہور ناچتی تہی رہیان
نہین کوئی رہیا جز عمر ہور شاہ | منگیا عمر جانے ازان بارگاہ
ماریا ہاتھ ٹھاس دامن پر اس | لگیا بات سپتس نی تن پر اس
بولیا شاہ سون او مین ان توم | ہین یک از پرستندگان توام
صبوری تون جو مین تن تھی کپری نکال | شراب پی کر کرتی ہون کہ جون کلال

. . . .

عمر نے گھرے یک کیا انتظار | کیا یک بی نیند مین شہریار

او آہستی سون گیا تخت پر　　جو شہ نے نہین پایا اسکی خبر

مارِیا اولکد بر سر شہ یار　　لیا سر تھی اس تاج گوہر نگار

انی بار کر تھی کہا بھک بہار　　نگہبان دیکھی نکو ایک بار

کیا غلغلا و انی لہاس کروا

کہ رقاصان نے تاج مبرا برد

سلطان شاہ کی ملکہ تماسہ کا ماتم کرنا :-

بزان رونا بھی ایس پر آغاز کی　　ماتم کا ابی شیوہ بھی باز کی،

اویون بولی لے بادشاہ جہان　　دولت سون اتھا تون پناہ جہان

دنیا تجھ پناہ مین آسودہ تھی،　　تری دور مین ظلم تو کچھ نہ تھی،

ترے داد تھی ظلم کوتاہ تھا　　ترا تاج پی افسر ماہ تھا،

تون بیدار کر فتنہ درخواب تھا　　زمین تیغ تل تیری سیراب تھا،

اتال ای خسرای یکا رجہان،　　اپرایا سب روز کا رجہان

اتال شاہی کا تخت بی شہ ہوا　　تون روشن جب تھا سو جون مہ ہوا

اتال مین ہو ریو سو دسع کا پی درد　　انکیان تر سو یان خنک ہور آہ سرد

زمانہ جو یون دکھلایا ہنجے،

انجو کی جا کی لہو رلایا ہنجے،

ذیل کے اشعار پر یہ مثنوی ختم ہوتی ہے :-

سنوار یا ہون سن نامہ سون خامہ کون　　نہایت کون ابزایا ہون نامہ کون

نہایت سو انا مہ نامدار　　سو انامداران اپر یادگار،

اگر باقی ہوے گا تن زیر خاک | میرا نام جیتا ئے مجھ کیا ہے باک
بنی کی جو ہجرت بھی کیتا خیال | ہزار پر پچاس اور نو کی تھی سال
کیا رستمی اس وقت یو کتاب | بند یا بات کی کو دران بے حساب
خاور نامہ دکھنی کیتا تبو ن نام | ہوا خاوران پر قصہ سب تمام
الیس اوپر بہت گذریگا روزگار | اچھیگا یو دنیا مین ہور یادگار

تو اس نامی کون نامۂ شاہ جان
دوجی نامیان پر شاہ دکھواہ جان

اب مین اصل فارسی کتاب اور اس کے دکھنی ترجمہ کا نمونہ پیش کرتا ہون، رستمی کی محنت کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہین، مگر یہان یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض مقام پر تو فارسی کا پورا ترجمہ کیا گیا ہے، مگر بعض مقام پر اختصار کو بھی کام مین لایا گیا ہے، نمونۃً چند فارسی عنوانات اور اس کے مماثل جو عنوانات دکھنی مین قایم کئے گئے، بیان کئے جاتے ہین، جس سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے،

عنوانات فارسی خاور نامہ

(۱) رسیدن ابوالمحجن برحص برنج وکشتن کوتوال حصار،

(۲) درخواب دیدن ابوالمحجن آنحضرت رسول اللہ صلعم وخلاص دادن مالک را،

(۳) داستان از سرگذشت ابوالمحجن بحضرت شاہ ولایت علیہ السلام،

(۴) لشکر کشیدن خمار ملعون بجنگ حضرت رسول اللہ صلعم در مدینہ،

(۵) لشکر بردن حضرت رسول اللہ صلعم بجنگ خمار،

(۶) مسلمان شدن خمار و معجزہ دیدن ز حضرت مصطفیٰ علیہ السلام،

(۷) آمدن عمر امیہ بحضرت رسول اللہ صلعم در روانہ شدن بخدمت امیرالمومنین علی علیہ السلام بجا در زمین،

(۸) از سر گرفتن قصہ دفن شدہ،

(۹) رسیدن عمرامیہ بحضرت امیر المومنین علی علیہ السلام،

(۱۰) رفتن باباعمر بہ لشکر خاوران،

(۱۱) آگاہ شدن جمشید شاہ از رفتن باباعمرامیہ و دست بردنمودن،

(۱۲) رفتن باباعمر بصورت زنگی بہ لشکر جمشید شاہ،

(۱۳) مصاف کردن مالک با بہمن اسفندیار،

(۱۴) در مصاف آمدن باباعمرامیہ و لعب نمودن وکشتہ شدن شاہ او

(۱۵) رزم کردن بار دوم و دست بردنمودن مالک اژدر و ابو المحجن،

(۱۶) دیدن حضرت رسول اللہ صلعم ابو کرمشکر را در خواب،

(۱۷) رفتن باباعمر بہ لشکر خاوران و دست بردنمودن وے،

(۱۸) رفتن مالک و ابوالمحجن بہ قلعہ سوسی و محاربہ ایشان بادارا وکشتہ شدن او،

(۱۹) رفتن باباعمر بہ لشکر مخالف و عمر در اشتعل غلامے کردن و دست بردنمودن،

(۲۰) نامہ نوشتن جمشید شاہ بہ شہبال جادو،

(۲۱) رفتن باباعمرامیہ بہ بالین جمشید و در بیاد ریچیدن او را،

(۲۲) رزم جمشید شاہ با حضرت شاہ اویس،

اس کے مقابل اردو میں جو عنوانات ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) رسیدن ابوالمحجن بحصن بیع وکشتن کوتوال را،

(۲) در خواب دیدن ابوالمحجن پیغمبر علیہ السلام را و خلاص مالک،

(۳) داستان خمار خمارہ کہ قصد مدینہ کردہ بود،

(۴) رسیدن عمر امیہ پیش علی علیہ السلام،

(۵) داستان عمر امیہ بجا ورزبن،

(۶) رزم جمشید شاہ بہ علی علیہ السلام،

اس سے واضح ہے کہ فارسی کے (۲۲) عنوان کے بجائے دکھنی مین صرف چھ عنوان آئے ہین فارسی کے عنوانات نمبر ۴، ۵، و ۶ دکھنی کے نمبر ۳ مین ضم کر دیئے گئے ہین بعض جگہ عنوان قایم نہین کیا گیا، ایک ہی عنوان کے تحت ان امور کو بیان کر دیا گیا ہے،

مثلاً فارسی کے عنوان نمبر ۱۶ کے تحت صرف ایک صفحہ بیان ہوا ہے، اور مندرجۂ ذیل اشعار پر اس بیان کو ختم کیا گیا ہے:۔

تا اندیشہ خوب و را سے درست	توانیم سر رشتہ کا ر و بست
بدو گفت خسرو کہ این کارتست	دلم پی رہ رلے بندار تست

سحر گہ بزو یک حیدر حرام،

پردا از با او سرا سر کلام،

اس کے برخلاف دکھنی مین عنوان نمبر ۲ کے تحت چھ صفحے بیان ہوا ہے اور حسب ذیل اشعار پر اس بیان کا اختتام ہوتا ہے،

ابو المعجن اور مالک و دیگران	لگے مارنے تند بر کا فران
بہت مارے ہور آئے پھر کر او باز	دلیران حیدر رجتے رزم ساز
جو ن حیدر نے لشکر مین آیا ز دشت	ماریا دشت مین بہوت کیتا جو کشت
بولیا نو یج سالار لشکر پناہ	خبرداری بانکے پی کیون پایا شاہ
گیا تھا یکیلا مالک صول کون	کنین شاہ کن بولیا اس مول کون

ایں بولیا نر ...یہ ... جو پھرتا تھا یں گرد ابن بھن
جیسی بات یو سب میں ظاہر لیا ... علیؓ تھا جیسا سو میں ... یا مر کیا۔

اس کے بعد ... دو میں ... آگاہ کردن ... امیہ علیہ السلام از کرخاوران ... کا عنوان ہے، یہ گیارہ صفحوں میں آیا ہے، اس کے ابتدائی اشعار حسب ذیل ہیں:-

بولیا یوں او ...نیا غلام سیاہ ... دیا بھیج کر بیگ از پیش گاہ،
اول آیا نزدیک ... شہ خاوران ... ایسی بولیا اے شاہ نام آوران
جو بھائی کی ... تھی نزدیک شاہ ... توں جا بیگ جور بولی از کینہ خواہ

فارسی میں یہ عنوان تین اشعار سے شروع ہوا ہے، وہ یہ ہیں:

جہاں گشت قندیل از ... روز ... پر افروخت شب شمع گیتی فروز
چو خورشید جنبت و برخواست ماہ ... جہان را بزیور بیاراست ماہ،
بجید عمر امیہ ز جا سئے .. ... کہ او بود در شب روے رہنمائے

اردو کتاب میں ... آگاہ کردن ... کے بعد طلب کردن جمشید شہیال جادو را بجنگ علی علیہ السلام، کا عنوان آیا ہے، اس کے برخلاف فارسی میں اس عنوان کے بعد حسب ذیل اور تین عنوان آئے ہیں:-

(۱) رفتن مالک تعلقہ صول و محاربہ ایشان با دارا و کشتہ شدن ایشان از دست علیؓ،
(۲) رفتن بابا عمر لشکر مخالف و خود را بہ شکل غلامی کردن و دست بر نمودن،
(۳) نامہ نوشتن جمشید شاہ شہیال جادو،

اردو میں مندرجہ بالا عنوانات نہیں ہیں، مگر ان امور کو ایک ہی عنوان کے تحت کر لیا گیا ہے چنانچہ اردو کے عنوان ... آگاہ کردن ... الخ اور فارسی کے عنوان بابا رفتن عمر بلشکر الخ، کے آخری

اشعار ساتھ ساتھ درج ہین جس سے معلوم ہو سکتا ہے اردو کے ایک عنوان ہی مین یہ سب کچھ آگیا ہے

فارسی	اُردو
گر وہے بگفتند جادوگرست	کتک بولے اس کون کہ جادوگرست
کہ شمشیر او اژدہا پیکرست	جو شمشیر اس اژدہا پیکرست
چنین داد پاسخ ہمان گاہ شاہ	دیا جواب بھی اس وقت یو بخ شاہ
کہ از تاج داران خاور سپاہ	کہ ہین تاج داران سبھے باسپاہ
مرا نیز جادو بسے لشکر ست	ہنے بھی تو جادو کا لشکر رہے
کرایدون کہ این مرد جادوگرست	جو او مرد جادوگر کرا ہے
زجادو بدین کشور آرم سپاہ	مین جادو کر نکا منگا لوگان سپاہ
بجادو ز جادو شوم کینہ خواہ	بھی جادو کون جادو سون ہون کینہ خواہ
بدین جادو آرم بجادو شکست	مین جادو سون جادو کون دیونگا شکست
کہ آہن بآہن توان کرد پست	لہوے سون لہوے کون کرے پست

اس کے بعد فارسی مین "نامہ نوشتن جمشید" الخ، اور اردو مین "طلب کردن جمشید" الخ کے عنوان آئے ان کا مضمون بالکل ایک ہے، چنانچہ :۔

فارسی	اردو
ہمانگہ یکے نامہ فرمود شاہ	لکھا اسی وقت یک نامہ شاہ
شہبال جادو بخاور سپاہ	بھی شہبال جادو کون خاور سپاہ
نویسندہ از عنبر تر بمشک،	لکھن ہارا لے کر قلم پھر کیا مشک
قلم راند بر روے کافور خشک	جو کاغذ تھا ایس کا جون کافور خشک

تلخیص و تبصرہ

انسان اور معرفت کی نسبت صوفیائے ایران کا خیال

سطور ذیل مین مشہور روسی مستشرق زوکوسکی (ZHUKOVSKI) کے ایک مقالہ کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جس کا ترجمہ حال مین اسکول آف اورنٹل اسٹڈیز لندن (SCHOOL OF ORIENTAL STUDIES, LONDON) کے رسالہ مین شایع ہوا ہے، درحقیقت یہ تخلیق آدم کے اُس افسانے سے ماخوذ ہے، جو عام طور سے آغاز عالم کی اسلامی تاریخون مین اور روایات مین بیان کیا گیا ہے، مگر چونکہ زوکوسکی نے شاعرانہ وصوفیانہ خیالات کی آمیزش سے اس مضمون کو مرتب کیا ہے، اس لئے اسکا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

کائنات اور تخلیق کے سِرّ ان کہن معمے کو حل کرنے کی جو فلسفیانہ کوششین کی گئی ہین انھین مین ایک تصوف بھی ہے، تصوف اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود مذہب اسلام، مسئلہ وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت اُن صوفیائے کرام کا قایم کردہ ہے جنھون نے کائنات کے متعلق اپنے بلند اور شاعرانہ تخیل مین جس کا مقصد فطرت کے راز کو دریافت کرنا ہے، فلسفہ اور مذہب کو باہم ملا دیا ہے، یہ صوفیہ بتاتے ہین کہ وقت کی ابتدا سے قبل ذات مطلق کا وجود تھا، بعد ازان اس ذات مطلق نے اپنے اغراض کے لئے روح اعظم یا عقل کل کی مخصوص صفت اختیار کی، اور پھر نفس کل کی شکل مین قیام کیا، آخر مین قطرات بحر کے مانند اس نے اپنے آپ کو اپنے اسماء، صفات اور افعال کے ذریعہ سے تمام مرئی اور لا مرئی تصور اجسام و تخیلات مین ظاہر کیا، اور عالم شہادت و عالم غیب کو وجود مین لایا،

انسان اس بحرِ نمود نما کا آخری قطرہ، اور اس وحدت مبدّل بہ کثرت کا آخری ذرہ ہی، وہ ظہور کی روشنی اور عدم کی تاریکی کے درمیان نقطہ فاصل ہے، روحِ اعظم کے کامل ترین مظہر کی حیثیت سے جسمین اس کے تمام اسماء و صفات مجتمع ہین انسان اپنی دنیوی زندگی مین بھی فطرۃً اس ذاتِ مطلق کی قربت کا حوصلہ کرتا ہے، مراقبہ یعنی ارتقاء دماغی کی راہ اختیار کر لینے کے بعد وہ ظاہری شکل سے تجاوز کر کے اُس ادراک تک پہونچنے کے قابل ہو جاتا ہی، جو اس شکل مین پوشیدہ ہے، اور اس طرح کثرت کو دور کر کے وحدت تک پہونچ جاتا ہے،

اس مضمون مین ایرانی تصوف کے صرف ایک مسئلہ سے بحث ہے یعنی انسان اور اس کی تقدیر کا مسئلہ اس کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقِ انسانی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، جو ان صوفیائے کرام نے اسلامی روایات کے حدود کے اندر رہکر ایک ایسے مخصوص انداز مین بیان کی ہے جس سے اُن کے مسلک کے اہم ترین پہلو ظاہر ہوتے ہین، انسان کی وہ واضح اور نہایت شاعرانہ تاریخ جو صفحاتِ طبری مین محفوظ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عبداللہ انصاری کی تالیف ہے[1]، جو ہرات کے رہنے والے تھے، ڈیڑھ صدی بعد ابوبکر رازی نے اسے اپنی کتاب "مرصاد العباد من المبدأ الی المعاد" مین بغیر کسی ردوبدل کے شروع سے آخر تک نقل کیا، اسکا ایک حصہ مثنوی مولانا روم مین بھی موجود ہے،

جب تخلیق کے چھ دن اور راتیں گذر جانے کے بعد انسان کی آفرینش کا وقت آیا تو خالق نے فرمایا، "جسمِ انسانی کی تخلیق آب و گل سے مین خود کرونگا" فرشتون نے تعجب کے ساتھ سوال کیا "کیا تو نے آسمان اور زمین کو نہین پیدا کیا؟" فرمایا "یہ ایک امر مخصوص ہے، مین نے تمام چیزون کو صرف حکم کُن سے پیدا کیا، اور وہ سب ہو گئین، لیکن اسے مین خود اپنی ذات خاص سے بناؤنگا، کیونکہ اس کے اندر مین علم لدنی کا خزانہ

---

[1] معارف:- اس مقام پر تو زدکووسکی کی غلطی ہی یا انگریزی مترجم کی طبری کی وفات ۳۱۰ھ مین ہوئی ہی، اور شیخ عبداللہ انصاری کی ولادت ۳۹۶ھ مین ہوئی ہی اور وفات ۴۸۱ھ مین ہی، یہ کیونکر ممکن ہی کہ طبری کے صفحات مین عبداللہ انصاری کی تالیف شامل ہو،

رکھونگا" چنانچہ جبرئیلؑ بموجب حکم زمین سے ایک مشت خاک لینے گئے، زمین نے سوال کیا اے جبرئیلؑ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ کہا مین تجھے خالق کے سامنے لیجا رہا ہون، تاکہ وہ تجھ سے اپنا ایک نائب بنائے، زمین نے کہا مین تجھے حق کے جاہ وجلال کی قسم دیتی ہون کہ مجھے خالق کے حضور مین نہ لیجا کیونکہ مین اُس کی قربت کی تاب نہ لاسکونگی، یہ قسم سنکر جبرئیلؑ خالق کی خدمت مین واپس آئے اور زمین کا عذر بیان کیا، پھر میکائیلؑ اور اسرافیلؑ اسی کام پر مامور ہوئے، لیکن زمین نے ان کو بھی وہی قسم دی، آخر خالق نے عزرائیلؑ سے فرمایا "تو جا اور اگر زمین بخوشی نہ آئے تو اُسے زبردستی لا" عزرائیلؑ گئے اور زبردستی ایک مشت خاک زمین سے اٹھا لائے، ادھر عزرائیلؑ خاک لیکر چلے اودھر عشق پیشوائی کے لئے جلد جلد قدم بڑھا رہا تھا، انصاری کہتا ہے ؎

خاکِ آدم ہنوز ناپختہ بود، عشق آمدہ بود در گل آویختہ بود،

این بادہ چو شیر خوار بودم خوردم نے نے مے و شیر باہم آمیختہ بود.

یہان انسان کا پہلا امتیاز ظاہر کیا گیا، اس کی خاک کو خالق کے سامنے لانے کے لئے متعدد قاصد روانہ کئے گئے،

تمام ملائکہ کو ذلیل اور بے حقیقت زمین کے غرور وانکار اور پھر خالق کے جوش واصرار پر بہت حیرت تھی، لہذا خالق نے ان سے فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ مین اس چیز کو جانتا ہون، جس سے تم بے خبر ہو، تمھین کیا معلوم کہ اس مشتِ خاک سے میرا کیا قصد ہے، تم قابلِ معافی ہو، تمھین عشق سے کام نہین پڑا ہے، تم زاہدانِ خشک و گوشہ گزین ہو، تم عشق سے واقف نہین ہو سکتے، چند روز اور انتظار کرو، مین اس مشتِ خاک مین اپنی قدرت کو ظاہر کرونگا، مین اس کی فطرت کے آئینہ سے تخلیق کی تاریکی کے زنگ کو دور کر دونگا، اور تم اس آئینہ مین متعدد شکلین دیکھوگے، پہلی شکل ایسی ہوگی کہ تم سب اس کے سامنے سجدہ کروگے"

اس کے بعد خالق نے خاکِ آدم پر اپنے سحابِ کرم سے بارانِ عشق کی بارش کی، اپنے دستِ قدرت سے آب وگل کو ملایا، اور اس خاک سے دل کو پیدا کیا، ملائکہ حیرت و استعجاب سے دیکھتے تھے کہ خالق ایک کوزہ گر کی طرح چالیس دن ورات خاک آدم کی تعمیر مین مصروف ہے، اور اس کے ذرہ ذرہ مین ایک دل رکھکر اس پر اپنے فضل وکرم کی نگاہ ڈال رہا ہے، ان کی حیرت دیکھ کر اس نے فرمایا "مٹی کو نہ دیکھو، دل پر نظر ڈالو" تکمیل کے بعد دل خزینۂ اسرار کا ایک موتی ثابت ہوا جسے خالق نے تمام نگاہون سے پوشیدہ رکھا، اور اپنے جاہ و جلال سے اس کی نگرانی کی، فرمایا "ایسے کامل موتی کے لئے میری ذات اور آدم کے جسم کے سوا کوئی دوسرا خزانہ نہین، کیونکہ یہ معرفت کے صدف مین عشق کا موتی ہے"

آدم کی تخلیق کے دوران مین خالق نے ملائکہ مقربین کو بھی اس رمز سے آگاہ نہ کیا، فرشتے آدم سے واقف نہ تھے، ان مین سے ہر ایک جب ادھر سے گذرتا تو یہ کہتا "یہ مجسمہ جو تیار ہو رہا ہے کس درجہ حیرت انگیز ہے" لیکن آدم زیرلب یہ کہہ رہے تھے "تم مجھے نہین جانتے مگر مین تم سے واقف ہون، مجھے ذرا اس خواب شیرین سے بیدار ہونے دو، پھر مین تمھارا نام لیکر تم کو پکارونگا، خزینۂ بیش بہا کے جو میری فطرت مین پوشیدہ ہے، تمام نامون کا علم بھی ہے" باوجود دریافت وتجسس فرشتے آدم کی فطرت کو نہ سمجھ سکے، بالآخر ابلیس نے آدم کے ہر چہار سمت گھوم کر یہ دیکھا کہ منہ کھلا ہوا ہے، وہ بول اٹھا "ٹھہرو، مین نے اس معمہ کا حل پا لیا ہے مین اس سوراخ مین داخل ہوکر دیکھونگا کہ آخر یہ مقام ہے کس قسم کا" چنانچہ وہ اندر داخل ہوا، اور آدم کی فطرت کا معائنہ کرنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ یہ ایک عالم اصغر ہے، اور آدم مین اس نے ان تمام چیزون کا ظہور پایا، جو عالم اکبر مین دیکھی تھین، وہ ہر چیز کو دیکھتا اور سمجھتا رہا، مگر دل کے اندر داخل ہونے کی راہ اسے کسی طرح نہ ملی جو اسے ایک شاندار محل معلوم ہوتا تھا کہنے لگا "مین نے جو کچھ بھی دیکھا وہ حقیر تھا، مشکل چیز یہ ہے، انسان کی ذات سے اگر کبھی کوئی صدمہ مجھے پہونچا تو اس کا مخرج یہی مقام ہوگا، اور اگر اس جسم کے ساتھ خالق کا کوئی خاص مقصد ہے، اور وہ اسمین کچھ رکھنا چاہتا ہے تو اسی مقام

ین رکھے گا"، مایوس ہوکر ابلیس دل کی طرف سے لوٹا اور باہر آکر فرشتوں سے کہنے لگا، "جسم تو مین نے دیکھا خالی ہے، بہایم کی طرح یہ بھی جذبات سے لبریز ہوگا اور اس پر قبضہ پانا آسان ہوگا لیکن اس کے اندر مجھے ایک ایسا محل ملا جسمین دروازے نہ تھے، اور نہ اسمین داخلہ کا کوئی راستہ ہے، خبر نہین وہ کیا چیز ہے"

انسان کا امتیاز خصوصی یہ ہے کہ اُس کی تخلیق چالیس دن ورات مین ہوئی، حالانکہ تمام دنیا جہان کو خدا نے چھ دن ورات مین پیدا کیا، علاوہ برین خدا نے اسے خود اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور اس کی ذات مین ایک ایسا راز پوشیدہ رکھا جو فرشتون کے فہم سے بھی باہر تھا لیکن اس روح کی لاانتہائی کے مقابلہ مین جس سے ابتک یہ خالی تھا جسم انسانی کے مادّہ کی کوئی حقیقت نہ تھی، چنانچہ اب خالق بذات خاص جسم و روح کو باہم ملانے کی طرف متوجہ ہوا، اُس نے مادہ مین اپنے نفس خاص سے روح پھونکی اس نفخہ کے معنی بہت اہم ہین، روح اعلیٰ علیین سے دنیاے مادّی کے اسفل سافلین کی جانب بھیجی جارہی تھی، ممکن تھا کہ اس غیر محدود وسعت راہ مین وہ غیر ہستیون سے مل کر ان سے تعلقات پیدا کر لیتی اور خالق کو بھول جاتی اور پھر اس شفقت سے محروم ہو جاتی جو اسے عطا کی گئی تھی، اسی لئے خالق نے اس مین اپنی روح پھونکی تھی کہ یہ کسی غیر کی محبت سے بچی رہے، اور اپنے اندر قربتِ خالق کی شیرینی کو محفوظ رکھے، علاوہ برین روح کو بے شمار روحانی اور مادّی عالمون سے ہوکر گذرنا تھا اور ان مین سے ہر ایک عالم مین ایسے خزانے پوشیدہ تھے جن سے کوئی واقف نہ تھا، روح خداوندی کا کام اس مقام مین روح انسانی کی رہنمائی کرنا اور ان خزانون نعمتون اور راستہ کی برائیون سے آگاہ کرنا تھا، تاکہ اسے اپنے خالق کی طرف واپس آنے مین آسانی ہو، اور سب سے آخر یہ کہ یہ روح روح انسانی کے ساتھ اس لئے کی گئی تھی کہ وہ جو دنیا مین اقتدار و حکومت کے لئے بھیجا گیا تھا خالق کے دربار سے عزت و توقیر کا امتیاز خصوصی لیکر دنیا مین جائے، کیونکہ فرشتون سے پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ انھین اس کے سامنے سجدہ کرنا ہوگا،

جسم کے اندر داخل ہو کر روح نے اپنے کو ایک تنگ و تاریک زندان مین پایا، ہر چہار طرف بے شمار کیڑے، حیوانات اور جنگلی جانور تھے، ان کے کاٹنے سے جسم کو جو تکلیف پہونچتی تھی اس سے روح کو صدمہ ہوتا تھا، خود زندان کے اندر جذبات متحرک ہوئے اور وہ روح جو خالق کی قربت مین ہزارہا سال شفقت و رافت مین گذار چکی تھی ان عجیب اور وحشیانہ مظاہرات کے درمیان تنہائی محسوس کرنے لگی، اُس نے واپسی کا قصد کیا مگر جو روح اُس کے ساتھ آئی تھی اب وہان نہ تھی، اُس نے شکستہ دلی محسوس کی اور تب اُسے یہ ندا سنائی دی ہم کو تجھ سے اسی کیفیت کی توقع ہے؛ آدم نے ایک ٹھنڈی آہ بھری، اور پھر وہی ندا آئی "ایسی ہی آہون کے لئے ہم نے تجھے بھیجا تھا" آدم چونک پڑے، اُن کے اعضا مین حرکت ظاہر ہوئی، انھون نے اپنی آنکھین کھولین اور دنیا کا مشاہدہ کیا، مگر دنیا مین آدم کے لئے کوئی دلچسپی نہ تھی، قربت الٰہی کی آتش شوق ابھی فرو نہ ہوئی تھی اور ابتک کسی سے تعلقات پیدا نہ ہوئے تھے، اُنھون نے اپنے رب کی یہ آواز سنی، "آدم بہشت مین داخل ہو، کھاؤ، سوؤ، اور جس سے دل چاہے ملو" لیکن جنت مین بھی آدم کے سوز دل مین کوئی کمی نہ ہوئی، پھر خالق نے آدم ہی کے نفس سے حوا کو پیدا کیا، تاکہ وہ اپنے ہی ہمجنس سے موانست حاصل کرین، حوا کے حسن مین آدم کو خالق کے حسن کی ایک کرن نظر آئی، اُن کو حسن انسانی کا مزہ ملا، اور وہ خواہشات نفس کے قابو مین آگئے، دوسرے جذبات حیوانی بھی شامل ہوگئے، مثلاً کثرت طعام اور کثرت نوم، جس قدر یہ جذبات بڑھتے جاتے تھے، اسی قدر آدم کا تعلق خالق سے گھٹتا جاتا تھا، آخر آدم نے اس حد تک اپنے آپ کو جذبات کے حوالہ کردیا کہ ابلیس کو انھین ورغلانے کی جرأت ہوئی، خالق کو یہ بات نہایت بری معلوم ہوئی، اور اس نے فرمایا "اے آدم ہم نے تجھے جذبات حیوانی سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہین پیدا کیا، ہم نے نصف روز تجھے بہشت مین رہنے دیا، اور تو ہمین اس حد تک بھول گیا کہ اپنے تئین دوسرے کے سپرد کردیا، اگر ہم پورے ایک روز تک تجھے وہان رہنے دین تو تو ہمین بالکل بھول جائیگا، بہشت سے نکل، اور حوا تو اُس سے

علٰحدہ ہوجا۔ اے تاجِ امتیاز تو اُس کے سر سے اتر جا اور اے لباسِ توقیر تو اس کے جسم سے گر جا" چند روز غم و اندوہ مین بسر کرنے کے بعد آدم کی پہلی حالت عود کر آئی اور اُن کا دل خالق کی محبت سے بریز ہوگیا، کہنے لگے "اے میرے رب تیرے رحم کی قدر اور تیری شاہنشاہی کے معنی معلوم کرنے کے لئے مجھے اس افسردہ دلی کی ضرورت تھی، مین نے دیکھ لیا کہ سب فانی ہین تو ہی باقی ہو، سب ناتوان ہین تو ہی قادرِ مطلق ہے، سب رنج وغم مین مبتلا ہین تو ہی تسلی دینے والا ہے" ندا آئی کہ "اب تو پہلے سے زیادہ عزیز ہے"

اس قصہ کے ابتدائی الفاظ ہی سے یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہو کہ انسان کی پیدائش کا مقصد معرفت ہے، پھر آخر یہ معرفت کیا ہے؟ معرفت کی ایک قسم معرفت عقلی یا معرفت استدلالی ہو، جو ایک متعین معیارِ فہم کے تمام لوگون مین پائی جاتی ہو، فہم سے معلوم کرنے کے لئے حواس ظاہری اور قوائے اندرونی سے ادراک ضروری ہو، حواس ظاہری کی مدد سے دنیائے مادّی کا ادراک حاصل کرکے اور قوائے اندرونی کی مدد سے فہم کو کام مین لاکر دماغ اس نتیجہ پر پہونچتا ہو کہ جو چیزین پیدا کی گئی ہین اُن کا پیدا کرنے والا بھی کوئی ہے، اور مخلوقات کے مختلف اصناف کی آفرینش پر غور کرنے کے بعد یہ امر واضح ہوجاتا ہو، کہ یہ نگارخانہ ضرور کسی قادرِ مطلق وعلیم وبصیر کا تعمیر کردہ ہو، لیکن روح جسم مین اس قسم کی معرفت کیلئے نہین بھیجی گئی ہو، اس قسم کی معرفت کیلئے ثبوت اور استدلال کی ضرورت ہے، اور اس کی کوئی حد نہین، کفار بھی اپنے عقائد کو استدلال سے ثابت کرتے ہین، ایک کے بجائے دوسری دلیل کو قبول کرنا ترجیح پر مبنی ہوتا ہے، اور اگر یہ تمام دلیلین صحیح بھی ہون تو نتیجہ صرف یہی نکلتا ہو کہ کسی خالق کا وجود ہے، لیکن معرفتِ حق کے بارہ مین روح کی حالت جسم مین داخل ہونے سے قبل بالکل مختلف تھی، روح حق سے بالکل ہی ہوئی تھی، اور اسے حق کا ادراک بغیر کسی دلیل کے حاصل تھا، جسم مین داخل ہونے کے بعد حق کے ساتھ یہ براہ راست تعلق گویا جاتا رہا،

عالم رمز و قربتِ حق سے عالمِ اجسام مین آتے ہوئے روح تمام روحانی اور مادّی عالمون

سے ہو کر گذری اور ان میں سے ہر عالم کی بہترین چیزیں اُس کے ساتھ شامل کی گئیں، اسی کے ساتھ ہر عالم کی بھلائی اور برائی بھی روح کو دکھائی گئی، کیونکہ وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجی جا رہی تھی کہ تمام مفید چیزوں کو حاصل کرے اور مضر چیزوں سے اجتناب کرے، چنانچہ جب روح تمام عالم کے سفر کے بعد جسم میں داخل ہوئی تو وہ گویا ہزاروں روشن اور تاریک روحانی چادروں میں لپٹی ہوئی تھی، ہر عالم کی ہر شے کے مشاہدہ کے وقت اس کی ہر نظر نقاب بنجاتی اور ان تمام نقابوں نے اسے حسن خالق یعنی وحدت کے ادراک سے محروم کر دیا،

لیکن باوجود اس کے کہ روح وجسم کی آمیزش نے روح وحق کے درمیان ایک قسم کا حجاب پیدا کر دیا، یہ آمیزش ضروری بھی تھی جب روح عالم روحانی میں تھی اور اسے حق کی قربت میسر تھی تو اسے صرف اسی قسم کی معرفت حاصل تھی، جو اس عالم کے مناسب حال تھی، اس حالت کی تکمیل کے لئے روح وجسم کا باہم ملنا ضروری تھا، کیونکہ اسی لئے روح کو دل، نفس، اور وہ قوتیں اور جذبات ملے تھے جنکی اسے حصول معرفت کی غرض سے احتیاج تھی، عالم روحانی کے دوران قیام میں روح کو صرف روحانی روشنی حاصل تھی جس سے وہ اس عالم کی تمام چیزیں دیکھ سکتی تھی، لیکن اس روشنی میں عالم مادی کی تمام چیزیں دیکھنے سے قاصر تھی، روح کو بالیدگی اور تکمیل اسی دنیا میں حاصل ہوئی، جہاں ہر شے اس کی تعلیم کی غرض سے رکھی گئی تھی، اس طرح روح اصل معرفت تک پہونچی، یا بنی آدم خلقتُ الاشیاءَ کلھا لاجلک وخلقتکَ لاجلی "

حصول معرفت کے لئے "نور" یعنی خود ذات حق کی ضرورت ہے، اس تک پہونچنے کے کون سے راستے ہیں؟ کیونکر وہ حجاب دور کیا جا سکتا ہے، جو حق اور روح انسانی کے درمیان پیدا ہو گیا ہے؟ اُن نقابوں کو کیسے علحدہ کیا جا سکتا ہے جنہیں روح لپٹی ہوئی ہے؟

محمود شبستری مصنف "گلشن راز" حق کو ایک بادام سے تشبیہ دیتا ہے، جس پر ایک پتلے چھلکے کے بعد

بھی ایک سخت چھلکا ہوتا ہے ؎

شریعت پوست مغز آمد حقیقت میان این و آن باشد طریقت

جس طرح بادام کے پختہ ہونے کے لئے پتلے اور سخت دونون چھلکون کی ضرورت ہوتی ہی اسی طرح حق کے ظہور کے لئے بھی شریعت اور طریقت دونون کی ضرورت ہے، شریعت جسم اور نفس کی تربیت کرتی ہی، طریقت دل کا تزکیہ اور روح کو منور کرتی ہے، جس طرح مغز بادام کے لئے سخت چھلکے کو توڑ کر پتلے چھلکے کو علٰحدہ کرنا پڑتا ہے، اسی طرح حق تک پہونچنے کے لئے پہلے شریعت کا اتباع کرنا پڑتا ہے، اس کے بعد تب راہ طریقت کی پیروی کیجاتی ہے،

جسم انسانی یعنی عالم اصغر مین دل کی وہی حیثیت ہی جو عرش کی عالم اکبر مین، یہ روحانیت کا مرکز ہی، اسی مین روح کی تجلیات جمع ہوتی ہین اور یہین سے وہ پھیلتی ہین، دل تمام اعضائے جسم سے باریک گون کے ذریعہ سے ملا ہوا ہی، اور انھین رگون سے ہوکر تجلیاتِ روح تمام اعضائے جسم مین پہونچتی ہین، جب ان تجلیات کا دل مین پہونچنا بند ہوجاتا ہی، تو تمام ترکیب جسمانی کی قوت بھی جاتی رہتی ہی، دل کی تربیت کے یہ معنی ہین کہ انسان دنیا چھوڑ دے، آدمیون اور تمام مخلوقات سے کنارہ کش ہوجائے، اپنی فطری خصلتون اور دنیوی مسرتون کو برطرف کردے، اور تجرید حاصل کرلینے کے بعد تمام تر خالق کی طرف متوجہ ہوجائے، اسطرح کہ حق سے بجز حق کے اور کچھ نہ طلب کرے، اور بجز تفرید کے مرتبہ پر پہونچکر سوائے حق کی محبت کے اور تمام محبتون اور خواہشون سے علٰحدہ ہوجائے،

ظہورِ حق کے تین مرتبے ہین، پہلا مرتبہ یہ ہی کہ حق اپنے کو تجلی افعال مین ظاہر کرتا ہی، جب انسان تمام افعال کو افعال حق مین فنا ہوتا ہوا دیکھتا ہی اور سوائے حق کے کوئی دوسری شے کام کرتی ہوئی نظر نہین آتی، اس کے بعد "تجلی صفات" کا مرتبہ ہی، جب انسان کو تمام صفات صفاتِ حق مین فنا ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہین، الیے بجز صفتِ حق کے اور کوئی صفت دکھائی نہین دیتی اور وہ اپنے تئین اور تمام چیزون کو صفاتِ حق کا ظہور خیال کرتا ہی، آخری مرتبہ "تجلی ذات" کا ہی، جب انسان تمام ہستیون کو اس واحد ہستی مین فنا ہوتے ہوئے پاتا ہی، اور جب سوائے حق کے اسے اور کوئی وجود نظر نہین آتا، یہی فنا فی الحق کا مرتبہ ہے، "ع ز"

اخبار علمیہ

ایرانی صنعت کی بین الاقوامی نمائش

آج کل لندن میں ایرانی صنعت کی جو عظیم الشان بین الاقوامی نمائش منعقد ہو رہی ہے، اُس کی ابتدائی خبر آپکی نگاہ سے ان اوراق میں گذر چکی ہے، لندن سے معارف کے ایک کرمفرما شیخ عنایت اللہ (ایم اے) لکھتے ہیں :-

یہ نمائش جنوری اور فروری تک کھلی رہیگی، تمام اقطارِ عالم سے ایرانی صنعت کے بہترین نمونے جمع ہو رہے ہیں، خاص کر حکومت ایران نے بیش از بیش امداد دیکر نمائش کے منظمون کی بہت ہمت افزائی کی ہے، اور وہان کے محلات شاہی، مساجد، مقابر اور دیگر مقامات سے بے شمار غالیچے ریشمی اور زردوزی پارچے، چینی اور مسی ظروف، چاندی اور سونے کے برتن، کتابون کے مصور نسخے، فن تصویر اور خطاطی کے بےنظیر نمونے، غرض بیسیون قسم کے نوادر و تحفے جمع کر کے بھیجے ہین، جنکی قیمت کا اندازہ نہین لگایا جا سکتا، اور جو آج تک محلات شاہی اور مقدس مقامات مین محفوظ تھے، اور اہلِ مغرب کی اُن پر نگاہ نہین پڑی تھی، اسی طرح یورپ کے عجائب خانہ نے اپنے ہان سے ایرانی صنعت کے اعلیٰ نمونے بھیجے ہین، ٹرکی نے بھی قسطنطنیہ کے محلات سے بہت سی نادر اشیاء ارسال کی ہین، اس نمائش کے بدولت گویا دنیا کے خزانے ایک جگہ جمع ہو گئے ہین، نمائش کے علاوہ جنوری کے مہینہ مین ایک کانگریس منعقد ہوگی جسمین امید ہو کہ تمام دنیا کے سربرآوردہ

اہل فن حصہ لین گے اور تبادلہ خیال کرین گے،

برازیل مین پٹرول کے بجائے اسپرٹ کا رواج

اس طرف امریکہ کے گیس کی کمپنیون کو برازیل مین اپنے تجارت کی کساد بازاری کی عام شکایت ہو گئی تھی، ابتداءً خیال تھا کہ تمام دنیا کی عام کساد بازاری اور خصوصاً برازیل کی موجودہ سیاسی پیچیدگیان اس کا باعث ہین، لیکن اب تحقیق سے پتہ چلا کہ حکومت برازیل نے ایک جدید اسپرٹ (شراب) ایجاد کی ہے، اور موٹر کے پٹرول اور اسی قسم کے دوسرے کامون مین جنمین گیس استعمال کیجاتی ہی اسی اسپرٹ کو استعمال کر رہی ہے یہ اسپرٹ گنے اور چند دوسری چیزدن سے تیار کی گئی ہے، اور قیمت مین پٹرول سے بہت زیادہ ارزان ہے، اور اسی لئے اس وقت برازیل مین عام طور سے رواج پا رہی ہی اور حکومت کو روز بروز اپنے مقصد مین کامیابی ہوتی جاتی ہے،

زلزلے اور موٹر کار

ان ممالک مین بھی جہان زلزلے اکثر آیا کرتے ہین، مثلاً اٹلی اور جاپان، اتلاف جان کا اس قدر اندیشہ نہین ہے، جس قدر آج کل کے شہرون مین موٹرون کی وجہ سے ہے، برطانیہ کے ماہر زلزلیات ڈاکٹر ڈیویسن (Dr. Davison) نے اس کے متعلق لندن ٹائمس مین اعداد و شمار دیئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہی کہ انیسوین صدی مین روے زمین پر ۳۶۴ شدید قسم کے زلزلے آئے اور سب سے زیادہ جانون کا نقصان ہوا، اندازہ ہے کہ اٹلی مین ان مین سے ہر زلزلہ سے ۲۲۴ آدمی مرے، اسی طرح جاپان مین ۳۸۹۲ آدمیون کا اوسط ہے، اس حساب سے ڈاکٹر ڈیویسن کا اندازہ یہ ہے کہ دنیا مین ہر سال تقریباً چودہ پندرہ ہزار جانین زلزلون کی وجہ سے تلف ہوتی ہین، لیکن اس سے کئی گنی تعداد ان اموات کی ہے جو ہر سال موٹرون کی وجہ سے پیش آتی ہین،

جنوبی اسٹریلیا مین بے روزگاری

تجارت کے انحطاط کی وجہ سے ہزارون لڑکے اور لڑکیان جو عموماً مختلف پیشے اور ملازمتین اختیار کر لیتی تھین اب بے روزگار ہو جائینگی، تخمیناً دس ہزار طلبہ ہر سال اسکولون سے فارغ ہوتے ہین جنمین سے چھ ہزار کسی نہ کسی کام مین لگ جاتے ہین، مسٹر ال وزیر اعظم اس بات کا انتظام کر رہے ہین کہ طلبہ ایک سال اور اپنی تعلیم جاری رکھین، اگر یہ دہ اسکول چھوڑنے کی عمر یعنی چودہ سال کو پہونچ چکے ہون مسٹر بل نے جو وزیر تعلیم بھی ہین اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ خواہ اخراجات زیادہ ہو جائین لیکن بچون کی تعلیم مین کوئی ہرج واقع نہ ہونے پائے گا، ان کی رائے ہے کہ جو لوگ زندگی مین داخل ہو چکے ہین ان کو اور زیادہ ایثار کرنا چاہئے، مگر بچون کی ترقی مین ہرگز کوئی رکاوٹ نہ ہونی چاہئے، اور باوجود مالی دقتون کے طلبہ کے مصارف بہر حال منظور ہونے چاہئین،

سزائے موت کے طریقہ مین بحث وتفتیش

متمدن دنیا نے بجلی کی طاقت کو قبضہ مین کرنے کے بعد مجرمین کو سزائے موت مین پھانسی دینے کے بجائے برقی رو سے گلا گھونٹ دینے کا طریقہ اختیار کیا ہے، کیونکہ خیال ہے کہ اس طریقہ سے موت طاری کرنے مین انسان حالت نزاع مین کم سے کم وقت گذارتا ہے، چنانچہ اس وقت سزادہی کا یہی قانون امریکہ مین نافذ ہے، لیکن اب ماہرین سائنس کی ایک کثیر جماعت یہ خیال کر رہی ہے کہ سزائے موت کا یہ طریقہ درست نہین ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے مجرم آسانی سے مرنے کے بجائے زیادہ سے زیادہ تکلیف ومصیبت اٹھاتا ہے، کیونکہ برقی رو سے صرف اس کے اعصاب شل ہو جاتے ہین، جس سے وہ بے حس وحرکت پڑا رہتا ہے، اور بجز اس کے کہ گفتگو کرنے اور اعضاء کو حرکت دینے کی صلاحیت نہین رکھتا، لیکن وہ اپنی تکلیفون کا پورا احساس کرتا ہے، ماہرین سائنس نے جب سے یہ خیال ظاہر کیا ہے لوگ حکومت متحدہ امریکہ کو مجبور کر رہے ہین کہ برقی رو سے سزائے موت دینے کے بجائے اسی قدیم

طریقہ پر پھانسی کی سزا دیجائے لیکن حکومت نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہین کیا ہی،

ریڈیم اور دورِ ارتقاء

مسئلۂ ارتقاء کے ماننے والون کے لئے یہ جدید تحقیق دلچسپ ثابت ہوگی کہ ڈاکٹر اسپیڈ پروفیسر کیلیفورنیا یونیورسٹی نے اپنے متعدد تجربون سے ثابت کردیا ہے کہ ریڈیم زندہ مخلوقات کی نشو و نما کے سرعت سے ترقی کرنے مین محسوس اثر پیدا کرتا ہے، چنانچہ انھون نے بعض نباتات پرایکس ریز اور ریڈیم کی شعائین ڈالین، تو ان کی شکل صورت، قامت اور پتیون کے رنگ وغیرہ مین اچانک ایسی تبدیلیان ہوگئین جن سے علم نبات کے ماہرین کے نزدیک ان کے متعدد ارتقائی منازل طے ہوگئے، اور ان شعاعون کے اثر سے جو تغیرات پیدا ہوئے، وہ عارضی نہین ہین بلکہ نباتات کی نسل مین ورا ثتہً جاری ہین، اور اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ریڈیم زندہ مخلوقات مین محسوس اثر ڈالتا ہے، اور مخلوقات اپنے ارتقائی دور کو جس فاصلہ سے طے کر رہے ہین، ریڈیم کے اثر سے ان مین سرعت پیدا ہوگی،

ریڈیم اور دماغ، اور ریڈیم کے متعلق دوسری طرف جرمنی کے دو ماہرین سائنس پروفیسر شیلڈر اور ڈاکٹر کراوس کے جدید تجربات ہین، یہ لوگ آجکل ریڈیم پر نہایت دقیق علمی تجربے کر رہے ہین، اور اپنے تجربون سے اس نظریہ تک پہونچے ہین کہ ریڈیم انسان کے دماغ پر محسوس اثر ڈالتا ہی، اور اس پر اس کا اثر پڑتے ہی ایک قسم کا جھٹکا ہوتا ہے، اور اس کے بعد ہی انسان کے تمام حرکات و سکنات مین سرعت پیدا ہوجاتی ہی،

ان تجربون سے بعض ماہرین فن کا خیال ہے کہ وہ زمانہ عنقریب آنیوالا ہے، جب انسان کی دماغی سطح پر برقی رو اور لاسلکی کی لہرین دوڑائی جائینگی، اور انھین کہربائی موجون سے انسان کے دماغی نشوونما کو ایسی ترقی دیجائیگی، کہ گویا ایک فوق البشر مخلوق کی تخلیق ہوگی، یا یون کہا جائے کہ وہ مافوق البشر انسان جرمنی کے ان سائنس دانون کی مساعی سے عالم وجود مین آجائینگے، جنکا تعارف جرمنی کا فلسفی نٹشے کرا چکا ہے،

"ر"

ادبیات

سوال بہ اقبال

از

جناب محمد اسد خان صاحب بی اے، ملتان

شاعر کو ڈاکٹر سر اقبال کے اسرار خودی پڑھکر جو شکوک پیش آئے ہیں، وہ موزون نغمون مین ادا ہوئے ہین صوفیانہ مثنوی گلشن راز کا وجود اسی طرح ہوا ہے، کیا ہمارے شاعر کے یہ شکوک ہمارے باکمال فلسفی شاعر کو ایک نئے گلشن راز کے کھلانے کی طرف متوجہ نہ کرین گے، "معارف"

پیشِ اقبال برم اے اسد این مشکل خویش　　ہست دل در بر من یا منم اندر دل خویش؟

تخم در صدف جسم و بجستم گو ہر؟　　یا نیم بیشتر از حاصل آب و گل خویش؟

پیکر از روشنیٔ من مہ کامل شدہ است!　　یا بہ پیکر شدہ ام داغ مہ کامل خویش؟

مثل مجنون ہمہ تن جلوۂ عریان باشم؟　　یا چو لیلے بشوم روشنیٔ محمل خویش؟

بہر گوہر بزنم غوطہ بہ دریاے وجود؟　　یا بہ کشتی بروم در طلب ساحل خویش؟

بایدا اول کہ بخواہم دل دانا ز خدا؟　　یا از ان پیش خدا را طلبم از دل خویش؟

بہ تلاش خضر عشق جنون در کار است؟　　یا خرد را بکنم راہبر منزل خویش؟

دارم امید کہ آن فلسفیٔ صاحبدل
بکشاید بہ کرم عقدۂ این سائل خویش

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے اخبارات اور رسائل کے خاص نمبر

گذشتہ مہینہ مین اردو اخبارات ورسائل پر جو تبصرہ کیا گیا تھا، عدم گنجایش کی وجہ سے اس کے تمام اجزا شائع نہ ہو سکے تھے، اس اشاعت مین اردو کے نئے اخبارات، اور رسالون کے خاص نمبرون پر تبصرہ کیا جاتا ہے، نیز آخر مین ایسے چند رسالون کا تعارف بھی کرا دیا گیا ہے، جو سال روان ۱۹۳۱ء کے آغاز سے شائع ہونا شروع ہوئے ہین،

اخبارات ہمارا گذشتہ تبصرہ مارچ مین شائع ہوا تھا، اور مارچ ہی مین گاندھی جی نے اپنا تاریخی "مارچ"، کیا، اور قید وبند کے ہنگامی قوانین جاری ہونے لگے، انھی مین پریس آرڈیننس بھی تھا، اسلئے یہ زمانہ اخبارات کے بند ہونے کا تھا، جاری ہونے کا نہین، لیکن اس کے باوجود اس اثنا مین چند پرچے نکل پڑے، اگرچہ ان مین سے اکثر کی حکمت عملی کو پریس آرڈیننس کے تصادم کا کوئی خطرہ نہین، تاہم ایک دو پرچے ایسے بھی نکلے جو آزاد نگار ہین، اور وہ پریس آرڈیننس کے دونون اعلانون کے درمیانی وقفہ مین نکلے ہین، نہین کہا جا سکتا ان کی زندگی کب تک ہے، جدید اخبارات حسب ذیل ہین، پیام (کلکتہ) مشیر سلطنت (دہلی) صلح (گورکھپور) خواجہ اسکول گزٹ (دہلی) جاسوس (الہ آباد) اور سیف (امرتسر)

پیام (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر ملاجان محمد صاحب پشاوری حجم ہر پرچہ ۱۶ صفحے، تصویر کے دو صفحے، سائز پیغام (مرحوم کلکتہ) لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلی قیمت سالانہ مع محصول للعہ

ہر ایک پرچہ ۱۔ پتہ ۱۔ دفتر پیام ۱۲ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ،

سرزمین کلکتہ سے ۱۹۱۲ء مین الہلال نکلا، اور مولانا ابوالکلام آزاد اور ہندوستان کے چند دیگر مشاہیر کی ادارت مین اس نے مسلمانان ہند کی سیاسیات مین ایک اہم انقلاب پیدا کر دیا، جواب تاریخ ہند کا ایک یادگار واقعہ بنکر رہ گیا ہے، الہلال کے بعد البلاغ آیا، اور البلاغ کی جگہ پیغام نے لی، ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۱ء تک مین مسلم رہبران ملک کی مساعی سے مسلمانان ہند کی سیاسیات مین جو تبدیلیاں ہوئی تھین، پیغام اُن کا صحیح معیار تھا، لیکن ۲۲ء مین حکومت کے عام دار وگیر مین اڈیٹر پیغام مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی بھی آگئے، پھر مولینا ابوالکلام اپنی نگرانی مین ایک یا دو ہی پرچے نکالنے پائے تھے کہ وہ بھی اسیر زندان کر دیے گئے، پھر کچھ دنون کے بعد مولانا نے اپنے بعض رفقا کی مساعی کے اعتماد پر الہلال کو نئی زندگی بخشی، اور الہلال اپنے دور جدید مین ایک نئے آب و تاب سے نکلنے لگا، لیکن چند دن بھی نہ گذرے تھے کہ اسکی یہ دوبارہ اشاعت بھی معرض التوا مین آگئی،

نہین کہا جاسکتا کہ کلکتہ کے ...ل جدید الشیوع ہفتہ وار مصور اخبار پیام پر قلم اٹھاتے ہوئے، کلکتہ کی اسلامی صحافت کی یاد سے آپ کیون تازہ ہوگئی، اس کا جواب بجز اس کے ہم کچھ نہین دیسکتے کہ یہ جدید الشیوع پیام اپنی ظاہری شکل وصورت اور اپنی حقیقی روح مین پیغام سے اسقدر ملتا جلتا ہے کہ سرورق پر ملا جان محمد کا نام نظر نہ آتا تو ہم زیادہ جرأت سے اسکو پیام کے بجائے پیغام ہی کے نام سے یاد کرتے، اور کہہ سکتے کہ اس کا ماضی اسقدر شاندار ہے کہ اس کے مستقبل کے درخشان ہونے مین کوئی کلام نہین، پیام کے چند پرچے پوری دلچسپی سے دیکھے، وہی آواز ہے جو پیغام کی تھی، وہی روح ہے، جو پیغام مین تھی، اور وہی ظاہری شکل وصورت ہے جو پیغام کی تھی، اس لئے اس کا وہی مسلک ہے، وہی ترتیب ہے اور وہی تدوین ہے جو پیغام یا الہلال کو درجہ دیگی تھی، اسلئے یقیناً اس کا خیر مقدم بھی وہی ہوگا جو الہلال (دورجدید) اور پیغام کا اس سے پیشتر ہو چکا ہے،

مشیر سلطنت (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر مرزا انور رشید یار جنگ حجم ۲۶ صفحے تصویرین ۴ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، آرٹ پیپر پر ورق پر اکبر کے دربار نورتن کا خوشنما رنگین فوٹو، قیمت سالانہ عہ، پتہ۔ دفتر مشیر سلطنت نمبر ۳ قرول باغ دہلی،

مشیر سلطنت دہلی سے اخبار ریاست (دہلی) کے اتباع مین اسی شکل وصورت کے ساتھ شائع ہوا ہے، اس کا سرنامہ "ریاست ہائے ہند کے حقوق کا سب سے پہلا علمبر دار" ہے، پرچہ سلیقہ کے ساتھ مرتب ہوتا ہے، مضامین مین تنوع ہے، اس کی حکمت عملی مین سب سے نمایان "والیان ریاست اور اسلامی حقوق وسیاسیات کی حمایت" ہے، لیکن مسرت ہے کہ جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ سنجیدگی، متانت اور معقولیت سے اچھے لب ولہجہ مین دلائل کے ساتھ ہوتا ہے، عام ازین کہ کسی موقع پر وہ دلائل اپنی جگہ صحیح نہ ہون، حکومت پر اعتدال کے ساتھ نکتہ چینی کرنے مین بھی خاموش نہین، ذاتیات سے حتی الامکان دامن بچاتا ہے اور اس طریقہ سے یہ پرچہ حتی المقدور اپنے نقطۂ نظر سے اپنی خدمات مین مصروف ہے،

صُلح (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب قاضی محمد علی اختر قاضی پوری حجم ۸ صفحے ہر اشاعت، تقطیع بڑی، لکھائی چھپائی معمولی کاغذ اوسط درجہ، قیمت سالانہ للعہ پتہ:- دفتر صلح گورکھپور،

صلح ستمبر کے مہینہ مین گورکھپور سے جاری ہوا اور ابھی تک جاری ہے، اس کی حکمت عملی، "اسلامی حقوق کی حمایت" "کانگریس کی موجودہ تحریک آزادی کی مخالفت" وغیرہ ہے، ایک صفحہ علمی ادبی مضامین کے لئے وقف ہے، صلح گورکھپور کی اشاعت کا ایک افادی پہلو ہمین یہ نظر آیا کہ حکیم برہم مرحوم کے مشرق مین کبھی کبھی چھپے چھپے لفظون مین ملک کی موجودہ تحریک آزادی کی حمایت نظر آتی ہے،

خواجہ اسکول گزٹ (ہفتہ وار) مرتبہ حضرت خواجہ حسن نظامی حجم ۱۶ صفحے ہر اشاعت

لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت ۳ سالانہ، پتہ :- دفتر خواجہ اسکول گزٹ دہلی،

خواجہ صاحب نے آجکل اپنی جد و جہد کے لئے ایک نیا میدان پسند کیا ہے یعنی "ماڈل اسکول دہلی" کے نام سے ایک مدرسہ کا قیام، زیر تبصرہ پرچہ اسی اسکول کا ہفتہ وار اخبار ہے، جو "ہندوستانی اسکولون کے لڑکون اور لڑکیون کے لئے" جاری ہوا ہے، خواجہ صاحب کو بچون کی تعلیم و تربیت کے طریقون پر خاص عبور ہے، وہ اپنے مخصوص طرز ادا مین بچون کو خطاب کرتے ہین، اور جاذب توجہ اور دلنشیں پیرایہ مین ان کو کام کی باتین سمجھاتے ہین، یہ پرچہ تقریبًا تمام تر انھی کے قلم سے مرتب ہوتا ہے اور یہ اسکے حسن و خوبی کی سب سے بڑی ضمانت ہے،

جاسوس (پندرہ روزہ اخبار) اڈیٹر جناب سید یوسف صاحب ہاشمی حجم ۱۶ صفحے لکھائی چھپائی متوسط، کاغذ معمولی، سرورق خوشنما قیمت سالانہ ۳ پتہ دفتر اخبار جاسوس نمبر ۱۹ کرنل گنج الہ آباد،

یہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۰ء سے جاری ہوا ہے، اس کے چند پرچے دیکھے، اسکی حکمت عملی "اسلامی حقوق و سیاسیات کی حمایت، موجودہ تحریک آزادی اور کانگریس کی مخالفت" اور ہندوستان کی اسلامی ریاستون کے وقار کی حفاظت" وغیرہ ہے، اخبار کے پہلے ہی نمبر مین موجودہ تحریک کے کچلنے مین پولیس کے "شاندار کارنامون" کو سراہا گیا تھا، اور اس صلہ مین حکومت کو پولیس کے لئے خاص "حقوق و مراعات" عطا کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا، اور اسی قسم کی حکمت عملی اس کی ہر اشاعت مین نظر آتی ہے کبھی کبھی کانگریس کے لیڈرون پر ذاتی حملے بھی کئے جاتے ہین، پرچہ کی ترتیب اچھی ہے، اسوقت یکم جنوری کا پرچہ سامنے ہے، مضامین مختلف عنوان "شذرات"، "سر دلبران"، "مقالات"، "مشاہیر عالم"، "پولیس عدالت" اور "صنعت و حرفت" وغیرہ مین منقسم ہین،

سیف :- (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب محمد عبد اللہ صاحب فوق حجم ۱۶ صفحے لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت سالانہ للعہ پتہ :- دفتر اخبار سیف امرتسر،

یہ ۵ا نومبر سنہ سے جاری ہوا ہے، اس کے مطمح نظر مین مختلف قومون اور ملتون کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنا ظاہر کیا گیا ہے، لیکن نہیں کہا جا سکتا کہان تک اس مین وہ پابند رہے گا، بعض مضامین پہلے ہی نمبر مین اس دعوی کے خلاف موجود ہین، کانگریس کی مخالفت بھی اس کا موضوع ہے، ریاستون کی سیاسیات بھی اس کے دائرۂ بحث مین داخل ہین "اسرار گاہ و انکشافات" کے عنوان مین" جادۂ اعتدال سے منحرف لوگون ،، کو راہ راست پر لانے کیلئے ان کے معاشرتی حالات شائع کئے جائین گے، ایک صفحہ پہلے پرچہ مین بھی موجود ہے،

کانفرنس گزٹ.- (پندرہ روزہ) اڈیٹر مولانا اکرام اللہ خان صاحب ندوی حجم ۱۶ صفحے لکھائی چھپائی صاف قیمت عہ رسالانہ پتہ دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈہ،

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈہ کا یہ پندرہ روزہ آرگن ہے جو نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی کے زیر نگرانی شایع ہوتا ہے، یہ ایک خالص تعلیمی اخبار ہے، اور اسی سے متعلق اس مین سنجیدہ اور پر معلومات مضامین ہوتے ہین، اخبار سلیقہ سے مرتب ہوتا ہی اور مسلمانون کے سامنے صحیح تعلیمی و اخلاقی نصب العین کو پیش کرتا ہے،

اخبارات کے خاص نمبر اس اثنا مین اخبارات کے خاص نمبر بھی بکثرت نکلے، لیکن ہمارے سامنے صرف چند پرچے اسوقت موجود ہین، روزنامہ صبح دکن کا خود مختاری دکن نمبر اور سالگرہ نمبر الگ الگ مختلف وقتون مین کتابی شکل مین شائع ہوئے، خود مختاری دکن نمبر سلطنت آصفیہ کی دوصد سالہ قیام و خود مختاری کی یادگار مین شائع ہوا ہے، ۸۴ صفحون پر مشتمل ہے، حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و رشاہزادگان کی تصویرین ہین، حیدرآباد کے اچھے اچھے اہل قلم کے مضامین ریاست حیدرآباد کی قیام سلطنت، خود مختاری، اور اسکی علمی و تعلیمی ترقیون پر مشتمل ہین، دوسرا سالگرہ نمبر اعلٰحضرت حضور نظام کی مبارک سالگرہ کی تقریب مین شایع کیا گیا ہے، اور اس مین بھی ممتاز اہل قلم کے مضامین اور نظمین ہین، رسالہ مین

جابجا حضور نظام کی مختلف تقریرین مختلف موقعون کی، اور خاندان شاہی کے ممتاز ارکین کی تصویرین منسلک ہین، دونون کی قیمت بہ ترتیب د اور ہ ہے۔ پتہ :- دفتر اخبار صبح دکن حیدرآباد دکن،

اسی طرح لاہور سے دو اخبار، دورِ جدید اور انتخاب لاجواب کے خاص نمبر سامنے ہین،

دورِ جدید کا سالنامہ ۱۴۰ صفحون پر شایع ہوا ہے، دورِ جدید پنجاب کے زمیندارون کا آرگن ہے اور اسی مناسبت سے اس خاص نمبر مین پنجاب کے مختلف ممتاز زمیندار و وزرا و عمال حکومت اور کونسل کے ارکان کے حالات زندگی اور خدمات شایع کئے گئے اور سب کی تصویرین بھی منسلک ہین، پتہ :- دفتر دورِ جدید لاہور،

انتخاب لاجواب مولوی محبوب عالم صاحب قدیم محسن اردو فن صحافت کی یادگار ہے، جو اس وقت بھی انہی کی ادارت مین شائع ہو رہا ہے، اسوقت اس کا **روزگار نمبر** سامنے ہے، اس مین مسلمانون کی اقتصادی ترقی کے لئے صنعت و حرفت اور پیشون کے اختیار کرنے کی عام مسلمانون کو دعوت دیگئی ہے اور ہر پیشہ اور صنعت و حرفت اور تجارت کے متعلقہ حالات بیان کئے گئے ہین، پتہ دفتر انتخاب لاجواب لاہور،

رسائل کے خاص نمبر اور سالنامے

اس اثنا مین اردو رسالون کے خاص نمبر اور سالنامے بھی بہ کثرت شائع ہوے، اور ہمین افسوس ہے کہ ان کے تبصرہ مین کسی قدر تاخیر ہوگئی، اور ہم نہین کہہ سکتے کہ جس قدر رسالے ہمین موصول ہوے، ہم آج ان سب کے تبصرے سے سبکدوش ہوسکین گے، بہرحال جن چند رسالون کے خاص نمبر اور سالنامے پیش نظر ہین ان کا تذکرہ ناظرین کے سامنے ہے،

رسول نمبر، دو رسالون کے رسول نمبر نظر سے گذرے، ان مین ایک رسالہ قیام الدین (فرنگی محل لکھنؤ) اور دوسرا رسالہ پیشوا (دہلی) ہے، **قیام الدین کا رسول نمبر** ۹۶ صفحون پر مشتمل ہے، لکھائی چھپائی اوسط درجہ کاغذ عمدہ ہے، تقریباً ۱۹..۲۰ مضامین نظم و نثر ہین، مضامین مین مولانا قطب الدین محمد عبدالوالی صاحب کا مضمون "معاشرت نبی کریم صلعم"، مولوی سید عبدالباری صاحب معنی کا مضمون

"عظمت رسالت" وغیرہ اچھے ہین، پتہ :- دفتر اشاعت علوم فرنگی محل لکھنؤ،

اسی طرح رسالہ پیشوا کا رسول نمبر ڈیڑھ دو سو صفحون پر شائع ہوا تھا، یہ رسالہ ہر سال اپنا رسول نمبر خاص اہتمام سے مرتب کرتا ہے، اور عمدہ مضامین کا اچھا خاصہ حصہ اپنے دامن مین سمیٹ لیتا ہے، اچھے لکھنے والے بھی اسکو مل جاتے ہین، سال حال کا رسول نمبر بھی محنت و اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، ملک کے مشہور اہل قلم اور علماء کے مضامین آئے ہین، مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور موسم حج وغیرہ کی متعدد تصویرین آرٹ پیپر پر شایع کی گئی ہین، پتہ :- دفتر رسالہ پیشوا دہلی،

سالنامہ عالمگیر (لاہور) ماہ جون ۱۹۳۰ء مین شایع ہوا، جو بڑی تقطیع کے ۱۹۰ صفحون پر مشتمل ہے، ۲۳، ۲۴ ۲ تصویرین ہین، جن مین پانچ سہ رنگی ہین، مضامین علمی و ادبی ہر قسم کے ہین، جن مین سے اکثر اچھے ہین، خصوصًا افسانون کا حصہ دلچسپ ہے، حصہ نظم مین جلیل القدر جلیل، عزیز لکھنوی، وسیم خیرآبادی، اور رضا علی وحشت وغیرہ جیسے اساتذۂ فن کے کلام ہین، رسالہ جس جانفشانی اور محنت سے مرتب ہوا ہے، اُس کے لحاظ سے ہم اسکو بجا طور سے ایک دلآویز ادبی گلدستہ کہہ سکتے ہین، سالنامہ رسالہ کے مستقل خریدارون (چندہ سالانہ للعہ ر) کو ہدیۃً اور الگ طور پر عہ ر مین ملتا ہے، پتہ :- دفتر رسالہ عالمگیر بازار سید مٹھا لاہور،

عصمت کا سالگرہ نمبر مولانا راشد الخیری کے رسالہ عصمت نے ۲۳ وین سال مین قدم رکھا ہے اور اسی تقریب سے ماہ جولائی ۱۹۳۰ء کا رسالہ "سالگرہ نمبر" کے عنوان سے شایع ہوا ہے، جو پورے دو سو صفحون پر علاوہ اشتہارات کے مشتمل ہے، مرتب نے مضامین کو خود حسب ذیل عنوان مین تقسیم کر دیا ہے، ایڈیٹرل اور سالگرہ کے پیامات" ۹ مضامین "مذہب اخلاق، معاشرت تمدن" مین ۱۴ مضامین "تاریخ و سیر اور سیر و سیاحت" کے ۵ مضامین، "افسانے اور ڈرامے" ۱۱ عدد، "نظمین ۱۲ عدد، "پرورش اطفال خانہ داری، اور حفظان صحت" پر ۸ مضامین "صنعت و حرفت اور مفید معلومات" کے ۸ مضامین پھر تصویرون

کی مجموعی تعداد ۱۹۳ ہے، جن میں ۵ رنگین تصویریں، اور انھی میں چند "عصمتی بہنیں" بھی منظر عام پر آئی ہیں،
رسالہ کے اکثر مضامین عالم نسوان کے لئے نہایت مفید اور دلکش ہیں، جن کا بیشتر حصہ خود خواتین کے قلم
کا رہین منت ہے، تاریخ و سیر میں محترمہ بیگم ڈاکٹر نصیر الدین کا مقالہ "مغلیہ تاریخ کے چند اچھوتے اوراق"
نہایت قیمتی ہے، جس نے موصوفہ کے رنگون اور برما کے قیام کو ایک تاریخی حیثیت دیدی ہے، موصوفہ
شہزادی رونق زمانی بیگم سے جو آخری تاجدار ہندبہادر شاہ ظفر کی عتیقی پوتی ہیں، رنگون میں اکثر ملیں
اور ان کی زبانی مغلیہ خاندان کے آخری عہد کے گذرے ہوئے حالات معلوم کئے، اور یہ عبرت انگیز داستان
عصمت کے سالگرہ نمبر کے لئے قلمبند کی یہ مقالہ اس نمبر میں خصوصیت کے ساتھ پڑھنے کے لائق ہے،
اس مضمون سے متعلق متعدد تصویریں بھی ہیں، سالگرہ نمبر کی قیمت:- عہ ہے، جو دفتر عصمت دہلی
سے مل سکتا ہے،

نورس کا عبد الحق نمبر رسالہ نورس عثمانیہ کالج اورنگ آباد کے طلبہ کا دوماہی رسالہ ہے
مولوی عبد الحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو، اس کالج میں پرنسپل تھے، اور اب یہاں
سے جدا ہو کر عثمانیہ یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے ہیں، موصوف کی اسی جدائی کی تقریب سے کالج کے طلبہ نے
اپنے رسالہ کا عبد الحق نمبر شائع کر کے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کیا ہے، رسالہ میں موصوف کی
زندگی کے مختلف رخ دکھائے گئے ہیں، مضمون نگاروں میں کالج کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ نواب
سر حیدر نواز جنگ کا "ایک پیغام کالج کے طلبہ کے نام" ای ای اسپیٹ پروفیسر انگلش عثمانیہ یونیورسٹی کا
ایک دلچسپ مزاحیہ مضمون مولوی عبد الحق صاحب کی داڑھی پر "لحیۃ طیب" کے عنوان سے، ڈاکٹر
سید عابد حسین پی ایچ ڈی استاذ جامعہ ملیہ کا مضمون "رسالہ اردو" پر ہے، اور پھر خود مولوی عبد الحق
صاحب کا ایک مضمون "گدڑی کے لال نور خان" پر ہے اسی طرح مولوی صاحب موصوف کی "نظامت
انجمن ترقی اردو" ان کی صلاحیت "انتظام" ان کی "انشا پردازی" اور ان کے "مقصد زندگی"

وغیرہ پر مختلف مضامین ہین، اگر کمی ہے تو مقالہ "مولوی عبد الحق صاحب بحیثیت پرنسپل کالج" اور "مولوی عبد الحق صاحب بحیثیت مقدمہ نگار اردو" کی، آخر مین الوداعی سپاسنامے اور نظمین درج ہین، شروع مین مولوی صاحب کی ایک رنگین تصویر بھی زیب رسالہ ہے، رسالہ کا حجم ۲۷۰ صفحے ہے جو انجمن ترقی اردو کے ٹائپ مین اچھے کاغذ پر چھپا ہے، پتہ:۔ عثمانیہ کالج اورنگ آباد حیدرآباد۔

چاند کا اسپشل اڈیٹر نمبر، رسالہ چاند (الہ آباد) کا اردو اڈیشن نہایت خوبی کے ساتھ مصور، منشی کنھیا لال صاحب ایم اے ال ال بی ایڈوکیٹ کی ادارت مین نکل رہا ہے، موصوف نے اپنے رسالہ کے خاص نمبر مین ایک ایسی جدت کی، جس مین وہ خاص نمبر اور سالنامہ نکالنے والے تمام رسالون سے بازی لے گئے، زیر تبصرہ رسالہ چاند کا اسپشل اڈیٹر نمبر یعنی دور حاضر کے ہندوستانی فن صحافت کے علمبردارون کے مضامین کا ایک دلآویز مجموعہ ہے، جس مین ہندوستانی فن صحافت کے ۵۷ اڈیٹرون اور اسسٹنٹ اڈیٹرون کے قلم کی گلکاریان یکجا ہین، اور اس لحاظ سے یقیناً یہ ایک نادر مجموعہ ہے، مضامین کا معیار پست بھی ہے اور بلند بھی، کہ دونون معیار کے رسالے اور اخبار اسوقت جاری ہین، لیکن پستی کم اور بلندی زیادہ ہے، کہ ہر اڈیٹر نے اپنا اپنا شاہکار پیش کرنے کی کوشش کی ہے، رسالہ کا حجم تقریباً ۵۰۰ صفحے ہے، جن مین ۲۲۴ صفحے خالص مضامین کے ہین، رسالہ چاند کی اہم خصوصیت اس کی تصویرین ہین، اور یہ چیز اس خاص نمبر مین بہت نمایان ہے، یہ تصویرین رسائل و اخبارات کے اڈیٹرون کی ہین، ہر ایک نظر ڈالنے سے ہمارے سنجیدہ انشاپردازون کی شان نمایش کا راز عیان ہو کر سامنے آجاتا ہے، اس خاص نمبر کی ترتیب اور حصول مضامین مین جو جو دقتین پیش آسکتی تھین، انھین مستقل مزاجی سے انگیز کر کے کامیاب ہونا اور پھر اڈیٹرون اور رسائل کے فرق مراتب کو نباہ دینے کے لئے حروف تہجی کی ترتیب سے مضامین اور تصویرین شائع کرنا قابل داد ہے، اگرچہ مضامین کے اندراج مین نگاہ احتیاط کہین کہین چوک گئی ہے، مثلاً ص ۲۰۳ مین "ادب اردو" کی حمایت مین جو آواز اٹھائی گئی ہے اس کا منشاء محض کسی "قصر الادب" پر تیر اندازی کے علاوہ اور کچھ نہین، یہ تنقید کا کوئی اچھا نمونہ نہین ہے، کہ پورا مضمون

ذاتیات سے لبریز ہے، اور انکی اشاعت خود اس مسلک کے خلاف ہے جسکو مدیر رسالہ نے اسی پرچہ مین ص ۵۰ و ۵۴ مین بتفصیل پیش کیا ہے، اس خاص نمبر کی قیمت ... ہے، جو دفتر رسالہ چاند الہ آباد سے ملسکتا ہے،

ان سطور کے لکھتے وقت ۱۹۳۶ء کے چند سالنامے بھی موصول ہو گئے ہین، وہ رسالہ ہمایون (لاہور) چمنستان (امرتسر) نیرنگ (دہلی) رہنمائے تعلیم (لاہور) اور رسالہ سروش (لاہور) کے سالنامے اور خاص نمبر ہین،

ہمایون کا سالگرہ نمبر، ہر سال جنوری مین شائع ہوتا ہے، گذشتہ سال تو اس کے سالنامہ مین "اردو رسائل کی گول میز کانفرنس" منعقد ہوئی تھی، امسال امجد حیدر آبادی کی دلکش نظم کے بعد "بزم ہمایون" مین اردو صحافت پر ایک دلچسپ تبصرہ ہے، اور اسی سے سالنامہ کا آغاز ہوتا ہے، پھر "جہان نما" مین دنیائے ۱۹۳۵ء کی ایک جھلک ہے، اور اسی ضمن مین ۱۹۳۵ء کے ہندوستان کا ایک صحیح مرقع کھینچا گیا ہے، اس کے بعد مضامین ہوتے ہین، مضمون نگارون کی فہرست مین ملک کے ممتاز اہل قلم اور مشہور شعرا کے نام ہین، "تعلیم و تربیت کے نئے طریقے" ایک مفید اور کارآمد مضمون شروع سے آخر تک پڑھنے کے لائق ہے، پھر "بہرا" (مرزا فرحت اللہ دہلوی) "بڑی کتابین اور چھوٹے آدمی" (خان بہادر میان عبد العزیز رکن گول میز کانفرنس) "بہرہ شاہزادہ" (خواجہ حسن نظامی) "دوست" (جناب منصور احمد جوائنٹ اڈیٹر) اور "فلک پیما کے خطوط" وغیرہ دلچسپ مضامین اور افسانے ہین، شعرا مین سے امجد حیدر آبادی، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، احسن مارہروی، سید عابد علی عابد، اور سجاد دلیدرم کی نظمین اور غزلین زیب رسالہ ہین، چند تصویرین بھی ہین، رسالہ کا حجم ۶۰ ۱ صفحے علاوہ اشتہارات ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، اور سرورق دراصل ایک "خوبصورت تحفہ" ہے، قیمت جداگانہ درج نہین، شاید عہ ۱۲ سے زائد نہ ہو (سالانہ چندہ صہ ہے) پتہ: دفتر رسالہ ہمایون ۳۲ لارنس روڈ لاہور

سالنامہ چمنستان (امرتسر) رسالہ چمنستان ایک ادبی رسالہ ہے جو تقریباً دو سال سے جناب

محمد افضل خان صاحب کی ادارت مین جاری ہے، زیر تبصرہ رسالہ ۱۹۳۱ء کا سالنامہ ہے، جس مین رسالہ کی ادبی شان برقرار ہے، شعراکی فہرست مین مولانا اسلم جیراجپوری، حفیظ جالندھری، شفق عمادپوری، مجنون گورکھپوری ہین، نیز جگرمرادآبادی کی بھی ایک تازہ غزل درج ہے، اور مضمون نگارون مین جناب سید حسن برنی، مولوی محمود بریلوی وغیرہ کے نام ہین، مضامین مین زیادہ تر افسانے ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین، امید ہے کہ ادبی رسائل کا قدردان حلقہ اس کا خیرمقدم کرے گا، حجم ۱۳۰ صفحے لکھائی چھپائی معمولی، اور کاغذ متوسط درجہ، قیمت ۸ عہ (سالانہ عہ) پتہ:- دفتر رسالہ چمنستان امرتسر،

نیرنگ کا نوروز نمبر، اڈیٹر جناب عشرت رحمانی حجم ۲۱۵ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت ۱۲ر دفتر نیرنگ دہلی،

رسالہ نیرنگ دہلی جو پہلے رام پور سے نکلتا تھا، اور اسکا موضوع صرف شعر و شاعری اور ادب تھا، اب دلی سے نکلنے لگا ہے، اور ایک عام ادبی رسالہ بن گیا ہے، اور اس نے سال رواں کا نوروز نمبر شائع کیا ہے، اس نمبر کے قلمی معاونین مین خواجہ حسن نظامی، سلطان حیدر جوش، اور منشی پریم چند وغیرہ مشہور اہل قلم ہین، مضامین مین افسانے زیادہ ہین، اور چند مضامین تنقیدی بھی ہین، اسلئے یہ نوروز نمبر عام مطالعہ کے لئے دلچسپی کا ایک اچھا سامان تیار ہوگیا ہے، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین،

رہنمائے تعلیم کا جوبلی نمبر، مدیر جناب لچھمی چند و دیارتھی، بی اے، بی ٹی، ایم او بی اے (لندن)، حجم ۲۴۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عہ :- پتہ ماسٹر جگت سنگھ منیجر رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور،

رسالہ رہنمائے تعلیم سررشتہ تعلیم پنجاب کی سرپرستی مین پچیس سال سے جاری ہے، اور ملک کی تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے، اب اس نے اپنے چھبیسوین سال مین قدم رکھا ہے اور اسی تقریب سے اپنی پچیس سالہ دور زندگی کی مسرت مین اپنا ایک ضخیم جوبلی نمبر شائع کیا ہے، جو پوری محنت اور جانفشانی سے ترتیب

دیا گیا ہے، مضامین مختلف عنوان مین تقسیم کئے گئے ہین، اور جن مین سے ہر ایک عنوان اپنے مضامین کے ساتھ مستقل ایک رسالہ بن گیا ہے، مضمون نگارون مین ملک کے بلند پایہ انشا پرداز اور محکمہ تعلیم کے کار آزمودہ افاضل، دونون ہین، اور اس لئے مضامین کا معیار بلند ہے، اور جو علمی، تعلیمی، ادبی اور اخلاقی ہر قسم کے ہین، رسالہ مین تصویرین بھی کثرت سے ہین،

سروش کا سالنامہ، مدیر جناب حیرت حجم ۱۰۴ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ،

قیمت ۸؍ دفتر رسالہ سروش لاہور،

سروش لاہور کا ایک ادبی رسالہ ہے، اس نے جنوری سنہ مین اپنا سالنامہ نکالا ہے، مضامین افسانے زیادہ ہین، جو اکثر ملک کے نوجوان افسانہ نگارون مجنون گورکھپوری، ڈاکٹر اعظم کریوی، ساغر نظامی اور رئیسی اجمیری وغیرہ کے قلم کے ہین، اور اچھے اور دلچسپ ہین، مزاحیہ مضامین مین مرزا فرحت اللہ بیگ اور شوکت تھانوی وغیرہ کے مضامین ہین، اور ادبی مضامین مین خلیل دہلوی وغیرہ لکھنے والے ہین، شعراء کی فہرست میں بھی زیادہ تر نوجوان اہل قلم ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین،

چند نئے رسالے | رسائل پر تبصرہ کرتے وقت آخر جنوری تک تین اور نئے رسالے بھی موصول ہو گئے، جو جنوری سنہ سے شائع ہونے لگے ہین، اور یہ عجب اتفاق ہے کہ ان تینون رسالون کی عنان ادارت ہمارے ہندو دوستون کے ہاتھ مین ہے اور تینون لاہور ہی سے شائع ہوئے ہین، یہ رسالے چندن، ستارہ اور گرہستی ہین،

چندن ایڈیٹر جناب سدرشن حجم ۸۸ صفحے قیمت سالانہ للعہ کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ،

پتہ دفتر چندن، ریلوے روڈ لاہور،

سدرشن اُن ہندو افسانہ نگارون مین ہین، جن کا نام منشی پریم چند کے بعد آپ سے آپ زبان پر آجاتا ہے،

چند ن انھی کی ادارت مین نکلنا شروع ہوا ہے اور یہ اس کی خوبی کی کافی ضمانت ہے، پہلے نمبر مین ایڈیٹر کے مخصوص افسانون کے علاوہ دوسرے مشہور اہل قلم کے دلچسپ مضامین اور پنجاب کے ممتاز شعرا کی نظمین ہین،

ستارہ ایڈیٹر جناب راجیشور ناتھ ورما حجم ۸۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت سالانہ صرف عار دفتر ستارہ امیر علی شیر روڈ لاہور،

ستارہ ایک خاص نقطۂ نظر کے ساتھ نکلا ہے، اور اپنی ضرورت ان الفاظ مین خود بتائی ہے، اُردو زبان مین ایک رسالہ بھی ایسا شائع نہین ہوتا، جو ڈراما، سینما، ریڈیو، فن پرواز، موسیقی، اور مصوری وغیرہ کے لئے خاص طور پر وقف ہو،، اس لئے اس رسالہ مین عام ادبی مضامین کے علاوہ خصوصیت سے ان مباحث پر مضامین ہونگے، اور اس پہلے نمبر مین بھی ان عنوانون پر تحریرین درج ہین،

گرہستی (باتصویر) ایڈیٹر جناب منی لال گوردھن حجم ۲۰ صفحے لکھائی چھپائی معمولی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت ۱؎ سالانہ پتہ:- دفتر رسالہ گرہستی چوک گمٹی بازار، لاہور،

یہ رسالہ بھی اپنے خاص نقطۂ نظر کے ساتھ شائع ہوا ہے، جو اس کے نام سے ظاہر ہے، یعنی اس کا مقصد گھر گرہست کی درستی اور اصلاح ہے، اس لئے اس کے مضامین تمامتر خانگی زندگی سے متعلق ہوتے ہین، اور خانگی زندگی کے مختلف شعبون کی اصلاح کے لئے مستقل طور پر مختلف سرخیان قائم ہین، اور انھی کے تحت مضامین درج ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ گھر گرہستون کے درمیان قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا،

"ر"

مطبوعات جدیدہ

مراثی میرانیس، نظامی پریس بدایون، تین جلدین، جلد اول ۵۰۰ صفحے، کاغذ اعلیٰ قیمت عہ؍ جلد دوم ۵۳۰ صفحے قیمت صہ؍ جلد سوم ۴۱۶ صفحے قیمت ےۂ ہر جلد، تقطیع ۲۲×۲۹ ہر جلد مجلد،

نظامی پریس بدایون ہر سال مفید تصانیف کی اشاعت مین مصروف رہتا ہی، پرانے ادبی ذخیرون کو خوبی کیساتھ مرتب کرکے عمدہ طریقہ سے شایع کرنا بھی اُس کا سالانہ فرض ہی، دس برس مین اس نے میرانیس کے مرثیون کی تین جلدین ۱۹۲۱ء سے لیکر ۱۹۳۰ء تک تین ضخیم جلدون مین مرتب کیا ہے، مولانا نظم طباطبائی جیسے کہنہ سال ادیب و شاعر جو ان مرثیون مین سے اکثر کے خود مصنف کے منہ سے سننے والے ہون گے، انھون نے ان کی ترتیب و تصحیح کی ذمہ داری اپنے سرلی تھی، جلد اول مین میر صاحب کے وہ مرثیے ہین جو آخر عمر مین انھون نے کہے تھے، اور جن مین سے اکثر سے پرانا نولکشوری اشاعت محروم رہا ہی، جلد دوم مین شاعر کے متوسط عمر کے اور جلد سوم مین آغاز شباب کے مرثیے درج ہین، ہر جلد کے سرورق پر میر صاحب کی تصویر ہے، اور دوسری جلد مین اس کے ساتھ میر صاحب کا عکس تحریر بھی شامل ہے،

حقیقت یہ ہی کہ میر صاحب کے مرثیے جو اردو ادب کے خزانے کی گرانبہا دولت ہی، انکی اس نفاست اور خوبی کیساتھ اشاعت نظامی پریس کا نہایت اہم کارنامہ ہے،

قاموس المشاہیر، نظامی پریس، بدایون، دو جلدون مین، تقطیع ۲۲×۲۹ قیمت ہر دو جلد عہ؍ و قیمت فی جلد سے؍

نظامی پریس نے اس نام سے نئے اور پرانے تاریخی اشخاص کی مختصر سوانحمریون کا عام پسند اور مفید عام مجموعہ دو جلدون مین شایع کیا ہے، زیادہ تر مسلمانون کے نام ہین، کچھ ہندون کے بھی

ہین، سلاطین، وزرا، امرا، علما، شعرا، ہر طبقہ کے مشاہیر لئے گئے ہین، اس قسم کی تاریخی کتابون مین حالات اور سنین کے صحیح لکھنے اور صحیح چھپنے کی بڑی ضرورت ہے، بہر حال مطبعی اغلاط کی تصحیح کے لئے آخر مین صحت نامے لگا دیئے گئے ہین،

نبوت کا ظہورِ اتم، مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب، مسلم بک سوسائٹی، عزیز منزل برانڈرو تھ روڈ لاہور، ۲۷۲ صفحات، قیمت عہ،

خواجہ صاحب نے اس نام سے اپنی انگریزی تصنیف دی آئیڈیل پرافٹ کا اردو ترجمہ کیا ہے، جو غالباً اون کی تصنیفات مین سب سے بہتر ہے، اس مین آنحضرت صلعم کے فضائل اور کمالات کو اس اچھوتے طریقہ سے لکھا اور پیش کیا ہے، کہ غیر مسلم بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، گیارہ بابون مین اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے مختلف کمالات کو یورپ اور مسیحیت کے ذوقِ نظر کو سامنے رکھکر بہت خوبی سے دکھایا ہے، امید ہے کہ عام مسلمان بھی اس سے پوری طرح فائدہ اٹھائین گے،

التشبہ فی الاسلام، مولفہ مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور، ۱۸۰ صفحات، قیمت

مولف نے اس کتاب مین حدیث من تشبہ بقوم پر ہر حیثیت اور ہر پہلو سے بحث کرکے اس کی صحت کو ثابت کیا ہے، اور سرسید مرحوم کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور نفس مسئلہ تشبہ قومی کا فلسفہ لکھا ہے، اور عقلی و نقلی دلیلون سے یہ ثابت کیا ہے، کہ کفار کا تشبہ کرنا اسلام مین منع ہے، کتاب مطالعہ کے لائق اور مسلمانون کے غور کے قابل ہے،

تاریخ نثرِ اردو، مرتبہ حضرت احسن مارہروی اردو لکچرر انٹرمیڈیٹ کالج، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ حصہ اول ۱۰۰ صفحات، قیمت قسم اول مجلد صہ، قسم دوم مجلد للعہ، طلبہ کے لئے قسم اول للعہ، قسم دوم سے،

مولف کا نام ادب اردو کی دنیا مین اچھی طرح معروف ہے، وہ اُن لوگون مین ہین جو ہمیشہ کچھ نہ کچھ ادب اردو کی خدمت انجام ہی دیتے رہتے ہین، مولف موصوف کا تازہ کارنامہ یہ نئی تالیف ہے، جس کا دوسرا تاریخی نام نمونۂ منثورات ہے، اور یہی نام درحقیقت اس کتاب کے موضوع ومقصد کو اچھی طرح ظاہر کرتا ہے، مولف نے نہایت محنت تلاش اور جستجو سے ۱۸۰۰ء سے ۱۹۲۴ء تک کی اردو کے مختلف نمونون کو مختلف عنوانون کے تحت مین بہ ترتیب جمع کیا ہے، تاکہ دیکھنے والے کو بیک نظر معلوم ہو سکے کہ اس صنف مین اردو زبان پر ان صدیون مین کیا کیا انقلابات پیش آئے، اور اُس کی طرز کیونکر عہد بعہد بدلتی رہی، کتابون کے نمونون مین اُس کتاب یا مصنف کے متعلق اپنا ادبی نقطۂ نگاہ تبصرہ و کیفیت کے عنوان سے درج کیا ہے، الغرض کتب اخبارات، مضامین، نقد و تبصرہ مثل مقدمات، کاغذات سرکاری، خطوط، مختلف ادبی مظاہر مین اردو کی ہر دور کی ترقی و انقلاب کو مجسم کرکے دکھایا ہے، کتاب کی گو کوئی منطقی ترتیب نہین، اور محتاج تکمیل بھی ہے، تاہم نمونۂ منثورات اردو کے مجموعہ کے لحاظ سے ہماری زبان کی تاریخ مین یہ ایک بیحد مفید و کارآمد کام انجام پایا ہے، ہم اس کو جناب احسن کی احسن الکتب قرار دیتے ہین، اور حصہ دوم کے اس سے بہتر نظم و ترتیب کی توقع رکھتے ہین،

فہرست کتبخانہ مشرقی پٹنہ، مولفہ مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دارالمصنفین بزبان انگریزی، ۱۰۰ صفحات، سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ بہار و اڑیسہ پریس، پٹنہ،

یہ کتبخانہ مشرقی پٹنہ بانکی پور کی اٹھارہوین جلد شایع ہوئی ہے، جس مین عربی کی قلمی کتابون مین سے صرف قرآن اور قرآنی علوم مین سے قرآت و تجوید کی قلمی کتابون کی فہرست اور ان کے مولفین و مصنفین کے حالات اور کتبخانہ کے موجودہ نسخہ کی تشریحات مندرج ہین، یہ شعبۂ قرآنیات کی فہرست کا پہلا حصہ ہے،

"س"

رجسٹرڈ نمبر اے
مارچ ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر
دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

جلد بست و ہفتم | ماہ شوال ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۱ء | عدد سوم

مضامین

سیرۃ نبوی کی چوتھی جلد بحمد اللہ کہ مطبع مین بھیجدیگئی، اور اب تک اس کے پچاس ساٹھ صفحے چھپ چکے ہین اور کام پوری مستعدی سے جاری ہے، تاہم اختتام سال سے پہلے اسکی چھپائی ختم نہ ہوگی، کتاب کی بقیہ سب جلدون کو جلد جلد سمیٹنے کی کوشش بہت کچھ کیجاتی ہے، مگر ہر نیا سال ضروریات اور اقتضاآت کا نیا مطالبہ اپنے سامنے لاتا ہے اور اُن کے مطابق مباحث کی وسعت اور اُن کی تحقیق و تلاش بڑا وقت لیتی ہے، ہم نے چاہا تھا کہ اس چوتھی جلد مین تمہید و دیباچہ کے علاوہ عقائد و عبادات و اخلاق مین عنوانات کی تکمیل کردیجائے، مگر کتاب کی ضخامت شاید اس جلد کو تمہید و دیباچہ کے علاوہ صرف عقائد و عبادات پر خاتمہ کے لیے مجبور نکردے، کہ صرف یہ مضامین چھ سو صفحے پورے کردینگے،
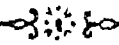
مولانا شبلی مرحوم کے مجموعۂ مضامین کی اشاعت کا خیال تو مدت سے تھا، مگر بعض پرچون کے بہم نہ پہنچنے کے سبب سے تاخیر ہوتی رہی، گذشتہ سال سے اسکی اشاعت کا سامان کیا گیا، اور اُسکی پہلی جلد جسمین صرف مذہبی مضامین کا مجموعہ ہے، ابھی شائع ہوئی ہے، گوکہ یہ مضامین آج سے تیس چالیس برس پہلے کے لکھے ہوئے ہین، تاہم یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ شائقین اسکی پوری قدردانی کے لیے آمادہ نظر آتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ اس شراب کی کہنگی اس کے کیف و مستی کو اور بڑھادیگی، اسی لیے ارادہ ہے کہ مضامین کی تمام جلدون کو جلد از جلد چھاپکر شائع کردین، چنانچہ مجموعہ کے دوسرے حصہ کی جو ادبی مضامین پر مشتمل ہوگا کتابت شروع کرادیگئی ہے،

مشہور حنفی محدث و فقیہ امام طحاوی جن کی دو مشہور کتابین معانی الآثار اور مشکل الآثار
ہندوستان مین پہلے چھپ چکی ہین، فقہ مین اُن کی ایک ضخیم تالیف جامع کبیر ہے، ابھی حال مین مصر
مین اُن کی اس کتاب کا ایک باب کتاب الشفعہ چھپکر شائع ہوا ہے، اسی طرح عہد سامانی و غزنوی کے
مشہور متکلم امام عبد القادر بغدادی جنکی ایک کتاب الفرق بین الفرق مصر مین چھپ چکی تھی، اب قسطنطنیہ
سے اُن کی دوسری تصنیف اصول الدین چھپکر شائع ہوئی ہے، بار بار خیال آتا ہے کہ سینے خالی ہو رہے
ہین، اور سفینے بھر رہے ہین، شاید کہ یہی علوم اسلامیہ کی حفاظت کا سامان بن جائین،

حرمین محترمین کی علمی خدمتگذاری کی عزت جہان بہت سی مسلمان قومون کو حاصل ہوئی،
وہان ہندوستانی مسلمانون کو بھی حاصل ہوئی، گجرات کی اسلامی سلطنت جب تک قائم رہی اُسکی
طرف سے مکہ معظمہ مین مدرسہ قائم رہا، اسی مدرسہ کے ناظر و مدرس اعلیٰ قطب الدین نہروالی تھے، جو
اعلام اور تاریخ یمن کے مصنف ہین، انتہا یہ ہے کہ بنگالہ کی خودمختار اسلامی سلطنت بھی اس شرف
سے محروم نہ رہی، زمانہ نے جب رنگ بدلا تب بھی یہ اعزاز ہندوستانی مسلمانون کے حصہ مین آیا،
مکہ معظمہ مین مدرسۂ صولتیہ اور دوسرا مدرسۂ فخریہ ہندوستانی مسلمانون ہی کے چندون سے چل رہے
ہین، مدینہ منورہ مین مدرسۂ نظامیہ ہے اس کے خدمتگذار بھی ہندوستانی ہی ہین، اور سرکار نظام
خلد اللہ ملکہ کو ان سب کی اعانت کا فخر حاصل ہے،

اب چند سال سے مدینہ منورہ مین ایک اور بڑا مدرسہ مدرسۃ العلوم الشرعیۃ کے نام سے
مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنی (برادر مولانا حسین احمد صاحب) نے قائم فرمایا ہے، مولانا کی ذات
بابرکات مدینہ منورہ مین ایک عجیب ہستی ہے، ایسی مخلص، متواضع، دردمند، شاید ہی کوئی شخصیت

وہان ہو، اور ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے اُن کو وہان ہر دلعزیزی بھی عطا فرمائی ہے، موصوف بڑے ہی ایثار کو کام فرما کر بڑی محنت سے وہان مدینہ منورہ کی شایانِ شان ایک دینی درسگاہ کے قیام مین کوشش فرما رہے ہین، چنانچہ چند سال سے وہان یہ مدرسہ قائم ہے، دس بارہ مدرس جو ہندوستان مراکش اور عرب مختلف ملکون کے ہین درس دیتے ہین، دو ڈھائی سو طلبہ جو مسلمانون کے ہر ملک و دیار کے ہین اُس مین پڑھتے ہین، مدرسہ کی عمارت بھی ہے، مختصر کتبخانہ بھی ہے،
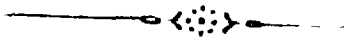
اس مدرسہ مین مدرسین اور کارکن جو کام کر رہے ہین اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہو کہ سب سے بڑے مدرس کی تنخواہ پینتیس روپیہ ہے، اور کم سے کم دس بارہ روپیہ، جنکو دیارِ عرب جانے کا اتفاق ہوا ہے انکو وہان کی گنی اور گرانی کا پورا علم ہے، وہ سمجھ سکتے ہین کہ دس، بیس، تیس روپیون کی وہان کیا قیمت ہے، ضرورت ہے کہ حساس مسلمان اس مدرسہ کی طرف توجہ فرمائین، اور مسلمانانِ ہند کے اس تازہ پُر فخر کارنامہ کو نشو و نما اور ترقی کا موقع دین، یہ درسگاہ ایسے ہاتھون مین ہے جن کے صدق و دیانت و راستبازی پر پورا الیقین ہو، ابھی پچھلے چند سالون مین جو علما اور اکابر مدینہ منورہ گئے ہین، انھون نے اسکی نسبت بہتر سے بہتر رائے کا اظہار فرمایا ہے، جو لوگ اس کارِ خیر مین حصہ لینا چاہین، وہ کوٹھی حاجی علیجان صاحب دہلی، یا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب، جھاؤ لال امین آباد لکھنؤ کے پتہ سے روپیے بھیج سکتے ہین، مدرسہ کی سالانہ روداد ہر سال شائع ہوتی ہے، سال گذشتہ کی روداد گذشتہ ماہ ہندوستان مین شائع ہوئی ہے،

کراچی سندھ مین عربی کا ایک پرانا مدرسہ مظہر العلوم نامی ہے، گذشتہ چند سالون مین اُسپر مختلف انقلابات گذرے، اب وہ پھر سنبھلا ہے، اور نئے سرے ترقی شروع کی ہے، یہ بھی

خوشی کی بات ہے کہ اس کے کارکن علما ضروریات زمانہ سے بیخبر نہین ہین، موجودہ زمانہ مین ہماری پستی یہ ہے کہ ہم اصلاحی مشرقی تعلیم کے حامی صرف اس قدر تمنا رکھتے ہین کہ ہر صوبہ مین ایک دینی درسگاہ ایسی ہو جس کی ظاہری و مالی حیثیت اس صوبہ کے بیسیون انگریزی اسکولون مین سے ایک اسکول کے برابر ہو، کیا کراچی کے مسلمان اپنے شہر کے شایانِ شان ایک متوسط مذہبی درسگاہ بھی کامیابی کے ساتھ نہین چلا سکتے ؟

کسی ممتاز ہستی کی وفات پر اسکی یادگار قائم کرنے کی تجویز اس زمانہ مین کوئی نئی بات نہین ہے تینتیس برس کے عرصہ مین سر سید کے بعد سے آج تک ہر ممتاز مسلمان کی وفات پر یادگار کے قیام کی تجویز ہوئی، تحریک ہوئی، تائید ہوئی، منظور ہوئی، مگر مجسم شکل مین کوئی نظر نہین آئی محسن الملک، وقار الملک، نذیر احمد، حالی، غلام الثقلین، اجمل خان، کس کس کی یادگار کی تحریکین اخبارون کے صفحون اور انجمنون کے پلیٹ فارمون پر پیش نہ ہوئین، مگر چند مہینون کے شور و غل کے بعد پیچھے مڑکر جو دیکھا تو جذبات کے پُرشور سمندر کی سطح پر موج کی ایک لکیر بھی دکھائی نہ دی،
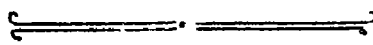
مولانا محمد علی مرحوم کی وفات کا سانحہ تازہ واقعہ ہی، حسب دستور ملک کے ہر گوشہ سے یادگار، یادگار کا ایک شور برپا ہوا، لیکن نظر آرہا ہے کہ اس طوفان مین بھی رفتہ رفتہ سکون پیدا ہو رہا ہے کہین ایسا نہ ہو کہ اس دفعہ ہماری متفقہ آواز ویسی ہی بے معنی ہو جیسی بارہا پہلے ہو چکی ہی، ضرورت ہے کہ کوئی ایک شخص چند سال یادگار کے جنونِ آرزو مین بسر کرے اور کچھ دنون کے لیے اسکو اپنی زندگی کا کام بنائے تب کہین کامیابی ہوگی،

لیکن اس موقع کا سب سے زیادہ حیرت خیز اور حسرت انگیز منظر یہ ہے کہ یہان تک تو سب کا اتفاق ہے کہ ان کی یادگار قائم ہو لیکن یہ کہ وہ کیا ہو؟ اس کا جواب کوئی ایک نہین ہے، جتنے منھ اوتنی ہی باتین ہین، اور ہر روز اخبارون مین نئی نئی تجویزین پیش ہوئی ہین اور عمل ایک پر بھی شروع نہین ہوا کوئی محمد علی اسکول آف پالیٹکس بنانا چاہتا ہے کوئی کتبخانہ چاہتا ہے، کوئی اخبار چاہتا ہے، کوئی بیچارہ جامعہ ملیہ ہی کو سرفراز کرنا چاہتا ہے، کوئی محمد علی ہال، کوئی محمد علی اسکول، کوئی کچھ کوئی کچھ او کہتا ہے، اسی سے اندازہ ہوگا کہ مسلمانون کا کوئی بھی رہنما نہین، نہ ان کا کوئی سردھرا ہے، عوام کا مطلق العنان گلہ ہے جس کی نسبت دعویٰ ہے کہ وہ ایک قوم ہے حالانکہ ایسے منتشر اور پراگندہ افراد پر قومیت کا اطلاق کسی طرح نہین ہو سکتا، آج شخصیت کے خلاف دور فاروقی کی جمہوریت اور مساوات کا ترانہ سب کی زبان پر ہے مگر سمعنا و اطعنا کا نغمہ کسی ایک کی زبان پر نہین،

اسلام نے اپنا واضح مسلک یہ قرار دیا تھا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، "تم مین سے ہر شخص نگران اور ذمہ دار ہے اور تم مین سے ہر شخص سے اپنے اپنے گلہ کا سوال ہوگا" اگر آج مسلمان اپنے پیغمبر علیہ السلام کے اس زرین ارشاد کو اپنا دستور العمل بنائین، تو انکی ہر مشکل حل ہو، مگر ہم نے اپنا اصول یہ بنایا ہے کہ ہم مین سے کوئی کسی کا نگران اور ذمہ دار نہین، لیکن ہم ایک دوسرے سے دوسرے کی نگرانی اور ذمہ داری کا سوال کرین" یہ ملی طاقت کے زوال کے آثار ہین،

مسلمانون کی عبرت کے لیے ہم ایک واقعہ لکھتے ہین، کلکتہ کے قلمی کتابون کے ایک مسلمان تاجر صاحب نے ہم کو اطلاع دی کہ ان کے پاس تفسیر ابن ابی جمرہ اندلسی (صاحب بہجۃ النفوس شرح بخاری) کا ایک نسخہ ساڑھے سات سو برس کا لکھا ہوا ہے، انھون نے اسکی قیمت فیصدی سو روپیے کے حساب ساڑھے سات سو

مانگے ہم نے اسکے جواب مین قیمت کی تخفیف کی خواہش کی تو جواب مین لکھا کہ سارے جاسوس مین ایک "مادۂ رنگین" اسکو خرید رہا ہی اگر آپ اپنی قیمت دین تو خیر ورنہ اوسکو دیدونگا، ہمنے اس خبر کو سادہ لفظون مین آپکے سامنے پیش کر دیا ہی، آپ ذرا فقرہ کے دونون ٹکڑون پر غور سے عبرت کی نگاہ ڈالین، ہماری غیرت دیکھیے اور غیرون کی قدر دانی ملاحظہ کیجیے،

سعدی از دست خویشتن فریاد

ہماری مسلم یونیورسٹی مین نواب مسعود جنگ اس مسعود کا ورود مسعود ہے ہوا ہی، اسمین ترقی و انقلاب کے کچھ آثار نظر آنے لگے ہین، عربی کے ذمہ دار شیسٹری پروفیسر محمد اللہ کہ رخصت ہوئے اکی جگہ پروفیسر یوسف ہارویز (سابق پروفیسر کالج و مصحح طبقات ابن سعد) کا آنا طے تھا، مگر افسوس ہی کہ انکی وفات کی خبر آئی، اگر کرنکاو صاحب خدانخواستہ نہ آسکین تو ضرورت ہی کہ کوئی مسلم الثبوت یورپین مستشرق اسکے لیے بلایا جائے کیونکہ یورپین مستشرق ایک کرسی عربی کی سرکاری امداد مین یہ شرط ہی، ورنہ دور کے ڈھول کے سوا اس اسراف مین کوئی فائدہ نہین،

اسی سلسلہ مین یہ قابل ذکر بات ہی کہ یونیورسٹی کے ہر دار الفنون کی طرف سے ایک ایک رسالہ نکلنے لگا ہی، اسکول کے طلبہ کا الگ، انٹرمیڈیٹ کالج کا الگ، مسلم یونیورسٹی کا الگ، مگر یہ دیکھکر حیرت ہوتی تھی کہ تمام مسلمانون کے ایک دار العلوم کی طرف سے ہر رسالہ جو نکلتا ہے ادبیات لطیفہ، داستان و حکایات اور شعر و سخن کے سوا اسمین دماغ کی کوئی چیز نہین ہوتی، نہ کوئی سائنٹفک ریسرچ ہی، نہ تاریخی تحقیق ہے، نہ فلسفیانہ دماغ سوزی ہی، نہ کوئی اور متین و سنجیدہ بحث و فکر ہی، بارے اب یونیورسٹی نے اس جانب اپنی عمر مین پہلا قدم اٹھایا ہی، اسکے شعبہ حیوانیات کی انجمن حیوانیات کی طرف سے ایک رسالہ حیوانیات شائع ہونا شروع ہوا ہی جسمین تمام مضامین علم حیوانات اور اسکی مختلف شاخون پر ہین، اردو کی خوش قسمتی پر جسقدر ناز کیا جائے وہ کم ہی کہ آج اسمین یہ ترقی ہوئی ہی کہ اسمین سائنس کے ایک خاص شعبہ پر ایک خاص رسالہ شائع ہونے لگا ہی، اور اس لحاظ سے ڈاکٹر مرزا اور جناب عنایت علی خان صاحب کی جسقدر ہمت افزائی کیجائے وہ کم ہی،

لیکن دوسری طرف اپنی محرومی کا گلہ ہی، اپنی خوش بختی کا اتنا یقین نہین کہ سائنس کے صرف ایک شعبہ حیوانیات کے قدردان اتنے انسان مل جائینگے جو اس رسالہ کو یونیورسٹی کے شعبۂ مذکور پر بار دوش نہ بننے دین، اسی لئے اگر یونیورسٹی کی سائنس کے کل شعبے مل کر ایک سائنٹفک اردو رسالہ ایسا نکالتے جسمین مختلف علوم کے مختلف ابواب ہوتے، جنمین ایک علم الحیوانات بھی ہی تو امید ہو سکتی تھی کہ یہ رسالہ کامیاب ہو جائے،

جنوری کے معارف مین مضمون "روضۂ تاج محل کی تعمیر" مین ایک جگہ منتخب اللباب کے حوالہ سے پشاور کے ایک بازار کی تعمیر کا ذکر آیا ہے جسکو علی مردان خان نے تعمیر کرایا تھا، اسکے متعلق پشاور سے مہتمم صاحب مدرسۂ رفیع الاسلام اپنے ایک والانامہ مین تحریر فرماتے ہیں

"معارف بابت جنوری ۱۹۳۱ء مین ص ۲۹ پر ایک غلطی معلوم ہوئی ..... کہ علی مردان خان نے پشاور مین ایک مسقف بازار اصفہان کی طرز پر تعمیر کیا۔ پشاور مین اس قسم کا کوئی بازار تعمیر نہین ہوا، بلکہ یہ بازار کابل مین تعمیر ہوا ہے ۱۹۱۳ء مین مین خود کابل گیا تھا، اور اسکی صفائی کے ساتھ یہ بازار اب تک وہان موجود ہے جسکا نام آجکل "بازار چھتہ" ہے، علی مردان خان کے نام سے کابل مین ایک محلہ بھی آباد ہے جس کا نام "باغ علی مردان" ہے"

پھر لکھتے ہین،

"چونکہ مجھے بھی آثار عتیقہ سے کسیقدر دلچسپی ہے اس لئے کابل کے سفر مین چند یادداشت رکھ لئے تھے، وہان علی مردان خان کی ایک اور بھی یادگار ہے جو "سرخ پل" کے نام سے موسوم ہے اور کابل سے بطرف جلال آباد پانچوین منزل پر واقع ہے، یہ علی مردان خان کی تعمیر ہے، اس پر یہ شعر کندہ ہین،

در زمان صاحبقران شاہ جہان	پادشاہ دادگستر ظل وہاب حمید
خان عالیشان علی مردان شدہ از ہر جہت	بانی این پل بفال فرخ بخت سعید
سال تاریخش چو جستم از خرد دادا این جواب	بانی این پل علی مردان شد از لطف مجید"

۱۰۴۶ھ

لیکن کابل مین "بازار چھتہ" اور علی مردان خان کی ان دیگر یادگارون کے وجود سے پشاور کے اُس بازار کی تعمیر سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے، ممکن ہے، یہ دو جداگانہ چیزین ہون کیونکہ خافی خان نے پشاور کے اس بازار کا نہایت غیر مشتبہ الفاظ مین ذکر کیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

"بعد رسیدن پشاور اگرچہ محل عمارتہائے آنجا کہ بدستور ایران ساختہ بودند خوش ننمودند اما رستہ بازار کہ علیمردان خان موافق دستور اصفہان مسقف ساختہ بکمال صفا چہار سوی بازار را بطرح مثمن بغدادی آراستہ بسیار مرغوب طبع افتاد" (منتخب اللباب ج ۱ ص ۶۲۱)

مقالات

الناسخ والمنسوخ فی القرآن

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین،

قرآن مجید کی ناسخ و منسوخ آیتوں پر سب سے پہلا اعتراض خود آنحضرت صلعم کے زمانہ مین پیش آیا، اور وہ یہود کی جانب سے تھا کہ اگر قرآن، کلام الٰہی ہے، تو آیات مین ناسخ و منسوخ صحیح نہین، کیونکہ اگر قرآن نے کسی حکم کو منسوخ کیا، تو گویا توراۃ کے احکام غلط تھے، حالانکہ ان کی صحت اپنی جگہ مسلم ہے، یا اگر قرآن نے خود اپنے نافذ کئے ہوئے کو منسوخ کر دیا تو وہ حکم الٰہی نہ تھا، ورنہ خدا اپنے منسوخ کئے ہوئے حکم کو نافذ کرتے وقت اس کی خامیون سے ناواقف تھا، اور یہ علام الغیوب کی صفات سے بعید ہے، اس لئے درحقیقت اسلام ہی مین صداقت و حقانیت نہین کہ وہ ایک طرف توراۃ کے احکام کو جو منجانب اللہ ہین منسوخ کرتا ہے اور پھر خود اس کے احکام مین بھی ابدیت نہین،

نسخ فی القرآن کے متعلق اسلامی فرقون کے اختلافات

یہی خیالات تھے جو بعد مین مختلف استدلالات کی رنگ آمیزی کے ساتھ اسلامی فرقون مین بھی پھیلے، اور بعض فرقون نے خدا کو جہل اور عدم علم سے منزہ کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیتون مین ناسخ و منسوخ کے وجود سے انکار کر دیا، چنانچہ اسلامی فرقون مین سے معتزلہ کی جماعت نسخ کی

قطعی منکر نکلی، اور دورِ حاضر کے مفکرین مین سے سر سید احمد خان مرحوم نے بھی اسی مسلک کی اشاعت کی،

معتزلہ کے جواب مین دوسری طرف اشاعرہ محدثین آئے، انھون نے شدت سے ان کے مسلک کی تردید کی، اور نہ صرف قرآن مجید مین نسخ کے وجود کے ثبوت بہم پہونچائے بلکہ پھر رفتہ رفتہ اس مسئلہ مین اسقدر غلو ہوا کہ یہ علوم قرآن مین ایک مستقل فن قرار پا گیا، آیات نسخ کی مختلف قسمین قرار پائین بعض منسوخ التلاوۃ بھی گئین، تو بعض ایسے احکام مانے گئے، جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئے، لیکن وہ نفاذ سے پیشتر منسوخ کر دیے گئے، اور بعض آیتین تو ایسی قرار پا گئین، کہ حضرت جبرئیلؑ انھین عرش سے لیکر چلے لیکن ابھی زمین تک پہونچنے نہ پائے تھے کہ دفعۃً منسوخ کر دی گئین،

لیکن درحقیقت نسخ کے یہ تمام اقسام قطعاً بے معنی ہین، نہ درایت کے روسے قابل قبول ہین اور نہ اس قسم کی روایتین پایۂ استناد کو پہونچتی ہین، کہ قرآن کی آیات کے متعلق کتب حدیث مین اس قسم کی جو بعض روایتین ہین، وہ اولاً قرآن مجید کے پایۂ تواتر پر نہین اترتین، علاوہ ازین اپنے رجال کے لحاظ سے بھی قابل استناد نہین، اس کی اصل بجز اس کے اور کچھ نہین کہ اس دور مین علمائے اسلام کا رجحان تکثیر اقسام کی طرف مائل رہا، یہان تک کہ بعض علما کے خیال کے مطابق صرف آیۂ سیف نے ایسی تین سو آیتین منسوخ کر دی ہین، جنھین قرآن مجید نے عفو و درگذر کا حکم دیا تھا،

اس کے بعد جب نسخ کی بکثرت قسمین قرار پا گئین اور اس کی وجہ سے آیات ناسخ و منسوخ کی ایک غیر محدود تعداد ہو گئی تو پھر اس کا ردِ عمل بھی شروع ہوا، اور جب نسخ کی آیتون مین تقلیل کا خیال پیدا ہوا، تو ان کی تحدید شروع ہوئی، یہان تک کہ ابو مسلم اصفہانی نے قرآن مجید مین نسخ کی کل پانچ آیتین نکالین، اور پھر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی تحقیق سے پورے قرآن مین نسخ کی صرف تین آیتین قرار پائین،

علم نسخ پر تالیفات — یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام کے درمیان علوم قرآن مین علم نسخ ہر دور مین خصوصیت سے موضوع بحث رہا، اور اس بحث پر بکثرت کتابین تالیف ہوئین چنانچہ صرف ابن ندیم کے عہد یعنی ۳۷۷ھ تک جن بزرگون کی کتابین اس موضوع پر تالیف ہو چکی تھین وہ حاج الاعور

ابو عبید القاسم بن سلام، ابو داؤد سجستانی، مقاتل بن سلیمان جعفر بن مبشر، ابو اسمٰعیل الزبیدی، ابو مسلم الکجی، اسمٰعیل بن ابی زیاد، ابو القاسم الحلاج الزاہد، ابن الکلبی ہشام بن علی بن ہشام، احمد بن حنبل، زبیر بن احمد، عبد الرحمن بن زید، ابو اسحٰق ابراہیم المودب ابراہیم الحربی، ابو سعید النحوی، الحارث بن عبد الرحمٰن اور الجعد ہیں[1]، اس کے بعد جن ممتاز علما اور جلیل القدر ائمہ نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، اون میں علامہ ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ علوی متوفی ۴۱۲ھ، ابو سعید عبد القاہر بن طاہر تمیمی متوفی ۴۲۹ھ ابن عربی متوفی ۵۴۳ھ، ابو الحسین منادی، ابو طالب القیسی المقری متوفی ۴۳۷ھ، حافظ مظفر بن خزیمہ الفارسی اور جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ وغیرہ ہیں[2]، ان میں سے ابن حزم کی معرفۃ الناسخ والمنسوخ، علوی کی الناسخ والمنسوخ، مظفر بن خزیمہ کی الموجز فی الناسخ والمنسوخ اور ابو جعفر النحاس کی الناسخ والمنسوخ طبع ہو چکی ہیں، علاوہ ازین انھین اختلافات کے باعث علم نسخ اصول فقہ کا بھی ایک خاص مسئلہ بن گیا، اور اس تقریب سے اصول فقہ کی تمام کتابون مین اس پر تفصیلی بحث کی گئی،

لیکن حقیقت یہ ہو کہ علما رکے درمیان آیاتِ نسخ مین قلت وکثرت تعداد کا جو اختلاف ہو اسکی اصل وجہ نسخ کے معنی مین اختلاف کا پایا جانا ہے علم نسخ پر جو کتابین لکھی گئین، اور اصول فقہ مین ان کے جو مباحث ہین، ان سے اندازہ ہوتا ہو کہ نسخ کا مفہوم و مصداق مختلف زمانون مین مختلف سمجھا گیا ہے، صحابہ کے زمانہ مین نسخ کے کچھ اور معنی تھے، سلف نے اس کے کچھ اور معنی لئے، اور متاخرین کے درمیان یہ کسی اور معنی مین استعمال ہونے لگا، اور پھر اسی اختلاف مفہوم و مصداق نے نفس نسخ کے متعلق بھی شدید اختلافات پیدا ہو گئے، اس لئے قرآن مجید کی ناسخ و منسوخ آیتون کے سمجھنے

---

[1] الفہرست ابن ندیم ص ۳۷، ۳۸، مطبوعہ ۱۸۷۱ء، [2] الاتقان فی علوم القرآن سیوطی ج ۲ ص ۲۰ و کشف الظنون ج ۲ ص ۵۰۱،

اور ان اختلافات کی اصل وجہ معلوم کرنے کے لئے اولاً نسخ کے ان مفہوم و مصداق کو سمجھنا چاہئے جو مختلف دور مین مقرر تھے،

نسخ عہد صحابہ و تابعین مین، اس سلسلہ مین سب سے پہلے صحابۂ کرام کا زمانہ آتا ہی اس دور مین نسخ کے معنون مین نہایت وسعت تھی، اور ہمہ گیری تھی چنانچہ اس زمانہ مین قرآن مجید کی وہ آیتین بھی ناسخ کہی جاتی تھین جنمین انسان کے اخلاق و عادات رسم و رواج، طرز کلام، طریق معاشرت اور قدیم مذاہب کے مسخ شدہ مسائل کی اصلاح کی گئی تھی، علاوہ ازین اس وقت تک اسلامی علوم و فنون کی تدوین نہین ہوئی تھی کہ مختلف امور کے مختلف حیثیات کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کے لئے علحدہ علحدہ اصطلاحین وضع ہوتین اس لئے معنی عام کی تخصیص مجمل آیات کی تشریح مطلق کی تقیید، اور کسی حکم کلی سے استثنار کر دینے کو بھی نسخ سے تعبیر کیا جاتا تھا، کیونکہ اس زمانہ مین، عام، خاص، مطلق، مقید، مجمل، مبین، مستثنیٰ، اور مستثنیٰ منہ کی اصطلاحین موجود نہین تھین، اس لئے صحابہ کرام نے ان تمام مطالب کے لئے قرآن مجید کی اسی آیت د ما ننسخ من آیۃ الآیۃ سے صرف ایک اصطلاح نسخ وضع کر لی تھی، اور صرف یہی اصطلاح ہر موقع پر استعمال کیجاتی تھی، چنانچہ آثار صحابہ اور اقوال تابعین مین ایسی بہ کثرت مثالین ملتی ہین، جنمین ان مختلف مطالب کے لئے صرف لفظ نسخ ہی استعمال کیا گیا ہی، مثلاً سورۂ نور مین ہی،

لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا الیٰ اهلها،	اپنے گھرون کے سوا دوسرے گھرون مین بغیر پوچھے ہوئے ان کو سلام علیک کیے بغیر نہ جایا کرو،

حضرت ابن عباس اسکو سورۂ نور کی دوسری آیت سے منسوخ قرار دیتے ہین:-

لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونۃ	غیر آباد مکان مین بے اجازت چلے جانے سے تمپر (کچھ) گناہ نہین

لہ الموافقات فی اصول الاحکام شاطبی متوفی ۷۹۰ھ ج ۳ ص ۱۰۲

حالانکہ اس دوسری آیت مین صرف اسی قدر توضیح کی گئی ہو کہ آیتِ ما سبق مین "بیوت" سے مراد "بیوت مسکونہ" یعنی آباد مکان ہین، اس لئے غیر آباد مکانون مین داخلہ کے لئے اذن واجازت کی ضرورت نہین، اس لئے یہ دونون آیتین اصطلاحِ مابعد کے ناسخ ومنسوخ کے بجائے محکم ہین، یعنی دونون اپنی اپنی جگہ نافذ ہین، پہلی آیت مین آباد مکان مین بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت ہو، اور دوسری مین غیر آباد مکان مین بلا اذن داخلہ کی اجازت دیگئی ہو، اور حضرت ابن عباسؓ کا اصل منشا بھی یہی ہو ورنہ اگر ان کے قول کو نسخ کے اس معنی مین لیا جاوے جو متاخرین نے متعین کئے ہین تو پھر گویا پہلی آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، حالانکہ غیر کے مکان مین بلا اجازت داخلے کی اجازت اس آیت کے بعد حاصل نہین ہوئی، اور اس کو حضرت ابن عباسؓ بخوبی جانتے ہین،

اسی طرح قرآن مجید مین مدخولہ عورت کے متعلق جو آیت ہو، وہ حضرت قتادہؓ کے قول کے مطابق منسوخ ہے، اور اس کی ناسخ وہ آیت ہو جس مین غیر مدخولہ عورت کے لئے جداگانہ حکم آیا ہو[1] حالانکہ متاخرین کی اصطلاح مین یہ نسخ نہین تخصیص ہے، اور خود حضرت قتادہؓ کے نزدیک بھی دونون آیتون کے احکام نافذ ہین، اور اسی قسم کی بہ کثرت آیتین ہین جنھین صحابہ وتابعینؒ اپنے مفہوم کو ظاہر کرتے ہوئے منسوخ بتایا ہو، باوجودیکہ ان کے نزدیک بھی وہ سب آیتین نافذ تھین، صرف ان دونون آیتون مین تعمیم، تخصیص، اطلاق، تقیید اور استثنا وغیرہ کا باہم فرق تھا،

نسخ ائمہ سلف کے زمانہ مین، | اس کے بعد جب اسلام مین علم حدیث، فقہ، اصول حدیث اور اصول فقہ کی تدوین ہوئی، اور مختلف مطالب کیلئے مختلف اصطلاحین وضع کی گئین، تو نسخ کے مفہوم ومصداق کا دوسرا دور شروع ہوا، جسمین نسخ کے عمومی معنی مین

[1] الموافقات فی اصول الاحکام شاطبی متوفی ۷۹۰ھ ج ۳ ص ۶۸،

کسی قدر تحدید ہوگئی، چنانچہ اس دور میں اصولی طور پر یہ قرار پایا،

فاما کان لتحمل المجمل والمفسر والعموم والخصوص فمن المنسخ بمعزل[1]

لیکن جو آیتیں مجمل، مفسر، اور عموم وخصوص کا احتمال رکھتی ہیں وہ نسخ سے الگ ہیں،

لیکن ابھی اس دور میں نسخ کے مفہوم میں دعوت اصلاح واخلاق وغیرہ کی وہ آیتیں شامل رہیں، جنہیں عربوں کے عادات وخصائل مراسم جاہلیت، اور قدیم مذاہب کے مسخ شدہ مسائل میں اصلاح وترمیم کی گئی تھی، چنانچہ اس عہد کے علماء شیخ ابوجعفر نحاس متوفی ۳۳۸ھ وغیرہ کی کتابوں میں اس قسم کی آیتیں بھی ناسخ ومنسوخ کے تحت نظر آتی ہیں، جنہیں عرب کے قدیم عادات وخصائل اور طرز معاشرت وغیرہ کے متعلق احکام آئے ہیں،

فعل مباح کی حرمت پر نسخ کا اطلاق:- مثلاً سورہ بقرہ کی ایک آیت ہے، جس میں صرف ایک فعل مباح کی حرمت نازل ہوئی ہے،

ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد،

جب تم لوگ مسجد میں معتکف ہو تو عورتوں سے مباشرت نہ کرو،

ضحاک اور مجاہد وغیرہ کی روایت کے مطابق اس آیت کے نزول سے پہلے حالت اعتکاف میں بھی مباشرت جائز تھی، اسی کی اس میں ممانعت صادر ہوئی، لیکن باوجودیکہ اس میں قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا ہے، مگر پھر بھی امام شافعی فرماتے ہیں:-

فدل ان المباشرۃ قبل نزول الآیۃ کانت مباحۃ فی الاعتکاف حتی نسخت بالنھی عنہ[2]

اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے حالتِ اعتکاف میں مباشرت مباح تھی یہاں تک کہ اس آیت کے نزول سے وہ اباحت منسوخ ہوگئی،

---

[1] کتاب الناسخ والمنسوخ ابوجعفر نحاس متوفی ۳۳۸ھ ص ۵۰ مطبوعہ ۱۳۲۳ھ [2] ایضاً ص ۲۳،

حالانکہ اس آیت مین کسی قدیم حکم کی تنسیخ کے بجائے محض ایک فعل مباح کے ارتفاع کا حکم آیا ہی، لیکن امام شافعی نے اس ارتفاع کو بھی نسخ پر محمول فرمایا،

اسی طرح ابتدائے اسلام مین صحابہ کرام اثنائے نماز مین بھی بات چیت کر لیتے تھے، جس کی بعد مین ممانعت آگئی، چنانچہ حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہین:-

"رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین ہم لوگ اپنی ضرورتون کے لئے نماز کے اندر بات چیت کرتے تھے، یہان تک کہ آیت قوموا للہ قانتین نازل ہوئی، اور اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے اس کی ممانعت فرما دی"

ابوجعفر نحاس نے اسی حدیث کے روسے اس آیت قوموا للہ قانتین کو ناسخ قرار دیا ہے[1]، حالانکہ قرآن کی کوئی آیت اس سے منسوخ نہین ہوئی، مگر پھر بھی یہ آیات نسخ مین داخل ہی،

اسی طرح آیت قولوا انظرنا ولا تقولوا راعنا الآیۃ مین صحابہ کو طرز کلام کی تعلیم دیگئی ہی، جو اپنی جگہ ایک مستقل حکم ہی، اس سے کسی پہلے حکم کی تنسیخ نہین ہوئی لیکن آیۃ بھی ناسخ و منسوخ مین سمجھی گئی، اور اس مین ایسے شی کی تنسیخ ہوئی ہی جو پہلے مباح تھی[2]"

شریعت یہود سے مختلف احکام کے نزول پر نسخ کا اطلاق

اسی طرح اس دور مین ایسی آیتین بھی ناسخ و منسوخ سمجھی گئین، جنین کسی ایسے حکم کا ارتفاع کیا گیا ہی، جو شریعت یہود مین نافذ تھا، اور عربون نے تقلیداً اس کو اختیار کر لیا تھا، چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ آیت یسئلونک عن المحیض کے متعلق فرماتے ہین:-

"یہود حائضہ عورتون کو گھر کے کام کاج سے الگ تھلگ رکھتے تھے، اور انکے ساتھ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، اور ہر قسم کے میل جول سے پرہیز کرتے تھے، یہودیون

---

[1] الناسخ والمنسوخ ابوجعفر ص ۱۶، [2] ایضاً ص ۲۴،

کی تقلید سے عربون مین بھی یہی طریقہ رواج پاگیا تھا، یہان تک کہ یسئلونک عن المحیض الآیۃ کے عنوان سے پیغام ربانی آیا، اور آنحضرت صلعم نے صحابۂ کرام سے فرمایا "عورتون سے ان ایام مین خورد و نوش اور دوسرے معاشرتی تعلقات برقرار رکھے جائین، صرف اس آیت مین جس چیز کی ممانعت ہے، اس سے احتراز کیا جائے" اس پر یہود نے اعتراض کیا کہ "محمد (صلعم) ہماری تمام باتون کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے ہین"۔

یہ روایت مختلف طریقون سے کتب صحاح مین موجود ہے، ابوجعفر نحاس نے اس کو اپنی کتاب مین نقل کیا ہو، اور ان کے مفہوم نسخ کے مطابق یہ آیت اسی حدیث کے روسے آیت نسخ مین شمار ہوئی ہے[1]، باوجودیکہ اس مین کسی اسلامی حکم کی تنسیخ کے بجائے صرف طریقۂ یہود کی تقلید کی ممانعت کی گئی ہے،

ایام جاہلیت کے رواج کے مٹانے پر نسخ کا اطلاق

اسی طرح ایسی آیتین بھی اس دور مین ناسخ و منسوخ قرار پائی ہین، جنمین ایام جاہلیت کے کسی رواج کو روکا گیا ہو، مثلاً جاہلیت کے زمانہ مین طلاق کوئی تعیین و تحدید نہین تھی، جب چاہتے طلاق دیتے اور جب چاہتے، رجعت کر لیتے اور عورت مراجعت قبول کرنے پر مجبور ہوتی، ابتداءً اسلام مین بھی اسی طریقہ پر عمل درآمد رہا، یہان تک کہ الطلاق مرتان الآیہ کے نص کے ساتھ طلاق کے متعلق اسلام کا ایک جدید حکم آیا، جس سے خود اسلام کے کسی پہلے حکم کی تنسیخ نہین ہوئی ہو، لیکن اس دور مین ائمۂ اسلام نے اپنے مفہوم نسخ کے مطابق اس کو بھی آیت نسخ سے تعبیر فرمایا، چنانچہ قتادہ کہتے ہین:-

قولہ الطلاق مرتان، فنسخ ھذا ما کان قبل فجعل اللہ حد الطلاق ثلاثا[2]	یعنی آیت الطلاق مرتان نے قبل کے دستور کی تنسیخ کر دی، اور اب اللہ تعالیٰ نے طلاق کو تین طلاقون

[1] الناسخ والمنسوخ ابوجعفر ص ۵۹، [2] ایضاً ص ۶۷،

وجعل له الرجعة مالم يطلق ثلاثا — مین محدود کردیا، اور جب تک تین طلاقین پڑ نہ جائین اس وقت تک کے لئے رجعت کی مدت مقرر کردی،

متاخرین کے دور مین نسخ کا مفہوم | علمائے سلف کے اس دور کے بعد نسخ کے مفہوم و مصداق کی تیسری منزل آتی ہے، اور یہی اس کے لئے نہایت پرپیچ و خم ہے، اس مین اسکو منطقی اصطلاحات، فلسفیانہ نکات اور متکلمانہ استدلالات سے سابقہ پڑا، چنانچہ سب سے پہلے اس کو منطقیانہ اصطلاحی تعریف مین پابند کرنے کی کوشش کی گئی، اور اسی سلسلہ مین مختلف اصطلاحی تعریفین کی گئین، اور وہ منطقیانہ موشگافیون سے رد کی گئین، یہان تک کہ ترمیم و اصلاح کے مختلف مرحلون کے بعد ایک جامع تعریف معین کی گئی جو بظاہر جامع و مانع سمجھی گئی، چنانچہ متاخرین کے دور مین نسخ کا مفہوم حسب ذیل الفاظ مین ادا کیا گیا،

انه الخطاب الدال على ارتفاع الحكم الثابت بالخطاب المتقدم على وجه لولاه لكان ثابتا به مع تراخيه عنه[1] — یعنی وہ ایک ایسا خطاب ہو جو اس حکم کے ارتفاع پر دلالت کرتا ہو، جو پہلے خطاب سے ثابت ہو، اور یہ ارتفاع اس طرح ہوتا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ حکم باقی رہتا اور یہ خطاب ثانی، خطاب اول کے بعد واقع ہوا ہو،

نسخ کی یہ اصطلاحی تعریف قاضی ابوبکر کی مقرر کی ہوئی ہے، امام غزالی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور تقریباً تمام علمائے متاخرین اسی پر متفق ہیں، لیکن یہ جامع و مانع تعریف بھی علامہ آمدی متوفی ۶۳۱ھ کی نکتہ رس نگاہون مین وقعت نہ پا سکی، اور اگرچہ خود انھون نے اس کو مختلف مطاعن و اعتراضات سے محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن پھر بھی انھون نے اپنے نقطۂ نظر سے نسخ کی تعریف دوسرے الفاظ مین پیش کر کے زیادہ موزون خیال کیا، اور اس کے متعلق ارشاد فرمایا:-

فالمختار فی تحدید ان یقال:- — اور اس کی تعریف و تحدید مین زیادہ بہتر ہے کہ یہ

---

[1] الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار حازمی متوفی ۵۸۴ھ ص ۶ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۱۹ھ

النسخ عبارة عن خطاب الشارع المانع کہا جائے کہ "نسخ سے مراد وہ خطاب ہی جو اس حکم کو ہمیشہ
من استمرار ما ثبت من حکم خطاب شرعی سابق قایم رکھنے سے مانع ہی جو پہلے شرعی خطاب سے ثابت ہو۔

پھر علماے متاخرین نے نسخ کو ان چند الفاظ مین محدود کرنے کے بعد، اس کے وجود و عدم کے مواقع کے شرائط پر نہایت دقیق نگاہ ڈالی، اور ان کے متعلق ایسی چند شرطین قرار پائین جن پر تقریباً تمام متاخرین کا عام اتفاق ہے، چنانچہ ان مین کی چند مشہور شرطین یہ ہین کہ اولاً حکم منسوخ حکم شرعی ہو، دوئم ارتفاع حکم کی دلیل بھی شرعی ہو، سوئم ارتفاع حکم کی دلیل منسوخ کے بعد کی ہو، اور چہارم یہ کہ حکم منسوخ کسی وقت معین تک محدود نہ ہو، وغیرہ۔

متاخرین کے نسخ کی اس تعریف اور ان شرائط سے ایسی تمام آیتین سلسلۂ نسخ سے خارج ہو گئین، جنکی مثالین اوپر گذری ہین یعنی جنمین مراسم جاہلیت، معاشرتی آداب، اور مذاہب قدیمہ کے جزوی مسائل کے اصلاح و ابطال کے احکام نازل ہوئے ہین، کیونکہ نسخ کی اس تعریف اور ان شرائط کے رو سے **منسوخ** ایک ایسا حکم شرعی قرار پایا جس کو نسخ فی القرآن مین کسی آیت قرآنی نے اپنی کسی آیت قرآنی کے حکم کو باطل کر دیا ہو،

غرض مختلف دور مین نسخ کے یہی مختلف مفہوم و مصداق رہے، اور انھین کا یہ نتیجہ ہوا کہ کبھی قرآن مجید کی بہت سی آیتین ناسخ و منسوخ کے تحت مین سمجھی گئین، اور کبھی صرف چند آیتون پر ناسخ و منسوخ کا اطلاق کیا گیا، اور اسی کے ساتھ کبھی یہ بھی ہوا کہ اگرچہ علما کی ایک کثیر تعداد نسخ کو کسی خاص مفہوم مین سمجھتی رہی، لیکن بعض علما اسی دور مین ایسے بھی رہے، جنھون نے اس جماعت کے مفہوم سے جداگانہ کوئی دوسرا مفہوم لیا، اور اپنے نقطۂ نظر سے نسخ کے معنی سمجھے اور اسی لحاظ سے آیات نسخ کی تعیین و تحدید کی، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نسخ فی القرآن کے مفہوم کا اجمالی ذکر

لہ الاحکام فی اصول الاحکام علامہ آمدی متوفی ۶۳۱ھ ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعہ مصر ۱۳۳۲ھ،

کرتے ہوئے، آیاتِ نسخ کی تعداد کے متعلق الفوز الکبیر مین ارشاد فرماتے ہین :-

" آنچہ از استقرار کلامِ صحابہ و تابعین معلوم می شود آن است کہ ایشان نسخ را استعمال میکردند بازاء معنی لغوی کہ ازالۂ چیزے است بہ چیزے نہ بازاء مصطلح اصولیان، پس معنی نسخ نزدیک ایشان ازالۂ بعض اوصاف آیتی است بآیتِ دیگر، خواہ انتہاے مدتِ عمل باشد یا صرفِ کلام از معنی متبادر بغیر متبادر، یا بیانِ اتفاقی بودن قیدی یا تخصیص عامی، یا بیان فارق درمیان منصوص و آنچہ مقیس بہ آن ست ظاہر، یا ازالۂ عادتِ جاہلیت یا شریعت سابقہ، باب نسخ نزدیک ایشان باب واسع آمد، و عقل را درآن جا جولانی شد و اختلاف را گنجایش، ولہذا عدد آیات منسوخہ بپانصد رسانیدہ اند و اگر نیک بنگانی غیر محصور است اما آنچہ باصطلاح متاخرین منسوخ است عدد قلیل بیش نیست لاسیما بہ حسب توجہی کہ ما اختیار کردہ ایم شیخ جلال الدین سیوطی در اتقان، بعد از آنکہ از بعض علما آنچہ مذکور شد بہ بسط لایق تحریر نمود، و آنچہ برائے متاخرین منسوخ است بروفق شیخ ابن عربی محرر کردہ قریب بست آیت شمرد " (الفوز الکبیر مطبوعہ کلکتہ ص ۳۹)

(باقی)

ابن رشد

مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہی اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہی، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین مل سکتا ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت بے	"منیجر"

خاقانی و قاآنی

از

مولوی عبد الباری صاحب ایم اے، پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی،

شاعرانہ فخر و مباہات اکثر شعراء زورِ طبیعت دکھانے کے لئے اساتذۂ سلف کے رنگ مین کبھی یا مشہور قصیدون غزلون اور قطعون وغیرہ کا جواب لکھتے ہین، اردو مین اکثر شاعر غالب و میر کے رنگ مین طبع آزمائی کیا کرتے ہین، مگر حفظِ مراتب کا دامن کبھی ہاتھ سے نہین دیتے، یہ یا تو تقلید ہوتی ہی یا منہ چڑھانا، تقلید تو کوئی بری چیز نہین، البتہ منہ چڑھانا ضرور عیب مین داخل ہی،

ظہیر الدین فاریابی ظہیر الدین فاریابی کے مشہور قصیدون کا جواب متاخرین نے لکھا ہی، اور بہت زورِ طبع دکھایا ہی، اس سلسلہ مین شاعرانہ فخر و مباہات کا بھی اظہار کیا ہی، مگر بعض تو بیطرح اس فخر بے فنّہ کی بدستیون کے مرتکب ہوئے ہین، جس کو اہلِ علم نے ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہی، ظہیر کا ایک قصیدہ ہی جسکا مطلع یہ ہی:-

شرحِ غمِ تو لذّتِ شادی بجان دہد   ذکرِ لبِ تو طعمِ شکر در دہان دہد (لذت)

"تیرے عشق کے بیان سے روح کو مسرت ہوتی ہی، اور تیرے ہونٹون کے تذکرہ سے منہ مین شکر کا مزہ آتا ہی"

کمال اسمٰعیل کا فخریہ اظہار کمال اسمٰعیل نے اس کا جو جواب لکھا ہی، اس کے آخر مین کہا ہی،

روحِ ظہیر اگر شنود این قصیدہ را   صد بار بیش بوسہ مرا بر دہان دہد

ظہیر کی روح اگر اس قصیدہ کو سنے　　　　سیکڑون بار میرا مسر ہوئے،

اس قسم کے فخریہ اظہار کو اہل کمال نے شاعرانہ غلو کے حدود مین جائز رکھا ہے،

امیر خسرو کا فخریہ جوش اور شیخ نظام الدین گنجوی | امیر خسرو کے متعلق مشہور ہے کہ جوش جوانی مین اکثر اساتذہ کی شان مین گستاخی کر بیٹھتے تھے، چنانچہ جب انھون نے حضرت شیخ نظام الدین گنجوی کی کتاب مخزن الاسرار کے جواب مین مطلع الانوار لکھی، اور اس کتاب کی نظم کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ شعر کہا،

کوکبۂ خسرویم شد بلند　　　　زلزلہ در گور نظامی فگند

"میری شہنشاہی کا ستارہ بلند ہوا　　　　نظامی کی قبر مین زلزلہ پڑ گیا"

تو غیب سے ایک تلوار نکلکر اُن کی طرف بڑھی، امیر خسرو نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا نام لیا، فوراً ایک ہاتھ نمودار ہوا، اور اس نے تلوار کے سامنے آستین کر دی، تلوار آستین کاٹتی ہوئی ایک بیری کے درخت پر جا لگی،[1] واقعہ صحیح ہو یا غلط لیکن اس سے کم از کم لوگون کے ان جذبات کا پتہ لگتا ہی جو اس شعر کے سننے سے پیدا ہوئے، تاریخی شہادت اس واقعہ کی تصدیق نہین کرتی، کیونکہ امیر نے جب ۶۹۸ھ مین مطلع الانوار[2] لکھی، اس وقت وہ ۴۷ برس کے ہو چکے تھے اور شباب کا زمانہ ختم ہو چکا تھا، شباب کے زمانہ کی تصنیف غرۃ الکمال ہی، اس کے دیباچہ مین صاف لکھتے ہین کہ مین مثنوی مین نظامی کا مقلد ہون، اسی زمانہ مین قرآن السعدین تصنیف ہوئی جس کے آخر مین لکھتے ہین:-

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۰۶ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۵ء،

[2] خاتمہ کتاب مین لکھتے ہین:-

سال کہ از چرخ کہن گشت بود　　　　از پس شش صد نود و ہشت بود

صبح کہ خورشید جنابش نوشت　　　　مطلع الانوار خطابش نوشت،

۶۹۸ھ تھا جبکہ مطلع الانوار لکھی گئی،

نظم نظامی بہ لطافت چو دُر　　　وز دُر او سر بسر آفاق پُر

"نظامی کی نظم لطافت مین موتی کے مانند ہو، اور ان کے ان موتیون سے دنیا بھری ہوئی ہو یعنی ان کے کلام کی دنیا مین قدر ہو"

پختہ ازو شد چو معانی تمام　　　خام بود پختن سودائے خام

"جب انھون نے سب کچھ کہدیا، اب میرا لکھنا بیکار محض ہو"

بگذر ازین خانہ کہ جائے تو نیست　　　وین رہِ باریک بہ پائے تو نیست

"اس مقام سے الگ رہ کہ یہ تیری جگہ نہین ہو، اور یہ باریک راستہ تیرے چلنے کے قابل نہین ہو یعنی نظم کے خیال کو ترک کر کیونکہ تو ان کا مرد مقابل نہین ہو"

مثنوی او راست ثنائے بگو　　　بشنوش از دور دعائے بگو

"مثنوی اسی (نظامی) کا حق ہو، اس کی تعریف کر، اس کو سن اور اس کے حق مین دعا کر"

حقیقتِ حال یہ ہو کہ یہ محض شاعرانہ فخریہ جوش کی بدمستی تھی جس نے امیر کی زبان سے ایسا شعر کہلوایا، اس طرح کے تفاخر کو عموماً مذموم سمجھا گیا ہو، اور شعر و سخن کی ادبی دنیا مین اسکو گستاخی پر محمول کیا گیا ہو،

خاقانی کے مقابلہ مین قاآنی کی شاعرانہ تعلّی　　فارسی مین کل اساتذہ خاقانی[1] کو خلّاقِ معانی اور استاد تسلیم کرتے چلے آئے ہین، اس کی تقلید بھی کی ہو، اور اس کے قصائد کے جواب بھی لکھے ہین، قاآنی بھی اس سے مستثنیٰ نہین، اس نے بھی اورون کی طرح تقلید بھی کی ہو، اور خاقانی کے جواب مین خوب زورِ طبع بھی دکھایا ہو، اس کے ساتھ ہی اپنے کمالِ شاعری کے نشہ کی بدمستیون کا اظہار بھی نہایت بیباکی سے کیا ہو، چنانچہ حسن علی مرزا شجاع السلطنت کی مدح مین اس کا ایک

[1] حکیم افضل الدین خاقانی شروانی،

قصیدہ ہے جسکا مطلع یہ ہے:۔

بدا بحالت آن مجرمے کہ روز حساب　　بقدر یکشب ہجر توش کنند عذاب

اس مجرم کا کیا ہی برا حال ہوگا کہ جسپر قیامت کے دن تیرے ہجر کی ایک رات کے برابر عذاب کرین،

اس کے آخری حصہ مین قاآنی نے خاقانی پر اپنی فضیلت و برتری جتائی ہے اور مسلسل ۹ اشعار مین

یہی بحث کی ہے جسمین ذاتیات اور رکاکت بہت ہے کہتا ہے:۔

سزد کہ فخر کنم بر امام حسّا قانی　　بیمن تربیت اے خدیو عرش جناب

"زیبا ہے کہ مین امام خاقانی پر اپنا فخر جتاؤن، تیری تربیت کی برکت سے اے شاہ عالی جناب"

بچند باب مرا برتری مسلّم است　　بشرط آنکہ ز انصاف دم زنند احباب

"چند وجوہ سے مجھکو اس پر افضلیت حاصل ہے، بشرطیکہ احباب انصاف کرین"

چو سوے نظم مجرد نظر کنی بینی　　کہ نظم من زر پاکست و نظم او قلاب

"اگر تو صرف نظم کو پرکھے تو تو دیکھیگا کہ میری نظم خالص سونا ہے اور اس کی نظم کھوٹی ہے"

قاآنی کا احساس حق، لیکن یہ شاعرانہ فخریہ جوش کی اسی بے اعتدالی کا ایک نہایت ہی مذموم نمونہ ہے، جس کو ہم اوپر دکھا چکے ہین، باوجود ایسی فخریہ بدمستی کے خاقانی کو وہ امام کے لقب سے یاد کرتا ہے اور دیکھنا! جب اپنے اس جوش کو ظاہر کر چکتا ہے تو آخر مین اپنی اس بدمستی کا احساس کرتا ہے، اور اس پر متنبہ ہو کر کہتا ہے:۔

زبان زگفتۂ بیجا بہ بند قاآنی　　کہ خودستائی دور است از طریق ثواب

"قاآنی! اس بیجا گفتگو سے اپنی زبان بند کر اس لئے کہ اپنے منہ میان مٹھو بننا اچھا طریقہ نہین ہے"

جہان کہین بھی قاآنی نے خاقانی سے افضل و برتر ہونے کا دعوی کیا ہے اور اپنی خودستائی کی ہے، وہ محض فخریہ جوش اور ایک شاعرانہ تعلّی ہے جس کے اظہار کا انداز بیباکانہ اور مستانہ ہوتا ہے

ایک دوسرے قصیدہ[1] مین جو شجاع السلطنت کی مدح مین ہی فخریہ اپنے کو خاقانی ثانی ظاہر کرتا ہی اور دیکھنا کس جوش کے ساتھ کہتا ہی:-

شاہا بہ قاآنی نگر خاقانیِ ثانی نگر　　نی روحِ خاقانی نگر اینک بگفتار آمدہ

اے شاہ! قاآنی کی طرف دیکھ، خاقانی ثانی کو دیکھ نہین نہین خاقانی کی روح کو دیکھ جواب بول رہی ہی،

خاقانی کی خصوصیات شاعری قبل اس کے کہ ہم دونون کے کلام مین موازنہ کرین ضروری ہی کہ جس طرح قاآنی کی خصوصیاتِ شاعری سے ہم واقف ہین خاقانی کی خصوصیاتِ شاعری سے بھی آگاہ ہو جائین، اس کا لحاظ رہے کہ خاقانی[2] قاآنی[3] سے تقریبًا سات صدی پیشتر گذرا ہی، اس کے کلام مین الفاظ کی شوکت اور جزالت خیالات مین جدت اور دقت پسندی بہت ہی، تخئیل کی پختگی، زورِ طبع اور بلند خیالی، پیچیدہ تشبیہین اور ترکیبین اس کی عام خصوصیات مین سے ہین، علوم و فنون کی اصطلاحین، علمی تلمیحین اور مذہبی کنایے وہ کثرت سے استعمال کرتا ہی جس سے اس کا کلام عام فہم نہین رہتا، واقعہ نگاری مین بھی اس کا پایہ بہت بلند ہی،

خاقانی کی واقعہ نگاری چنانچہ اس سلسلہ مین ہم پہلے اسکی واقعہ نگاری کو دکھاتے ہین، خاقانی اکبر تبہ حج کرنے جا رہا تھا، راستہ مین مدائن سے گذرا اور طاق کسرا کی ٹوٹی پھوٹی حالت دیکھکر بہت متاثر ہوا، ایک قصیدہ لکھا جو اسی درد و اثر مین ڈوبا ہوا ہی، اور اسمین واقعہ نگاری کے علاوہ تخئیل کی میناکاری بھی کی گئی ہی، چند اشعار ملاحظہ ہون:-

---

[1] دیوان قاآنی صفحہ ۳۲۱، [2] خاقانی کا سنہ پیدائش ۵۰۰ھ مطابق ۱۱۰۶ء ہے، اور سنہ وفات ۵۹۰ھ ہے، (حبیب السیر) یا ۵۹۵ھ مطابق ۹۹-۱۱۹۸ء ہے، (ایران شہر جلد سوم شمارہ ۱۱، صفحہ ۶۸۲، سنہ ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء) یا ۵۸۲ھ ہے، (تذکرۂ دولت شاہ)

[3] قاآنی کا سنہ پیدائش ۱۲۲۲ھ ہی، اور سنہ وفات ۱۲۷۰ھ،

ہان اے دل عبرت از دیدہ نظر کن ہان ایوانِ مدائن را آئینۂ عبرت دان

"اے نصیحت حاصل کرنے والے دل ذرا آنکھ کھول اور دیکھ کہ مدائن کا ایوان عبرت کا آئینہ ہی"

یک رہ زلبِ دجلہ منزل بمدائن کن از دیدہ، دوم دجلہ، برخاکِ مدائن ران

"ایکبار تو دجلہ کے کنارے سے آکر مدائن مین ٹھہر اور آنکھ سے مدائن کی تباہی پر دوسرے دجلہ کا دریا بہا"

خود دجلہ چنان گرید صد دجلہ خون گوئی کز گرمی خونابش آتش چکد از مژگان

"خود دجلہ مدائن کی تباہی پر اس طرح روتا ہی، گویا خون کے سیکڑون دجلہ بہاتا ہی، اور اس کے خونین آنسوؤن کی گرمی کے سبب پلکون سے آگ نکل رہی ہی"

تا سلسلۂ ایوان بگست مدائن را در سلسلہ شد دجلہ، چون سلسلہ شد پیچان

"جب سے ایوانون کی تباہی نے مدائن کو برباد کردیا دجلہ بھی پریشان ہوکر زنجیر کی طرح پیچ و تاب مین آگیا"

گوید کہ تو از خاکی، ما خاکِ توایم اکنون گامے دو سہ بر ما نہ و اشکے دو سہ ہم بفشان

"مدائن کا ہر قصر کہتا ہی کہ تو خاک سے ہی، اور اب مین تیرے پاؤن کی خاک ہون دو ایک قدم ہمارے اوپر رکھو اور دو ایک آنسو بھی ہم پر بہا"

از نوحۂ جغد الحق مائیم بہ دردِ سر از دیدہ گلابی کن، دردِ سرِ ما بہ نشان

"سچ تو یہ ہی کہ الوؤن کے نوحہ سے ہم دردِ سر مین مبتلا ہین، آنکھون کا ساغر بنا، اور اسے ہمارا دردِ سر دور کر"

ما بارگہے دادیم، این رفت ستم بر ما بر قصرِ ستمگاران آیا چہ رود خذلان

"ہم ایوانِ انصاف تھے ہمارا تو یہ حال ہوا، ظالمون کے محلون کا معلوم کیا حال ہوا ہوگا"

بر دیدہ من خندی کاینجا زچہ میگرید　　گریند بر آن دیدہ کاینجا نشود گریان

تو میری آنکھ پر ہنستا ہی کہ یہان کیون روتی ہی، لوگ اس آنکھ پر روتے ہین، جو یہان اشکبار نہ ہو

این ہست ہمان درگہ کو را زشہان بودے　　دیلم ملک بابل ہندو شہ ترکستان

یہ وہی قصر ہی جس کے پاسبان شاہان بابل اور شاہان ترکستان ایسے بادشاہ تھے،

این ہست ہمان ایوان کز نقش رخ مردم　　خاک در او بودے دیوار نگارستان

یہ وہی قصر ہی جس کی محفلون کے مرقع سے دیوار نگارستان جبین اس کے دروازہ کی خاک تھی،

کسری و ترنج زر پرویز و ترہ زرین　　برباد شدہ یکسر با خاک شدہ یکسان

کسری اور سونے کا ترنج پرویز اور سونے کا باغ سب برباد گئے، اور خاک کے برابر ہو گئے،

قاآنی کی یہی واقعہ نگاری آپ دیکھ چکے ہین، خاقانی کے بھی اس متذکرہ بالا نمونہ کو دیکھیے اور دونون کا موازنہ کیجئے، پڑھنے والے کے دل پر جو درد و اثر اور جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور مدائن کے خرابہ کی پوری تصویر جس طرح پیش نظر ہو جاتی ہی وہ تو ایک طرف، دیکھنے کی بات یہ ہی کہ زبان بھی اتنی سلیس اور صاف ہی کہ بالکل آج کی معلوم ہوتی ہی، اور قاآنی بھی باوجود زبان پر غیر معمولی قدرت رکھنے کی اس تک نہین پہونچتا،

خاقانی اور قاآنی کے ہم ردیف اور ہم قافیہ چند اشعار　　ذیل میں نمونہ کے طور پر خاقانی اور قاآنی کے قصائد میں سے چند اشعار ہم ردیف اور ہم قافیہ موازنہ کی غرض سے درج کیے جاتے ہین،

خاقانی[1]،

---

[1] کلیات خاقانی، جلد اول، ص ۱۴۲، مطبوعہ نولکشور پریس، لکھنؤ سنہ ۱۹۱۹ء،

(۱) صبح اسپ گلگون تاختہ شمشیر بران آختہ

بر شب شبخون ساختہ خونش بعمد ا ریختہ

"صبح نے سرخ رنگ کا گھوڑا سرپٹ اڑایا اور شفق کی تیز تلوار کھینچکر رات کے اوپر شبخون مارا اور

اس کو جان بوجھکر قتل کیا، مطلب یہ کہ صبح ہوئی"

(۲) کیمخت سبز آسمان دار د ادیم بے کران،

خون شب است آن بیگیان بر طاقِ خضرا ریختہ

سطح آسمان جس کی وسعت کی انتہا نہین، اس کے کنارون پر جو سرخی ہے، وہ رات کا خون ہے

جو ایک سبز طاق پر گرایا گیا ہی، شاعر نے صبح کے بیان مین قصیدے کو شروع کرکے مختلف طریقون سے

صبح کو بیان کرکے اپنی شاعری کا کمال دکھایا ہی، آسمان کو سبز کیمخت اس لئے کہا گیا کہ ستارون کی وجہ

سے دندانہ دار (کھر کھرا) دکھائی دیتا ہی، مقصد یہ ہی کہ صبح کے دقت سطحِ فلک پر جو سرخی پیدا ہوئی ہی وہ

رات کا خون ہے،

(۳) صبح آمدہ زرین سلب نوروز نورا ہان طلب

زہرہ تنگاف افتادہ شب وز زہرہ صفرا ریختہ

نوروز کے دن کی تلاش مین صبح سنہری لباس پہنکر آئی تاکہ دنیا کو بہار کے آمد کی خوشخبری

سنادے، جب رات نے یہ حال دیکھا اس کا پتہ پھٹ گیا اور اسمین سے صفرا بہ گیا، نتیجہ یہ کہ نوروز

کے ایام مین دن بڑا ہوتا ہی، اور رات چھوٹی یعنی جلدی صبح ہوگئی،

(۴) زرع از شبستانِ حرم، میوہ ز بستانِ ارم

گردد ز بستانِ کرم، شیرِ مصفا ریختہ

حرم کے شبستان کی کھیتی اور ارم کے باغ کے میوہ نے بخشش کی بارش سے دودھ ایسا صاف

شیرہ بہادیا،

(۵) مرغ صراحی کندہ پر برداشتہ یک نیمہ سر
(بے پر، ڈھکنا)
وز نیم منقار دگر یاقوتِ حمرا ریختہ
(دہن صراحی)

شراب کی صراحی سے جو مرغ بے پر کی صورت ہی آدھا ڈھکنا اٹھا لیا گیا اور صراحی کے دہن سے جو منقار نما ہی، سرخی شراب نکل رہی ہی،

(۶) باز از تفِ زرین صدف، شد آب دریا ریختہ
(آفتاب)
ابر نہنگ آسا ز کف لولو لالا ریختہ
(بوندین)

سنہری آفتاب کی گرمی سے برف پگھل رہی ہی اور ابر جو گھڑیال کے مانند ہی، موتی ایسا پانی برسا رہا ہے،

(۷) چون یوسف از دلو آمدہ در حوت چون یونس شدہ
(آفتاب)
از حوت دندان بستہ رہ بر خاک عنبر ار ریختہ
(برف)

آفتاب دلو کے برج سے حضرت یوسفؑ کے مانند باہر نکل آیا ہی، اور حضرت یونسؑ کے مثل برج حوت (شکم ماہی) مین چلا گیا ہی، جس کی وجہ سے ساری زمین پر برف پڑی ہوئی ہی، اور سردی کی وجہ سے دانت بھنچ گئے ہین،

(۸) تا خسرو شروان بود چہ جای نوشیروان بود
چون ارسلان سلطان بود گو آب بغرا ریختہ

جب تک خاقان اعظم شاہ اخستان منوچہر شروان شاہ زندہ ہی نوشیروان کیا ہی جب میرا ممدوح سلطان ارسلان کے مانند ہے، جو بغرا کے ایسے ظالم بادشاہون کا خاتمہ کر دیتا ہی،

(۹) از تیغ نور افزای تو وز رخش صور آدای تو
بر گرد نظور آسای تو، نور تجلا ریختہ،

تیری نور افشان تلوار سے اور تیرے گھوڑے کی صور ایسی آواز سے تیرے پہاڑ ایسے گرز پر تجلی کا نور سایہ فگن ہی،

قاآنیؔ،[1]

(۱) صبح است بر طرفِ افق، خونست عمداً ریختہ
یا اطلسِ چینی، فلک بر فرش دیبار ریختہ،

آسمان کے کنارے صبح کی شفق نظر آرہی ہی یا یہ خون ہی جو عمداً بہایا گیا ہی، یا آسمان نے دیبا کے فرش پر چینی اطلس بچھائی ہی یعنی صبح ہو رہی ہی،

(۲) جرم کواکب نیست ہان! چون گوہر از ہر سو عیان
رشحے ز دستِ دُرفشان، بر طاقِ خضرا ریختہ

یہ تارے نہین! گوہر ہین جو ایک موتی برسانے والے ہاتھ نے آسمان پر چھڑکا دیئے ہین،

(۳) تیغ سحر رُتاب شد نجم از فلک پرتاب شد (انداختہ)
زان زہرۂ شب آب شد و ز زہرہ صفرا ریختہ

صبح کی تلوار چمکی اور آسمان سے ستارے غائب ہو گئے، اس سے رات کا پتہ پانی ہو گیا اور پتہ سے صفرا بہ گیا، یعنی صبح ہو گئی،

(۴) عید است و ساقی در قدح صہبا ز مینا ریختہ
در گوہرِ الماس گون لعلِ مصفا ریختہ

خوشی کا دن ہی اور ساقی نے صراحی سے پیالے مین شراب انڈیلی ہی، جو سرخ ہی، اور اس کی آب و تاب جام مین کیسی خوشنما ہی،

---

[1] دیوان قاآنی صفحہ ۳۲۲،

(۵) کردہ پے اکسیر جان در طلق[1] زرنیخ روان

در ساغر سیماب سان گوگرد حمرا[2] ریختہ

جان کی صحت کے لئے سرخ رنگ کی شراب ناب تیار کی گئی جو پارے کے سے تڑپ دار ساغر میں گر رہی ہے۔

(۶) دارائے اسکندر حشم، ہوشنگ طہمورث خدم

کز ابر کف گاہ کرم لولوی لالا ریختہ

ایسا بادشاہ جو سکندر حشمت ہوشنگ مرتبت ہو بخشش کے وقت اپنے دستِ کرم سے موتی برساتا ہو

(۷) چون تو برون آئی زصف کف برلب و خنجر بکف

بر چہرہ چون ماہت، کلف از گرد غبرا ریختہ

جب تو صفوں سے باہر آتا ہے تیرے منہ میں کف ہوتا ہے، اور ہاتھ میں خنجر، اور تیرے چہرہ پر گرد اس طرح ہوتی ہے جیسے چاند کے گرد ہالہ،

(۸) آن کوز تیغ جان ستان، وانکوز قدر بے کران

ہم خون سلطان ارسلان، ہم آب بغرا ریختہ

وہ کون ہے جس نے اپنی جانستان تلوار اور اپنے دبدبہ سے سلطان ارسلان کا خون بہایا ہو اور بغرا ایسے ظالم بادشاہ کو نیچا دکھایا ہو،

(۹) اے خنگ گردون مرکبت نصرت روان در موکبت

---

[1] طلق: ابرق، زرنیخ = ہڑتال، طلق روان = مراد شراب کیونکہ اگر ابرق پانی کے مثل ہو جائے تو اکسیر ہے اور شراب کے فوائد بھی قریب قریب اکسیر کے ہیں، [2] گوگرد = گندھک، گوگرد حمرا = مراد اکسیر کیونکہ سرخ گندھک اکسیر کی جزو اعظم ہے،

بر طورِ جاں ہا کو کبت نورِ تجلّی ریختہ

اے بادشاہ تیرا گھوڑا آسمان ہی، اور فتح تیری جلو مین) روان ہی، اور تیرا نیر اقبال جانون کے طور پر تجلی بخش ہی،

موازنہ | متذکرۂ بالا اشعار مین سے ہم ترتیب وار چند اشعار پر بحث کرتے ہین،

(۱) پہلے شعر مین خاقانی نے صبح کی سرخ شفق کی رعایت سے صبح کو اسپ گلگون سے تشبیہ دی ہے، اور صبح کی سفیدی کو شمشیر بران کی چمک سے اور پھر اسی صبح کی شفق کو خون سے، گو قاآنی نے بھی شفق کو خون سے تشبیہ دی ہی، اور صبح کی رنگ بدلنے والی سفیدی کو اطلسِ چینی سے، مگر مضمون کی نزاکت، بلند تخیل اور زورِ کلام کے لحاظ سے خاقانی بہت بڑھا ہوا ہی،

(۲) خاقانی نے آسمان کو سبز کیمخت سے تشبیہ دی ہی، کیونکہ جس طرح کیمخت کا چمڑا کھردرا ہوتا ہے، اسی طرح آسمان بھی ستارون کی وجہ سے دندانہ دار ہے، اور چونکہ قتل کرتے وقت مقتول کے نیچے چمڑا بچھا دیتے تھے، اس رعایت سے بھی آسمان کو کیمخت قرار دیا جس پر رات کا خون گرایا گیا، قاآنی نے ستارون کو موتیون سے تشبیہ دیکر ایک سادہ مضمون پیدا کر دیا ہی، خاقانی نے جن استعارون اور تشبیہون کا استعمال کیا ہی، اور اس سے مضمون مین جو لطافت اور معنون مین جو نزاکت پیدا کرلی ہی، وہ قاآنی سے باوصف دیوان خاقانی سامنے موجود ہونے کے ممکن نہ ہو سکی،

(۳) خاقانی نے صبح کو سنہری لباس مین دکھایا ہی جو نوروز کی تلاش مین بہار کا مژدہ لائی ہے جس کی وجہ سے رات کا پتہ پھٹ گیا یعنی رات جلد گذر گئی، اسمین دن اور رات کی حریفانہ رقابت کے علاوہ شاعر یہ بھی دکھاتا ہی کہ ایام بہار مین دن بڑا ہوتا ہی، اور رات چھوٹی، برخلاف اس کے قاآنی نے صبح کو تلوار سے تشبیہ دیکر ستارون کا قلع قمع کر دیا، اور دوسرے مصرعہ کا مضمون بجنسبہ

وہی باقی رکھا، یہان بھی خاقانی نے باریک بینی کے ساتھ جس دقت پسندی اور بلند خیالی کا اظہار کیا ہی، وہ اسی کا حصہ ہی،

(۴) خاقانی نے شبستانِ حرم کی کھیتی، باغ ارم کے میوے اور پستانِ کرم کے استعارے سے شیر مصفا بہاکر جو معانی کی بلندی اور خیال بندی کی پیچیدہ نزاکت جس چست بندش کے ساتھ دکھائی ہے، وہ اسکی امتیازی خصوصیتین ہین، برخلاف اس کے قاآنی نے جام کو گوہر الماس سے اور صہبا کو لعل مصفا سے تشبیہ دیکر سیدھا سادہ مطلب ادا کردیا ہی، جسمین کوئی جدت طرازی نہین ہی،

(۵) شراب کی صراحی کو مرغِ کندہ پر سے تشبیہ دینا ردی کی ڈاٹ کو یک نیمہ سر کہنا اور دہنِ صراحی کو نیم منقار دگر کے الفاظ سے تعبیر کرنا خاقانی کے زورِ طبع کی خاص جدتِ ادا ہی، یہان خاقانی نے جس نازک خیالی کے ساتھ مضمون بندی مین جیسی موشگافی کی ہی، وہ قاآنی کے بس کی نہین،

اسی طرح اور بقیہ اشعار مین بھی خاقانی کا امتیازی فرق دکھایا جا سکتا ہی، جسے ہم بخوفِ طوالت نظر انداز کرتے ہین،

قاآنی کے قصائد خاقانی کے جواب مین، قاآنی نے خاقانی کے حسب ذیل قصائد کے جواب مین قصیدے لکھے ہین، اور خوب طبع آزمائی کی ہی،

خاقانی	قاآنی
۱۔ دلِ من پیر تعلیم است و من طفل زباندانش دم تسلیم سر عشر و سر زانو دلبستانش	۱۔ فلک[1] دوش از عروس خور تہی چون گشت دامانش چو عمان چہرہ شد پر دُر زسیمین اشک غلطانش زچشم[2] خون فرو ریزد بہ یاد چشم فتانش پریشان خاطرم از عشقِ گیسوے پریشانش

[1] دیوان قاآنی صفحہ ۲۰۴۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۶۔

خاقانی	قاآنی
۲- صبح دم چون کلّه بندد آہِ دود آسائے من	۲- رودِ آمون گشت جیحون زاشکِ جیحون زائے من[1]
چون شفق در خون نشیند چشمِ شب پیمائے من	رشکِ سیحون شد زمین از چشمِ خون پالائے من
۳- در کامِ صبح از نافِ شب مشک است عمدا ریختہ	۳- عید است ساقی در قدح صہبا ز مینا ریختہ[2]
زرّین ہزاران نرگسہ از سقفِ مینا ریختہ	در گوہرِ الماس گون لعلِ مصفّا ریختہ
۴- عید است پیش از صبحدم مژدہ بخمّار آمدہ	۴- عید است و جامِ زر فشان از مئے گرانبار آمدہ[3]
بر چرخ دوش از جامِ جم یک نیمہ دیدار آمدہ	ہر زاہدے دامن کشان در دیرِ خمّار آمدہ
۵- نثارِ اشکِ من ہر شب شکر ریز است پنہانی	۵- بود این نکتہ در حکمت سرائے غیب برہانی[4]
کہ ہمت را ز ناشوئیت با زانو و پیشانی	کہ در جانان رسی آنگہ کہ جان از عیب برہانی

محاکمہ | قاآنی اگرچہ تخلیقِ معانی مین خاقانی تک نہین پہونچا ہی، مگر روانی الفاظ، سلاست زبان اور حلاوت مین اس سے بڑھگیا ہی اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ سات صدیون کے بعد قاآنی کے زمانہ مین زبان منجھکر بہت صاف رواں اور سلیس ہوگئی تھی، انگلستان کے دو مشہور شاعرون ملٹن[5] اور ٹینی سن[6] مین باعتبارِ زبان، طرزِ بیان، جدتِ ادا، مضمون آفرینی اور بلند خیالی جو فرق ہی اور جو نسبت موخر الذکر کو اول الذکر سے ہی، اسی فرق کے ساتھ وہی نسبت قاآنی کو خاقانی سے ہی، خاقانی اپنے وقت کا ملٹن ہی اور قاآنی ٹینی سن،

ادیب محترم آقائی میرزا حسین خان دانش اصفہانی اپنے ایک فاضلانہ مضمون مین جو انھون[1] نے خاقانی[8] کے متعلق لکھا ہی، لکھتے ہین :-

"طمطراق قاآنی در قرن اخیر غیر از یک تقلید خشک و بے معنی و بے ہنگام از خاقانی چیزے دیگر نیست"

---

۱ دیوان قاآنی ص ۳۰۳، ۲ ایضاً ص ۲۲۳، ۳ ایضاً ص ۲۲۱، ۴ ایضاً ص ۳۳۲ ۵ MILTON ۶ TENNYS-ON

۸ مجلہ ایران شہر جلد سوم شمارہ ۱۱ ص ۲۸۳، ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء، مطبوعہ برلن،

قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی،

حیدرآباد سے واپسی کے بعد سے مولانا اپنے قلمی کتابوں کی فہرست بنانے میں منہمک رہے، چنانچہ ۲۳ ماہ رمضان سنہ ۱۳۴۹ھ کو ۹ مہینہ ۰ دن کے بعد اس اہم کام سے فراغت پائی، اوسطاً ساڑھے تین گھنٹے روزانہ وہ کام کرتے رہے، اس اختتام کی خوشی میں آج سے ۴۰ برس کی ایک یادداشت کی نقل معارف کے لئے عنایت فرماتے ہیں، یادداشت کے سادہ لفظون مین جس پرکیف ملاقات کا حال درج ہوا ہے، اس کی مستی آج بھی آنکھون کی راہ سے دل مین سماجاتی ہے "معارف"

۹ رجب سنہ ۱۳۱۱ھ کو زیارت جناب قاری صاحب کے قصد سے دلی سے روانہ ہوا، پانی پت پہونچ کر بعد نماز عصر مسجد محلہ انصار مین قاری صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا، برادرم مولوی محمد یونس صاحب رئیس دتاولی بھی ہمسفر تھے بعد سلام و پرسش مزاج بجواب سوال قاری صاحب مین نے کہا کہ بھیکن پور رہتا ہون اور محمد خان ولد مان خان مرحوم کا پوتا ہون جنھون نے مسائل اربعین کے جواب لکھوائے تھے خوش ہو کر فرمایا جس ماہ مین مولوی امین الدین جواب لکھوا رہے تھے مین طالب علم کی حیثیت سے حاضر مدرسہ ہوا کرتا تھا بعد مکالمہ کے مین نے شاہ ولی اللہ صاحب کی اربعین پڑھی (جو مین ساتھ لے گیا تھا) مین قاری تھا، برادر موصوف سامع، رسالہ مذکور قاری صاحب کے بیان کردہ مطالب حاشیہ پر لکھکر مین نے داخل کتابخانہ حبیب گنج کر دیا ہے، اس کے ختم ہونے پر برادر موصوف نے صحیح بخاری کی حدیث اول پڑھی، وہ قاری تھے مین سامع،

قاری صاحب کی تقریر ارتعین کے مطالب کے بیان مین بہت جچی تلی ہوئی تھی، الفاظ بے تکلف ایک ایک ہوکر علٰحدہ علٰحدہ زبان پر آتے تھے، بیان صاف تھا، الفاظ بقدر معانی، محدثانہ احتیاط کلام سے ہویدا تھی، پہلی حدیث کا مطلب بیان فرماکر پوچھا، مین نے کیا کہا، چونکہ سرسری تقریر سنی اس لئے تامل سے الفاظ یاد کرکے بیان کئے، بے تکلف فرمایا مین نے یہ نہین کہا، مکرر سابق تقریر کا بجنسہ اعادہ فرمایا، اور سوال مکرر اب الفاظ بمقابلہ پہلے کے مین نے زیادہ مطابق تقریر ادا کئے، پھر فرمایا مین نے یہ نہین کہا، تیسری مرتبہ تقریر کی، اب مین نے پھر بجنسہ نقل الفاظ کردی، اسی طرح ہر حدیث کے مطلب کا بجنسہ اعادہ کرایا، ایک دو حدیث کے بعد توجہ تام ہوگئی تھی، اس لئے مین پہلی ہی تقریر کے بعد اعادہ کردیتا تھا، مثلاً حدیث توبہ کے بیان مین یہ الفاظ فرمائے تھے، توبہ کے تین رکن ہین، ترک معصیت نقد الوقت، ایسا پچھتانا کہ بھری مجلس مین رسوائی ہوگئی، آیندہ معصیت مذکور نکرنے کا عہد۔

اثنائے گفتگو مین شاہ عبدالعزیز صاحب کا ذکر فرمایا کہ شباب مین بینائی بالکل جاتی رہی تھی، اکثر تصانیف حالت نابینائی کی ہین، مین نے شاہ صاحب کے کتابخانہ کا حال پوچھا تو فرمایا کہ جو بہت پسندیدہ کتابین تھین وہ شاہ اسحٰق مرحوم بوقت ہجرت ساتھ لے گئے تھے، اور رہ وزن مین نوسو تھین، باقی کتابین ان کی ایما سے مین نے اور نواب قطب الدین خان نے ہراج کردی تھین اپنے تلمذ کی نسبت فرمایا کہ مین نے صحاح ستہ شاہ اسحٰق صاحب سے پڑھین، اور پھر سالہا سال تک مدرسہ مین صبح سے عشا تک حاضر رہا، اس حاضری مین بہت سی کتابین سماع مین آئین، کلام مجید کی تفسیر تمام و کمال جناب میان صاحب موصوف کی زبان سے وعظ مین سنی، مولوی عالم علی صاحب مرادآبادی، مولوی علیم الدین صاحب کاندہلہ کے باشندے اور دو ایک اور صاحب میرے ہمدرس وہم سبق تھے، مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری کی نسبت فرمایا کہ انھون نے ہندوستان مین حدیث میان صاحب سے نہین پڑھی، مکہ مکرمہ مین پڑھی تھی، جامع ترمذی

اور تیسیر الوصول پوری تنقید سے پڑھیں، صحیح مسلم جب میں نے وہاں جا کر پڑھی تو وہ سامع تھے، فرمایا
صحیح مسلم میں نے تین بار میاں صاحب سے پڑھی، ایک مرتبہ تمام وکمال، دوسری مرتبہ اول کا حصہ
تیسری بار آخر کا، ایک دفعہ میاں صاحب بواسیر کے سخت دورے میں مبتلا ہو گئے تھے چھ مہینے تک
ایک عالم یاس رہا اس عرصہ میں قاری صاحب اور اُن کے ساتھی حدیث مولوی حسن علی صاحب
لکھنوی سے پڑھتے رہے، قاری صاحب کی ایک اجازت مولوی صاحب موصوف سے بھی ہے،
مولوی حسن علی صاحب، مولوی الٰہی بخش صاحب کے شاگرد تھے، مولوی الٰہی بخش صاحب شاہ عبد العزیز
صاحب کے، قاری صاحب کو اجازت حدیث بعض مشایخ عرب سے بھی تھی، جنمیں سے بعض کی سند کا سلسلہ
شیخ ابراہیم کردی سے تھا، بعض کا شیخ ابو طاہر سے، فن تجوید قاری صاحب نے امروہہ جا کر قاری
امام الدین صاحب سے حاصل کیا تھا، مخرج ضاد کی بابت فرمایا (بجواب سوال مولوی یونس خان) کہ
زبان کا پہلوئے چپ بامیں ڈاڑھوں کے مسوڑھوں سے رگڑ کر نکلے تو یہ حرف ادا ہوتا ہی، اگر کوئی
شخص عمداً بجائے اس کے ظ کی آواز نکالے تو نماز باطل ہی، مجبوراً ادا کرے تو وہ جاہل ہے، اسکی
نماز خود تو درست ہوگی، قابلِ امامت نہیں، برادر موصوف نے مولود شریف میں قیام کی بابت
سوال کیا، تو فرمایا کہ میں کیا کہوں، قرآن وحدیث وفقہ میں انکا ذکر نہیں، جب متقدمین کی
تصانیف عالم وجود میں آئیں، اس وقت اس کا وجود نہ تھا، متاخرین نے یہ طریقہ ایجاد کیا، اور
انکا ذکر اپنی تصانیف میں کیا ہی، ان کو ہم نہیں مانتے، ایک طرف یہ ہے کہ اس مجلس خاص میں تو
قیام کرنا عین ایمان ہو، اور ویسے آپکا ذکر بار ہا ہو، میلاد کا ذکر بھی آئے، اور اور احوال مبارکہ
بھی بیان ہوں، اسمیں کوئی کھڑا نہ ہو یہ عجیب بات ہی، دوسری طرف یہ شدت ہی کہ کفر و شرک
بتاتے ہیں، آخر رسول اللہ کی تعظیم تو ہی، (دوسری طرف الخ یہ عبارت پوری یاد سے اس وقت
لکھی ہی،) اس لئے میں کچھ نہیں کہتا، برادر موصوف نے مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے تلمذ

کی بابت دریافت کیا تو فرمایا کہ جس روز میان صاحب ہجرت کرکے روانہ ہوئے، اُس روز یہ اُن کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور چند کتابون کے اوائل کی ایک ایک حدیث پڑھی، اور پڑھکر کل کتابون کی اجازت حاصل کی، میان صاحب نے ایک چھوٹے کاغذ پر یہی رقعہ لکھکر دیدیا، اس سے پہلے مدرسے مین پڑھنے کو کبھی نہین آئے، کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تھا، تو دوسرے تیسرے مہینے آجاتے تھے، میان صاحب کا مدرسہ بیرم خان کے تراہہ پر تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم نے اپنی زندگی مین ان کے واسطے یہ مدرسہ بنوادیا تھا، مین نے قاری صاحب کے سن کی بابت دریافت کیا فرمایا ٹھیک یاد نہین، شاہ عبدالعزیز صاحب کے وعظ مین اپنے والد کے ساتھ جایا کرتا تھا اور کلام مجید حفظ کرچکا تھا، (اس حساب سے ملاقات کے وقت قاری صاحب کا سن کم وبیش نوے برس کا تھا) قاری صاحب کا بدن لاغر قد لانبا رنگ گندمی آنکھ اور ناک بڑی آواز بھاری تھی مزاج مین تیزی معلوم ہوتی تھی، رائے کے اظہار مین قطعاً بے دھڑک تھے، کبرسن کے آثار صحت پر غالب آچکے تھے، داڑھی گھنی تھی قدرۃً چھوٹی، مہندی لگی ہوئی، سر پر بال پورے، لباس انگرکھہ بدون کرتے کے، سر پر عمامہ سپید پاجامہ غالباً تنگ (مین نے قاری صاحب کو بیٹھا دیکھا تھا اسلئے ٹھیک اندازہ نہ کرسکا) قصبے مین کچھ املاک ہی اس سے بفراغت بسر ہوتی ہی، (یہ یادداشت ملاقات کے تیسرے روز ۱۱ رجب المرجب روز جمعہ ۱۳۱۳ھ کو کتاب پر قلمبند کی گئی)

اب افسوس ہوتا ہی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب، اور شاہ اسحٰق صاحب کا حلیہ قاری صاحب سے نہ پوچھا، رحمہم اللہ تعالیٰ،

خیابانِ دانش

چھٹا باب

از مولوی ابو القاسم صاحب سرور حیدر آباد

موضوعِ فلسفہ،

یہ بیان تعریفِ فلسفہ ہی کے تحت آنے کے قابل تھا، اور اس کی تشریح وہین ایک حد تک مناسبت مقامی رکھتی تھی لیکن اشکالِ بحث کی وجہ سے عمداً تقسیمِ فلسفہ کے بعد اسے رکھنا پڑا، مادّہ اور ذہن، انھین دونون کو فلسفہ کا موضوع قرار دیا گیا ہی، یہ دونون یعنی مادّہ اور ذہن باہم جوہریت مین بالکل اختلاف رکھتے ہین، مادّہ اور ذہن جو دو مختلف جوہر ہین ان مین امتیاز و فرق یہ بتایا گیا ہی کہ مادّی چیزین جس حالت مین بھی ہون خود انھین اپنی حالتون کا مطلق علم نہین، مثلاً کوئی کل یا مشین بہ سرعت یا بہ تاخیر حرکت کر رہی ہی، حرکت نام ہی اس کے مختلف چھوٹے بڑے پرزون کی فعلیت مین اتحاد و ہم آہنگی کا، مگر وہ مشین اپنی اس حرکت اور علتِ حرکت کا نہ خود علم رکھتی ہی، اور نہ اس واقفیت دعلم کی اسمین قابلیت و استعداد موجود ہے، اسی طرح مکان کہ بھیانک سنسان، وسیع وعدم وسیع، رونق، چہل پہل، آبادی وغیرہ جو منظر بھی اس مین پیدا ہوا ہے، اس کا خود گھر کو مطلق علم نہین، لیکن مادّی اشیاء کے برخلاف نفسِ ناطقہ کے قوی مین ہر پیش آنیوالی روداد کا علم صاف اور واضح طریقہ پر ظاہر ہوا کرتا ہی، خلوتخانۂ دل مین خیالات کی آمد و رفت انسان سے پوشیدہ نہین، اور ساتھ ہی اپنے قویٰ کی نوعیتِ عمل وغیرہ کی

فہرست بھی اس کے پیش نظر رہتی ہی، موضوع فلسفہ معلوم کرنے کے بعد فلسفہ کی وابستگی اور رشتہ تعلق اشیاے اضافیہ ہی سے مربوط نظر آتا ہی، اشیاے مطلقہ اس کی زد سے بالکل باہر ہین، توجب اشیاے اضافیہ ہی نصب العین فلسفہ ٹھہرے تو علم بھی اضافی ہی ٹھہرا،

(علم اضافی)

علم بشری کی اگر تحلیل کیجائے تو نتیجہ مین انسانی واقفیت و شعور کا انتساب یا مادہ سے ظاہر ہوگا، اور یا اس کا ارتباط و تعلق ذہن سے وابستہ نظر آئیگا، باوجود اس کے کہ علم انسانی کا انحصار انھین دو پر ہی لیکن پھر بھی ان دونون کا مطلق علم دشوار و مشکل ہی نہین بلکہ بالکل ناممکن اور محال ہی، مادہ اور ذہن کے صرف خواص و اعراض کا علم ہی انسانی انتہا ہی جس سے آگے یہ ایک قدم بھی نہین بڑھا سکتا، انسان محض ان صور و اشکال سے واقف ہو سکتا ہی جنمین وہ مادہ ظہور پذیر ہوا کرتا ہی، شے مطلق کا علم اس کی دسترس سے باہر ہے، اور یہی علم اضافی نوع بشر کا سرمایۂ تحقیق اور گنجینۂ دانش ہی،

(مادہ و ذہن)

مادہ کے باب مین انسان بس اسی حد تک جان سکتا ہی، کہ وہ ٹھوس ہی، طول، عرض، عمق کا حامل ہی، قابل انقسام ہی، ظہور کے لئے کوئی نہ کوئی شکل اختیار کر لیتا ہی، یہ خواص و ظہورات یکجا رہنا پسند کرتے ہین، ان کے اجتماع سے انسان یہ خیال کرتا ہی کہ یہ سب کسی ایک چیز مین اکٹھے ہو گئے ہین، اور وہ نامعلوم چیز جسمین یہ خواص وغیرہ یکجا ہوئے ہین، اسے محل کہا جاتا ہی، محل کی مصداق جب وہ شے ہو جس سے ابعاد ثلاثہ یعنی طول، عرض، عمق کا ظہور ہو، تو وہ مادہ کہلاتا ہی، اور جب اس سے مراد وہ شے ہو جس سے علم، تاثر، خواہش و ارادہ وغیرہ ایسی حالتون کا اظہار ہو تو اسے ذہن کے نام

سے یاد کیا جاتا ہی،

ذہن کیا ہی، اس کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہی کہ اس مین جاننے، ارادہ کرنے، فکر کرنے کی استعداد اور قوت موجود ہی، یعنی وہ جانتا ہی، ارادہ کرتا ہی، فکر کرتا ہی، اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادّہ اور ذہن دونون کے دونون مجہول اور نامعلوم ہین، ان کے خواص و ظہورات ہی تھوڑے بہت علم انسانی کا واسطہ اور ذریعہ ہین، مادہ اور ذہن کا وجود، معلومہ ظہورات اور وجود خواص سے نتیجۂ طریق پر مستنبط کیا جاتا ہی، اور ان دونون مین تمیز و امتیاز کی حد بندی کا طریقہ استدلالی ہی کہا جا سکتا ہی اس طرح کہ چونکہ دونون کے ظہورات و خواص کے توازن سے باہم ادنیٰ مماثلت نہین پائی جاتی بلکہ ان کے ظہورات و خواص کا باہمی متباین ہونا معلوم ہوتا ہی، اس لئے ان دونون کا ایک جوہر سے وابستہ ہونا محال نظر آتا ہی، اور یہی باہمی تباین و تضاد فیما بین، امتیاز کی حدِ فاصل قایم کر دیتے ہین، تو یہ امر پایۂ ثبوت پر پہونچ گیا، کہ ذہن اور مادہ کا علم مطلق نہین محض اضافی ہی، اسی ضمن مین قوائے ذہنیہ اور کیفیات ذہنی کا بیان لائقِ مطالعہ ہی، اگرچہ یہ بحثین زیادہ تر علم النفس (نفسیات) سے متعلق ہین، مگر چونکہ یہان ذہن کا ذکر آگیا ہی، اور ذہن کی توضیح و تشریح ان مباحث پر موقوف ہے، اس لئے بالاختصار ان کا تذکرہ اس جگہ یون غیر مناسب نہین کہ انکا بیان اصل مسئلہ کو ممتاز و روشن صورت مین پیشِ نظر کر دیگا،

قوائے ذہنیہ کا مفہوم کیا ہی، اس کا جواب یہی دیا جا سکتا ہی کہ ذہن کی کد و کاوش، غور و خوض، محنت و ورزش کی اصل علتین یہی قوائے ہین، جنکی بدولت ذہن ہر قسم کے اشکال و پیچیدگی کو دور کرنے کی کوشش کیا کرتا ہی، ان قویٰ کو طاقتہائے تاثر اور استعداد و قابلیت سے بھی تعبیر کیا گیا ہی، ذہن کے تفحص و تفکر کی مشابہ و مماثل نوعیت ان قویٰ مین سے ایک ہی قوت کے تحت شمار کیجاتی ہی، اور غور و خوض و ورزشِ ذہن کا اختلاف مختلف قویٰ سے منسوب کیا جاتا ہی،

جس حد پر ذہن تفکر و تفحص کی مختلف قسمین اظہار کے میدان مین لا سکتا ہو یہی قولے ذہنیہ مختلف صور کیبانی ہین، اور اثر قبول کرنے کے جتنے طرق مختلفہ ہو سکتے ہین انھین کے لحاظ و اعتبار سے مختلف قابلیتین شمار کے دائرہ مین آجاینگی، حاصل یہ کہ ذہن کے قویٰ ایسے موجودات نہین جنھین ذہن سے الگ الگ کرکے عدامتیاز کھینچی جا سکے، بلکہ یہ جملہ قویٰ ایک ہی جوہر کے ایسے مختلف ظہورات ہین کہ ذہن اور ان مین کسی قسم کے حقیقی فرق قایم کرنے کی بالکل گنجایش نہین، بیشتر و اکثر علمانے ان دونون مین تمیز پیدا کرنے کے لئے انکا جدا جدا وجود تسلیم کیا ہے، مثلاً ارسطاطالیس کی تحقیق مین صرف ذہنیہ صورتین قویٰ ہین اور جو ان پر عامل ہے وہ حقیقی جوہر ذہن ہی، مگر بعض کے نزدیک قولے ذہنیہ سب ایک ہین، ان مین باہم کوئی امتیاز نہین، اور بعض ذہن کو قولے ذہنیہ سے تمیز کرنا نہین چاہتے،

تقسیم قوت علمیہ

بشری قوت علمیہ کی ان چھ قسمون مین تقسیم کی گئی ہے،

(۱) قوت مدرکہ، (۲) قوت حافظہ، (۳) قوت مستحضرہ، (۴) قوت متخیلہ (۵) قوت مجوزہ (۶) قوت جبلی،

قوت مدرکہ، بیرونی اور اندرونی چیزون کے علم کا واسطہ اور ذریعہ ہی، بیرونی چیزون کا علم ادراک خارجی کہلاتا ہی، اور اندرونی چیزون کا علم ادراک باطنی،

قوت حافظہ، حاصل شدہ علم کا سرمایہ بہ حفاظت اپنی نگرانی مین اس طرح رکھتی ہی کہ تعقل اسے ہاتھ تک نہین لگا سکتا،

قوت مستحضرہ، محفوظ حافظہ اندوختہ علم تعقل کے استعمال کے لئے نکالنے کی یہ کوشش کرتی ہی یہی قوت ذہن کے ایسے قواعد و آئین ایتلاف کی پابند ہے کہ جنکی وساطت سے انسان اپنے خیالات با قاعدہ

سے یاد کیا جاتا ہے،

ذہن کیا ہے؟ اس کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس مین جاننے، ارادہ کرنے، فکر کرنے کی استعداد اور قوت موجود ہے، یعنی وہ جانتا ہے، ارادہ کرتا ہے، فکر کرتا ہے، اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادّہ اور ذہن دونون کے دونون مجہول اور نامعلوم ہین، ان کے خواص و ظہورات ہی تھوڑے بہت علم انسانی کا واسطہ اور ذریعہ ہین، مادہ اور ذہن کا وجود معلومہ ظہورات اور وجود خواص سے نتیجے کے طریق پر مستنبط کیا جاتا ہے؛ اور ان دونون مین تمیز و امتیاز کی حد بندی کا طریقہ استدلالی ہی کہا جا سکتا ہے، اس طرح کہ چونکہ دونون کے ظہورات و خواص کے توازن سے باہم ادنیٰ مماثلت نہین پائی جاتی بلکہ ان کے ظہورات و خواص کا باہمی تباین ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے ان دونون کا ایک جوہر سے وابستہ ہونا محال نظر آتا ہے، اور یہی باہمی تباین و تضاد فیمابین امتیاز کی حد فاصل قایم کردیتے ہین، تو یہ امر پایۂ ثبوت پر پہونچ گیا، کہ ذہن اور مادہ کا علم مطلق نہین محض اضافی ہے، اسی ضمن مین قوائے ذہنیہ اور کیفیات ذہنی کا بیان لائق مطالعہ ہے، اگرچہ یہ بحثین زیادہ تر علم النفس (نفسیات) سے متعلق ہین، مگر چونکہ یہان ذہن کا ذکر آگیا ہے، اور ذہن کی توضیح و تشریح ان مباحث پر موقوف ہے، اس لئے بالاختصار ان کا تذکرہ اس جگہ یون غیر مناسب نہین کہ انکا بیان اصل مسئلہ کو ممتاز و روشن صورت مین پیش نظر کردیگا،

قوائے ذہنیہ کا مفہوم کیا ہے؟ اس کا جواب یہی دیا جا سکتا ہے کہ ذہن کی کد و کاوش، غور و خوض، محنت و ورزش کی اصل علتین یہی قوائے ہین، جنکی بدولت ذہن ہر قسم کے اشکال و پیچیدگی کو دور کرنے کی کوشش کیا کرتا ہے، ان قویٰ کو علمائے تاثر اور استعداد و قابلیت سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، ذہن کے تفحص و تفکر کی مشابہ و مماثل نوعیت ان قویٰ مین سے ایک ہی قوت کے تحت شمار کیجاتی ہے، اور غور و خوض و ورزش ذہن کا اختلاف مختلف قویٰ سے منسوب کیا جاتا ہے،

جس حد پر ذہن تفکر و تفحص کی مختلف قسمین اظہار کے میدان مین لا سکتا ہی، یہی قوائے ذہنیہ مختلف تصور کیجاتی ہین، اور اثر قبول کرنے کے جتنے طرق مختلفہ ہو سکتے ہین، انھین کے لحاظ و اعتبار سے مختلف قابلیتین شمار کے دائرہ مین آجائین گی، حاصل یہ کہ ذہن کے قویٰ ایسے موجودات نہین جنھین ذہن سے الگ الگ کرکے علحدہ تنہا کھینچی جا سکے، بلکہ یہ جملہ قویٰ ایک ہی جوہر کے ایسے مختلف ظہورات ہین کہ ذہن اور ان مین کسی قسم کے حقیقی فرق قایم کرنے کی بالکل گنجایش نہین، بیشتر و اکثر حکما نے ان دونون مین تمیز پیدا کرنے کے لئے انکا جدا جدا وجود تسلیم کیا ہے، مثلاً ارسطاطالیس کی تحقیق مین صرف ذہنیہ صور تین قویٰ ہین اور جو ان پر عامل ہے وہ حقیقی جوہر ذہن ہی، مگر بعض کے نزدیک قوائے ذہنیہ سب ایک ہین، ان مین باہم کوئی امتیاز نہین، اور بعض ذہن کو قوائے ذہنیہ سے تمیز کرنا نہین چاہتے،

تقسیم قوت علمیہ

بشری قوت علمیہ کی ان چھ قسمون مین تقسیم کی گئی ہے،

(۱) قوت مدرکہ، (۲) قوت حافظہ، (۳) قوت مستحضرہ، (۴) قوت متخیلہ (۵) قوت مجوزہ (۶) قوت جبلی،

قوت مدرکہ، بیرونی اور اندرونی چیزون کے علم کا واسطہ اور ذریعہ ہی، بیرونی چیزون کا علم ادراک خارجی کہلاتا ہی، اور اندرونی چیزون کا علم ادراک باطنی،

قوت حافظہ، حاصل شدہ علم کا سرمایہ بہ حفاظت اپنی نگرانی مین اس طرح رکھتی ہی کہ تعقل اسے ہاتھ تک نہین لگا سکتا،

قوت مستحضرہ، محفوظ حافظہ اندوختہ علم تعقل کے استعمال کے لئے نکالنے کی یہ کوشش کرتی ہی، یہی قوت ذہن کے ایسے قواعد و آئین ایتلاف کی پابند ہے کہ جنکی وساطت سے انسان اپنے خیالات باقاعدہ

ہمواری و ارتباط کی سلک مین منسلک کرسکتا ہی، ان آئین و قوانین کا طرز عمل تعیین نہین رکھتا، بالقصد اُو بغیر قصد و ارادہ عمل کرنے کے یہ خوگر ہین، آخری صورت یعنی ان کا قصد و ارادہ کے بغیر عمل کرنا ایما ے طبعی کہلاتا ہے۔ قوت مستحضرہ اور قوت حافظہ مین امتیاز کے لئے نہایت دقت نظر کی ضرورت ہی، اور ان دونون قوتون مین تمیز کی حد بندی بھی ایک لازمی عنصر ہی، کیونکہ بعض حکما نے اس امتیاز کی جانب بے توجہی کی تو انھین آگے بڑھکر غلطیون سے دوچار ہونا پڑا،

قوت متخیلہ، حافظہ کے اس محفوظ و مجتمع علم کو جسے مستحضرہ نے تعقل کے سپرد کر دیا تھا، ذہن کے محاذ مین لے آتی ہی، متخیلہ کا دوسرا نام واہمہ ہے، مستحضرہ اور متخیلہ تمام افراد مین یکسان نہین ہوتی، یہ دونون قوتین مختلف افراد مین اختلاف کے ساتھ پائی جاتی ہین، مثلاً کسی مین اگر قوت مستحضرہ قوی اور متخیلہ ضعیف ہی، تو کسی مین اسکا عکس، اکثر جو متخیلہ اور مستحضرہ کی باہمی تمیز کو نظر انداز کر دیا جاتا ہی، یہ طرز عمل مفاسد کے لحاظ سے نہایت مقدوح ہی،

قوت مجوزہ، اشیاء کا تقابل اور باہمی ان چیزون کا ربط و تعلق معلوم کیا کرتی ہی، افعال ذہن مین سب سے بلند اور ممتاز درجہ تقابل یعنی تمیز کا رکھا گیا ہی، چونکہ یہ قوت تحلیل و ترکیب یعنی عمل تمیز کا مرکز و معیار ہے، اس بنا پر اس قوت کو قواے مذکورہ کا عطر، لب لباب، خلاصہ، ماحصل، کہنا ہی مناسب ہی، اور اسی بنا پر جملہ قویٰ سے یہی قوت عظمت و برتری مین پیش پیش ہی، اسی قوت مجوزہ کو تفکر سے موسوم کرنے کی بھی ایک صورت نکالی گئی ہے، وہ یہ کہ تعمیم، حکم، استدلال، یہ سب کے سب نتائج تحلیل و ترکیب تسلیم کئے جاتے ہین، اور یہ قوت تحلیل و ترکیب دونون کی حامل ہی، اس وجہ سے اسے تفکر سے بھی نامزد کیا جاسکتا ہے،

قوت جبلی، یہ چند ضروری قاعدون یا تفکر کے چند قوانین کا مجموعہ ہے، جن سے بے نیازی علم کے طالب کے لئے ممکن نہین، کیونکہ تحصیل علم کا انحصار انھین پر ہی، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ قوت جبلی پر قوت کا اطلاق صحیح نہین، بیشتر و اکثر اسی تحقیق کی جانب حکما نے توجہ تام سے کام لیا کہ حقیقۃً کیا یہ کوئی

قوت ہو یا فرضی طور پر اسے یہ نام دیدیا گیا ہو تفحص بسیار کے بعد نتیجۂ تحقیق زیادہ تر اس کے وجود کی نفی مین نکلا اگر یہ حد بھی افراط سے ہمدوش ہو بظاہر مناسب یہی معلوم ہوتا ہو کہ اسے قوانین و آئین تفکر کا مجموعہ تسلیم کر لیا جائے، تو اس مین کوئی قباحت نہین. قوائے ذہنیہ کے سلسلہ مین کیفیات ذہنی انکی تقسیم اور تعقل پر بھی ایک نظر ڈال لینا ضروری ہو ذہن مین جتنی کیفیتین پائی جاتی ہین ان سب کا مبدا اور سرچشمہ تعقل ہی کو اکثر مانا ہو اب رہا یہ سوال کہ خود تعقل ہو کیا اس کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہو کہ وہ جملہ کیفیات ذہنی کے علم کا وسیلہ اور ذریعہ ہو، وہ ایک ایسی تجلی باطن ہو جسکی تاب ناکی تمام کیفیتون کے خط و خال نگاہ بشری کے سامنے پیش کر دیتی ہو، خود تعقل ایک ایسی غیر منقسم کیفیت ہے جسمین نوعیت اختلاف کی شرکت نہین، وہ ایک عام طاقت و قوت ہے جو ذہن کے کل کیفیات پر چھائی ہوئی ہو کیفیات ذہنی تین شعبون مین منقسم کئے جا سکتے ہین :-

پہلا شعبہ قوائے علمیہ

دوسرا شعبہ تاثرات،

تیسرا شعبہ تمنیات،

ان ہر سہ شعبون کو ایک مثال مین یون ادا کیا جا سکتا ہو، مثلاً زید نے فواکہ مین سے مرغوب خاطر چند پھل دیکھے، ان کے دیکھنے سے طبیعت مین خاص قسم کی مسرت پیدا ہوئی، اور اسی غلبۂ مسرت سے ان پھلون کو بار بار اٹھا کر سونگھا اور اس کے خریدنے کا ارادہ پیدا ہوا، اس مثال مین ابتداءً پھلون کو دیکھتے ہی ایک کیفیتِ واحدہ کے تحت مین لا کر ان کی شناخت اور تعیین و تخصیص اس طرح کرنا کہ یہ فلان پھل ہے، قوت علمیہ ہوئی، پسندیدۂ خاطر پھلون کے دیکھنے سے طبیعت مین انبساطی حالت کا اظہار کیفیتِ تاثر، اور اس انبساط و مسرت کے بعد ان پھلون کے خریدنے کی خواہش و ارادہ تمنائی کیفیت ہو، حقیقۃً ذہن کی جملہ کیفیتین ایسی دقیق و پیچیدہ اور باہم ملی جلی ہوئی ہین، کہ اشیائے خارجی کی طرح

انکی تقسیم نمایان طور پر نہین کیجا سکتی، تقسیم بالا کا مدار زیادہ تر تفہیم ہی پر ہی، مگر ایک اعتبار سے اس اقسام ثلثہ کو کا فی بھی بتایا گیا ہی، وہ یہ کہ تاثرات وتمنیات یہ دونون قوت علمیہ مین داخل نہین، بلکہ اس سے جدا اور علحدہ ہین، اندر اور باہر علم ہی کا قبضہ ہی یعنی فعلیت باطنی اور خارجی دونون مین یہی ایک شامل ہے، ہاں تاثر وہ ایک باطنی کیفیت ہے، اور تمنا خارجی خواہش، کیونکہ تمنا مین رغبت کا میلان خارج کی طرف ہوا کرتا ہی ایسی بیب غیر ہستیان جو تاثرات وتمنیات سے یک لخت آزاد ہون، اور محض قوت علمیہ کی حامل ہون، تصورات کی دنیا مین شاید دکھائی دین، خارج مین ان کا نشان تک نہین مل سکتا، جس طرح تاثرات وتمنیات علم کے بغیر تصور کی قابلیت نہین رکھتے یہی حال تاثرات کے بغیر علم وتمنیات کا ہی لیکن تمنیات کو نظر انداز کرکے علم اور تاثرات ممکن التصور ہو سکتے ہین،

کیفیات ذہنی کے اقسام ثلثہ مین پہلا درجہ قوائے علمیہ کا بتا آئے ہین لیکن یہ امر بیان کرنے سے رہ گیا کہ تعقل اس سے بھی تنگ ہے، اعاظم فلاسفہ تعقل کی چند معین الفاظ مین تعریف کرنا ناممکن بتاتے ہین اگرچہ بعض حکمانے مختلف پیرایون سے اس کی تعریف کے لئے تعیین الفاظ کی سعی کی، مگر یہ کوشش مفید نہ ثابت ہو سکی، ایسی چیزین جنکی وسعت محدود الفاظ مین نظر بند ہونا پسند نہین کرتی، ان کی تعریف کی بجائے توضیح وتشریح ہی زیادہ مناسب ہوا کرتی ہی، تعقل کی تشریح اس طریقہ پر کیجا سکتی ہے کہ تعقل مین جو واقعات داخل ہین ان کا تقابل کیا جاتا ہی، ہمین کسی شے کا علم ہوتا ہی، تو معًا یہ معرفت بھی لازمی ہی کہ ہمین فلان شے کا علم حاصل ہوا، تعقل شخصیت اور اس کی کیفیتون کے درمیانی رشتۂ ارتباط وتعلق کا مظہر ہے، تعقل کو ذہن، کیفیت معلومہ، علم، ان تین چیزون کا مجموعہ کہہ سکتے ہین:-

ذہن، علم رکھنے والی شے،

کیفیت معلومہ، جس کی معرفت حاصل کیجاتی ہی،

علم، جو ذہن اپنی کیفیتون کی نسبت رکھتا ہی،

علم و تعقل باہم مختلف چیزین نہین اصل مین یہ ایک ہی شے ہی جسے چشم تحقیق مختلف اعتبارون سے بار بار دیکھا کرتی ہی، علم تعقل مین اور تعقل علم مین ایسا سمایا ہوا ہی کہ باہم انفصال و امتیاز نہین کیا جا سکتا، پھر بھی فلسفیانہ تجسس اس کے ارتباط و تعلق پر غور و خوض کے لئے جگہ نکال سکتا ہی جس طرح شکل مثلث سے اس کے ضلعے اور زاویے کی علحدگی ممکن نہین، مگر اس عدم انفصال پر بھی اس مثلث کے اضلاع و زوایا اور ان کے آپس کے ربط و تعلق پر جداجدا غور کیا جا سکتا ہی بس یہی شان اس کی بھی سمجھنا چاہئے، بہر نوع باطنی اور خارجی دو صورتین تعقل کے لئے کارآمد بتائی گئی ہین صورت خارجی مین تعقل واقعات کی ظاہری حالت کو نظر انداز کرکے ان کی پیدائش اور حقیقتِ حال کا سراغ لگاتا ہی اس صورت مین ذہن کی نوعیت معلوم کرنا اس کا اصل مقصد ہوا کرتا ہی جس سے اصول اولیہ تجربہ مین منتقل ہو کر اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہین، کہ وہ واقعات تدریجاً پیدا ہوئے ہین، باطنی صورت مین تعقل بہ امعان نظر دیکھ کر اس کی ہدایتین صفحۂ ذہن پر درج کرتا ہی، تعقل سے عام علم جو مراد لیا جاتا ہی، اس کی غیر معمولی وسعت قوائے علمیہ اور ذہن کے جملہ افعال و معمولات کو لپیٹے ہوئے رہتی ہی، حاصل یہ کہ تمام علم فلسفہ کا ماخذ اور منبع یہی ایک تعقل ہی قوائے ذہنی اور کیفیات کے مختصر سے بیان کے بعد پھر اصل بحث کی جانب توجہ کیجاتی ہی، اوراق سابقہ مین علم کے متعلق ظاہر کیا جا چکا ہی کہ علم بشری مطلق کی وسعت اختیار کرنے سے قاصر ہی، یہ اضافی حدود کے اندر ہی مقید رہتا ہی، علم اضافی کی تعریف بھی وہین کیجا چکی ہی اب صرف علم اضافی کی غرض و غایت کی تشریح باقی ہی، اور وہ اس سے زائد نہین کہ انسان جتنا اور جو کچھ بھی جانتا ہی وہ سب جاننا اس کے اپنے قویٰ کی خاص حالتون کے لحاظ و اعتبار پر منحصر ہی، فلاسفہ بالاتفاق یہ مانتے چلے آئے کہ علم انسانی اس کے قویٰ کی مخصوص نوعیت و حالت کے اعتبار سے حاصل ہوتا ہے موجوداتِ عالم کی غیر معمولی وسعت کا علم فہم بشر احاطہ نہین کر سکتا، جن چیزون تک فہم انسانی کی

رسائی نہ ہوسکی ان پر عدمیت کا اطلاق نہین آسکتا یعنی جو جو چیزین انسان کے دائرۂ علم سے باہر ہین
ان پر یہ حکم لگانا کہ سرے سے ان کا وجود ہی نہین، ایک مقدوح جسارت اور ناروا بیادرت
کے مثل ہی، اس کی مثال بالکل ایسی ہو کہ جیسے کوئی عنین فعل مباشرت کے بطلان وتردید مین
دلیل انی سے کام لیکر اسکو اپنی عدم قابلیت اور ناواقفیت کی بنا پر ناممکن ومحال کے الفاظ سے تعبیر کرے
تو انسان کا یہ خیال قایم کر لینا کہ کل کا کل عالم اس کے حواس وقوی کا روندا ہوا ہی، دنیا کی چادر یئیا
مین صرف وہی چیزین موجود ہین جو اس کے قوائے ظاہری دباطنی کے قبضہ مین آچکی ہین یا آسکتی
ہین، امر لایعنی سے کسی طرح کم نہین، بہت ممکن ہی کہ کسی دوسرے سیارہ مین ایسی مکمل ہستیان
موجود ہون، جو اپنی زیادتی قوی کے باعث اس عالم کا علم ہمارے مقابلہ مین مکمل رکھتی ہون،
مگر اس سے یہ نتیجہ برآمد نہین ہوتا کہ قوائے انسانی مین اگر اضافہ کر دیا جائے، تو اس زیادتی کی وجہ سے
حقیقی علم کے اکتساب کی طاقت آجائیگی، بالفرض انسان کے موجودہ قوی مین کتنا ہی اور اضافہ
کیون نہ شرکت اختیار کرے لیکن علم انسانی اضافی ہی کی حدین محدود رہے گا، حقیقی کی غیر متنا
وسعت تک کبھی نہین پہونچ سکتا، انسان غور وخوض کی غیر معمولی عرق ریزی کے بعد جو کچھ علم
کی عینک سے دیکھتا ہی، وہ وہ نہین ہوتا جو اصل وحقیقت مین ہی، بشری علم اضافی تین طرح
کے اجزا کے مجموعہ کا نام ہی، جس شے کا علم حاصل ہی بعض اجزا کی روئیدگی خود اس شے سے ہوتی
ہے، اور جس وساطت سے اس شے کو جانا جاتا ہی بعض جزو اس ذریعہ سے پیدا ہوتے ہین اور خود
قوت مدرکہ سے بعض اجزا ظاہر ہوا کرتے ہین، انھین اجزا کی توضیح وتشریح اور باہم ان مین امتیاز
وتمیز قایم کرنا ہی چیز فلسفہ کی ایک اہم اور نہایت کارآمد غرض ہی،

اس بحث مین یہ لطیفہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہی کہ ایک فیلسوف کے اس قول کو کہ حقائق
اشیاء کے علم پر بشر قادر نہین، مسئلہ ادراک کے اس بیان کے ساتھ کہ بغیر ذریعہ و واسطہ حقیقی اشیاء

کا ذہن بشر علم رکھتا ہے، ان دونون کو خلط ملط کرکے معترض نے تناقض کا الزام اس کے سر تھوپا تھا، جواب یہ دیا گیا کہ دو جداگانہ مسئلون کو ایک سمجھکر تناقض خود پیدا کیا گیا ہے، دراصل یہان تناقض کا نام و نشان تک نہین، اس لئے کہ جن مسئلون کو ایک خیال کیا گیا ہے، وہ حقیقۃً ایک نہین بلکہ دونون بجائے خود علٰحدہ علٰحدہ مسئلے ہین جس طرح نوعیتِ مسائل جداگانہ ہی، اسی طرح ان دونون مین جن اشیار کا ذکر آیا ہے وہ بھی باہم مختلف ہین محسوسات کی محدود راہ ختم ہونے کے بعد جس غیر محدود وسعت کا آغاز ہوتا ہی، یا محسوسہ اشیار کے انبار کے نیچے جو غیر معلوم شے دبی رہتی ہی، پہلے مسئلہ یعنی علم کے اضافی ہونے کی بحث مین شے حقیقی سے یہی محسوسات کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی غیر معلوم شی مراد ہی، اور دوسرے مسئلہ مین یہی اشیائے محسوسہ مراد لی گئی ہین، جنکا علم بغیر ذریعہ و توسط ذہن انسانی کو حاصل ہوا کرتا ہی، ان دونون جگہ لفظ اشیا ہم مفہوم نہین، اسی ایک لفظ سے علٰحدہ علٰحدہ معنی مراد لئے گئے ہین اور ظاہر ہے، کہ اس طرز عمل کے اختیار کرنے مین نہ کوئی تناقض لازم آتا ہی، اور نہ اس کے مماثل کوئی اور دوسری خرابی یا قباحت،

اسلامی قانون فوجداری،

مولانا سلامت علیخان المعروف بہ حذاقت خان کی کتاب الاختیار کا ترجمہ، جسمین تمام تعزیرات و جرایم کے متعلق پندرہ ابواب مین اسلامی قانون فوجداری کی تمام دفعات فقہ کی مستند کتابون کے حوالہ سے جمع کی گئی ہین، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اسکا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہی ضخامت ۵۴۳ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، قیمت للعہ

"منیجر"

خاور نامۂ دکھنی

از مولوی نصیر الدین صاحب، ہاشمی، ایف، آر، اے، ایس، لندن

(۳)

مگر اس امر کا خیال رہے کہ بعض مضمون کو اردو میں حذف بھی کر دیا گیا ہے، مثلاً فارسی میں عنوانات قرار دیئے گئے ہیں:-

(۱) رفتن حضرت شاہ ولایت بدست گو دیاور (۲) کشتہ شدن اژدہا بدست امیر المومنین،

(۳) در مواعظ فرماید (۴) بخواب دیدن ابن حسام فردوسی را

(۵) آگاہی یافتن حضرت علیؓ . . . .

اس کے برخلاف اردو میں جو عنوانات ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) رفتن امیر المومنین بکوہ دیاور

(۲) رفتن ابوالمحجن بہ دیار آدمی خوار

(۳) بازگشتن مالک و ابو محجن از حصار آدمی خوار

(۴) آگاہی یافتن علیؓ . . . .

اژدہے کو قتل کرنے کے حالات عنوان نمبر ۲ میں بیان کر دیئے گئے ہیں، خواب دیکھنے اور "مواعظ" کا ذکر اردو میں بالکل متروک کر دیا گیا ہے، اس تفصیل کے بعد بطور نمونہ فارسی اور دکھنی نظم ساتھ ساتھ پیش کیجاتی ہے:-

دکھنی	فارسی
ہوا آیا ہے یکست قافلہ کاروان	یکے کاروان آمد آراستہ

فارسی	دکھنی
ہمہ دشت از ایشان پر از خواستہ	بھریا ہے تمام دشت سب ساروان
روندہ ہیونان پر از بارہا	دوڑپہاڑانویان بھری بار سب
مرصع کفل پوشش و اقسارہا	مرصع کفل ہین اسی تار سب
ہمہ دم پر از گوہر شاہوار	پروی ہین موتی ذنب کے بالین
ہمہ طوق بازو و خلخال دار	جڑی ہین چرت سب دو خلخال تین
صبا از ہیونان ہامون نورد	زمین تھی ایرایا جون کچ رہے،
زہامون بگردون ساریندہ گرد	اسی ٹھار تھے سب زمین رنج اہے
ز ابریشم و مشک و عود و عنبر	بھی انویان کی کیونکر وکری شور تھے
ز دیباے رومی و حبشی حریر	زمین شور کرتی تھی ور روز پے
زمین را توگوئی بگنج اندراست	اگر شاہ کون گنج درکار ہے،
ز بار ہیونان برنج اندر است	تو بھیجو کسی گنج پر بار ہے،
کنون گر بود شاہ را راے گنج،	سواران دیا بیچ کر یک ہزار
بدست آیدش گر کشد پاے رنج	جو لیاؤ کاروان کاتھین رخت وبار
نوادر فرستاد مردے ہزار	ابوالمعجن کر دشہ سون کہیا
کہ بستانند از کاروان رخت و بار	جو خورشید کون کوئی رکھے نہین چھپا
ابوالمعجن کرد باشاہ گفت	
کہ خورشید تابان نماید نہفت	

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، خاور نامہ بیجاپور کی رزمیہ مثنوی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے گولکنڈہ کی رزمیہ مثنوی ست اس کا مقابلہ کیا جائے، اگرچہ خاص اسی مضمون مین گولکنڈہ کی کوئی مثنوی نہین ہے، مگر دوسرے مضمون سے دو شخصون کا مقابلہ دو فوجون کی لڑائی کے حالات پیش کیے جا سکتے ہین

گولکنڈہ کی یہ مثنوی جس سے مقابلہ مقصود ہے "ظفر نامہ" مصنفہ غلام علی خان لطیف ہے، جو سنہ ۱۰۹۸ھ مین مرتب ہوئی ہے، اس مین محمد بن حنفیہ کے متعلق ایک فرضی داستان ہے، اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتبخانہ مین موجود ہے،

مثلاً دو شخصون کا مقابلہ ملاحظہ ہو:-

خاور نامہ	ظفر نامہ
مقابلۂ حضرت علیؓ و طماس	مقابلہ علیؓ اکبر و زنگی
اریون بول کر قصد جولان کیا	سپر گرز کا تب اٹھایون طراق
کمان زہ کیا سور میدان لیا	نے تیو د صفت کہ خلایق براق
کسی تر باران دونو مل کر سخت	وے گرز سنگین دھنک کہ تلے
ہوا کالا خورشید کا روے بخت	پرشہزادہ کہ ہار بند بند ہلے
بہت تیر لستی انو پر سپر	ولیکن شجاعت مین کچ شک نہ تھا
تون بوے گا سپر انکو دان آئے پر	دکھن کے تھی یو شیر بیشک اتھا
خالی کتنی ترکش زتر حد تنگ	قضارا دوم ضرب الغا لبین
نیزے لیکر ادکھوے بار و جنگ	منگیا نے شہ پر سو باکر و کین
کئے نیزے لیکر او چندان ستیز	علی اکبر اس وقت لے نام رب
ہوئے تیرے ہاتان مین زیر زبر	لیکر گرز تین کا رنہمن نے تب

دہاں ہی انو قسی کو پال و کرز — پھرا کر پرا کر مو تس سس پرا
دکھائی مردی اپنی بہاری دزر — ملک یتوب سو۔ ۔نی و ابلیس پر
موئی کوتنی تھی نرم یا لہا — و شیطان بچہ لاک حیلہ سنگات
سنکیسنی کسی ہت مین کویا لہا — یو کر گرز رو اپنی دہاں سات
کیا تیغ طہاس کرنے کون جنگ — سنن کر منکیا۔ ۔ ۔ بدل
کیا شیر سون بہوت کوشش پلنگ — اسے بے لیکر کاریو شد نول
عجب کہتی دیکھ حیدر نام دار — اسے تیغ بتن کر کو سید اعلم
اچائی اپنی سر کے اوپر ذوالفقار — کنے چار کرس فرس کہ قلم
کرے ایک اس تیغ کون مایہ دار — عبس زور پر زور کر کر تکنیا
تو ن ہوے گا خورشید کون سایہ دار — ولے ذرہ زتین اچا نمن سکیا
مو ادرتھی طہاس کا مکر جون زر — علی اکبر اس تتن لنکوتا سو کنج
لیا ماکہ اپرا دیے زرین سپر — پھرا منس پو ماری اچالی دی و پیچ
ماری سر اپر تیغ آہن گذار — و بے شرم بہ پر کواٹ دین پکر
سپر سر اپر اس ہوا جون خیار — لیا جا کو قوت نے دو ٹکرے جنکیرا
جون اس شیر کی تیغ کاتی سپر — توشہ نے تو نیو را کو کمراہ پترا
چرایا بھی طہاس بد خواہ سر — خنجر ماری یون تس کمر کاہ پرا
کھوسے کے عینن کون پرایا او تیز — انی جہل کہ تیون ناف نے ہو کو پار
چلیا تازی کون لیکر راہ گریز — پری تیون سو الٹا ہو جون کر ہشار

جنگ مغلوبیہ کا انداز ملاحظہ ہو:-

خاور نامہ	ظفر نامہ
لیا ت ہات اس وقت شمشیر شیر	دیا حکم مروان کہ تین تب یزید
بہت سر جو تن تے انے لیا بازیر	نکالو اتا بہار لشکر شدید
ہر یک حملہ مین ماریا دل ان سوار	اسی حکم مین چار دہ لک سوار
وہان تین سو مرد پینے نام دار	ملاان مین کنجر متی کے ہزار
انے گرز سے ہات شیر نبرد	سگل تین ملا چار دہ فوج کر
کو نیا بھوت استیار سر ہاے مرد	پیس و پیش دین بحر کا موج کر
چلے سگل یاران حیدر زجاے	چلا لوٹ کہ بہار مروان لعین
پاے ہالشکر کون سگل زپاے	کھڑا بہر رہیا جاکو تب نزدھن
دو لنگ کا لشکر وان آیا بہم	یو یزیدیان چار دہ فوج ہو
ہوا سب بہرپایا کہ زیر و بم	کھڑے باند صف بحر کہ موج ہو
اٹھے گرد مردان جو گیتی شتاب	دمامے بجاتے ماہ سیاہ
ہوا کالا اسنبار کون آفتاب	نشانان کھڑے کھول ازرو سیاہ
ہوا وان جگا جاگ تیغ و تبر	دگر ایسا ہنگامہ تو یو شیر نر
جو نہیں ہوش ہے کان مین یکدگر	ترنگر تین وتا آکو میدان پر
نیزے کیان سنبان کیان خون نجاک	محمد حنیفہ نے صف صفدری
زرہ تن پر مردان سب چاک چاک	نشانان کھڑے کھول کر حیدری
نیزے کیان سنبان سینہ چیر تہان	طبل حیدری یون تو بجنے لگیا
کھولیان وان سنبان پی کلو کرتہان	کہ جون جگ پر بادل گرجنے لگیا

خاور نامہ

وان پیکان کھولیان پے بندگرہ
تھا لہو بہتا بہتا تھا زمین کے اوپر
سواران کے پانو نہاری تین لگ دگر
بھی یک طرف تھی کوئی خاوران

برستے تھے شمشیر و گرز گران
بہی یکطرف تھے کوئی خبردار نہین
کہ لشکر کئی جھگڑا کرتے وہین
تھی وضع ہونا تھا تا شاہ زنگ
زمین کیتا رولیان کی لشکر پڑھک
علم شاہ مغرب کیا سرنگون
دیا دان اجت جاکر در موج خون
فلک کا دامن سب شفق خون کیا
زمین کی تلین جون فریدون کیا

ظفرنامہ

یو سنکر صدا تب حصار دمشق
لرزنے لگیا چھوڑ جھگڑے کا عشق
جب اس وضع آراستہ صحن ہوا
یو دہشت کے دو فوج سب سین ہوا

. . . .

ز زنگ تین سو کر گرم کا دی مین لیا
سکل تین سودین بانوی وادی مین کیا
کہ مغرب مین کہ فوج مشرق منی
سین مارتے تورتے لیا امنی
جنوبی مین کا فوج سٹ ور شمال
اشارت کیے بھائی تین جگ جال
دلیٹ دوا اشارت سکل تین سنبھال
فرنگ پیچ کر ہور ترنگ تین اچھال
صف اسلام کا ے کو ہشتا دہزار
بیتے پر کوپر جا ردہ لک سوار
مجان لگے سب تو یون ارنے
کہ دعوی حسین نبن سارنے
نران کا تو سنکر بلند: ی ہو

ظفرنامہ	خاورنامہ

لرزنے لگے بحر و بر چار سو،

کہ چونکہ ہر یو غل اٹھا مار مار

بکر سورنا سوٹ کیا تھا ہنکار

اس مقابلہ سے واضح ہو سکتا ہے، اگرچہ دونون فارسی سے ترجمہ کی گئی ہین، مگر رستمی جس خوبی سے نفس مضمون کو سادہ زبان مین ادا کیا ہے، وہ قابل تعریف ہے، خاورنامہ کے اکثر حصے نظم نہین بلکہ نثر معلوم ہوتے ہین، دونون کتابون کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہی کہ لڑائی کے حالات، مقابلہ کے واقعات حملہ کی کیفیت رستمی نے جس خوبی سے بیان کئے وہ لطیف نے بیان نہین کئے،

مضمون کی طوالت کے خوف سے مین اس کے متعلق مزید صراحت نہین کرتا، مختصر طور پر رستمی کے کلام کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے اسکو ختم کرتا ہون،

خاورنامہ کی خصوصیات مین نے مختصر طور پر ابتدا مین بیان کر دیئے ہین، کلام کے اقتباسات سے واضح ہوسکتا ہے، رستمی کس قدر بلند پایہ شاعر تھا، اس نے اس قدر ضخیم مثنوی جو چوبیس ہزار شعر پر مشتمل ہے صرف ڈیڑھ سال کی مدت مین مرتب کر دی،

خاورنامہ باوجود اپنی ضخامت کے مسلسل قصہ ہے، اسکی زبان بالکل صاف اور سادہ ہے، بلکہ اکثر مقامات پر نظم نہین بلکہ نثر معلوم ہوتی ہے، جو مثنویان اسکے بعد لکھی گئی ہین ان پر زبان کی سادگی اور اسلوب بیان کی خوبی کے لحاظ سے فوقیت رکھتی ہے اسکے مطالعہ سے بخوبی ثابت ہوسکتا ہے کہ رستمی نہ صرف زبردست شاعر بلکہ استاد فن تھا، شاعرانہ قابلیت مین وہ اپنا آپ نظیر تھا،

رستمی نہ صرف مثنوی گو تھا بلکہ اس نے قصائد اور غزل بھی کہے تھے، جو افسوس ہے مفقود ہین، ممکن ہے کبھی ان کا پتہ چل جائے، اور رستمی کے کمال کو ظاہر کرین، بہرحال خاورنامہ ہی رستمی کے اعلیٰ شاعر ہونے کی کافی ضمانت رکھتا ہے،

تلخیص و تبصرہ

فارس مین زلزلے

فارس مین بحیثیت مجموعی یورپ سے کم مگر اکثر ایشیائی ممالک سے زیادہ زلزلے آتے ہین، تاہم ان کا ذکر کتابون مین کم آیا ہی، واٹسن (WATSON) کا بیان ہی کہ فارس کے بیشتر حصون مین زلزلے نہایت کثرت سے آتے ہین، الیمین (ALLEMAYNI) ان کا شمار طاعون اور محط کے ساتھ کرتا ہی جن سے ملک کو برابر خطرہ رہتا ہی، ناصر خسرو (سنہ ۱۳۴۲ء) کی روایت ہی کہ اباقاخان (سنہ ۱۲۶۷ء) کے عہد حکومت مین نیشاپور ایک زلزلے سے بالکل برباد ہو گیا تھا، واحد الدین زنگی نے سنہ ۶۶۹ھ (سنہ ۱۲۷۰ء) مین اسے دوبارہ تعمیر کیا، اسی طرح کا ایک زلزلہ اس شہر مین سنہ ۸۰۸ھ (سنہ ۱۴۰۵ء) مین آیا جس سے اکثر باشندے ہلاک ہو گئے، یاقوت کی تصنیف "معجم البلدان" مرتبہ رکن الدین کوہی مین بیان ہی کہ تیسری صدی کے آغاز مین شہر مین شیراز کا ایک فاضل منجم ابوطاہر نامی رہتا تھا، جس نے پیشینگوئی کی تھی کہ سنہ ۲۳۵ھ (سنہ ۸۴۹ء) مین آفتاب کے برج عقرب مین داخل ہونے پر تمام شہر مین زلزلہ آجائے گا، یہ دیکھکر کہ لوگ اس پیشینگوئی کا یقین نہین کرتے اس نے صوبہ دار سے درخواست کی کہ ان کو جبریہ شہر سے باہر کر دیا جائے، صوبہ دار نے حتی الامکان سب کچھ کیا لیکن وہ نصف سے زیادہ آدمیون کو ہٹا نہ سکا، زلزلہ ٹھیک اسی وقت پر آیا جس کی پیشینگوئی کی گئی تھی، اور چالیس ہزار جانین تلف ہوئین، اسی صوبہ مین کوشان مین سنہ ۱۰۵۲ء مین ایک سخت زلزلہ آیا جس مین دو ہزار آدمی ہلاک ہوئے اس کے بعد

۱۸۶۱ء، ۱۸۹۳ء اور ۱۸۹۵ء مین زلزلے آئے اور آخر لوگون نے اس شہر کو چھوڑ دیا، ۱۸۳۰ء مین واٹسن کے بیان کے مطابق فارس مین متعدد زلزلے آئے، موریئر (MORIER) لکھتا ہی بعض اوقات دماوند مین نہایت سخت زلزلے آتے رہے، جون ۱۸۱۱ء مین جب ہملوگ وہان تھے تو ایک سخت زلزلہ آیا اور نو سال قبل (۱۸۰۲ء مین) یہ زلزلے ایسے سخت اور متواتر تھے کہ مازندران کے بہت سے گاؤن بالکل برباد ہوگئے، اسی طرح سمنان اور دامغان کے شہرون کو شدید نقصان پہونچا، بیان کیا جاتا ہی کہ کل ستر شہر اور گاؤن برباد ہوگئے، تبریز اور اس کے نواح کے زلزلون کے متعلق شہادتین بہت کافی ہین، لے اسٹرینج (LESTRANGE) نے ان زلزلون کا ذکر کیا ہی جن سے ۸۵۸ء اور ۱۰۴۲ء مین تبریز برباد ہوا اور چالیس ہزار باشندے ہلاک ہوئے، ۱۷۲۱ء مین تبریز مین ایک ایسا سخت زلزلہ آیا جس سے اسّی ہزار جانین ضایع ہوئین، میلکم اپنی تاریخ فارس مین لکھتا ہی کہ اس زلزلہ مین تبریز بالکل برباد ہوگیا اور ایک لاکھ آدمی ہلاک ہوئے، تبریز کے متعلق موریئر ۱۸۱۱ء مین یہ لکھتا ہی کہ دیوارون کے قریب باب طہران سے ملی ہوئی ایک منہدم مسجد ہی جو چھ سو سال قبل تعمیر ہوئی تھی، اور تیس سال کے اندر ایک زلزلہ سے مسمار ہوگئی، یہان کے باشندے متواتر اور سخت زلزلون کی شکایت کرتے ہین جنکا سبب ان کے نزدیک وہان کے کوہ آتش فشان ہین جنمین سے شعلے نہین مگر دھوان نکلتا ہی، دھوان اتنا تیز اور مضرت رسان ہوتا ہی کہ اگر اس مین کوئی کتا یا مرغ پڑجائے تو فوراً ہی مرجائے، زلزلون کے خطرہ سے اہل تبریز جہان تک ممکن ہوتا ہی عموماً پست مکانات بناتے ہین، اور بجائے اینٹ اور چونے کے تعمیر مین لکڑی استعمال کرتے ہین، یہی سبب ہی کہ بازارون مین صرف لکڑی کی چھتین ہوتی ہین، اور محراب نہین ہوتے" ۱۸۱۱ء مین موریئر قزوین کے ذکر مین لکھتا ہی کہ "یہ تقریباً کھنڈر تھا، حال ہی مین ایک زلزلہ سے عمارتین گرگئین، اور قریب قریب ہر دیوار مین شگاف پڑگئے، بنوعباس کی تعمیر کردہ ایک بڑی مسجد

بالکل مسمار ہوگئی ہی، اور اسکی موٹی موٹی دیوارین بہت سے مقامات پر پھٹ گئی ہین، جنوبی فارس مین اگرچہ مقامی روایات اور موجودہ لوگون کے بیانات یہ ہین کہ اس حصہ مین بھی زلزلون کی آمد اکثر ہوتی رہتی ہی، تاہم حال کی کتابون مین اسکا ذکر کم آیا ہی، یہ امر قابل لحاظ ہی کہ ساسانی وقتون اور بعد کے بنے ہوئے زبردست پلون مین سے جنمین سے اکثر نہایت خوبصورت، ٹھوس، اور مضبوط تھے، اس وقت ایک بھی موجود نہین تھے، ان مین سے بعض کے کھنڈر دیکھکر یہ پتہ چلتا ہی کہ زلزلہ نے ان کی یہ حالت کر دی ہے، ولس (WILLS) نے بہت تفصیل کے ساتھ شیراز کے ایک زلزلہ کا ذکر کیا ہی، جو ۱۸۶۰ء اور ۱۸۶۹ء کے درمیان آیا تھا، اور جس سے بہت زیادہ اتلاف جان ہوا، اسکا بیان ہی کہ اسکے قیام کے زمانہ مین نواح مین چھوٹے چھوٹے زلزلے اکثر آیا کرتے تھے، چنانچہ اب تک وہان لکڑی کے مکانات کو جو باغون مین ہوتے ہین زلزلہ خانہ کہتے ہین، ۱۸۹۰ء مین فارس (FARS) مین کئی بار زلزلہ آیا اور جہروم مین تقریباً تیس آدمی ہلاک ہوئے، فروری ۱۸۹۴ء کے آخر مین شیراز اور اس کے نواح مین ایک زلزلہ آیا، جس سے جان اور مال کا نقصان ہوا، مستوفی نے سیستان کی ایک سونے کی کان کا ذکر کیا ہی، جو دور آخر کے غزنویون کے عہد مین ایک زلزلہ کے باعث برباد ہوگئی تھی، اور اس طرح دب گئی تھی کہ اس کی جگہ تک دکھائی نہین دیتی تھی،

حال مین دو سخت زلزلے اضلاع ناہندان اور سیستان مین ۱۲ ر و ۱۳ ر مارچ ۱۹۲۸ء کو آئے، اور ۲۳ ر اگست ۱۹۲۸ء کو ایک زلزلہ نمودار ہوا جسکا اثر سبزوار نیشاپور اور شروان مین محسوس ہوا، اس سے دس جانین ضایع ہوئین، ایک نہایت سخت زلزلہ ۲ ر مئی ۱۹۲۹ء کو آیا، اور صوبہ خراسان مین چوبیس گھنٹے کے اندر دور و دراز مقامات پر بارہ مرتبہ اس کے صدمات محسوس ہوئے، شروان بجنرد، اور جاجرم کو سخت نقصان پہونچا، اور سرحد کے پار ضلع اسخ آباد مین ایکہزار آدمی ہلاک ہوئے، فارس کے اندرونی حصہ مین بھی اس زلزلہ کا اثر دور تک پہونچا، اور خاکی اور باغم کے شہرون کے

درمیان اٹھارہ میل تک تین گز چوڑا اشگاف زمین مین ہوگیا، ۳۲۵۴ آدمی ہلاک ہوئے ۱۱۲۱ زخمی ہوئے، ۸۳ گاؤن برباد ہوگئے، اور ۲۲۴۲۵ جانورون کی جانین گئین، ایک اور زلزلہ ۷ مئی ۱۹۳۰ء کو سلماس (SALMAS) مین آیا جسمین تقریباً دو ہزار جانین تلف ہوئین،

فارس مین زلزلون کی کثرت کا اندازہ حسب ذیل اعداد سے ہوتا ہی:-

(۱) ۸۵۵ء سے ۱۸۰۰ء تک پینتالیس زلزلون کے حالات قلمبند ہین جنمین سے زیادہ تر ۸۵۵ء اور ۱۷۲۵ء کے درمیان واقع ہوئے، اس طرح تیس سال مین ایک زلزلہ کا اوسط پڑتا ہی،

(۲) دوسرا عہد ۱۸۰۰ء سے ۱۹۰۰ء تک ہی، اسمین ستر زلزلون کا بیان ہی،

(۳) ۱۹۰۰ء سے ۱۹۳۰ء تک پچاس زلزلے آئے یعنی تقریباً ہر ششماہی مین ایک زلزلہ،

(بلٹن اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز، لندن)

ہندوستان کی تعلیمی حالت پر ایک نظر

بڈفرڈ کالج (BIDFORD COLLEGE) لندن یونیورسٹی نے اپنے ہان ہندوستان کے موجودہ مسائل پر متعدد تقریرون کا اہتمام کیا ہی اس سلسلہ کی پہلی کڑی سر فلپ ہارٹوگ (SIR FHILIPHART OG) کی تقریر ہی جسمین سابق صدر تعلیمی کمیٹی، سائمن کمیشن نے ہندوستان کے مسئلہ تعلیم سے بحث کی ہی، سر تھیوڈور مارسین (SIRTHIODOREMORISON) نے کرسی صدارت سے تقریر کرتے ہوئے بیان کیا کہ اس مضمون کا تعلق بہت کچھ گول میز کانفرنس کی کارروائی سے ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جو دستوری انقلابات اس وقت زیر غور ہین، انکی کامیابی یا ناکامی بڑی حد تک خود مختار ہند کے باشندون کی تعلیمی حالت پر منحصر ہین، انیسوین صدی کے ابتدائی دور کے بعض اہل فکر کے ذہن مین یہ بات تھی کہ ایک روز آنے والا ہی جب مغربی تعلیم کے زیر اثر ہندوستانیون

کے دماغ مین حکومت خود اختیاری کا ایک زبردست اور ناقابل برداشت جذبہ پیدا ہوگا، سر فلپ ہارٹوگ نے یہ یاد دلاتے ہوئے کہ موجودہ تعلیمی نظام کی ابتدا سر چارلس ووڈ (موجودہ وائسرائے کے دادا) (SIR CHARLES WOOD) صدر بورڈ آف کنٹرول (BOARD OF CONTROL) کے مراسلہ مورخہ ۱۸۵۴ء سے پڑتی ہی کہا کہ امریکہ مین پروپگنڈا کے ماتحت جس کے دور کرنے کی ہم نے کچھ بھی کوشش نہین کی ہی بہتیرے آدمیون کو پختہ طور پر یقین ہی کہ برطانیہ نے عمداً ہندوستان کو ایسی تعلیم دی ہی جو غلامی کی ذہنیت کے مناسب حال ہو، انھون نے بیان کیا کہ سر چارلس ووڈ کا مراسلہ اور اس پر جو عمل درآمد ہوا وہ اس الزام کا کافی اور مسکت جواب ہین، ان کے علم مین تعلیم کی تاریخ مین اس سے زیادہ مدبرانہ اور جمہوریت پسند مسودات بہت کم ہین،

سر فلپ ہارٹوگ نے ہندوستانی یونیورسٹیون پر تنقید کرنے والے دو انتہا پسند گروہون کے خیالات بیان کئے، ایک گروہ تو ان پرانے طرز کے لوگون کا ہی، جنکا خیال ہے کہ ہندوستانی یونیورسٹیون مین صرف اساتذہ ہی نے معیار تعلیم کو قایم کیا ہی، اور تشکیل سیرت کو یونیورسٹی کے اہم ترین مقاصد مین شمار کیا ہے، دوسری طرف وہ گروہ ہے جنکا خیال ہے کہ ہندوستان مین انگریزون کے آنے سے پہلے تعلیمی حالت بالکل درست اور مناسب تھی، نظام تعلیم کی تمام خرابیان انگریزون ہی کے قدم کی برکت سے ہین، اور جدید دور حکومت کے قیام کے ساتھ ہی موجودہ نقائص ایک دم غائب ہوجائین گے، سر فلپ ہارٹوگ کی رائے مین حقیقت ان دونون خیالات سے علحدہ ہی، برطانوی مہتممین تعلیمات کا اصل قصور یہ تھا کہ انھون نے سطح نظر کافی بلند نہین رکھا، دوسری طرف یہ لوگ انفرادیت کی اہمیت سے بھی بے خبر رہے، علاوہ برین انھون نے ان قوتون کا اندازہ بھی کم کیا، جو صدیون سے ہندوستانی دماغ مین پوشیدہ تھین، لیکن انگریزون کا یہ دعویٰ زیادہ مضبوط ہی کہ انھون نے معیار نظم کو قایم رکھا یا کم ازکم اسے قایم رکھنے کی کوشش کی، ہندوستانی ممتحنین مین بعضون کا (سب کا نہین) یہ خیال ہے کہ یونیورسٹی کی ڈگری کوئی

ایسی سند نہین ہی، جو صرف انھین لوگون کو دیجائے جو حقیقی معنون مین اس کے اہل ہین اور جس سے عوام کو اطمینان ہوسکے کہ اس کے حاصل کرنے والے دراصل ویسی قابلیت بھی رکھتے ہین، بلکہ یہ کہ یہ ڈگری ایک ایسی سند ہے، جو مستحقین کو فیاضی کے ساتھ دینی چاہیے، اس قسم کی رعایتون کے خلاف اکثر انگریزون نے جد و جہد کی ہی اور خوش قسمتی سے اب ہندوستان کی بڑی بڑی یونیورسٹیون کے اساتذہ مین جو حقیقۃً صاحب فضل و کمال ہین ایک نئی روش پیدا ہو رہی ہی۔

سر فلپ ہارٹوگ کی تقریر کا ایک اہم حصہ وہ تھا جس مین انھون نے اس انقلاب کے امکان سے بحث کی جو ہندوستانی نظام اور قومی جذبہ کے ماتحت تعلیم مین پیش آنے والا ہی، ایک پادری نے پیشنگوئی کی ہی کہ نئے دور حکومت مین تعلیم مغربی نہ رہجائیگی، بلکہ مشرقی ہوجائیگی، اور اس طرح ہندوستان ایکہزار سال پیچھے ہوجائیگا، اور اس قدیم زمانہ کی یاد تازہ کریگا جب وہ [illegible] قیمتی خیالات کثرت سے دوسرے ملکون کو دیا کرتا تھا، مگر خود ان کے عوض مین کسی ملک سے کچھ نہ لیتا تھا، اس سلسلہ مین یہ امر قابل لحاظ ہی کہ مسٹر شاستری جیسا محب وطن بھی اس خطرہ سے واقف ہی، حال مین انھون نے لندن مین تقریر کرتے ہوئے بیان کیا کہ مجھے قوی امید ہی کہ جذبہ وطنیت کو غلط طور پر استعمال کرکے انگلش لٹریچر کو جس کی بدولت ہندوستان کو موجودہ سیاسی امیدین حاصل ہوئی ہین ہائی اسکولون اور یونیورسٹیون مین اس کے مرتبہ سے گرایا نہ جائیگا" سر فلپ ہارٹوگ نے جنکا خطبہ تمامتر ہندوستانی ذہنیت کیساتھ ہمدردی سے پُر تھا، اس امر کیجانب توجہ دلائی کہ سائنس کی حکومت مین قومی حدود کا وجود نہین ہوتا، البتہ ایسے حدود لٹریچر، آرٹ، فلسفہ، اور مذہب مین ہوتے ہین، لیکن بڑی بڑی قومون مین یہ حدود ایک دوسرے سے ملکر ان قومون کیلئے باہمی استفادہ کا باعث ہوتے ہین، موجودہ دور مین ہندوستان کے سب سے بڑے اہل قلم سر رابندر ناتھ ٹیگور کی ہندوستانیت مین اس کمال کی وجہ سے کوئی کمی نہین ہوتی جو انھین مغربی تعلیم و تمدن مین حاصل ہی، سر فلپ کو یقین نہین کہ اس زمانہ مین جبکہ اختراعات سائنس نے اقوام عالم کو باہمی تبادلہ خیالات مین ایک دوسرے سے اسدرجہ قریب تر کردیا ہے، ہندوستان از سر نو تمام دنیا سے علحدہ اپنی ایک راہ اختیار کریگا، (ٹائمس تعلیمی ضمیمہ)

برطانوی یونیورسٹی مین ہندوستانی تہذیب و تمدن

ٹائمس مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۱ء مین گیارہ ذمہ دار اشخاص کے دستخط سے ایک خط شایع ہوا ہی جسمین یہ اہم تجویز پیش کی گئی ہے، کہ انگلستان کی کم از کم کسی ایک یونیورسٹی مین ہندوستانی تہذیب و تمدن (CULTURE) کی تعلیم بھی نصاب مین داخل کیجائے، اور اس کے لئے ایک مستقل پروفیسر مقرر کیا جائے، صاحبان مراسلہ کے نزدیک یہ ایک ضروری امر ہی نہ صرف اس لئے کہ انگلستان کو ہندوستان سے بہتر طور پر واقفیت ہو، بلکہ اسلئے کہ ہندوستانی طلبہ اساتذۂ فن کی نگرانی مین خود اپنی تہذیب و تمدن کا مطالعہ کر سکین اور اس کی اہمیت سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کرین، یہ الزام کہ انگلستان باوجود اپنی اہم ذمہ داریون کے جو اقوام مشرق سے متعلق اس پر عاید ہوتی ہین، مشرقی تہذیب و تمدن کی جانب سے بالکل غافل تھا، ایک بڑی حد تک اس طرح دور کیا گیا کہ دوران جنگ مین لندن یونیورسٹی مین اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز (SCHOOL OF ORIENTAL STUDIES) قایم کر دیا گیا جہان اساتذہ کا زیادہ وقت ہندوستان کی تاریخ، مذہب، لٹریچر، اور قانون کی تعلیم مین صرف ہوتا ہی، لندن یونیورسٹی مین طلبہ کو اختیار ہی کہ وہ ہندوستانی علم آثریات (ARCHAEOLOGY) کو آنرس کورس مین اپنے لئے منتخب کر سکتے ہین، دوسری یونیورسٹیون مین بھی ضمناً کسی حد تک ہندوستانی علوم و فنون کی تعلیم ہوتی ہی، لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ انگلستان کی کسی یونیورسٹی مین ان کے لئے کوئی مستقل پروفیسر یا لکچرر نہین ہی، اس مضمون پر حال مین مسٹر کوڈرنگٹن (K. DE. B CODRINGTON) نے کسی اخبار کے مراسلہ مین لکھا تھا کہ زبان اور تاریخ کی تعلیم ایک چیز ہے، اور سائنٹفک تمدنی تعلیم، انسانیات (ANTHROPOLOGY) اور علم آثریات (ARCHAEOLOGY) بالکل دوسری چیز ہے، ادبیات ہند کی تعلیم تو ڈیڑھ صدی سے ہو رہی ہے، کیا ابھی وقت نہین آیا کہ ہندوستان کی تہذیب و تمدن کا مطالعہ بھی شروع کر دیا جائے،

جس خط کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اسمین یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق مفصل طور پر غور و بحث کرنے کے لئے جلد از جلد ایک کمیٹی مقرر کیجائے، اس مسئلہ سے بہت کچھ ملا ہوا یہ سوال بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ دنیائے اسلام سے برطانیہ کے نہایت اہم اغراض وابستہ ہین، تاہم قانون اسلام کو وہان اتنی حیثیت بھی نہین حاصل ہے جتنی فرانس یا دوسرے یورپین ممالک مین جہان اس کی تعلیم کے لئے یونیورسٹیون مین مستقل پروفیسر مقرر ہین، لندن یونیورسٹی مین آئی، سی، ایس کے امیدوارون کو شرع محمدی اور دھرم شاستر کی تعلیم دیجاتی ہے، جیسا کہ یہ دونون قوانین برطانوی ہندمین نافذ ہین، لیکن خود مملکت انگلیشیہ کے اندر ہندوستان اور ملایا کی مسلمان ریاستین، مشرقی افریقہ، سائپرس، نائجیریا، اور اس کے باہر مصر، سوڈان، عراق، فلسطین اور زنجبار ہین جن سے مملکت انگلشیہ کے خاص تعلقات ہین اور جہان شرع محمدی کو نہایت اہمیت حاصل ہے، ان ممالک مین قانون اسلام کی اہمیت اس سے کہین زیادہ ہے جتنی برطانوی ہندمین اسکو حاصل ہے، اس وسیع مضمون کی تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ قانون اسلام کا ایک مستقل پروفیسر ہو، حال مین لندن یونیورسٹی کے امتحان ال، ال، بی، کا نصاب ایک کمیٹی کے سامنے زیر بحث تھا، اس کمیٹی کی رائے تھی کہ علاوہ اس شرع محمدیؐ کے جو برطانوی ہندمین رائج ہے، اصل قانون اسلام بھی نصاب مین داخل کردیا جائے، لیکن پھر اس کے لئے ایک خاص پروفیسر کی ضرورت تھی، اور کمیٹی کو معلوم تھا کہ نہ تو یونیورسٹی خود اس بار کی متحمل ہوسکتی ہے، اور نہ اس کے کسی اسکول کے پاس ایسے پروفیسر کی تنخواہ کے لئے کافی سرمایہ ہے، ضرورت ہے قانون اسلام کے ایک پروفیسر کی یا کم از کم ایک ریڈر کی موخر الذکر کے لئے بیس ہزار سے پچیس ہزار پونڈ تک کے مستقل سرمایہ کی ضرورت ہوگی، اور پروفیسری کے لئے تیس ہزار پونڈ یا اس سے بھی زیادہ چاہئین۔

"ع ز"

لغات جدیدہ

بیس ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عہ

اخبار علمیہ

ہندوستان اور کینیڈا کے فضائی حالات مین مناسبت

علم فضا کے نصف صدی کے تجربات و تحقیقات کے مطالعہ سے قیاس کیا گیا ہے کہ ہندوستان اور کینیڈا کے فضائی حالات مین باہمی نہایت گہرا تعلق ہے، چنانچہ نصف صدی کا تجربہ بتاتا ہے، کہ اگر ہندوستان مین گرمی کا زمانہ نہایت شدت سے گذر گیا تو کینیڈا مین ٹھیک اس کے چھ مہینے کے بعد جاڑون کا موسم نہایت لطیف اور خوش گوار ہوگا، اور اگر ہندوستان مین گرمیون کے دنون مین چند مخصوص قسم کی بارش ہو جائیگی، تو کینیڈا مین اس کے چھ مہینہ کے بعد نہایت شدت کے جاڑے پڑین گے،

ہر ایک قوم کی مخصوص غذا

مختلف علمی تجربون سے یہ پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہے، کہ انسان جس قسم کی غذا کھانے کا عادی ہوتا ہے، وہی غذا، اس کے اور اس کی پوری قوم کے لئے طبیعت و صحت کے لحاظ سے مفید ہوتی ہے، اگر معمول غذا کو ترک کرکے کوئی دوسری غذا اختیار کر لیجائے تو صحت کو نقصان پہونچیگا، اور جسمانی اور عقلی قوا کمزور ہو جائین گے، چنانچہ امریکہ کے چند ماہرین فن نے اس امر کی تحقیق کیلئے ابھی حال مین خود متعدد تجربے کئے، اور تجربہ کے لئے خود ایسی غذائین کھانے لگے، جو اسکیمو قوم کی مخصوص غذا ہے، اور اسی کے ساتھ ان لوگون نے اسکیمو قوم کے افراد کو یورپ و امریکہ کی معمول غذائین کھلائین، چنانچہ ان دونون قسم کے لوگون مین غذا کے تغیر کے اثرات پیدا ہوگئے، اور

دونون گروہ معدہ اور دانت کے امراض مین مبتلا ہو گئے، اور دونون کے جسمانی قویٰ پر خاص اثرات مترتب ہو گئے پھر اسی قسم کا تجربہ افریقہ کی زنگی قوم کے چند افراد کے ساتھ کیا گیا، جس سے سابقہ تجربہ کی مزید تائید ہوئی، اور اب اصولی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے، کہ غذا کی نوعیت مین تغیر و تبدل کرنا صحت کے لئے مضر ثابت ہوتا ہے،

زمین کا وزن

آج کل پروفیسر ہائل واشنگٹن یونیورسٹی امریکہ تقریباً سات برس سے زمین کا صحیح وزن دریافت کرنے مین مصروف تھے مگر چونکہ کرۂ زمین کی سطح مین استوا نہین ہی، اس لئے پروفیسر ہائل کو اس کا ثقل دریافت کرنے مین شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن مسرت ہے کہ اب ان کی تحقیقات اپنے آخری نتیجہ تک پہونچ گئی ہے، چنانچہ انکی تحقیق کے روسے زمین کا صحیح وزن ۵۹۲ عدد مین داہنی طرف ۱۸ صفر کے اضافہ کے ساتھ قرار پایا ہے، اور ماہرین فن کے نزدیک زمین کا یہی وزن تسلیم کر لیا گیا ہے،

مچھلی کا کہربائی شکار،

چند سال ہوئے، سوئڈن کے چند ماہرین نے مچھلی کے شکار کے لئے ایک کہربائی جال تیار کیا تھا، اور جنگ سے قبل اس کا عملی تجربہ سوئڈن اور جرمنی مین کیا گیا تھا، جو کامیاب ثابت ہوا تھا، چنانچہ اب دنیا کے تمام بڑے بڑے شکار گاہون مین مچھلی کے شکار کیلئے یہی جال استعمال کیا جاتا ہی، کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ مچھلی، تمام حیوانات مین برقی رو سے سب سے زیادہ جلد اور سخت اثر قبول کرتی ہے، یعنی پانی پر جیسے ہی برقی رو کی لہرین پڑتی ہین، وہ مدہوش ہو کر آپ سے آپ پانی کے اوپر آجاتی ہے، اور پھر تھوڑی دیر مین برقی لہر کی تڑپ سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے، اس لئے یہ کہربائی جال حقیقت سے زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہی، اور اس کی وجہ سے مچھلی کے شکار مین بہت زیادہ آسانی پید

ہو گئی ہے،

گھوڑ دوڑ کے مشاہدہ کے لئے ایک آلہ کی ایجاد،

چند سال ہوئے مسٹر ہاربرڈ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا، جس کے ذریعہ سے انسان دور دراز کی چیزون کی اصلی شکل وصورت، وضع قطع، اور صحیح نقل وحرکت کو دیکھ سکتا ہے، اس آلہ کا تذکرہ اکثر ان صفحات مین آچکا ہے، اب یہ متمدن ملکون مین عام طور پر رائج ہو چکا ہی، اور آج کل ایک فرانسیسی موجد اسی آلہ کو مختصر قالب مین ڈھالنے کی فکر مین مصروف ہے، کہ وہ اسقدر چھوٹا ہو جائے کہ جیب مین بھی رکھا جاسکے، فرانسیسی ماہر کی یہ تمام کوششین اس لئے ہین کہ اس آلہ کے ذریعہ سے گھوڑ دوڑ کے دیکھنے مین آسانی پیدا ہو جائے خیال ہے کہ زیر نظر آلہ کی ایجاد کچھ مستبعد نہین ہی، اگر یہ ایجاد ہو گیا تو لوگ بڑے بڑے جلسون کی شرکت سے بے نیاز ہو جائین گے اور نہایت آسانی سے اپنے جیبی آلہ کی مدد سے دور ہی سے کھڑے کھڑے سب تماشے دیکھ سکین گے،

ایشیاے کوچک مین ایک امریکن وفد کی تاریخی تحقیقات

ایک امریکن وفد علمی و تاریخی تحقیقات کے لئے ایشیاے کوچک گیا ہوا ہے، یہ آجکل یہان کی ایک خاص قوم کی مدنیت کا سراغ لگا رہا ہے، چنانچہ اس وفد نے چند ایسے آثار دریافت کئے ہین، جو تاریخ کے دور حجری سے وابستہ ہین اور یہ قوم ان اطراف مین آج سے تقریباً بارہ ہزار برس پہلے سکونت پذیر تھی، اس قوم کے آثار مین اس زمانہ کے چند مکانات قلعون اور عبادتگاہون کو دستیاب کر لیا گیا ہے، اس امریکن وفد نے ایسی چند اینٹین بھی پائی ہین، جن پر کتبات منقوش ہین، لیکن وہ ابھی تک حل نہین کئے جاسکتے ہین، مگر یہ اندازہ لگا لیا گیا ہے کہ ان کا زمانہ کم از کم بارہ ہزار سال ہے، نیز چند زیورات وغیرہ بھی دستیاب ہوئے ہین جن سے اس قوم کی اعلیٰ مدنیت کا سراغ لگتا ہے،

ستارون کی حرارت

بعض آلات رصدیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کی حرارت کا درجہ اور ستارون سے زیادہ نہین ہے البتہ بہت سے ستارے ایسے ہین جو اور ستارون کی نسبت سرد ہین اور سنیٹی گراد کے پیمانے سے انکی حرارت کا درجہ ۶ ہزار سے زائد نہین، حالانکہ اس پیمانے کے روسے اکثر ستارون کی حرارت ۲۳ ہزار سے زیادہ ہے، عام اصول یہ ہے کہ ستارہ جس قدر گرم ہوگا، اسی قدر اسکا رنگ سفید مائل بہ نیلگون ہوگا، اور جس قدر اس کی نسبی حرارت کم ہوگی وہ اسی قدر سرخ ہوگا، یہ تو ستارون کی حالت ہے، لیکن سیارون مین حرارت عموماً کم ہوتی ہے، سب سے زیادہ گرم سیارہ عطارد ہے، لیکن باوجود اس کے اس کی حرارت کا انتہائی درجہ فہرنھیٹ کے پیمانے سے ۷۰۰ سے زیادہ نہین، اور اس سیارے کو ہوا محیط نہین ہے، چاند کی حرارت اس کی حرکت کے اختلاف سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، لیکن باینہمہ بدر کامل ہونے کے بعد بھی اس پیمانے کے روسے اس کی حرارت کا درجہ ۳۵۵ سے زیادہ نہین بڑھتا،

ایک مصنوعی قالب انسانی،

امریکہ کے ڈاکٹر کلارک نے جسم انسانی کا ایک قالب اس غرض سے تیار کیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے علم تشریح کی تعلیم دیجاسکے یہ قالب انسانی جسم کے قدرتی قالب کے برابر ہے، اور انسانی جسم کے تمام اعضاء، مثلاً دماغ، پٹھے، ہڈیان، اور رگین اس مین پائی جاتی ہین، اور اس کی اندرونی چیزون کے دیکھنے کے لئے اس کو کھولا جا سکتا ہے، انھون نے مدتون مین اس کو تیار کیا ہے، اور وہ بالکل انسان کے جسم طبعی کی نقل ہے،

لچکدار پتھر،

امریکہ کے ایک شہر مین علوم طبعیہ کی اکاڈمی مین ایک عجیب وغریب پتھر آیا ہے، جو اسقدر نرم اور لچکدار ہے کہ اسکو ربڑ کیطرح لپیٹ لیا جاسکتا ہے، پھر اسکو کھول کر بڑھا سکتے ہین علماء اسکے خواص دریافت کر رہے ہین لیکن ابتک اسکے متعلق کچھ دریافت نہو سکا ہے،

"د ر"

ادبیات

یادگارِ شاد

حضرت شاد مرحوم عظیم آبادی

کرین افشا جو رازِ میکشی کو وہ کہان سمجھے
یہ یون بھی یون کہ تم سمجھو تمھاری یا زبان سمجھے

اسی کو خوف بھی ہوگا خزان و برق و طوفان کا
جو اپنے آشیان کو لے کے گل اپنا آشیان سمجھے

نکلنے دی نہ دل کی حشر تک مجھ کو دبا رکھا
ارے ظالم زمین قبر تجھ سے آسمان سمجھے

وہ کیا جائین جو سے پیکر بنا لیتے ہین منہ اپنا
نظر آخر یہ ہو جس کی وہ اسکی تلخیان سمجھے

ابھر جاؤ تو یون منہ سے نکالو گر نکالو بھی
کہ دل کا راز ہمدم اور نہ کوئی رازدان سمجھے

تمنائین بر آئین لے خدا صیاد کے دل کی
قفس کو عمر بھر ہم اپنا پیارا آشیان سمجھے

تشفی ہو گی آئیگا مزہ ناصح کی باتون مین
بلا سے گر نہ سمجھے ہو یہی کہدو کہ ہان سمجھے

اشارون کا مرے مطلب لگانا شاد مشکل ہر
مرے شعرون کو وہ سمجھے جو گونگے کی زبان سمجھے

ایضاً

وہ اسکی جھوم کے انگڑائیان خدا کی پناہ
وہ چشم مست کی ترچھی سنان خدا کی پناہ

وہ چھیڑنا مجھے اور دلبری کی مخفی گھات
ادا بھری ہوئی وہ شوخیان خدا کی پناہ

ٹھہر ٹھہر کے وہ عاشق کا نعرۂ یارب
وہ پچھلی رات مؤثر فغان خدا کی پناہ

سرشک غم زدہ عاشق کی دھیمی دھیمی چال
ڈبو نہ دے کہین سارا جہان خدا کی پناہ

جلے ہوئے دل عاشق کی بجھتی چنگاری
اور اسمین آگ کا طوفان نہان خدا کی پناہ

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ نثر اردو

مولفہ

جناب احسن مارہروی لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی حیدرآبادی مولف "دکن مین اردو"

گذشتہ چند سالون مین زبان اردو کے متعلق گل رعنا، دکن مین اردو، اردوے قدیم، شعر الہند، سیر المصنفین، پنجاب مین اردو، تاریخ ادب اردو، اردو زبان اور ادب، رار دو شہ پارے وغیرہ متعدد محققانہ کتابین لکھی گئی ہین ان مین سے ہر ایک اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے، اور ہنوز اس امر کی گنجایش ہے کہ اور نئی کتابین اس موضوع پر مرتب ہون، کہ علم ادب ریاضی نہین جسکا ہر مسئلہ یقینی اور قطعی ہو، اور نہ کوئی شخص دعوی کر سکتا ہے کہ اب مزید تحقیق اور اضافہ کی گنجایش نہین، اسی لئے اب محققین اردو ادھر متوجہ ہین، اور آئے دن نئی نئی کتابین اس عنوان پر لکھی جارہی ہین، چنانچہ اسی سلسلہ مین ابھی حال مین تاریخ نثر اردو شایع ہوئی ہے، اس کے مولف ہندوستان کے مشہور ادیب و شاعر جناب احسن مارہروی ہین، جن کے ادبی کارنامون سے اہل ملک بخوبی واقف ہین، ابھی چند سال پہلے وہ وَلی کا کلیات مرتب کرکے شایع کر چکے ہین،

زیر بحث تاریخ کے مضامین کا خلاصہ حسب ذیل ہو سکتا ہے:-

اولاً (۳۸) صفحون مین مقدمہ ہے، جسمین یہ بحث ہے کہ اردو کی ابتدا نظم سے ہوئی یا نثر سے؟ آغاز لفظ اردو کی تحقیق اور زبان اردو کی خصوصیات اردو الفاظ کی بنیادین، شمالی ہند مین اردو کیون دیر مین مروج ہوئی؟ اردو زبان کا عام اثر، اس کی باقاعدہ تدوین، اس کے متعدد نام، دیوان کی ترتیب نثر اردو کی تصنیف کا آغاز، موجودہ اردو کی ابتدا، آسان اور قابل تقلید اردو وغیرہ عنوان پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جس کے چھ دور سنہ ۸۰۰ھ / ۱۲۹۸ء سے سنہ ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء تک قایم کئے گئے ہین،

پہلا دور سنہ ۸۰۰ھ سے سنہ ۹۰۰ھ تک ۳ صفحون مین،

دوسرا دور سنہ ۹۰۱ھ سے سنہ ۱۰۰۰ھ تک ۳ صفحون مین،

تیسرا دور سنہ ۱۰۰۱ھ سے سنہ ۱۱۰۰ھ تک (۱۳) صفحون مین،

چوتھا دور سنہ ۱۱۰۱ھ سے سنہ ۱۲۰۰ھ تک ۱۹ صفحون مین،

پانچوان دور سنہ ۱۲۰۱ھ سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک ۱۰۸ صفحون مین،

چھٹا دور سنہ ۱۳۰۱ھ سے سنہ ۱۳۴۸ھ تک ۲۴۶ صفحون مین آیا ہے،

پہلے دور مین، ایک نثر کا نمونہ اور اس پر تبصرہ و کیفیت اور الفاظ قدیم و جدید دیئے گئے ہین،

دوسرے دور مین، دو نثرون کے نمونے ان پر تبصرہ و کیفیت اور الفاظ قدیم و جدید،

تیسرے دور مین، چار نثرون کے نمونے ان پر تبصرہ و کیفیت، اور الفاظ قدیم جدید،

چوتھے دور مین چار نثرون کے نمونے ان پر تبصرہ و کیفیت اور الفاظ قدیم و جدید،

پانچوان اور چھٹا دور زیادہ تفصیل کے ساتھ ہے، اس مین بھی خصوصاً چھٹے دور مین جو سنہ ۱۳۰۱ھ سے سنہ ۱۳۴۸ھ تک ہے، نہایت تفصیل کو کام مین لایا گیا ہے، اور ہر قسم کی نثرون کے نمونے مثلاً کتابی، قانونی، اخباری، اشتہاری عبارتون کے نمونے اور خطوط کے نمونے شامل ہین، جا بجا ان پر

تبصرہ کیا گیا ہے۔

ہر نمونۂ عبارت کے ساتھ امور ذیل کی خانہ پری کی گئی ہے :-

(۱) نام تصنیف، (۲) نام مصنف (۳) سنہ تصنیف

بادی النظر مین کتاب کا بڑا حصہ صرف عبارت کے نمونون پر مشتمل ہے، جو ممکن ہے کہ بقول بعض "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کا مصداق ہو، مگر جنکو اس قسم کے کامون کا تھوڑا سا بھی تجربہ ہے، وہ جانتے ہین کہ ان کا جمع کرنا، ترتیب دینا ان پر تبصرہ کرنا اور کیفیت لکھنا، کوئی معمولی کام نہین ہے، اس کے لئے برسون کی محنت سالہا سال کی کاوش اور عرق ریزی درکار ہے،

اردو کا میدان نہایت وسیع ہے۔ اس کی ہمہ گیری اور عالمگیری کو پیش نظر رکھکر اسکی تاریخ پر قلم اٹھانا معمولی کام نہین، کیونکہ ہندوستان کے ہر حصۂ ملک کے اردو کے خدمات سے پوری طرح واقف ہونا کوئی آسان بات نہین ہے، ہندوستان کے مختلف صوبون کا میدان بھی کافی وسیع جولانگاہ ہے، جسمین محققین اردو داد تحقیق دے سکتے ہین، اور حقیقت یہ ہے کہ ایک دکھنی ہرگز پنجاب کے کارنامون سے کما حقہ واقف نہین ہو سکتا، اور اسی طرح پنجابی دکن کے کارنامون سے، علی ہذا گجراتی، بہاری، شمالی ہندی وغیرہ جو اصحاب اس کی ہمہ گیری پر قلم اٹھاتے ہین۔ وہ واقعی بہت بڑا کارنامہ اپنی یادگار چھوڑتے ہین،

گل رعنا، اردوے قدیم، شعر الہند، سیر المصنفین، تاریخ ادب اردو، اور اردو شہ پارے اسی قسم کی کتابین ہین، اگرچہ ہر ایک اپنے مضمون کے لحاظ سے دلچسپ اور تحقیق کیساتھ مرتب ہوئی ہے، مگر مندرجہ صدر اصول کے لحاظ سے ان کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا، ان مین اکثر نامکمل ہین کہ انمین ہم کو پورے ہندوستان کے اردو کے کارنامے نظر نہین آتے اکثر صرف شمالی ہند کے کارنامون سے مخصوص ہین، حالانکہ اردو کی تاریخ مین جنوبی ہند کا خاص حصہ ہے، اس کو نظر انداز کر کے

اردو کی تاریخ ہرگز مکمل نہین ہوسکتی،

جناب احسن مارہروی شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے جس مضمون پر قلم اٹھایا ہے، اسکو بلا تعصب تحقیق کے ساتھ اور بڑی حد تک مکمل طور پر لکھا ہے، تاہم انسان کا کوئی کام مکمل نہین کہا جا سکتا بڑے بڑے محقق اور مورخ سے فروگذاشتون کا ہونا ناگزیر ہے، لیکن ان کی اصلاح ہر وقت ہوسکتی ہے، ذیل مین مولف ممدوح کو چند امور کی جانب توجہ دلائی جاتی ہے، جو میری رائے مین قابل اضافہ ہین،

(۱) ابتدائی دور مین جس قدر نمونے دستیاب ہوئے دیے گئے ہین، مگر چونکہ اس زمانہ مین بہت ہی کم کتابین لکھی گئی ہین اس لئے جو کتابین بھی ہین انکا اضافہ کرنا ضروری ہے پہلا اور دوسرے دور سے قطع نظر تیسرے دور مین صرف تین نثر کے نمونے پیش کیے گئے ہین، اس مین مزید کتابون کا اضافہ ہوسکتا ہے:

مثال کے طور پر ہم ذیل مین ایک نقشہ مرتب کرتے ہین، جس سے اندازہ ہوگا کہ ہر دور مین جنوبی ہند کی کن کن کتابون کی نثر کے نمونے باقی رہ گئے ہین، ہم ان تمام کتابون کا تذکرہ اپنی تالیف "دکھن مین اردو" اور رسائل کے بعض خاص مضامین مین کر چکے ہین،

دور	کتاب	مصنف	زمانہ	فن	کیفیت
تیسرا دور	شمائل الاتقیا	میران یعقوب	سنہ ۱۰۷۸ھ	تصوف	کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد
چوتھا دور	معرفۃ السلوک	شاہ ولی اللہ قادری	سنہ ۱۱۵۰ھ	"	"
"	رسالہ حقایق	حضرت شاہ میر	•	"	"
"	ترجمہ شریعت نامہ شاہ ملک		سنہ ۱۱۲۹ھ	"	انڈیا آفس
پانچوان دور	رسائل سمسیہ	ترجمہ از انگریزی	سنہ ۱۲۵۳ھ	طبعیات	اردو مین علم طبعیات پر یہ ابتدائی کوشش تھی اس لئے اسکا حوالہ ضروری تھا

دور	کتاب	مصنف	زمانہ	فن	کیفیت
پانچوان دور	تذکرۂ انوار بدیع انوار سہیلی	مترجمہ محمد ابراہیم بیجاپوری	۱۲۰۱ھ ۱۲۳۹ھ	علم ریاضی	اردو مین علم ریاضی پر یہ دونون رسالے ابتداءً لکھے گئے،

اسی طرح دورِ پنجم و ششم مین ایسے اور چند نمونے مل سکتے ہین جو ۱۳۰۰ تک قلمبند ہوئے،

علاوہ ازین مصنفے جنوبی ہند کے کارنامون مین صرف قلمرو آصفیہ کو لیا گیا ہے، حالانکہ احاطۂ مدراس سے بھی اردو کے بہت سارے نمونے دستیاب ہو سکتے ہین اور حقیقت یہ ہے کہ ٹیپو سلطان اور رؤسا ارکاٹ کے زمانہ مین اردو زبان کی جو خدمت میسور اور ارکاٹ نے کی ہے وہ فراموش نہین ہو سکتی، اول الذکر کے متعلق ہم نے ایک مختصر مضمون لکھا ہے، جو سفینہ مدراس کے (جولائی ۱۹۲۹ء) مین شایع ہوا ہے، اس عہد کی ایک تاریخ یعنی حیدر نامہ جو نثر اردو مین ہے خاص اہمیت رکھتی ہے،

رؤسائے ارکاٹ نے اردو کی بڑی خدمت کی ہے جس پر ہم تفصیل سے مضمون لکھ رہے ہین، نظم کے قطع نظر یہان بعض ان کتابون کا ذکر کیا جاتا ہے، جو نثر مین لکھی گئی ہین اور مشہور و معروف ہین،

(الف) ترجمہ آدم فی الحدیث" اس نام سے ایک کتاب شیخ آدم نے عمدۃ الامرا (۱۲۰۶ تا ۱۲۱۶ھ) کے زمانہ حکمرانی مین مرتب کی ہے، دراصل یہ زواجر کا ترجمہ ہے، اس کی تصنیف عمدۃ الامرا کے فرزند معین الدولہ محمد علی حسین خان کے حکم سے ہوئی ہے، عبارت کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

"بعدہ جان تون جو مردمک دیدہ دولت و اقبال نور البصر جاہ و جلال امیر کبیر در امارت بی نظیر نواب امیر الملک معین الدولہ محمد علی حسین خان بہادر ظفر جنگ یعنی ثمرہ فواد قرت العین عین شباہان بادشاہی سلطنت پناہان جناب امیر الہند والاجاہ نواب عمدۃ الامرا بہادر . . . .

. . . . صہ ۲

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہین کہ تفسیر مین ہر کہ ویل دوزخ مین ایک

وادی ہے، وادی گہرے کو کہتے ہین، اس وادی سے تمام دوزخیان اور دوزخ ہر ایک روز سات دفعہ پناہ مانگتی ہین" صد ۹

(ب) قصص انبیا، اس کے مصنف عبد الصمد ابن عبد الوہاب خان نصرت جنگ ہین، نصرت جنگ والاجاہ محمد علی خان کے بھائی ہین، اس کی تصنیف ۱۲۳۰ھ مین ہوئی ہے،

یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے انبیا کے قصون پر مشتمل ہے، فارسی سے اس کو ترجمہ کیا گیا ہو عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے :-

"اور میرا نام عبد الصمد، عبد الوہاب خان بہادر نصرت جنگ کا فرزند ہون عالم کون فائدہ ہونے کے واسطے قصص الانبیا کون دکھنی زبان مین نثر بنایا ہون . . . .
. . . . . . یکروز حضرت یعقوب علیہ السلام کی حال کے کہ تون یہان اپنے جان کے خوف سین رہتا ہو، رات کے وقت نکلتا ہو، تون میرے سات شام کے ملک کو چل وہان میری بہن کی لڑکی سے تیری شادی کر دیتی ہون، جب یعقوب علیہ السلام اور انو کی مال دو ملکر چلے تب انو کی مان یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل رکھے"

(ج) تصنیفات مولانا قاضی بدر الدولہ مغفور،

قاضی صاحب نے جنوبی ہند مین بڑا کام کیا ہے، آپ کے اردو تصنیفات تیرہ ہین، جو سب کی سب نثر مین لکھی گئی ہین، یہ کتابین مختلف فنون مثلاً حدیث، فقہ، عقائد، سیر اور مناسک پر مشتمل ہین، آپ کی سب سے پہلی تصنیف ریاض السنوان ہے جو ۱۲۴۲ھ مین مرتب ہوئی اور آخری تصنیف تفسیر فیض الکرم ہے، جو مکمل نہین ہوئی، اور مصنف کا ۱۲۸۰ھ مین انتقال ہو گیا،

آپ کی تصانیف سے دو اور کتابین بھی خاص اہمیت رکھتی ہین، (۱) فوائد بدریہ یہ آنحضرت صلعم کی سیرت مبارک ہے، عربی اور بعض فارسی معتبر کتابون سے اس کو مرتب کیا ہے، بمبئی اور مدراس مین اس کے

متعدد اڈیشن شایع ہوئے ہین جنوبی ہند خصوصاً احاطۂ مدراس مین اس کتاب کا وہی درجہ ہے جو شمالی ہند مین علامہ شبلی کی سیرت النبیؐ کو دیا گیا ہے،

(۱) قوت الارواح، یہ کتاب حج کے مناسک مین لکھی گئی ہے، بڑی سائز کے (۸۰۰) صفحات مین شایع ہوئی ہے، اس کتاب کی اہمیت اس سے ظاہر ہو سکتی ہے کہ عربی مین بھی مناسک مین کوئی کتاب ایسی جامع اور مکمل نہین ہے،

قاضی بدر الدولہ کے متعلق ہم نے تفصیل سے دکن مین اردو مین روشنی ڈالی ہے اور عبارت کا نمونہ پیش کیا ہے (دیکھو صفحہ ۸۳ تا ۹۰ طبع ثانی)

قاضی صاحب کے بعد بھی نثر مین متعدد کتابین مدراس مین مرتب ہوئی ہین، بہر حال مدراس کے اردو نثر کے قدیم اور جدید نمونے دستیاب ہو سکتے ہین، ان کا ذکر نہ ہونا بڑی کمی ہے،

(۲) اخبارات کے ضمن مین چار دور قایم کئے گئے ہین، پہلا دور ۱۲۶۳ھ سے شروع ہوتا ہے، سب سے پہلے سعد الاخبار آگرہ کا ذکر ہے، جو ۱۲۶۳ھ مین جاری ہوا تھا، آخر مین ایک فہرست دی گئی ہے، مگر اس فہرست مین بھی مدراس کے کسی اخبار کا ذکر نہین ہے، حالانکہ مدراس کا اسمین بڑا حصہ ہے، بلکہ اردو اخبار کی ابتدا ہی مدراس سے ہوئی ہے،

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انگریزون نے مدراس مین ہی پہلے اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی اس لئے صوبہ مدراس ہی پہلے پہل یورپ کے سامانون اور ایجادون سے واقف ہوا، جو شئی یورپ مین ہوتی تھی، وہ مدراس ہی سے ہندوستان مین پھیلا کرتی،

اگرچہ نہایت قدیم زمانہ سے ہندوستان مین اخبار اور وقائع کا نام سنا جاتا ہے، مگر یہ اخبار آج کل کی طرح عام طور پر مشتہر نہین ہوتے تھے، بلکہ بادشاہ وقت کے حالات صوبہ دارون کو یا صوبہ جات اور اضلاع وغیرہ کے حالات سے خفیہ طور پر بادشاہ کو واقف کر دیا جاتا تھا،

موجودہ زمانہ کے اخبار کا سہرا یورپ کے سر ہے، جب مدراس مین یورپ کی ایک متمدن سلطنت کا قیام ہوا تو یہان بھی اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے، انگریزی اخبارات کی تقلید مین سب سے پہلے مدراس ہی سے اردو کا پہلا اخبار، عمدۃ الاخبار جاری ہوا،

والاجاہ کے جانشین عمدۃ الامرا تھے جنھون نے ۱۲۰۷ھ سے ۱۲۱۶ھ تک ارکاٹ کے مسند حکومت پر فرمانروائی کی، آپ کے زمانہ حکومت مین آپ ہی کی سرپرستی مین آپ کے نام سے عمدۃ الاخبار کا اجرار عمل مین آیا اور اس کے بعد اسی کی تقلید مین احسن الاخبار، جامع الاخبار، مظہر الاخبار وغیرہ جاری ہوے افسوس ہے کہ سردست مظہر الاخبار کے سوا کسی پر تفصیل سے روشنی نہین ڈالی جا سکتی

مظہر الاخبار ایک ہفتہ وار اخبار تھا جو ۱۲۷۲ھ مین محلہ تر تلکھری مدراس سے شایع ہونے لگا تھا اور ایک عرصہ تک اس کے جاری رہنے کا پتہ چلتا ہی، یہ بارہ صفحے کا اخبار تھا، اس مین غیر ملکی خبرین شہری خبرین اشتہارات وغیرہ شایع ہوتے تھے، اس کے اڈیٹر محمد خواجہ بادشاہ متخلص عبرت تھے

ہمارے پیش نظر اس وقت اس کی ساتوین جلد کا تیئسوان (۲۳) پرچہ ہے، عبارت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہی کیسی صاف اور سلیس اردو ہے، مختلف مقامات سے اس کے عبارت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے:-

"مصر، اخبارات ولایت مظہر ہے کہ سلطان روم معہ پاشا مصر کو جاوین گے، اور چالیس روز مین بازگشت فرماوین گے،

یونان آج تک یہ تخت بے چراغ تھا شکر ہے کہ اب روشن ہوا جناب ولیعہد ملکہ معظمہ کے سالے ولیم صاحب بہادر اس تخت پر رونق افروز ہوئے" صفحہ ۱۱

"ضیافت سراسر لطافت، عقد ترویج ہندوستان کے اہل اسلام مین دو قسم پر رواج پایا ہے، ایک نکاح خوانی جو اصل دین ہے یعنی فقط شروط و آداب نکاح موافق حکم شرع

بجائے اس کے چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین جہان سے دین اسلام پیدا ہوا اور جمیع بلاد عرب و شام و ترک و مغرب وغیرہ مین اسی آئین پر ازدواج کا رواج شایع ہے، دوسرا شادی جو مخصوص اختراع اہل ہند ہے یعنی چند رسوم غیر شرعی مسرفانہ جو ہند کے مسلمانون نے فقط حظوظ نفسانی حاصل کرنے کے لئے سراسر رسم ہنود سے اخذ کرکے اوران کو تراکیب تازہ دیگر نکاح کیساتھ منضم کر دئیے ہین ۔

الحمد للہ والمنہ زہے زمان سعادت تو امان ہے عجب آوان خیر و برکت عنوان ہے نوید صلاح و فلاح ہر مکان ہے قاصد فرح مقاصد مژدہ رسان ہے، تو آج کل سمورۂ مدراس مین یہ رواج ہے اور راست پر ہر معاملے کا مزاج ہے، ہر طرف طریق امت نبوی کی گرم بازاری ہی شریعت رسولؐ و دین مصطفویؐ کی استواری ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ عالم باعمل افضل و اکمل فضیلت منازل آگاہ دل واقف حقایق فروع واصول کاسف غوامض معقول ومنقول برگزیدہ بارگاہ ایزدی قدوۂ مقربان حضرت صمدی سر دفتر علما دیار و امصار فاضل علاّ روزگار جناب مستطاب حضرت مولوی قاضی الملک بہادر دام افضالہم وعم حسناتہم نے باوجود کمال قدرت و طاقت تامہ محض بلحاظ بہبودی اپنے متوسلین ومتعلقین کے کہ تا اس کے تبعیت و تقلید کرین، روز تاریخ ماہ ذیحجہ روز جمعہ ۱۲۷۹ھ وقت ہفت ساعت عقد نکاح اپنے فرزند ارجمند حافظ حسین[1] عطاء اللہ صاحب کا دختر نیک اختر ماہ برج امارت و بختیاری مہر شہیر فیض بخشی و سالاری تابع طریق مرتضوی قایم سنت مصطفوی حاجی الحرمین الشریفین امیر کبیر جناب مستطاب معلی القاب حضرت سالار الملک بہادر دام شوکتہم کے ساتھ بلا تکلف باندھا و فلک نے بارک اللہ کہا۔

---

[1] راقم الحروف کے نانا ہین ،

نمونہ اشتہارات :-

" روغن ہالوے، اس روغن کو رکھنے والا شخص اپنے گھر کا طبیب ہوسکتا ہو، چونکہ اگر اسکو یا اس کے اطفال وغیرہ کو جلدی امراض مثلاً پھوڑے دنبل ناسور ورم دمہ اور دوسری شکایتین ہون تو روغن کے استعمال سے اپنے اور اپنے متعلقین کو درست کرسکتا ہو، پروفیسر تھامس ہالوے نمبر (۲۴۴) اسرانڈ لندن ٹمپل بار کے متصل اور جمیع ذی عزت و مشہور بنیارون کے دو کانون مین قیمت ذیل کے بموجب بکتے ہین، فی ڈبی ایک تنانگ یعنی آٹھ آنہ "

اس عبارت سے واضح ہوسکتا ہے ۱۲۷۲ء مین مدراس مین کس طرح صاف اردو بولی جاتی تھی اس کے بعد مدراس سے بیسیون روزانہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوتے رہے ہین، مثلاً شمس الاخبار جریدۂ روزگار، نیر آصفی، بحر دکن وغیرہ مگر ان مین سے کسی کا ذکر اس تاریخ مین نہین ہے، میرے ناقص خیال مین ایک اور بات بھی مولف کی توجہ کے قابل ہے،

پانچوین اور چھٹے دور مین ہر قسم کے فنون کے متعلق نمونے دیئے گئے ہین، مگر ان مین کوئی فصل یا حد بندی نہین ہے، اس کے باعث ایک نمونہ عبارت، مثلاً ۱۳۲۵ھ کے بعد دوسرا نمونہ ۱۳۱۰ھ کی عبارت کا دیا گیا ہے، بادی النظر مین دھوکہ ہوتا ہے، کہ ۱۳۲۵ھ کے بعد ۱۳۱۰ھ کا نمونہ کس طرح ہے اس لئے اگر فنون کے لحاظ سے عنوان قایم کر کے حد بندی کر دی جاتی تو مناسب ہوتا،

ہندو شعراء دربار رسول میں، مرتبہ مولوی محمد محفوظ الرحمٰن صاحب ناظم انجمن تبلیغ الاسلام نگرام لکھنؤ، حصہ اول، ۳۱ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ معمولی،

مولوی محمد محفوظ الرحمٰن صاحب نگرامی نے جو مفید تبلیغی رسالہ لکھتے رہتے ہیں، ہندو شعراء کے نعتیہ کلام کو ترتیب دیا ہے، اور اس کا پہلا حصہ شایع ہوگیا ہے، اس میں بائیس شعراء کے کلام یکجا ہیں، ہر شاعر کے نعتیہ کلام کے ساتھ اس کے مختصر حالات زندگی بھی قلمبند کئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ رسالہ زیادہ مفید ہوگیا ہے، غالباً ۱ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیا جاسکتا ہے،

تذکرہ علمائے فرنگی محل، مرتبہ مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی اشاعۃ العلوم فرنگی محل لکھنؤ، ۲۶۱ صفحات قیمت عہ۔

دار العلم والعمل فرنگی محل کی قدیم عظمت ہمارے تعارف سے بالاتر ہے، لیکن ابھی تک اردو زبان کی یہ بڑی بدقسمتی تھی کہ علمائے فرنگی محل کے سوانح حیات اور علم وفضل پر کوئی جامع تذکرہ قلمبند نہیں ہوا تھا، مسرت ہے کہ مولانا عنایت اللہ صاحب نے یہ مفید خدمت انجام دی، اور تذکرہ علمائے فرنگی محل کے نام سے یہ رسالہ شایع کیا، اس میں فرنگی محل کے مشاہیر علماء کے حالات زندگی اور علم وفضل کا تذکرہ بہ ترتیب حروف تہجی کیا گیا ہے، نیز فرنگی محل کے عام خاندانی حالات بھی قلمبند کردیئے گئے ہیں،

حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق، مولفہ مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی

اشاعۃ العلوم فرنگی محل لکھنؤ ۸۴ صفحے قیمت ۴ر

مولانا عبد الباری مرحوم فرنگی محل کے حالاتِ زندگی ایک وسیع پیمانہ پر مجلس اشاعۃ العلوم کی نگرانی مین ترتیب پا رہے ہین لیکن ابھی ان کی اشاعت مین تاخیر تھی، اس لئے مولانا محمد عنایت اللہ صاحب نے مولانا ے مرحوم کے انھین حالات کو جو تذکرہ علماے فرنگی محل" مین لکھے تھے، کسی قدر زیادہ تفصیل سے جداگانہ رسالہ کی شکل مین شایع کیا ہے، جس مین مولانا ے مرحوم کی سیاسی جدوجہد کا تذکرہ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے،

تفسیر المعوذتین، مترجمہ مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم مکتبہ علوم مشرقیہ دار العلوم پشاور ناشر الہلال بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور ۳۰ صفحات قیمت عہ ر

علامہ ابن تیمیہؒ نے سورۂ فلق وسورۂ والناس کی ایک مختصر تفسیر لکھی تھی، اور اسی تفسیر کی توضیح مین حافظ ابن قیم جوزیؒ نے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا تھا، زیر تبصرہ رسالہ اس رسالہ کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ صاف، سلیس اور روان ہے، رسالہ کے نفع بخش ہونے کے لئے ترجمان القرآن ابن تیمیہ کا انتساب کافی ہی،

اسلامی تصوف، مترجمہ مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم مکتبہ علوم مشرقیہ دار العلوم پشاور ناشر الہلال بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور ۱۶۰ صفحات لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ قیمت ۱۲ر

یہ علامہ ابن قیم کی تالیف طریق الہجرتین و باب السعادتین کے حصہ اول کا اردو ترجمہ ہے، جسمین اسلام کے حقیقی تصوف کو پیش کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ مین تصوف اسلام، فقر مسنون، اور طریقت وحقیقت کے اصول و قواعد بہ تشریح بیان کئے گئے ہین، کتاب کا پہلا ہی باب "فقر عبودیت" نہایت پر کیف ہے، اور آخر مین بتایا گیا ہے کہ فقر و عبودیت ہی سعادت کا وہ دروازہ ہے جو سالک باللہ کا حقیقی مقصود ہے، علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کی رو بدعت سے متعلق کتابون کی اشاعت

کے بعد اس کی اشاعت نہایت مفید ہے، امید ہے کہ اردو دان طبقہ مین قبولیت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی،

بغاوت عرب اور لارنس، مولفہ مولوی چراغ حسن صاحب حسرت، اردو کتبخانہ نمبر۶ بشیر بلڈنگ برکت علی روڈ لاہور، چھوٹی تقطیع، خوبصورت جلد ۱۲۰ صفحات قیمت عہ،

ادہر سرحد مین پیر کرم شاہ کے ظہور، اور افغانستان کی پچھلی بغاوت سے صحرائے عرب کے برطانی کارندے کرنیل لارنس کی یاد ہندوستان مین دوبارہ تازہ ہوگئی، اور اردو اخبارات مین اس کے متعلق مبالغہ آمیز داستانین شایع ہونے لگین، اسی بنا پر مولوی چراغ حسن صاحب حسرت سابق ایڈیٹر زمیندار نے انگریزی کی مختلف مستند کتابون سے جنمین خود لارنس کی تالیفات، اور جمال پاشا کے روزنامچے بھی شامل ہین، یہ مستند کتاب کرنل لارنس اور بغاوت عرب کے نام سے ترتیب دی ہے، اس مین اس کے کارنامۂ بغاوت عرب اور اس کے سوانح حیات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ابتدا مین مشرق و مغرب کی قدیم آویزش کی طرف اشارہ کرکے ترکون سے یورپ کی دشمنی کی تفصیل بیان کی گئی ہے، پھر جنگ عظیم کے آغاز کے بعد ترکون کے خلاف عرب کی بغاوت کے حالات، اور پھر لارنس کے تعارف کے بعد اس بغاوت مین اس کے کارنامے بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد اس کے بقیہ ایام زندگی کو جو اب تک گذرے ہین، اور جن سے امان اللہ خان کی بربادی بھی خیال کیجاتی ہے بہ تشریح بیان کیا گیا ہے، اور آخر مین لارنس کی زندگی پر ایک عام نظر ڈالی گئی ہے، اگرچہ اب اس کتاب کے تمام اوراق تاریخ کے صفحات بن چکے ہین، لیکن کہا جاتا ہے کہ "لارنس" برطانیہ کی خارجہ حکمت عملی کا دوسرا نام ہے، اس لئے یہ کتاب تاریخی بھی ہے، اور سیاسی بھی، اس لئے اس کا مطالعہ دونون حیثیت سے مفید ہے،

"ر، د"

رجسٹرڈ نمبر ۷۸۱ — اپریل سنہ ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت سالانہ پانچ روپیہ

مطبع معارف میں چھپکر
دارالمصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

سلسلۂ رقعات عالمگیر

سلطان الہند محی الدین اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات کی جمع و ترتیب و اشاعت کا جو کام دار المصنفین میں چھ سات برس سے ہو رہا ہے،

اور جس کو

ہز اگزالٹڈ ہائینس اعلیحضرت شہریار دکن خلد اللہ ملکہم

کا

شرف انتساب حاصل ہے

اُسکی

ایک جلد اور اُسپر ایک بسیط مقدمہ، دونوں چھپ کر تیار ہیں، **مقدمہ** میں اسلام میں فن انشار کی تاریخ ہندوستان میں صیغۂ انشار کا حال اور انشار کے اصول اور خاص عالمگیر کی طرز انشار پر بحث، عالمگیر کی تاریخ کے ماخذ کی تفصیل اور پھر اسکی پیدائش سے لیکر بھائیون کی خانہ جنگی تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود اس کے خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقید ہے اس مقدمہ کی زبان اردو ہے، عالمگیر کے متعلق اس وقت تک کسی زبان میں اس سے بہتر مدافعانہ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، حصول سلطنت تک عالمگیر پر جس قدر اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کا محققانہ جواب ہے،

مؤلفہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

لکھائی چھپائی اعلی ضخامت ... ۵، قیمت: غیر مجلد صہ، قیمت: مجلد ع۲

رقعات عالمگیر جلد اوّل:- شروع سے برادرانہ خانہ جنگی تک کے تمام خطوط و رقعات تاریخی ترتیب سے جمع کیے گئے ہیں، آخر میں متعدد ضمیمے ہیں جنمیں شاہجہان، دارا شکوہ، شاہ شجاع، جہان آرا، وغیرہ کے جوابی خطوط شامل ہیں، یہ خطوط فارسی ادب و تاریخ کا ذخیرہ ہیں جنکا پڑھنا تیموری تاریخ اور فارسی ادب کے پڑھنے والوں کا فرض ہے لکھائی چھپائی اعلی، لوح رنگین و مطلا، جابجا سلاطین و شہزادگان تیموری کی تحریروں کے عکسی نقل اور سلطان عالمگیر کا عکس خط، ضخامت ... ۴ صفحے، مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

قیمت غیر مجلد للعہ، مجلد للعہ

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

جلد بست و هفتم | ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء | عدد ۴

مضامین

۲۴ دن کی آوارہ گردی کے بعد بمبئی، پونہ، بھوپال اور الہ آباد سے پھر کر، ۷ اپریل کی صبح کو اعظم گڈھ واپس آیا، ہر جگہ مسلمانوں کی مجلسوں، انجمنوں، اور جماعتوں کو دیکھنے کا موقع ملا، سب کو ایک ہی مرض میں مبتلا پایا، اختلاف، دین و دنیا کے کسی کام میں سب کو متفق نہ پایا، یہانتک کہ سیاسیات میں بھی اُن کے اختلافات غیر محدود ہیں، تحفظ حقوق کے متفق علیہ مقصد کے انسدادی تجاویز میں بھی سب مختلف ہیں، جب تک یہ حالت باقی ہے، وہ دین نہ دنیا کا کوئی کام بھی نہیں کر سکتے، شخصی اور جماعتی اغراض نے قومی مقاصد کی جگہ لے لی ہے، اور عوام مسلمان رہنماؤن کے اختلاف خیالات سے منتشر و پراگندہ ہین، اور ایک صحیح راہنما کے منتظر ہین، جو اوٹھکر اُن سب کو ایک کر دے،

بمبئی مین "عربون کی جہاز رانی" پر ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ مارچ کو چار دن تک مغرب کے بعد سے عشا تک انجمن اسلام ہال مین میرے چار لکچر ہوئے، حاضرین و سامعین کی تعداد دو سو تک ہوتی تھی، اور ہر روز پہلے روز سے بڑھتی رہی، بعض پارسی اور دوسری قوم کے بعض افراد بھی شریک ہوتے رہے، جسٹس طیب جی، مسٹر دہلوی صدر بمبئی اسمبلی، جسٹس مرزا وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی، اور مولانا یوسف کھٹکھٹے بی اے، ہر روز ایک ایک اجلاس کے الگ الگ صدر ہوتے رہے، ہر تقریر پورے سکون اور شوق سے سنی گئی، پورا خطبہ سو صفحون سے زائد مین تمام ہوا تھا،

چارون کے خطبون کے یہ چار عنوانات تھے،

۱۔ جاہلیت اور اسلام مین عربون کی جہازرانی، اونکی زبان مین بحری الفاظ کی کثرت، اشعارِ عرب اور قرآن پاک مین بحری سفرون کے حوالے،

۲۔ عربون کی دنیا کے سمندرون سے واقفیت، اوراُن کے بحری سفرون کی انتہائی منزلین، اور بعض بحری انکشافات،

۳۔ عربون کے سامان وآلاتِ جہازرانی،

۴۔ عربون کی بحرِ محیط کو عبور کرنے کی کوششین، اوراُنکے امریکہ تک پہنچنے کے امکانات۔

بیس برس سے زیادہ زمانہ ہوا کہ بمبئی کے ایک بڑے تاجر سر اسمٰعیل نے گورنمنٹ کو سات لاکھ روپے اس غرض سے دیئے تھے کہ گورنمنٹ اس سرمایہ سے مسلمانون کے لیے بمبئی مین ایک کالج قائم کرے، بیس برس کے بعد جب کہ یہ قصہ نسیاً منسیاً ہو چکا تھا، مولوی رفیع الدین صاحب کے عہدِ وزارتِ تعلیمی مین موصوف کی کوششون سے یہ کالج اسمٰعیل کالج کے نام سے معرضِ وجود مین آیا، بمبئی سے آٹھ دس میل دور ایک خوشنما اور خوش منظر بلندی پر اس کالج کی عمارت بنی ہے، ۷۵ لڑکون کا دو منزلہ دارالاقامہ ہے، اس وقت ۵۰ سے زیادہ لڑکے زیرِ تعلیم ہین، ہمارے دوست ڈاکٹر نذیل الرحمن صاحب اس کے پرنسپل ہین، امید ہے کہ آیندہ یہ درسگاہ احاطہ بمبئی کے مسلمانون کے لیے اشاعتِ تعلیم کا مرکز قرار پائے،

پُونَہ مہاراشٹر کے برہمنون اور مرہٹون کا صدر مقام، اور انکی ہر قسم کی کوششون کا مرکز ہے، اُنکا فرگیوسن کالج وہان ہے، اوراب انھون نے ایک اور نیا کالج بنا لیا ہے، اونکی زنانہ یونیورسٹی وہان ہے، اونکی سیاسی درسگاہ سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی وہان ہے، اونکی علمی تحقیقی مجلس بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ وہان ہے، بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ گویا مرہٹون کی "شبلی اکاڈیمی" ہے ایک پہاڑ کے دامن مین سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی

[illegible] ایک [illegible] عمارت تعمیر ہوئی ہے، اس کا ہال مشہور پارسی فیاض ٹاٹا نے بنوایا

ہے، [illegible] گریجویٹ تصنیف و تحقیق کے کام میں لگے ہیں، سنسکرت کا سب سے بڑا کتبخانہ اس کے پاس ہے

جس میں [illegible] ہزار [illegible] ہیں، سنسکرت کی پرانی قلمی کتابیں تاڑ کے پتوں اور توت کے پتوں پر لکھی ہوئی ہیں، گورنمنٹ

بھی اپنے [illegible] سنسکرت ذخیرہ [illegible] دنیا کے اکثر وہ رسالے جو ایشیا اور ایشیائی علوم اور خاصکر

سنسکرت علوم سے متعلق بحث کرتے ہیں، منگائے جاتے ہیں، اس کے مطبوعات کی تعداد غالباً اسی کے قریب پہنچی ہے،

گورنمنٹ [illegible] روپیہ کی سالانہ امداد کی کفالت کرتی ہیں،

آجکل وہان ایک نیا کام شروع ہوا ہے یعنی مہابھارت کا ایک صحیح نسخہ مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے،

اس کے لیے ہندوستان اور دنیا کے ہر گوشہ سے مہابھارت کے قدیم قلمی نسخے فراہم کئے گئے ہیں، کشمیری، ملیالم

اور بنگالی خطوط میں جو اس کے قدیم نسخے لکھے ہیں، وہ منگائے گئے ہیں، ایک ہندو پی ایچ ڈی فاضل پانچ

ماہوار کی تنخواہ پر اس کام کے لیے مقرر ہے، اس کے نیچے بہت سے پنڈت اور گریجویٹ کام کرتے ہیں،

ہر لفظ کے جتنے مختلف نسخے ہیں وہ لکھے جاتے ہیں، اور فاضل مرتب کے نزدیک جو صحیح لفظ ہے وہ متن میں داخل

کر کے [illegible] لکھا جاتا ہے، اور وقتاً فوقتاً اس کے اجزا شائع ہوتے رہتے ہیں،

علم دوست اور فیاض مسلمان یہ سنیں کہ اس کام کے لیے روپیہ کا تخمینہ کیا ہے، اور اس کا سامان کیا ہے،

خاص اس مہابھارت کے کام کے لیے دس لاکھ روپے کا تخمینہ ہے جس میں سے ایک لاکھ روپیہ صرف ایک ہندو

رئیس چیف آف آندھو نے دیا ہے، سات ہزار سالانہ بمبئی یونیورسٹی اور اسی قدر گورنمنٹ اپنے بجٹ سے

دیتی ہے، کیا مسلمانوں کے بھی کسی علمی کام کو آج تک گورنمنٹ سے کچھ ملا ہے، حالانکہ ہمارے ہی سامنے بنارس

کی ہندی ناگری پرچارنی سبھا کو ہزاروں روپے کی امداد ہوتی رہتی ہے، کیا الہ آباد یا لکھنؤ یونیورسٹی

بمبئی یونیورسٹی کی اس فیاضانہ امداد کا تخیل بھی کرسکتی ہے، کیا ہمارا کوئی مسلمان فیاض تعلقدار یا نواب کسی علمی مجلس کے لیے پچاس ہزار کا بھی تصور کرسکتا ہے؟

آج دار المصنفین کے قیام کو پندرہ برس ہوئے، اس پورے زمانہ مین صرف دو غیر معمولی رقمین ہمکو ملی ہین، تین ہزار مرحومہ سرکار عالیہ والیۂ عالیہ بھوپال رحمۃ اللہ علیہا نے پریس کی خریداری کی مدمین عنایت فرمایا اور پانچہزار گذشتہ سال نواب مزمل اللہ خان بالقابہ نے یہان مسجد کی تعمیر کی مدمین مرحمت کیا، ان دو مدون کے علاوہ یہان کی عمارات، کتبخانہ، پریس، دار الاشاعۃ، تالیف، وظائف مین کسی نے ہزار دو ہزار کی بھی آجتک مدد نہین کی،

سوختم سوختم این سوز نہفتن تا کے

لوگ تقاضا کرتے ہین کہ سیرت کی جلدین جلد جلد کیون شائع نہین کردیجاتین، تصنیفی دشواری ایک طرف صرف اُس کی اشاعت کی مشکلات لیجئے، اوسکی ہر اشاعت پر کم از کم پانچ چھ ہزار کی لاگت آتی ہے، جب تک چار پانچ برس مین بچا بچا کر اور کفایت شعاری کرکے ہم اس قدر فراہم نہ کرلین کسی جلد کی اشاعت نہین کرسکتے، مرہٹون کی ضد پر ہم نے عالمگیر کی برسی منائی، اور عالمگیر پرستی کو ایمان پرستی کا جزبنالیا، مگر جب ہم نے عالمگیر کی حقیقی خدمت اور اوسکی تاریخ کے صحیح ترین ماخذ رقعات عالمگیر کی جمع و ترتیب و اشاعت کا اعلان کیا، تو کسی صاحب ہمت نے اپنا دست کرم ادھر نہین بڑھایا، دس برس مین جو اب تک اُسکے کام مین لگے ہین، قلمی سرمایہ کے نقل، اور اوسپر کام کرنے والون کے معاوضہ اور دو جلدون کی اشاعت پر جو کچھ صرف آیا اوسکی میزان آٹھ دس ہزار سے کم نہ ہوگی، اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس مفلسی و کس مپرسی کے باوجود جب اوسکی پہلی جلد اور اس کا مقدمہ شائع ہوا تو اب تک ان کی تین سو جلدین بھی فروخت نہ ہوئین، اب دار المصنفین کس برتے پر اس ضروری کام پر مزید اسراف کرتا چلا جائے، چنانچہ رقعات کی دوسری جلدین ہماری قومی غفلت پر پڑی ماتم کررہی ہین،

۴۔۵۔۶۔۷۔ اپریل ۱۹۳۱ء کو ہندوستانی اکاڈمی نے میوہال الہ آباد مین اردو ہندی کی ادبی کانفرنس منعقد کی، ان دونون زبانون کے اہل علم و اہل قلم اور شائقین کی اچھی خاصی تعداد ان جلسون مین شریک ہوئی، ہندی شعبہ کے صدر راجکمار بنارس ہ اور اردو شعبہ کے نواب صدر یار جنگ مولنا شروانی تھے، ڈاکٹر سپرو کی عدم موجودگی مین آنریبل جسٹس ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان نے اجلاس عام کی صدارت اور جلسون کی نگرانی کا فرض انجام دیا، ۴ اپریل کے عام جلسہ کے بعد ۵ اور ۶ کو اردو ہندی کے دو شعبون مین جلسہ تقسیم ہوگیا، عام جلسہ مین سر شاہ محمد سلیمان نے جو افتتاحیہ خطبہ پڑھا اس مین دوسری باتون کے علاوہ ایک مشترک ہندوستانی زبان کی تعمیر کا خیال نہایت مبارک تھا، راجکمار کا ہندی خطبہ ایسی زبان مین تھا جس کو کم از کم مسلمان حاضرین کچھ نہ سمجھ سکے، نواب صاحب کا اردو خطبہ پرانے ہندو مسلمانون کے باہمی ادبی میل جول کی دوستانہ حکایتون سے معمور تھا، صدارتی تقریرون کے بعد مسٹر سچدانند سنہا، بابو رام سکسینہ اور راقم نے مختصر تقریرین کین،

—— ❖ ——

کانفرنس کی تقریرون اور تجویزون، اور مجلس انتظامی کے اکثر ارکان کی تقریرون مین بھی جو چیز سب سے زیادہ توجہ کے قابل تھی وہ یہ تھی کہ ہندی کے بعض سخت حامی ہندو ممبرون کے علاوہ، باقی سارے ہندو مسلمان حاضرین کا اس پر اتفاق سا معلوم ہوتا تھا کہ سنسکرت نما ہندی اور قاموسی اردو کے بجائے کیون نہ یہی آسان اور عام فہم بول چال جس کو ہم گھرون اور بازارون مین بولتے مین ہندو مسلمانون کی مشترک زبان بنائی جائے اور اسکو ترقی دیجائے اور اسی مین کتابین لکھی جائین اور اخبارات اور رسالے چھپین۔

—— ❖ ——

عام اجلاس مین اکاڈمی کے سکریٹری ڈاکٹر تاراچند کا مضمون، ہندوستانی زبان کی خصوصیات پر بہت اچھا تھا اور ہندوستانی مین لکھا گیا تھا جسمین ہندی فارسی لفظون کا تناسب نہایت موزون تھا اردو کے شعبہ مین پنڈت برجموہن کیفی دتاتریہ کا مضمون اردو کے وسیع مطالعہ اور اسکی کامل اصولی واقفیت پر مبنی تھا، حاضرین نے اسکو بہت پسند کیا، نواب صدر یار جنگ نے میر حسن کے اردو کلیات اور راقم نے ہاشم علی برہانپوری کے مرثیون پر مضمون پڑھے۔ ۶ کی رات کو ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے سامی زبانون کے باہمی تعلق اور فیلالوجی پر ایک گھنٹہ تک تقریر کی،

—— • ——

مقالات

الناسخ والمنسوخ فی القرآن

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

اب اگر نسخ کے ان تمام مفہومون کو سامنے رکھکر نسخ فی القرآن پر اجمالی نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر نسخ کا مفہوم متاخرین کے درمیان بھی وہی ہوتا جو صحابہ کے زمانہ مین تھا، تو شاید معتزلہ کو اس کے انکار کی ضرورت پیش نہین آتی، کیونکہ صحابہ کے دور مین نسخ کا مفہوم اس کے لغوی معنی پر تمام تر محیط تھا، اور یہ معلوم ہے کہ اسلام ناسخ ادیان اور متمم مکارم اخلاق ہے، اسلئے اس کی نہ صرف چند آیتین ناسخ تھین، بلکہ اسلام کے بیشتر حصہ کو ناسخ کہا جا سکتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے دور مین نسخ کا جو مفہوم تھا، اس کے روسے آیات کی کثرت بہ حیثیت ناسخ کے تھی، منسوخ ہونے کی حیثیت سے نہین، اور معتزلہ وارباب عقل کو دراصل جو کچھ اعتراضات ہو سکتے ہین، وہ آیات منسوخہ کے منسوخ ہونے پر ہین، ان کے علاوہ یہود کا جو اعتراض اوپر گذرا ہے، وہ درحقیقت اسلام کے اس خاص مسئلہ سے کوئی تعلق نہین رکھتا، اس اعتراض کی

نوعیت جداگانہ ہی اور اُس کے جوابات علحدہ ہین، ورنہ اسلامی فرقون مین نسخ فی القرآن پر جو اعتراضات ہین، وہ درحقیقت آیات کے منسوخ ہونے ہی کی حیثیت پر ہین، اور یہ عجب اتفاق ہے کہ ہمارے علماے نسخ نے اپنے شرائط وقیود سے نسخ کے اسی پہلو کو مستحکم کرنا چاہا، اس لئے اگر معتزلہ اور ارباب عقل نے جوشِ تردید مین سرے سے سلسلۂ نسخ سے انکار کردیا، تو یہ کچھ جاے حیرت نہین ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ افراط و تفریط سے قطع نظر کرکے اگر ایک معتدل انداز مین حقیقتِ نسخ پر نگاہ ڈالی جائے تو شاید نہ معتزلہ و دیگر ارباب عقل کا وہ انکار صحیح نظر آئے اور نہ ہمارے متاخرین علماے اشعریہ کی یہ تحدید درست ثابت ہو،

کیونکہ درحقیقت خواہ نسخ کا جو مفہوم و مصداق بھی کسی زمانہ مین رہا ہو، لیکن نسخ کی حقیقی تعبیر یہی ہوسکتی ہو کہ ناسخ و منسوخ وہ دو آیتین ہین جنمین باہمی تطبیق نہ ہوسکے، اور دونون کا جمع ممکن نہ ہو، کیونکہ جب ان دونون آیتون مین باہمی تطبیق ہوجائے، تو وہ نسخ نہین، اس لئے جس مفہوم نسخ مین صحابہ و سلف کے ہمہ گیر لغوی و اصطلاحی معانی وابستہ تھے وہ اُن سے الگ ہین جنمین معتزلہ و دیگر ائمۂ اسلام مین اختلافات پیدا ہوئے،

اب نسخ کی اس حقیقی تعبیر کے بعد ہمین معتزلہ کے وجوہِ اختلاف پر نظر ڈالنی ہی، واقعہ یہ ہے کہ معتزلہ کو نسخ قبول کرنے مین جو کچھ تامل رہا، وہ صرف انکی اسی مصلحت اندیشی پر مبنی ہو کہ ثبوتِ نسخ کے بعد گویا مذہب کا کوئی اصول و قانون قرار نہین پایا، جب چاہا حکم نافذ کیا، اور جب چاہا اسکو زائل کردیا، گیا جس وقت پہلا حکم نازل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ اس کی خامیون سے آگاہ نہ تھا، اسلئے قرآن مین ثبوتِ نسخ سے جہل الٰہی کا ثبوت ملتا ہی، اسلئے انکو سیدھا راستہ یہی نظر آیا کہ وہ سرے سے نسخ کے وجود سے انکار کردین اور پھر انھین ضرورت پڑی کہ وہ قرآن مجید کی ان دو متضاد آیتون کو جنھین ناسخ و منسوخ سے تعبیر کیا گیا تھا

باہم تطبیق دین، اور اس کے لئے نہایت آسان راستہ پیدا کرنے کے لئے تاویلات کا خطرناک دروازہ کھولدیا۔
لیکن حقیقت یہ ہی کہ معتزلہ کی یہی دوراندیشی ان کے غلط فہمی مین مبتلا ہوجانے کا باعث بنی، اور عجیب اتفاق ہے کہ جماعت معتزلہ اپنی مصلحت اندیشی مین مشہور ہی لیکن اُس نے اس خاص مسئلہ نسخ مین اپنی مصلحت بینی کے فقدان کا ایسا ثبوت دیا جو جماعت معتزلہ کی ذہنیت دیکھتے ہوئے سخت حیرت انگیز ہی کہ درحقیقت آیات ناسخ ومنسوخ کا وجود ہی تمامتر مصلحت وضرورت کی بنیاد پر قائم ہی، اور انھین اپنی مصلحت بینی کے باوجود یہ خدائی مصلحت نظر نہین آئی کہ اگر محض کوئی حکم دیا جاتا، اور پھر وہ تبدیل کردیا جاتا، اور دونون مین کوئی حکم کسی مصلحت پر مبنی نہ ہوتا، تو یہ البتہ نادانی وجہالت ہوسکتی تھی، لیکن یہان اس کے برخلاف قرآن مجید کی آیات ناسخ ومنسوخ مین نفس واقعہ یہ ہے کہ اس کا ہر حکم کسی نہ کسی خاص مصلحت اور ضرورت وقت کی بنیاد پر آیا، اس لئے جب وہ ضرورت باقی نہین رہی تو اُس حکم کے نافذ رہنے کی بھی کوئی ضرورت نہین، اور اس لئے اُس وقت، اور ضرورت کے ختم ہوتے ہی اس حکم کے نفاذ کی ضرورت اور اس کا وقت بھی ختم ہوگیا، اور کیا یہی طریقہ خداے ذوالجلال کی نعوذ باللہ نادانی وجہل کے بجائے عین دانائی پر محمول نہ ہوگا۔
اور پھر دوسری طرف اشاعرہ کی جو تحدید ہے، ہم اس کو بھی پورے طور پر سراہنے کے لئے تیار نہین ہین ملکہ اس کے رو سے آیت منسوخ ایک ایسا حکم قرار پاتا ہی کہ اگر حکم ناسخ نہ آیا ہوتا تو وہ ہمیشہ باقی رہتا۔ ممکن ہی منطقیانہ تعریف مین یہ الفاظ اپنی جگہ صحیح ہوجائین لیکن واقعہ نفس الامر کے لحاظ سے شاید آیت منسوخ کو ان الفاظ مین روشناس کرانا صحیح نہ ہو، کیونکہ حقیقت یہ ہی کہ قرآن مجید مین جس قدر آیات منسوخہ کہی جاتی ہین، ان پر اگر عام نگاہ ڈالی جائے تو یہ خود اندازہ ہوتا ہی کہ ان کا حکم اپنے نزول کے وقت ہی سے ایک معین مدت تک کے لئے محدود تھا، اور بلکہ اکثر آیتون مین اُن کے الفاظ اس کی خود شہادت دیتے ہین کہ آیندہ چلکر یہ حکم بدل جانیوالا ہی، اور اس کے بعد اگر یہ امر واقعہ ہی کہ آیات ناسخ ومنسوخ حالات ضروریات اور مقتضیات وقت کے مطابق نازل ہوئین، تو شاید یہ بآسانی سمجھا جاسکتا ہی کہ جب ایک

حالت کے بدلنے سے اس وقت کا جاری حکم منسوخ ہو گیا، اور اس کے بجائے دوسرا حکم نازل ہوا، تو کیا یہ صحیح نہ ہوگا کہ اگر کسی موقع پر پھر وہی پہلی حالت عود کر آئے اور وہی صورت حال پیش آجائے تو وہ حکم منسوخ اس وقت دوبارہ نافذ و جاری ہو جائیگا، البتہ اس کے ساتھ یہ تحدید ضروری ہوگی کہ بشرطیکہ قرآن مجید میں حکم اول و دوم کی علتیں مذکور ہوں، مثال کے طور پر مسلمانوں کی اُس زندگی کو پیش کیا جا سکتا ہے، جو ابتداءً مکہ معظمہ میں گذری تھی کہ مسلمانان مکہ جس قلت و ضعف کی حالت میں تھے اگر آج کسی مقام کے باشندے انھیں حالات میں گرفتار ہو جائیں، تو انھیں اپنے طرز زندگی اور عام حالات میں عفو و درگذر کے وہی تعلیمات اختیار کرنے پڑیں گے، جو قیام مکہ میں قبل ہجرت اسلامی شعار تھا، اور جس کے احکام مدینہ منورہ کے دور زندگی کے شروع ہوتے ہی منسوخ ہو چکے تھے، کیونکہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سے معاملات میں نئے نئے احکام صادر ہو گئے تھے،

اس لئے اگر قرآن مجید کی ان تمام آیتوں پر جو ناسخ و منسوخ کہی جاتی ہیں معتزلہ علمائے نسخ کے مسلک سے قطع نظر کرکے بامعان نظر ڈالی جائے تو شاید معلوم ہو کہ قرآن مجید کے تمام احکام دو قسموں میں منقسم ہیں، اولاً ان میں اکثر ایسے احکام و آیات ہیں، جنکا حکم دائمی و ابدی ہے، اور بعض ایسی آیتیں ہیں، جو مسلمانوں کے وقتی حالات کے مطابق نازل ہوئیں، اور ان کا نفاذ بھی محض وقتی و عارضی تھا، یہ دونوں قسم کی آیتیں موبد و محدد کے نام سے موسوم کیجا سکتی ہیں، آیات موبد و محدد کی تشریح ذیل کی چند مثالوں سے ہو سکتی ہے، اور انھیں سے دیگر احکام و آیات پر قیاس کیا جا سکتا ہے[1]، مثلاً سورہ بقرع ۱۳ میں ہے:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ، تو معاف کرو اور درگذر کرو یہانتک کہ خدا اپنا دوسرا حکم صادر فرمائے،

علمائے نسخ نے اس آیت کو سلسلۂ ناسخ و منسوخ میں شمار کرکے منسوخ قرار دیا ہے، اس لئے تعریف نسخ کے رو سے اس کی ناسخ آیت نے اس حکم کو زائل کر دیا، اور نسخ کے شرائط و قیود کے لحاظ سے یہ ہمیشہ کے لئے ممنوع العمل قرار پا گئی، اور اسی طرح ان کی تشریح کے مطابق اگر اس کی ناسخ آیت

[1] مستفاد از درس قرآن حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی،

نازل نہ ہوتی تو یہ ہمیشہ کے لئے نافذ العمل رہتی، لیکن ایک طرف اس آیت پر علمائے نسخ کے یہ قید وبند ہین، اور دوسری طرف خود اس آیت کا طریق ادا اس مفہوم کو واضح کررہا ہی کہ یہ حکم محض عارضی حالات پر نازل ہوا ہے، کیونکہ اس آیت کا لفظ "حتیٰ یہاتنک" خود اس کے عارضی محدود ہونے کو ظاہر کررہا ہی کہ اسکے بعد کوئی دوسرا راہ عمل بھی بتایا جانے والا ہی" اور اسی طرح یہ بھی سمجھا جاسکتا ہی کہ اگر آج وہی حالات مسلمانون کو پیش آئین جو اس آیت کے نزول کے وقت تھے، تو یقیناً یہ آیت اس وقت بھی نافذ العمل رہے گی، لیکن علمائے نسخ کی تصریح کے مطابق نہ اب یہ نافذ العمل ہوسکتی ہی، اور اگر حکم ناسخ نہ آگیا ہوتا تو ہمیشہ کے لئے نافذ العمل رہتی، اسی طرح سورۂ نساء مین ایک آیت ہے:۔

ولا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ　　　نشہ کی حالت مین نماز پرمت کھڑے ہو،

یہ اس وقت نازل ہوئی، جب شراب کا پینا پلانا جائز تھا، حرمت شراب کی محکم آیت نے اس کو منسوخ قرار دیدیا، اس لئے یہ حکم بھی حکم محدود تھا، جو اسی وقت تک نافذ تھا، جب تک نشہ حرام نہین تھا، پھر حکم مؤبد یعنی حرمت شراب کے آتے ہی یہ آپ سے آپ منسوخ ہوگئی، لیکن باینہمہ حرمت شراب اگر کسی سے شراب نوشی کا جرم سرزد ہو، تو کیا اس کے منسوخ ہوجانے کے باوجود مے خوار کو اس کی اجازت ہوگی کہ نشہ کی حالت مین بھی نماز پڑھے، اگر نہین، تو یہ آیت اپنے منسوخ ہونے کے باوجود اس صورت مین نافذ العمل ہوجاتی ہے، اس لئے یہ حکم محدود اپنے محدود ہونے کے باوجود بھی نافذ العمل رہا،

اور مثلاً اسی طرح سورہ انفال مین ہے:۔

یآایھا النبی حرض المومنین علی القتال	اے پیغمبر! مسلمانون کو لڑنے پر برانگیختہ کرو کہ اگر تم
ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا	مین سے ثابت قدم رہنے والے بیس بھی ہونگے
مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوآ الفًا	تو دوسو (کافرون) پر غالب رہین گے، اور اگر
مّن الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون	تم مین سے ایسے سو ہونگے تو ہزار کافرون پر غالب

والئن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین (انفال ع ۹)

رہیں گے، کیونکہ یہ لوگ ایسے ہیں جو (اجر عاقبت) کو سمجھتے ہی نہیں اب خدا نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے دیکھا کہ تم میں کمزوری آگئی ہے تو اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سو ہونگے تو دو سو پر غالب آئینگے، اور اگر تم میں سے ہزار ہونگے تو خدا کے حکم سے دو ہزار

ان ناسخ و منسوخ تعدادون کے بیان مین واقعہ صرف اسی قدر ہی کہ جب ابتدائے اسلام مین مسلمانون کی تعداد کم تھی تو بیس مسلمان دوسو مشرکین عرب کے مقابلہ کے لئے کافی قرار دیئے گئے، کیونکہ یہ اصول فطرت کا ایک نکتہ ہے، کہ جب کوئی چھوٹی جماعت کسی بڑی جماعت کا مقابلہ کرتی ہی، تو اس کی عصبیت جماعتی کی طاقت اس قدر استوار ہوتی ہی کہ وہ اپنے جوش و خروش، اور جذبۂ جنگ آزمائی سے اُس بڑی جماعت کی کثرت کے مدمقابل بنجاتی ہی کہ اگر ایک طرف کثرتِ تعداد کی قوت ہوتی ہے، تو دوسری طرف وہی قوت عصبیت جماعتی سے پیدا ہو جاتی ہے، لیکن پھر جب وہی جماعت اپنی تعداد مین ترقی کرتی ہی، تو اس کے کثرتِ تعداد کا احساس اس کے بلند عزم و ارادہ اور اس کی اس طاقت کو جو جنگ مین کام کرتی ہے، کمزور کر دیتا ہی، چنانچہ غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود ان الفاظ مین بیان فرماتا ہے:۔

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین (توبہ ع ۴)

اور حنین کے دن جبکہ تمھاری کثرت نے تمکو مغرور کر دیا تھا، تو وہ (کثرت) تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہونے لگی، اور پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے،

اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال کی آیتِ ماسبق مین مسلمانون کو مشرکین عرب کے مقابلہ مین پہلے اگر بیس کو دوسو کے مقابلہ مین ٹھہرایا تھا، تو پھر مسلمانون کی تعداد کے قلت سے کثرت مین بدل جانے کے بعد اس کے بجائے سو کو دوسو کے مقابلہ مین رکھا، اور آخر مین ارشاد فرمایا،۔

والآن خفف اللہ عنکم — اب اللہ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا،

لیکن کیا اب فیصلۂ خداوندی کی رو سے ہمیشہ سو مسلمان دو سو دشمنون کے مقابلہ مین کافی سمجھے جائین گے، یا اگر ان کی یہی کثرت پھر کسی جگہ قلت سے بدل گئی تو کیا پھر وہی سابق معیار پھر لوٹ نہ آئیگا جو مسلمانون کی قلت کے زمانہ مین قائم کیا گیا تھا،

اس لئے درحقیقت یہ اور اس قسم کی بکثرت مثالین ایسی ہین، جن سے اندازہ ہوتا ہی کہ قرآن مجید مین نسخ کا مفہوم درحقیقت صرف اسی قدر ہے کہ نسخ ایک ایسا حکم محدد ہی جو عارضی طور پر کسی خاص وقت اور خاص حالت مین نازل ہوا ہو، لیکن جب وہ حالات بدل گئے، تو ان کے بجائے ابدی احکام نازل ہوئے، اور انھین پر عملدرآمد جاری ہو گیا، لیکن اگر کسی خاص وقت مین وہی حالات پھر پیش آجائین جو اس عارضی حکم کے نزول کے وقت طاری تھے، تو وہ حکم بھی دوبارہ عود کر آئیگا، اور اس لئے قرآن مجید مین ایسی کوئی آیت بھی نہین، جس سے مسلمان ہمیشہ کے لئے مستغنی ہو گئے ہون، اور قرآن مجید مین ان کے باقی رہنے کا صرف اسی قدر فائدہ ہو کہ نزول آیات مین واقعات کی ترتیب معلوم کرنے کیلئے محض تاریخ کے مواد کی حیثیت سے کام آئین، کہ خواہ قرآن مجید کے آیات محدد ہون یا موبد اپنے حالات وضروریات کے لحاظ سے ہمیشہ نافذ العمل ہین،

آہ آرنلڈ!

از

جناب شیخ عنایت اللہ ایم اے، اسکول آف اورئنٹیل اسٹڈیز لندن

ابھی ہم فقید العلم پروفیسر براؤن کے نوحہ سے فارغ نہین ہوئے تھے، اور ان کے ماتم کی صدائین ابھی قصرِ علم کے ہر در و دیوار سے آرہی تھین کہ ہمین ایک اور محب الاسلام والمسلمین یعنی پروفیسر سر ٹومس آرنلڈ کا ماتم کرنا پڑا، ان کے سفرِ مصر اختیار کرنے اور جامعہ مصریہ مین خطبات دینے کا ذکر ناظرین نے معارف کے شذرات مین پڑھا ہوگا، مصر سے براہ قسطنطنیہ مراجعت کئے ابھی ہفتہ عشرہ گذرا تھا کہ اچانک ۹ رجون (سنہ ۱۹۳۰ء) کو صرف ایک دو دن کی علالت کے بعد بعارضۂ قلب اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے، جس کسی نے اس المناک خبر کو سنا، حیران و ششدر رہگیا، کیونکہ انتقال سے ایک دو دن پہلے ہر کسی نے ان کو اسکول مین اپنے فرائض مین مشغول اور ملاقاتیون سے حسبِ معمول بجبینِ خندان ملتے دیکھا تھا، واپسی پر نہایت ہشاش بشاش تھے، جس کسی سے ملتے اس کے مناسبِ حال اپنے تاثرات اور تجارب سفر مین سے چیدہ چیدہ حالات سنا کر خود بھی مسرور ہوتے اور دوسرون کو بھی محظوظ کرتے، پہلی ہی ملاقات مین مجھ سے اپنے قیامِ قسطنطنیہ کا خوشی خوشی ذکر فرمایا، اور کہنے لگے "عنایت اللہ، تم نے قسطنطنیہ دیکھا ہے؟" مین نے عرض کیا "نہین" فرمانے لگے کہ "مین وہان پورے نو دن رہا، اور ہر ایک قابلِ دید شی کی خوب سیر کی، بے شمار لائق دید عمارات اور مقامات مین سے قصرِ سلطانی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے، جو اب ایک میوزیم کی صورت مین تبدیل کر دیا گیا ہے، صرف خاص خاص زائرون کو داخلہ کی اجازت ملتی ہے، مین وہان ایک عرصہ تک رہا، اور تم سے کیا بیان کرون

کہ وہان ارض و سما کے کیا کیا خزانے جمع ہین، ترکون نے بیسیون ملکون کو تہ و بالا کیا، اور اپنے گھر کو سجایا، مصر کو لوٹا، ایرانیون پر کئی دفعہ فتحیاب ہوئے، غرض صدیون تک دنیا و جہان کے نوادر و تحائف سے اپنے پایۂ تخت اور قصور و محلات کو مالا مال کرتے رہے، علاوہ دیگر لاتعداد نفائس کتب کے مین نے وہان ایک مصور نسخہ دیکھا جو خود شاہ طہماسپ کے لئے تیار ہوا تھا، اور اس کے ذاتی شاہی کتبخانہ مین رہ چکا تھا" الغرض اور بہت سے آثار و یادگار زمانہ اشیاء کا ذکر بڑے لطف سے کرتے تھے، انھین کیا معلوم تھا کہ عنقریب وہ خود ایک افسانۂ روزگار بنجانے والے ہین،

ان کی ذات مستجمع الصفات اس بات کی محتاج نہین کہ ہندوستان کے مسلمانون سے انکا از سر نو تعارف کرایا جائے، ہند یعنی اسلامی ہند کے ساتھ انکا بڑا ہی اور گہرا تعلق تھا، سرسید مرحوم کے زمانہ مین علی گڈھ کالج مین دس سال درس دیتے رہے، پھر لاہور گورنمنٹ کالج مین فلسفہ کے پروفیسر اور پنجاب یونیورسٹی کی اورنٹیل فیکلٹی کے ڈین کی حیثیت سے چھ سال گذارے، غرض اپنی عمر کے سولہ سال ہندوستان کی نذر کئے، اپنی مشہور عالم تصنیف پریچنگ آف اسلام (THE PREACHING OF ISLAM) (دعوت اسلام) نو سال کی مسلسل محنت کے بعد یہین بزمانۂ قیام علی گڈھ، لکھی جسکا اڈیشن اولین جو ۱۸۹۶ء مین شائع ہوا، سرسید مرحوم کی وصیت کے مطابق میرے ایک بزرگ ہمنام کے قلم سے اردو مین ترجمہ ہو کر "دعوتِ اسلام" کے عنوان سے اردو دان اصحاب سے روشناس ہوچکا ہے ۱۹۰۴ء مین انڈیا آفس (لندن) مین اسسٹنٹ لائبریرین مقرر ہوئے، اور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستانی طلبا مقیمانِ انگلستان کے تعلیمی مشیر اور نگران کار مقرر رہے، اور ۱۹۲۰ء سے تا آخر حیات اسکول آف اورنٹیل سٹڈیز (لندن یونیورسٹی) مین عربی کی مسند درسیات کو زینت بخشی، ہندوستان سے اسکول مذکور مین ہندوستانی طالب علمون کو عربی اسلامی مضامین کے مطالعہ کے لئے جو چیز کھینچ لاتی تھی، وہ آپ ہی کی ذات بابرکات تھی،

مولانا شبلی مرحوم ومغفور کے ساتھ ان کی جو مخلصانہ دوستی تھی، وہ ہر ایک کو معلوم ہے، اور ایک کلاسیکل (Classical) چیز بنکر ہمارے ہان ایک ادبی روایت کی حیثیت اختیار کرچکی ہے، فی الواقع یہ دونون بزرگ ایک دوسرے کے قدرشناس تھے، اور مشرقی عالم نے مغربی فاضل کے دل پر اپنی شخصیت اور اخلاص ومودت کا جو گہرا نقش چھوڑا تھا، وہ اس ایک واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب ایک دفعہ مجھے اُن کے دولتخانہ پر شرف ملاقات حاصل ہوا، اور دوران گفتگو مین مولانا شبلی کا ذکر خیر آگیا تو فرمانے لگے کہ مین انھین ایک برادر عزیز کی طرح چاہتا تھا، اور مجھے یقین ہو کہ وہ بھی میری محبت کا جواب محبت سے دیتے تھے، پھر گرمجوشی کے ساتھ اس فارسی قطعہ کی طرف اشارہ کیا جو مولانا مرحوم نے اُن کے علی گڈھ سے رخصت ہونے کے موقع پر لکھا، اور جو اب بھی انکے کتب خانہ کی دیوار پر آویزان تھا، غرض مولانا کی زندہ دلی، بذلہ سنجی اور ان کے شگفتہ ظریفانہ لطائف کی یاد مین بے اختیار ہنستے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر ان سے مجھے کوئی شکایت تھی تو یہ کہ وہ میرے ساتھ عربی کی تعلیم کے خشک کام مین سر کھپائی کرنے سے گریز کرتے تھے، جب مین ان سے کہتا کہ مجھے عربی پڑھاؤ، تو جواب دیتے کہ "نہین، نہین تم پہلے ہی سے بہت کچھ جانتے ہو، مین کچھ اپنے لئے بھی تو رکھون"

ہندوستان کے ساتھ انکا تعلقِ خاطر آخر وقت تک قائم رہا، چنانچہ جامعہ مصریہ مین پچھلے سال جو خطبات دیئے، ان مین عام اسلامی تاریخ کے علاوہ، انکا دوسرا موضوع خاندان تیموریہ کی تاریخ تھا، ان کے مصر سدھارنے کے قبل جب مین نے پوچھا کہ آپ وہان کس مضمون پر لکچر دینگے تو جواب دیا کہ خاندان تیموریہ مغلیہ پر، کیونکہ مجھے مصری طلبہ اور دیگر اشخاص سے گفتگو کرکے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ہندوستانی مسلمانون کو حقیر جانتے ہین، بدین وجہ کہ انکی نظر ہند کے موجودہ انحطاط پر ہے، مگر وہ اسلامی ہند کی گذشتہ عظمت وشان (Glories) سے ناواقف ہین، مین

نہین بتانا چاہتا ہون، کہ اسلامی ہند ایک وقت مین کیا تھا، اور اب بھی اقوام اسلامیہ مین اسکا کیا درجہ ہے،

کیا بلحاظ وسعتِ علم اور کیا بلحاظ وسعتِ اخلاق، پروفیسر آرنلڈ جیسے عالم کا صفحۂ ہستی سے اٹھ جانا ہر حالت مین ماتم خیز تھا، مگر ایسے وقت مین جبکہ انگلستان مین پہلے ہی سے دوسرے یورپی ممالک کی نسبت عامہ مستشرقین کا بالعموم اور اسلامی روایات سے ہمدردی رکھنے والے علماء کا بالخصوص قحط ہے، انکی موت اور بھی زیادہ المناک اور تاسف انگیز ہے، اور جہان تک اسلامی تاریخ اور علوم وفنون کی تحقیق وتفتیش کا تعلق ہے، انکا انتقال فی الواقع ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے، اسلامی السنہ اور اسلامی تاریخ وتمدن کے درس ومطالعہ کے مدعی توکئی ایک ہین، مگر روحِ اسلام اور اسلامی روایات کے کماحقہا سمجھنے کی جو توفیق قدرت کی طرف سے انھین عطا ہوئی تھی، وہ بہت کم لوگون کے حصہ مین آئی ہے، اسلامی تعالیم اور اصول کی تشریح وتوضیح مین وہ جس سلامت روی، جس بصیرت اور جس ہمدردانہ خوش فہمی کا ثبوت دیتے، اس سے اگر ایک طرف اعتدال پسند اور منصف مزاج فرقۂ علماء سے خراجِ تحسین وصول کرتے تھے، تو دوسری طرف پادری زویمر وامثالہٗ اُن پر پاسداری اور بیجا سرگرمی کا الزام لگاتے اور انکی تحریرون پر نہایت تلخ لہجہ مین معترض ہوتے تھے،

ان کی بے بدل کتاب پریچنگ آف اسلام (Preaching of Islam) نہ صرف فن تاریخ نویسی کا ایک اعلیٰ نمونہ اور اسلامی تاریخی ادب مین ایک بیش بہا اضافہ تھا، بلکہ اسکی تحریر سے انھون نے اسلام کے بے داغ چہرے سے جو داغ مٹایا، وہ عامۂ مسلمین کی ایک بہت بڑی خدمت تھی، جو انھون نے سرانجام دی اور جس کے احسان گرانبار سے کافہ مسلمین کی گردن کبھی ہلکی نہین ہوسکتی، چونکہ وہ کتاب ایک غیر مسلم محقق کے قلم سے نکلی تھی، اس لئے رائے عامہ پر اس کے نتائجِ تحقیق کا بہت اچھا اثر پڑا اور مخالفین نے ازراہ تعصب اور جہالت اسلام کے

بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کی جو رٹ لگا رکھی تھی، اسکا بہت حد تک سدِّباب ہو گیا، اگر آج اسلام کی پُرامن اشاعت معتدل علمائے مستشرقین کے درمیان مسلّمات مین سے ہے، تو یقیناً ہوا کا رخ پلٹنے اور اس صحیح رائے کے پیدا کرنے مین ڈاکٹر صاحب کی پرزور اور ناقابلِ تردید تحقیق کا بہت سا حصّہ ہے، اگرچہ انھون نے دعوتِ اسلام مین صرف بے لوث علمی تحقیق کی داد دی تھی، مگر بلحاظ نتیجہ کے اس مین اسلام کی مدافعت اور حمایت کا جو پہلو پیدا ہو گیا تھا، اس کی بنا پر بعض اچھے پڑھے لکھے آدمیون کو یہ گمان بلکہ یقین ہوتا تھا کہ اسکا مصنف مسلمان ہی، اگرچہ ڈاکٹر صاحب عقیدۃً مسلمان نہ تھے، لیکن اگر مکارمِ اخلاق، انسانی ہمدردی، اخلاص وصداقت، تلطف وملائمت، اور فرض شناسی کا نام اسلام ہے، تو بلاشبہ وہ نہ صرف مسلمان تھے، بلکہ ہمارے آج کل کے مردم شماری کے اکثر مسلمانون سے بہتر تھے،

ان کی اس معرکۃ الآرا تصنیف کی خاص کر جرمنی مین ہمیشہ سے بہت قدر ومنزلت رہی ہی اور ان کی یہ وقعت اور قبولیت بدین لحاظ کوئی معمولی بات نہین کہ جرمن علما بالعموم انگریز مصنفون کو خاطر مین نہین لاتے، اور یہ امر باعثِ تعجب نہین، کیونکہ جیسا کہ اہل خبر سے پوشیدہ نہ ہوگا، نہ صرف انگریزی زبان مین مشرقیات کا ذخیرہ مقابلۃً کم ہے، بلکہ تاحال انگریز مصنفین باستثنا چند لیویؔ اور خصوصاً جرمن مستشرقین کے خوشہ چین رہے ہین، لیکن اگر کسی انگریز مستشرق کی کوئی تصنیف جرمن معیارِ تحقیق پر پوری اتری ہی تو وہ ڈاکٹر صاحب کی دعوتِ اسلام ہے، خصوصاً پروفیسر گولڈ سیہر (Goldziher) متوفی سنہ ۱۹۲۲ء ان کے بہت مداح اور قدر شناس تھے، اسی طرح دیگر علما بھی احترام کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہین، آرنلڈ صاحب مجھ سے ایک دفعہ بیان فرماتے تھے کہ مین نے ڈاکٹر بیکر (Becker) مشہور وممتاز جرمن مستشرق سے ایک دفعہ سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تم جرمن عالم لوگ باوجود اپنے بے مثال تبحرِ علمی اور شوقِ تحقیق کے اشاعتِ اسلام کی تاریخ کے مسئلہ پر توجہ نہین کرتے، اور اس ضروری موضوع پر اپنی زبان مین کوئی کتاب تیار نہین

کرتے، تو (جوہر شناس) ڈاکٹر نے جواب دیا کہ "اسکی یہ وجہ ہی کہ ہم لوگ آپ کی کتاب پڑھتے ہین"

فی الواقع مشرق و مغرب مین وہ اپنے موضوع پر ایک واحد اور بے بدل کتاب ہی، اگرچہ فرانسیسی محققین نے افریقہ مین اشاعت اسلام کے متعلق حال مین بہت کچھ لکھا ہی، اور دیگر قطعات و ممالک اسلامی کے متعلق بھی مزید معلومات جمع ہوتی جا رہی ہن، مگر تمام عالم اسلامی کا اس لحاظ سے سوائے پروفیسر صاحب کے کسی نے احاطہ نہین کیا، اس کا دوسرا اڈیشن جو ۱۹۱۳ء مین شایع ہوا، چند سال سے ختم ہو چکا ہی، اور ایسا کمیاب ہوتا جا رہا ہی کہ جن دو ایک مصری صاحبوں نے اس کے عربی ترجمہ کرنے کی اجازت لے رکھی ہی، وہ اصل کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہین، کچھ مدت سے اس کے تیسرے اڈیشن کی فکر مین تھے، اور نئے مواد کی جمع و ترتیب مین مشغول تھے، مگر افسوس کہ اجل نے مہلت نہ دی، جب مین نے ایک دفعہ اس کے اردو ترجمہ کا ارادہ ظاہر کیا تو انھون نے نہ صرف میرے ارادے کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے شرف قبولیت بخشا تھا بلکہ اپنے چند ایک دیگر مقالات کا حوالہ دیا تھا، جو انھون نے ایک انسائیکلو پیڈیا کے لئے لکھے تھے، اور فرماتے تھے، کہ جب تم کسی آیندہ وقت ترجمہ کرو تو ان مقالات کا ترجمہ بھی شامل کر لینا جو بلحاظ اپنے مضمون کے ضمیمہ یا تتمہ کتاب کا کام دین گے،

ایک مدت سے انھین اسلامی آرٹ (Art) کے مطالعہ و تحقیق کی طرف خاص رغبت ہو گئی تھی، اور اپنی عمر کے کم از کم آخری دس سال انھون نے زیادہ تر اسی موضوع کے مطالعہ مین صرف کئے، Mr. Binyon کی معیت مین شاہان مغلیہ کے درباری مصورون پر انھون نے جو کتاب لکھی وہ اپنے موضوع پر ایک نہایت دلچسپ بلکہ دلفریب کتاب ہے، مگر اسلامی فن تصویر پر انکی جامع تصنیف التصویر فی الاسلام ہے، جو ۱۹۲۸ء مین شایع ہوئی مجھ سے ایک دفعہ از راہ شکایت اور افسوس ذکر کرتے تھے کہ انگلستان مین بہت کم ایسے لوگ

مین جو اس موضوع پر کام کرتے ہون، اور جن کے ساتھ مین اس مضمون پر تبادلۂ خیالات کرسکون،
چنانچہ انکی آخری کتاب "اسلامک بک" پروفیسر Grohmann کی شرکت مین
لکھی گئی ہے، سنہ رواں (مارچ ۱۹۳۱ء) کے آغاز مین لندن مین ایرانی (Art) فنون کی جو عظیم الشان
بین الاقوامی نمائش اور کانگریس منعقد ہو رہی ہے، یہ انھین کی اولین تجویز و تحریک کا نتیجہ ہے،
مگر افسوس وہ خود اس مین حصہ لینے کے لئے اس وقت زندہ نہین ہین، Art پر ان کی
تصانیف کے عنوانات حسب ذیل ہین:-

۱ سلاطین مغلیہ کے درباری مصورین ۱۹۲۱ء (The court painters of The great moguls 1921)
۲ اسلام مین مصوری ۱۹۲۸ء (Painting in Islam 1928)
۳ بہزاد اور اس کی تصویرین ظفرنامہ کے قلمی نسخہ مین۔ (Bihzad and his painting in the Zafarnama)
۴ اسلامی کتاب ۱۹۳۰ء (The Islamic Book 1930)

عربی زبان کی تعلیم کے متعلق اُن کے چند خاص اصول و قواعد تھے، جنپر وہ ایک مدت العمر کے تجربہ کے بعد پہونچے تھے، اسکول مین انکی تعلیم انھین اصول پر مبنی تھی، اور فرماتے تھے کہ انکی نگہداشت اور استعمال سے ہمیشہ بہت تسلی بخش اور عمدہ نتائج مترتب ہوئے ہین، یہ امر پوشیدہ نہین، کہ کچھ عرصہ سے وہ انھین اصول پر ایک عربی گریمر کی ترتیب دینے مین مصروف تھے، مگر افسوس کہ کئی ایک دیگر کامون کی طرح یہ مفید کام بھی سرانجام نہ پاسکا، وہ اس بات کے سخت مخالف تھے کہ طالب علمون کے نصابِ تعلیم مین، خواہ وہ مبتدی ہون یا منتہی، مشکل کتابون کو خواہی نخواہی داخل کیا جائے، وہ کتابین جنکی سب سے بڑی خصوصیت اور وجہ شہرت محض یہ ہے کہ ان مین مغلق الفاظ کی بھرمار ہے، ایسی کتابون کو وہ طالب علمون کی ترقی مین سخت حارج

سمجھتے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ ہر درجہ مین اس کے مناسب نصاب خواہ لمبا ہو مگر آسان اور بے فائدہ مغلقات سے پاک، تاکہ طالب علم کی نظر سے زیادہ سے زیادہ ممکن کتابین گذر جائین، اور وہ مختلف قسم کی نثر اور نظم اور لٹریچر کے مختلف اصناف سے نسبتہً قلیل عرصہ مین آشنا ہو سکین، بجائے اس کے کہ وہ ایک ہی مشکل کتاب پر عرصہ تک بے فائدہ سر ٹیکتے رہین، اسی لئے وہ عربی مین عجائب المقدور (تاریخ تیموری) اور مقامات حریری اور فارسی مین درۂ نادرہ اور تاریخ وصاف وغیرہا قسم کی کتابون کو درسی نصاب کے لئے بالکل نامناسب خیال کرتے تھے اور کہا کرتے کہ یہ تو قدیم ادبی نوادر (literary curiosities) ہین جب طالب علمون کو زبان مین دخل حاصل ہو جائے تو بعد مین اگر وہ چاہین از راہ شوق بطور خود پڑھ سکتے ہین، اور افسوس کیا کرتے کہ ہندوستان مین ابھی تک ذمہ دار لوگ نہ قدیم مدارس مین نہ جدید تعلیم گاہون مین، اس قدیم طرز تعلیم کی غلطی پر متنبہ نہین ہوئے، اور اسی قسم کے غلط طریقہ ہائے تعلیم کو ہندوستان مین علوم عربیہ کی موجودہ پستی اور کساد بازاری کا ایک قوی سبب جانتے تھے،

علاوہ ازین اسلامی ہند کے موجودہ علمی جمود پر افسوس کیا کرتے، ایک دفعہ مجھ سے فرمانے لگے، کہ جس زمانہ مین مین ہندوستان مین تھا، تمھاری یونیورسٹیون مین بیش قرار تنخواہ ہون والے مشرقی پروفیسر مقرر نہ تھے، یہ تبدیلی حالات بہت مبارک اور خوش آیند ہے، مگر اس سے ابھی تک علمی فضا مین وہ حرکت اور وہ زندگی پیدا نہین ہوئی جس کی بجا طور پر توقع کیجا سکتی تھی، تمھاری کرسی ہائے دراست کی علمی پیداوار صفر کے قریب قریب ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ مخصوص حلم و انکسار کے ساتھ کہتے، کہ مین کون ہون؟ جو اس بارہ مین شکایۃً لب کشائی کرون، مگر حقیقت مین یہ کوئی شکایت نہ تھی، بلکہ اُن کی سچی دلسوزی کا اظہار تھا، اور سچ بھی یون ہے، کہ اس ملک کی حالت پر جتنا نوحہ کیا جائے کم ہے، جہان کے اکثر حاملانِ علم اور مدعیانِ فن کا اولین اور آخرین علمی کارنامہ

وہ کتاب ہوتی ہے، جو وہ ڈگری حاصل کرنے کے لئے لکھتے ہیں، خصوصاً اسلامی تاریخی تحقیقات کی کس مپرسی اور عام پستی پر افسوس کرتے اور کہتے کہ تمھارے ملک کے اساتذہ کا نام ہم لوگ ہندوستان سے باہر بہت کم سنتے ہیں، میں نے جواباً عرض کیا کہ ہم لوگ خود ہندوستان میں رہکر نہیں سنتے، آپ سات سمندر پار کیا سنیں گے، اس قسم کی تحقیقات کا بار وہ زیادہ تر عربی اور فارسی کے اساتذہ پر ڈالتے اور کہتے کہ چونکہ تاریخی مصادر و مآخذ، جہاں تک قرونِ اُولیٰ کا تعلق ہے، بیشتر عربی میں ہیں اور جہاں تک ہند کی اسلامی تاریخ کا واسطہ ہے، فارسی میں، لہذا وہ لوگ اس کام کے زیادہ اہل ہیں، مگر وہ اس بات کو فراموش کر جاتے کہ اس کے لئے محض عربی دانی یا فارسی دانی کافی نہیں، بلکہ جوشِ عمل شرطِ اولین ہے، اور اس علمی شغف، اس وارفتگی و سرشاری، اس علمی عشق کی ضرورت ہے جس نے پچھلی صدی میں شبلی پیدا کیا، وہ ذاتی شوق، وہ طبعی رجحان، خدمتِ علم کا وہ سچا جوش و ولولہ اور علم کی پرستاری کا وہ جذبہ جسکو نہ حکومت و ریاست کی سرپرستی، نہ سرکاری عہدوں کی بیش قرار تنخواہیں پیدا کر سکتی ہیں اور جو نہ کسی مشرقی یا مغربی یونیورسٹی کی سند سے حاصل ہو سکتا ہے،

ان کی تمام زندگی جو نہایت سادہ اور ہر قسم کے تکلف سے مبرا تھی، الفقر فخری کی عملی تفسیر تھی، دوران مکالمہ میں جب ایک دفعہ میری زبان سے نکل گیا، کہ مجھے لذائذ زندگی (amenities of life) سے متمتع ہونے سے احتراز نہیں، تو مارے تعجب کے چونک اٹھے، اور فرمانے لگے، کہ عنایت اللہ! تمھیں اپنے استاد کے سامنے ایسی بات کہتے شرم نہیں آتی لاحول ولا قوۃ[1] محض دنیاوی آسائش کیا چیز ہے، پھر فرمایا، Inayatullah live the [illegible] (عنایت اللہ ایک اسکالر کی زندگی بسر کرو) ان کے یہ پر اثر الفاظ جب تک

[1] اس قسم کی شرقی رسمی کلمات ان کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتے تھے، علاوہ ازین بوقت ضرورت اردو صاف بولتے تھے اور پڑھتے تھے،

زندہ ہون میرے کانون مین گونجتے رہین گے، کہا کرتے کہ مین غریبون کے گھر پیدا ہوا اور ساری عمر غربت
مین بسر کی، مگر مین نے کبھی اس بات پر افسوس نہین کیا، اور نہ یہ بات لایقِ افسوس ہی کیونکہ مجھے اپنی
جگہ اس خیال سے کامل اطمینان اور تسلی ہو کہ مین نے اپنا وقت حتیّ الامکان صرف ایسے کام مین
صرف کیا ہی جس کو اپنی راے مین مفید سمجھتا ہون جرمنی جانے سے پہلے ایک دفعہ مین نے ان سے
دریافت کیا کہ آیا مجھے وہان تین ماہ کے لئے ایک سو پونڈ کی رقم کافی ہوگی تو کہنے لگے کہ کیا تم وہان
نوابون کی طرح رہنا چاہتے ہو، تمھین کیا معلوم کہ جرمن طالب علم کس طرح رہتے ہین، اور ان مین سے
بعض کس قدر عسرت زدہ ہوتے ہین، اور ساتھ ہی اُن کے علمی ذوق و شوق پر عش عش کرتے اور کہتے
کہ وہ ہزار تکلیف جھیلتے ہین مگر دامنِ طلب ہاتھ سے نہین چھوڑتے، قیامِ جرمنی مین مجھے خود کئی ایک
ایسے واقعات دیکھنے اور سننے کا اتفاق ہوا جن سے اُن کے قول کی پوری تصدیق ہوتی تھی، مگر انکی
تفصیل کا یہان موقع نہین،

اپنے شاگردون کے لئے وہ سفر و قیامِ جرمنی ایسا ہی ضروری سمجھتے تھے جیسا کہ ذی استطاعت
مسلمان کے لئے سفرِ حج، جرمن علما کا اُن سے بڑھکر کون قدرشناس ہوسکتا ہی، اپنے طلبہ کے لئے
جرمن زبان کی تحصیل ازبس ضروری جانتے تھے، تاکہ وہ جرمن ذخیرۂ مشرقیات سے مستفید ہوسکین،
خود جرمن خوب بولتے تھے اور لکھتے تھے،

ان کے ستودہ خصال مین زندہ دلی، نرمی، اور حسلم و انکسار کے پہلو خاص طور پر نمایان
تھے جس سے وہ ہرکہ ومہ کے دل مین گھر کرلیتے تھے، خواہ کسی سے چند لمحون کے لئے ملتے، مگر اس کے
دل پر اپنے حسنِ اخلاق اور شگفتگیِ طبع کا گہرا نقش چھوڑ جاتے تھے، عام طور پر کہا جاتا ہے، کہ ہر شخص
کے دوست بھی ہوتے ہین اور دشمن بھی، مگر جہان تک مجھے علم ہی ان کے جاننے والون سے مین نے
کبھی ایک حرف اُن کے خلاف نہین سنا جو ان کے غیر معمولی حسنِ سیرت کی دلیل ہی خصوصًا اپنے

شاگردون کے ساتھ اُن کا برتاؤ نہایت مشفقانہ تھا، اُن کو ہمیشہ تلطف اور مہربانی کے کلمات سے پکارتے، مثلاً مائی ڈیر عنایت اللہ یا مائی ڈیر حمیدانی انکا معمولی طرز تخاطب تھا، راقم الحروف کے ساتھ جو کچھ انکا حسن سلوک و حسن ظن تھا، اور اس خاکسار پر اُس سحاب کرم کیجانب سے مہربانی و عنایت کی جو مسلسل بارش رہتی، اُنکے تذکرہ کو مین خودستائی کے الزام کے خوف سے عمداً حذف کرتا ہون، اُن کی عنایت بے غایت کی یاد سے میرا دل تشکر و امتنان کے جذبات سے ہمیشہ مملو رہیگا،

باوجود دنیائے علم و دانش مین بلند پایہ رکھنے کے بیحد منکسر المزاج تھے، اور کوئی ایسی بات نہین سن سکتے تھے جسمین انکی تعریف یا توصیف کا ذرا سا بھی پہلو ہو، اُن مین نہ تو ہمارے بدقسمت ملک کے بعض تنگ نظر علمائے طرز قدیم کا تبختر تھا، اور نہ بعض جدید تعلیمیافتہ دیسی حضرات "دکاترہ"[1] اور "پرافاسرہ"[2] کا بے محل پرغرور دفتری رعب داب اور برگشتہ کن سرد مہری اور بیگانگی تھی،

آرنلڈ مرحوم کے پسماندگان مین ایک دل شکستہ بیوہ اور ایک شادی شدہ صاحبزادی ہین جن صاحبون نے انکی پریچنگ آف اسلام کا پہلا اڈیشن دیکھا ہو، ان کو یاد ہوگا، کہ مصنف نے اسکو اپنی اہلیہ کے نام معنون کیا تھا، اور ساتھ ہی دیباچہ مین انکی امداد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا تھا کہ انکا حسن قبول میری محنت کا بہترین صلہ ہے، اس ضمن مین ایک چھوٹے سے واقعہ کا ذکر شاید بے محل نہ ہوگا جس سے ان کی خوشگوار خانگی زندگی اور پسندیدہ پر محبت ازدواجی تعلقات پر دلچسپ روشنی پڑتی ہے، روانگی مصر سے دو تین دن پہلے جب مین ان کی خاص طلبی پر اُن کے دولت خانہ پر حاضر خدمت ہوکر مبیٹھا ہم کلام تھا، تو دفعۃً ٹیلیفون پر کسی نے انکو بلایا، اور دریافت کیا کہ کیا آپ فلان کام کے لئے آج شام کو آسکتے ہین، تو ڈاکٹر مرحوم نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مین عنقریب چند ماہ کیلئے مصر جانے والا ہون، میری بیوی نہین چاہتی کہ مین ایسی حالت مین بشرط امکان اس سے

---

[1] دکتور کی جمع۔ [2] پروفیسر کی مذاقیہ جمع۔

دور رہون، اس ناقابلِ تردید بنا، معذرت کو سننا میرے لئے دلچسپی اور لطف سے خالی نہ تھا،

جہان تک مجھے علم ہے، انکا انگلستان کے کسی کلیسا کے ساتھ مطلق کوئی تعلق نہ تھا، عام عقائد مین وہ ریشنلسٹ (عقلی)، (Rationalist) تھے، اور تحقیقِ مسائل مین انکا آزاد قدم کسی خاص مذہب کا پابند نہ تھا، ان کا مسلک جو کچھ بھی تھا عقلی اور اخلاقی تھا،

ڈاکٹر اسٹینٹن کوائٹ (Dr. Stanton Coit) جو یہان کی ایک اتھکل سوسائٹی (Ethical society) کے سکریٹری ہین، ان کا بیان ہی کہ ڈاکٹر صاحب کبھی کبھی ہمارے جلسون مین آنکلتے تھے،

مہاجرینؓ

حصۂ اوّل

اس کتاب مین خلفائے راشدینؓ کے علاوہ بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ، اکابر بنی ہاشم وقریش اوران صحابہؓ کے حالات، سوانح، اخلاق وفضائل کی تفصیل کی گئی ہی جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، شروع مین ایک مفصل مقدمہ مین قریش کی تاریخ اور قبائلِ مہاجرین کی تفصیل کی گئی ہی، اور مہاجرین کے مخصوص فضائل بیان کئے گئے ہین، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ،

قیمت للعہ، حجم ۴۲۹ صفحے،

"منیجر"

قدیم امریکہ کا قدیم معبد

مترجمہ

جناب محمد عزیز صاحب ایم اے ال ال بی (علیگ) رفیق دار المصنفین

قدیم امریکہ کے قدیم معبد شہر پاچاکامک مین مخفی خزانون کے لئے آج کل کھدائی ہو رہی ہے اسی مناسبت سے امریکہ کے رسالہ "سائنٹفک امریکن" بابت ماہ مارچ ۱۹۳۱ء مین اس شہر کی قدامت اس کی بربادی، اور اس کی باقیماندہ یادگارون پر ایک مقالہ شائع ہوا ہے، امید ہے اس کا ترجمہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا (معارف)

جنوبی امریکہ کے علاقہ پیرو (Peru) مین ساحل اور اینڈیز (Andes) کی پہاڑیون کے درمیان سیکڑون ایکڑ تک قدیم شہر پاچاکامک (Pacha-Kamak) کے کھنڈر پائے جاتے ہین، ہر طرف کچی اینٹون کی جسیم دیوارین اور عظیم الشان محلون، گودامون، اور عام عمارتون کے آثار ہین، چوک، رقص گاہون، اور حمامون کے نشانات ہین، اور دوکانون، مقبرون اور بازارون کی یادگارین ہین، ہر طرف ان سڑکون کا پتہ چلتا ہے جو کبھی آباد تھین، اور ان شاہراہون اور گلیون کے آثار معلوم ہوتے ہین جنمین کبھی آمد و رفت کی کثرت تھی،

کچھ فاصلہ پر ان مسمار شدہ عمارتون سے علحدہ "دوشیزگان آفتاب" کا معبد ہے جو اپنی بلند مرکزی قربان گاہ، اپنے حجرون جنمین کبھی ان مقدس کنواریون کا مسکن تھا، اور اپنے مصری وضع کے طاقون کے ساتھ جنمین زمانہ ماضی کے ازیاد رفتہ ایام مین سونے اور جواہرات سے مرصع بت استادہ تھے، ابتک بالکل محفوظ ہے، اور ان سب سے بڑھکر ایک زبردست مصنوعی پہاڑی کی چوٹی پر بزرگترین

معبود اور خالق پاچاکامک کا معبد ہی، جو قوم انکا (Inca) اور اس سے قبل کی قومون کا خدائے مطلق تھا،

تمام جنوبی امریکہ کے آثار قدیمہ مین سے کسی ایک کو بھی پاچاکامک کے اس مقدس شہر سے زیادہ تاریخی حیثیت نہین حاصل ہی، کوئی شخص یہ نہین بتا سکتا کہ یہ شہر اول اول کب آباد ہوا، کوئی اسکی قدامت کا اندازہ بھی نہین کرسکتا، ممکن ہی کہ یہ پانچ ہزار سال یا دس ہزار سال پرانا ہو، لیکن ہم اتنا جانتے ہین کہ قوم انکا کے پہلے تاجدار سے صدیون قبل پاچاکامک ایک قدیم شہر تھا، یہ ایک مقدس مقام ایک پاک شہر اور جنوبی امریکہ کی قومون کا قدیم معبد تھا اور دور دراز مقامات سے یہان تک کہ کولمبیا (Columbia) اور ارجنٹائن (Argentine) سے زائرین قدیم امریکہ کے اس مکہ مین پرستش کے لئے اور اپنے آخری لمحاتِ زندگی کو گذارنے اور بالآخر اس پاک سرزمین مین دفن ہونے کے لئے سفر کرکے آتے تھے، اس کی مذہبی حیثیت اتنی مضبوط ہو چکی تھی اور اس کے معبد اور درگاہون کی تقدیس کو اتنا استحکام حاصل ہو چکا تھا کہ شاہانِ انکا نے ان قدیم رسومات و مذاہب کو جو پاچاکامک مین رائج تھے، دبانے کی کوشش نہین کی، بلکہ بجائے اس کے کہ لوگون کو اپنے مذہب کے قبول کرنے اور آفتاب کی پرستش پر مجبور کرتے، انھون نے پاچاکامک کی پہاڑی سے قریب ایک پہاڑی پر خود اپنے لئے معبدِ آفتاب، تعمیر کیا، چنانچہ یہ شہر پیروانِ مذہب انکا نیز دیگر اشخاص کے لئے ایک مکہ ہو گیا، اور اس طرح انکا سے پہلی قومون کے قدیم ترین خدا اور آفتاب کی پرستش ساتھ ہی ساتھ ہونے لگی،

لوگ پاچاکامک صرف پرستش کی غرض سے نہ آتے تھے، تمام جنوبی امریکہ کے طول وعرض مین حتی کہ دور دراز وسطی امریکہ مین بھی وہان کے خدائے عظیم کے بت کے متعلق یہ یقین تھا کہ اس سے معجزات کا صدور ہوتا ہی، اور وہ لنگڑون اور مریضون کو توانا و تندرست کر دیتا ہی،

مرد اور عورتین جو بمشکل معبد کی سیڑھیون پر چڑھ سکتی تھین یا جو علالت اور زخمون کے باعث اس حد تک کمزور ہو جاتی تھین کہ انھین دوسرے لوگ اٹھا کر اوپر لیجاتے تھے، وہ جب اس مقدس جناب سے واپس ہوتین تو بالکل بھلی چنگی اور مضبوط و توانا ہوکر، علاوہ برین اس بت کے متعلق یہ بھی اعتقاد تھا، کہ وہ پیشینگوئی کرتا ہو، اور معتقدین کی کوئی تمنا اس سے زیادہ نہ تھی، کہ انھین اس پاک سرزمین کے وسیع گورستان مین جو معبد سے ملا ہوا تھا، دفن ہونے کی سعادت حاصل ہو، اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ صدیون نواح پاچاکامک کا ریگستان شل ایک وسیع قبرستان کے تھا، جسین مومیائی کی ہوئی نعشین دفن تھین، اور نہ اس پر تعجب ہو کہ معبد، اور اس کی درگاہین زائرین کی نذر و ہدایا سے مالامال ہوگئین، یہان تک کہ اس کے زر و جواہر کی شہرت مشہور معبد آفتاب کی شہرت سے بھی زیادہ بڑھ گئی جو کزکو (Cuzco) دارالسلطنت انکا مین واقع تھا، حقیقت یہ ہو کہ پاچاکامک ہی کی دولت کی روایتون نے پیزارو[1] (Pizarro) کو پیرو (Peru) پہونچنے کی ترغیب دی، اس کے سونے چاندی اور جواہرات کے افسانے شمال مین پناما (Panama) اور آگے تک پھیلے ہوئے تھے۔

اس مین شک نہین کہ ایام فتح سے قبل اس مشہور معبد کا منظر نہایت عظیم الشان رہا ہوگا اور اسکی تعمیر مین جو وقت اور محنت صرف ہوئی اسکا اندازہ بھی تقریباً ناممکن ہو، جس پہاڑی پر یہ معبد واقع تھا، وہ تمامتر کچی اینٹون اور پتھر سے تعمیر کی گئی تھی، کتنی صدیان اس زبردست پہاڑی کی تعمیر مین صرف ہوگئین، کتنے آدمی اس کام مین لگے ہوئے تھے۔ کتنے کرور پتھر اور اینٹین لگ گئین، انکا شمار ناممکن ہو، لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ اسکی تعمیر بے شمار صدیون مین تدریج ہوتی رہی،

[1] ایک اسپینی جس نے پیرو (جنوبی امریکہ) کو دریافت اور فتح کیا،

بنیاد سے اوپر دو میل سے زیادہ کے دور مین پتھر کا ایک پیچدار زینہ تھا، ہر موڑ پر ایک درگاہ یا ایک مختصر سا معبد اور چند پتھر کی سیڑھیان تھین، جو دوسرے موڑ تک پہونچا دیتی تھین، اس عظیم الشان پہاڑی پر چڑھتے وقت زائرین انمین سے ہر ایک مقام پر دعا مانگنے اور نذر پیش کرنے کی غرض سے رکتے تھے، ہر طرف قطار در قطار پتھر کی زبردست دیوارین تھین، جنپر سرخ یا زرد استرکاری اور مرصع نقش ونگار تھے، سب سے اوپر والی دیوار پر بحر الکاہل کے مقابل بڑے بڑے سنگی مجسمون کی ایک صف تھی جن کے نیچے طاقون مین سونے سے منڈھے ہوئے، لکڑی کے چھوٹے چھوٹے بت تھے، معبد کی چوٹی پر ایک زبردست مستطیل صحن تھا، جس کے چارون طرف نہایت عمدہ سنگتراشی کے کام کی دیوارین تھین، اور ان دیوارون کے طاقون مین ایک سَو سے زیادہ سونے چاندی اور جواہرات سے جگمگاتے ہوئے مقدس مجسمے تھے،

وسط مین وہ پاکترین مقام تھا جہان دنیاے جدید کی سب سے زیادہ مقدس درگاہ تھی، یہان مصوّ پتھرون کی ایک مختصر سی مستطیل عمارت مین (نعوذ باللہ) قادر مطلق پاچا کامک، خالق آسمان و زمین و حاکم کائنات کا بت تھا، یہ نہایت جسیم اور عظیم الشان بت لکڑی کا بنا ہوا تھا، اور اسقدر سونے اور جواہرات سے لدا تھا کہ بمشکل دکھائی دیتا تھا، شہتیرون اور دوسری لکڑیون مین نیز ان دروازون مین جو متعدد درگاہون سے متعلق تھے سونے کی کیلین جڑی ہوئی تھین، اور درگاہ پاچا کامک کے زبردست دروازون پر فیروزہ، سیپ، بلور، مونگا، اور دوسرے قیمتی پتھرون کا نہایت نفیس پچی کاری کا کام تھا،

جب بیرحم اور غارتگر اسپینی ہرنینڈو پزارو (Pizarro) کی سرکردگی مین پاچا کامک پہونچے تو انھون نے اُس معبد مین بہت کم چیزین قیمتی پائین انکی آمد کی خبر شہر مین پہونچ چکی تھی، اور معبد کے پجاریون نے بتون اور مجسمون کے تمام سونے

چاندی اور جواہرات کو جلد جلد اتار کر علٰحدہ چھپا دیا تھا، بت اور مجسمے وہان اب بھی موجود تھے نفیس
پچّی کاری کا کام دروازون کو زینت دے رہا تھا، اور اسپین والون کے ہاتھ سونے کے چند ٹکڑے اور
دو تین زمرد بھی آگئے جو پجاریون کے ہاتھون سے گر کر نظر انداز کر دیئے گئے تھے، پھر بھی اسپینی خالی ہاتھ
واپس نہین ہوئے، جو مجسمہ یا بت بھی انھین ملا، اسے غارت کرنے کے بعد معبد کی چوٹی پر ایک صلیب
نصب کرکے انھون نے اس مقام کو معلوم کرنے کی غرض سے جہان معبد کی دولت پوشیدہ تھی پجاریون
کو اذیت دینا شروع کیا، اس مین ان کو ایک حد تک کامیابی ہوئی، ایک پجاری نے جو اپنے گرفتار کرنے
والون کی عقوبتون کی تاب نہ لاسکا، عاجز آکر چاندی اور سونے کے ایک ذخیرے کا پتہ بتلا دیا جو
معبد کے قریب دفن تھا، لیکن اگرچہ یہ ذخیرہ بجائے خود نہایت بیش بہا تھا، اور چاندی کی مقدار
کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اسپینیون نے اپنے گھوڑون کی نعلین بھی چاندی کی بنوالین، پھر بھی
خیال یہ ہے کہ اس تمام ذخیرہ کی حیثیت اس دولت کے مقابلہ مین جو سرعت کے ساتھ ہٹادی گئی تھی
اور جو آج تک دریافت نہ ہوسکی، ایک ڈول پانی مین ایک قطرہ سے زیادہ نہین ہے، ایک اسپینی
نے سونے کی ان میخون کو بھی معلوم کر لیا جو لکڑیون مین نصب تھین، اور لکڑیون کے جلانے کے
بعد ان میخون کا وزن کیا گیا تو تیس ہزار آونس نکلین یعنی قیمت مین تخمیناً پانچ لاکھ ڈالر،
پاچاکامک اسی روز سے ویران و برباد ہوگیا، یہ دیکھکر کہ جس خدا کا وہ سب سے زیادہ احترام کرتے تھے
وہ ان سے چھوٹ گیا، انکا معبد اور شہر بہت کچھ برباد ہوگیا، اور اس قدیم اور مقدس شہر پر ایک غیر
قوم اور غیر مذہب نے اقتدار حاصل کر لیا، باشندگان پاچاکامک شہر چھوڑ کر بھاگ گئے، وہ لوگ
جو اس پاک درگاہ کی زیارت کے لئے ریگستانون اور پہاڑون، گرم جنگلون اور چٹیل میدانون
مین سفر کرتے ہوئے پاچاکامک پہونچتے تھے، اب انکی آمد موقوف ہوگئی، اور پاچاکامک چند ہی دنون
مین محض یاد رفتہ ہوکر رہگیا، اب وہ ویران و تباہ حال شہر صرف الوؤن، گدھون، اور ریگستانی

جو ہون کا مسکن رہگیا، پھوس کی چھتین پرانی ہوکر گر پڑین اور خاک مین مل کر خاک ہوگئین، دیوارین جنکی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ رہا، بے مرمتی کی وجہ سے گرتی گئین، اسپینیون نے معبد کی دیوارین گرا کر ان کے پتھرون سے وادی لیورن ( ) مین اپنی نمائشی مگر بھونڈی عمارتین بنالین، اور جہان کبھی ہرے بھرے کھیت اور باغات تھے، وہان اب ریگستان ہی ریگستان رہگیا، یہان تک کہ آج اس شہر کے کھنڈر چٹیل ریگستان مین کھڑے دکھائی دیتے ہین،

مردون کو بھی چین سے نہ رہنے دیا، تمام زمینین جہان ہزارون برس سے نعشین دفن تھین اسوجہ سے کھود ڈالی گئین کہ بعض نعشون کے ساتھ سونا چاندی بھی دفن تھا، بے دردی کے ساتھ ان مومیائی کی ہوئی نعشون کو قبرون سے گھسیٹ کر نکالتے اور انکے بیش قیمت کپڑون کو نوچ لینے کے بعد ان نعشون کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے منتشر کردیتے اور پیرون سے روند ڈالتے، خزانہ تلاش کرنے والے، آثار قدیمہ کے ماہرین، نوادر کے متلاشی، سیاح غرض ان مین سے ہر ایک اپنی اپنی جستجو مین رہا ہی، یہان تک کہ پاچاکامک یا اس کے نواح مین ریگستان کا کوئی مربع گز ٹکڑا ایسا نہین ہی جو کھود کر دیکھ نہ لیا گیا ہو، بہت سے مقامات پر تو ریگستان ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا وہ توپون کی زد مین تھا، ہر جگہ قبرون کے کھود ڈالنے سے بڑے بڑے غار ہوگئے ہین، ہر جگہ انسانون کی کھوپڑیان، ہڈیان، اور بال دکھائی دیتے ہین، ہر جگہ کپڑون کے ٹکڑے اور مٹی کے برتن ہین جنھین زمین سے کھود کر کنارے پھینک دیا ہی، اکثر مقامات پر تو یہ کیفیت ہی کہ بغیر نعشون پر پیر رکھے ہوے ایک قدم بھی چلنا مشکل ہی،

لیکن اوپر جو کچھ بیان ہوچکا ہی وہین تک انتہا نہ تھی، گذشتہ سال تک وہ زبردست معبد اپنی مصنوعی پہاڑی پر تقریباً بالکل ثابت طور پر قائم تھا، کسی حد تک مرورِ زمانہ اور تغیرات موسم نے اس پر اپنا اثر چھوڑا تھا، دیوارون کی تصویرین اور رنگ آمیزیان اکثر غائب ہوچکی تھین، سنگتراشی کے نقش و نگار بہت کم باقی رہگئے تھے، اور ان کی جگہ وحشیون نے اپنے نام لکھ دیے تھے، اور

اشتہارات کی تصویرین کھینچ دی تھین لیکن وہ ٹھوس زبردست اور عظیم الشان دیوارین آب تک بدستور قائم تھین، پشتہ کا پتہ بھی چلتا تھا جس سے ہوکر چوٹی پر جانے کا ایک راستہ تھا، اور درگاہون کے حدود اور تعمیری تفصیلات کا بھی اندازہ ہوتا تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ اپنے زمانۂ عروج مین کیا رہی ہون گی، زینے اب بھی ویسے ہی سالم تھے، جیسے اس روز جب پزارو ہاتھ مین تلوار لیکر پجاریون کے احتجاج کو ٹھکراتا ہوا اس مقدس معبد مین گھسا تھا، اور مذہبی جنون کے جوش مین وہان کے خدائے محترم کو دیوارون پر سے نیچے پھینک دیا تھا۔

پچھلے سال پیرو کے قدیم تمدن کی یہ سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ تاریخی یادگار یعنی خود معبد جو قریباً اٹھارہ ہزار فٹ اور پندرہ ہزار فٹ کے طول و عرض مین واقع تھا، دولت کی اس بے پناہ حرص و طمع کا شکار ہوگئی جو اسپینی فاتحین کی اولاد مین سے اکثر ون کے دل و دماغ پر اب بھی حاوی ہے، کسی جھوٹے نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس ایک قدیم نوشتہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معبد کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ ہے، اس پر ذمہ دار اشخاص کی ایک مجلس مقرر کی گئی، اور آدمیون کی ایک بڑی تعداد معبد کے گرا دینے، دیوارون کے مسمار کر دینے، اور خود پہاڑی کو کھود ڈالنے کے کام پر لگا دی گئی۔

جو لوگ خوم انکا اور اس سے پہلی قومون کی اس عالیشان یادگار کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے انکا تعرض بالکل بیکار ثابت ہوا، چند ہی دنون مین ان قدیم دیوارون مین بڑے بڑے شگاف دکھائی دینے لگے، ستون اور زینے جو یومیتیائی (ز ع ماری کرم) کی تعمیر کے وقت بھی بہت قدیم تھے گرد و خاک کے بادلون مین زبردست دھماکے کے ساتھ پہاڑی کے نیچے گر پڑے، اور درگاہون کی جگہ اینٹ اور پتھر کے تودے رہ گئے، یہ امر بیحد قابل افسوس ہے کہ جو دولت اور محنت اسے مسمار

ے ملی کا ایک قدیم شہر جو حضرت مسیح سے بہت پہلے تعمیر ہوا تھا۔

کرنے مین صرف کی گئی وہ پھر اسکی تعمیر مین نہین لگائی گئی، اور حکومت پیرو نے اس معبد کو ہمیشہ ثابت و سالم رکھنے کی بے انتہا تاریخی و سائنٹفک اہمیت کو محسوس نہین کیا،

اس تباہی اور بربادی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہو کہ معبد کو مسمار کردینے کے علاوہ ان غارتگرون کے ہاتھ اور کچھ نہ آئیگا، سونا یا خزانہ انھین کچھ بھی نہ ملیگا، کیونکہ یہ بات عقل و یقین کی حد سے باہر ہو کہ خزانہ معبد کے نیچے پہاڑی مین دفن ہو، اگر ایسا ہوتا تو ناممکن تھا کہ اس کے نشانات بھی نہ پائے جاتے، اور اگر نشانات ملتے تو حریص اور تیز نگاہ اسپینیون نے انھین ضرور دیکھ لیا ہوتا، اور جب تک اس پوشیدہ خزانہ کو برآمد نہ کرلیتے، کوئی پتھر بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہنے دیتے،

اٹھارہوین اور انیسوین صدی کے چند ہندو مصورین

از

مولوی محمد عبد اللہ صاحب چغتائی لکچرر اسلامیہ کالج لاہور

(موصوف نے یہ مضمون اورنٹیل کانفرنس پٹنہ مین پڑھا تھا) (معارف)

مینیچر پینٹنگ (Miniature Painting) اُن تصویرون کو کہتے ہین جو قلمی نسخون اور دوسری علمی تالیفات مین پائی جاتی ہین، اور جنکو خصوصاً ایران اور ہندوستان مین اول اول مسلمانون نے اپنی کتابون مین کھینچنا شروع کیا، چینیون کے بعد مسلمانون ہی نے کاغذ بنایا اور اسے اپنی تحریرات کے محفوظ رکھنے مین استعمال کیا، مسلمان مصورین مین جو قلمی کتابون مین تصویرین بناتے تھے، بہت سی خصوصیات ہوتی تھین، وہ خوشنویس ہوتے تھے، ملمع ساز ہوتے تھے، مصور ہوتے تھے، جلد ساز ہوتے تھے، وغیرہ وغیرہ جیسا کہ مسلمانون کے علمی حالات کی قدیم ترین کتاب مثلاً "الفہرست" وغیرہ سے معلوم ہو سکتا ہی ہمین علمائے یورپ کا شکرگذار بھی ہونا چاہئے جنھون نے موجودہ صدی مین ہمارے لئے کثرت سے ایسی کتابین مہیا کر دی ہین جن سے اس باب مین کافی واقفیت حاصل ہوتی ہی،

جہان تک ہندوستان کے ملکی فن اور لٹریچر کا تعلق ہی، اس کے نشانات ہمین قدیم تصویرون اور سنگی کتبون یا کھجور کے پتون کی تحریرون مین ملتے ہین، فن کے نقطۂ نظر سے یہ چیزین اپنی خوبیون مین بے نظیر ہین، لیکن ہندوستان مین مسلمانون کی آمد سے قبل ہمین مینیچر پینٹنگ کا کوئی سراغ نہین ملتا، سلطنت مغلیہ کے ابتدائی دور مین اکبر کے زیر حکومت ہندؤن کو اس کی بین الفرقی پالیسی کی وجہ سے

ملکی معاملات مین دسترس حاصل تھا جس سے انھین اسلامی تمدن سے جو مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے اور خصوصًا فن اور لٹریچر سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کا کافی موقع ملا، اور اس طرح ہندوؤن کو اس فن مین بھی فروغ حاصل ہوا،

ہندی ایرانی اسکول

فنِ مصوری مین ہم کو بہت سے ہندو نام اُن مصورون کے نامون کے ساتھ ملتے ہین جو میر سید علی تبریزی اور خواجہ عبد الصمد شیرازی کے زیرِ نگرانی "امیر حمزہ" کے فارسی قلمی نسخہ کی تدوین پر مامور تھے، یہ دونون ایرانی مصور خاص اسی کام پر ہمایون کے دربار مین مقرر تھے، جیسا کہ صاحب مآثر الامرا مشہور افسانہ گو دربار خان کے حالات مین بیان کرتے ہین، (جلد ۲ صفحہ ۳) "داستان امیر حمزہ کی مصوری کے لئے بہزاد اسکول کے پچاس مصورین خواجہ عبد الصمد شیرازی اور میر سید علی تبریزی کے زیرِ نگرانی کام کرتے تھے" فنِ مصوری کا یہ ابتدائی کام ہمایون کے عہد مین شروع ہوا، اور اکبر کے عہد مین اختتام کو پہونچا، اس کا مفصل بیان اس زمانہ کی اکثر تاریخون مین موجود ہی (لاہور اورنٹیل کالج میگزین ۲۵ء)

اکبر کے دربار کے مصورون کی ایک طویل فہرست آئینِ اکبری مین درج ہے، جسمین ہندو اور مسلمان دونون شامل ہین، اور ان کو بہزاد کا پیرو بیان کیا گیا ہی، مجھے یقین ہی کہ یہ لوگ داستانِ امیر حمزہ کی مصوری مین شریک تھے، کہار، دسونت، اور بھگوتی وغیرہ خواجہ عبد الصمد کے لایق شاگردون مین تھے، جو خود اکبر کا بھی استاد تھا، ان بہترین ایرانی طرز کی تصویرون مین ہندو مصورون کے ہاتھون سے ہندی طرز بھی شامل ہوگیا ہی، اس وجہ سے ہم اس اسکول کا نام ہندی ایرانی اسکول رکھتے ہین، مرورِ زمانہ کے ساتھ اس ہندی ایرانی اسکول نے بہتیرے مختلف طرز پیدا کئے، ان مین سے ایک خاص طور پر قابلِ ذکر ہی یعنی ہندی اسکول جسمین خالص ہندوستانی زندگی، دیوتاؤن کی کہانیون، اور ایسے قصون کو دکھایا گیا ہی جنمین زمانہ مابعد مین مذہبی رنگ شامل ہوگیا ہی، موجودہ زمانہ کے محققین نے صنعت

دلائل کی بنا پر اس ہندوستانی مصوری کو بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخون مین تقسیم کر دیا ہی انکی ناکام کوششون سے ہندوستانی فن مصوری کی حقیقی دل آویزی مین جسے انھون نے قطعی طور پر نظر انداز کر دیا ہی بہت کچھ ابتری پیدا ہو گئی ہے، اور بجاے اس کے کہ ہمارے فن کی اصلی خوبصورتی اور دلکشی کو ظاہر کرین، انھون نے لوگون کے ذہنون کو اس مضمون کے ماضی کے ایک جانبدارانہ مطالعہ کی طرف متوجہ کر دیا ہی، فن کو اس قسم کی تنگ نظری سے آزاد ہونا چاہئے، اکثر اساتذۂ فن بھی اس پر اعتراض کر چکے ہین،

دکنی اسکول

اسی طرح اگر حیدرآباد دکن کے لوگ ذرا بھی توجہ کرتے تو میرے خیال مین وہ ایک جدید گولکنڈا یا دکنی اسکول بمقابلہ دوسرے اسکولون کے بہتر بنا سکتے تھے، چنانچہ اس دکنی اسکول کو باعتبار اپنی قدامت اور خوبی کے ہندوستان کے تمام موجودہ اسکولون پر فوقیت حاصل ہی جس طرح مملکت حیدرآباد فرسکو تصویرون[1] (Fresco paintings) مین فوقیت رکھتی ہے جو اجنٹا مین پائی جاتی ہین، اور جنپر اہل حیدرآباد کو فخر کرنا چاہئے "نجم العالم" (۹۸۰ھ ہجری مطابق ۱۵۷۲ء) جیسا مستند مصور نسخہ جو بیٹی کے ذخیرہ (Beatty collection) مین موجود ہی ابراہیم بیجاپوری کے دربار سے حاصل ہوا تھا، اس مین ایرانی تصویرین کسی حد تک ہندوستانی تصویرون سے مخلوط ہین، اور اس پر ڈاکٹر لارنس بنین (Dr. Laurence Binyon) نے روپم (Rupam) جنوری ۱۹۲۷ء مین ایک نوٹ بھی لکھا ہی، اسی طرح کی ایک اور نہایت دلچسپ کتاب اردو لیلی مجنون ہے، اسے محمد علی قطب شاہ (۱۰۱۰ھ ہجری مطابق ۱۶۰۱ء) کے زمانہ کے ایک دکنی شاعر احمد نام نے نظم

[1] فرسکو تصویرین ان تصویرون کو کہتے ہین، جو پلاسٹر کے خشک ہونے کے قبل دیوارون اور چھتون پر کھینچی جاتی ہین،

کیا تھا، یہ بھی مصور ہی، اور اس پر پروفیسر شیرانی نے اورنٹیل کالج میگزین لاہور، نومبر ۱۹۲۵ء مین ایک نہایت مستند نوٹ کا اضافہ کیا ہی کہ یہ تصویرین اس زمانہ کے ہندی ایرانی مصور نسخون پر بھی بہت سی باتون مین فوقیت رکھتی ہین، مین حکومت دکن کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہون، فن مین اتری بڑھانے کی غرض سے نہین بلکہ محض اس لئے کہ ملکی فن محفوظ رہے،

راجپوت مغالطہ

آج کل فنِ مصوری پر لکھنے والے ہندو مصنفین کی ایک اچھی خاصی تعداد قدیم فرسکو مصوری جو ہندوستان کے غارون مین پائی جاتی ہی، اور جدید راجپوت اسکول کے درمیان مین قلمی تصویرون کی وساطت سے جو پندرہوین اور سولھوین صدی کے گجراتی قلمی نسخون مین پائی جاتی ہین، تعلق پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کر رہی ہی، یہ امر بہت مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہی، اگر یہ دعویٰ کسی معقول اور مضبوط بنا پر قائم ہوتا تو ہم ضرور اس کے فائدہ کو بخوشی قبول کر لیتے لیکن اسے اجنٹا کے فنِ مصوری سے روایات اسلوب، یا روح، کسی چیز مین بھی کوئی تعلق نہین ہی،

مشرقی مصوری کے نامور ماہرین مثلاً ڈاکٹر الیف، آر، مارٹن (Dr. F.R. Martin) بلوکے (Blochet) مجیون (Migion) سیکسین بے (Sake-sian Bey) اور مسٹر سرکار (Mr. Sarkar) سب نے بالاتفاق اس خیال کی مخالفت کی ہی، مین یہان مارٹن، سرکار، اور سیکسین بے کی رایون کو نقل کرتا ہون جو میرے خیال مین قائل کرنے کے لئے بالکل کافی ہین،

ڈاکٹر مارٹن کہتے ہین، گذشتہ چند سالون مین راجپوت اسکول کے متعلق اس قسم کے خیال سے اکثر لوگون نے اور خصوصاً شائقینِ فن نے جنکی نظر سے ہندوستان کے عہدِ عظیم کی تصویرین نہین گذری ہین، اپنے مفید مطلب بہت کچھ باتین حاصل کر لی ہین، ہندوستان کی مصوری پر لکھنے والون مین سے بعض کا بیان ہی کہ یہ تصویرین

راجپوت اسکول کی ہین اور اصلی ہندوستانی مصوری کا نمونہ ہین، جو اجنتا کے ماہرینِ فن سے براہِ راست حاصل ہوئی ہین، یہ ایک اتفاقی امر ہو کہ یہ تصویرین اول اول اس زمانہ مین کھینچی گئی تھین، جب یورپین اور خصوصاً انگریز سیاح ہندوستان گئے تھے .... خصوصاً عہد زوال کی انھین تصویرون سے اس اختلافِ طرز کا پتہ چلتا ہو، جو مناظرِ قدرت کی مصوری مین ایرانی اور ہندوستانی ماہرین فن سے ظاہر ہوتا تھا" (ایرانی، ہندوستانی اور ترکی مصوری، صفحہ ۸۸)

مسٹر سرکار کا بیان ہو "جسے ڈاکٹر کوماراسامی مصوری کا راجپوت اسکول کہتے ہین، وہ دراصل ہندوؤن کی پیدا کردہ شے نہین ہو، اور نہ اسے راجپوتانہ سے کوئی قومی تعلق ہو" (مغل انڈیا صفحہ ۲۹۲)

مسٹر بلکیسین بے کہتے ہین "اسے فراموش نہ کرنا چاہئے کہ کاغذ پر تصویرکشی کا فن اول اول ایرانی مصورین ہندوستان مین لائے تھے، جو تیموری فاتحین کے دربارون مین ملازم تھے، مغل اسکول کی ابتدائی تصویرین ایرانی ہی تصویرین تھین جنھین ایک جدید شکل مین منتقل کر دیا گیا تھا اور راجپوت اسکول کی تصویرون کا وجود بظاہر سلاطین مغلیہ سے قبل ہندوستان مین نہ تھا، تعجب کی بات یہ ہو کہ جس شے کو اجنٹا کی فرسکو مصوری کی طرف جو سترہوین اور شاید سولھوین صدی سے بھی پہلے کی ہو منسوب کرنا چاہتے ہین، وہ اس قومی اسکول مین پائی نہین جاتی، شکل، لباس، اور مذہبی اطوار مین ضرور مشابہت ہونی چاہئے، لیکن اسمین کچھ بھی شبہہ نہین کہ راجپوت تصویرون اور اجنٹا کی فرسکو تصویرون مین جن کے درمیان ایک ہزار سال کی مدت حائل ہو، کوئی تعلق نہین ہے۔" (La Miniature Persane: Introduction P. X)

جین مغالطہ

مین آپ کی توجہ خاص طور پر جین گجراتی مصوری کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہون جس کا

ذکر اوپر آچکا ہو، اگر ہم مسلمانون کی لکھی ہوئی تاریخ گجرات پر نظر ڈالین تو ہمین عموماً فارسی کے بجائے عربی کتابین ملتی ہین مثلاً "ظفر الوالہ" از محمد ابن عربی آصفی، مظفر شاہ نے گجرات مین مسلمانون کی مستقل حکومت ۷۹۳ھ مطابق ۱۳۹۱ء مین قائم کی، علاوہ برین چودھوین صدی کی ابتدا مین بھی وہان مسلمانون کی تعمیری یادگارین ملتی ہین، مثلاً ہلال خان کی ایک مسجد جو ۱۳۳۳ء مین تعمیر ہوئی تھی، ان تمام باتون سے معلوم ہوتا ہو کہ مغلون کی آمد سے تقریباً دو صدی قبل اسلامی تمدن نے گجرات مین اپنا اثر قائم کرنا شروع کر دیا تھا، لہذا گمان غالب یہ ہو کہ گجرات کے مذکورہ قلمی نسخون پر مسلمانون کی منیچر مصوری کا اثر ضرور پڑا ہوگا، جو مسلمانون کی مخصوص چیز ہے، یا یہ بھی ممکن ہو کہ وہ تمام تر کسی ایک مسلمان مصور کا کارنامہ ہو، لاہور کا مرکزی عجائب خانہ میرے خیال مین دنیا کے بہترین عجائبخانون مین ہے، جہان قدیم تصویرون کے ذخیرے موجود ہین، اس مین ہندوستانی اور ایرانی اسکولون کے مختلف عہدون کی منیچر تصویرون کے قدیم ترین نمونے ہین، اتفاق سے ہمین یہان جین تصویرین بھی فہرست مین مل گئین (Vide No. K 7 to K 30) یہ میرے خیال مین اپنے طرز کی قدیم ترین تصویرین ہین، جنکا ذکر ماہرین فن نے کیا ہو، افسران عجائبخانہ کی اجازت سے مجھے انکین سے دو کی عکسی تصویرین (K 21 اور K 22) حاصل ہوگئی ہین، اور یہان مین انھین کا ذکر کرتا ہون، انکین نہ تو اجنٹا کی مصوری کے ساتھ کوئی مناسبت دکھائی دیتی اور نہ جین مذہب کی روح معلوم ہوتی ہو، ہمین شک نہین کہ یہ تمام تصویرین ہندو موضوع سے متعلق ہین، اور شاید کسی افسانہ کی تشریح کرتی ہین، لیکن، اسلوب صنعت تمام تر مسلمانون کا ہو، (۱) طرز لباس خصوصاً مردون کی بالائی پوشاک اور عمامے جنمین سے اونچی ٹوپیان دکھائی دیتی ہین، اسلامی ہین، (۲) مردون کے چہرے داڑھیون اور تراشی ہوئی مونچھون کے ساتھ، جو پابند مذہب مسلمانون کیلئے ناگزیر ہین، (۳) نوکدار محرابون کی عمارتین، اور دیگر تفصیلات جو مسلمانون کے ساتھ مخصوص ہین

(۴) پانی پینے کا سرپوش دار کٹورا جو صرف مسلمانون ہی کے گھرون مین پایا جاتا ہے، یہ بھی ان تصویرون مین ملتا ہی، (۵) تقریبًا تمام تصویرون مین ایک رحل بھی ہو، جو قطعًا مسلمانون کی چیز ہی، اور علاوہ اسلام کے کسی دوسرے مذہب مین نہین پائی جاتی، (۶) علاوہ برین کتاب مقدس کو رحل پر ظاہر کرنے کی غرض سے مصور نے مخصوص اسلامی کلمات صاف اور جلی عربی خط مین لکھ دیئے ہین، یعنی اللہ خدا کیلئے بسم اللہ کلام پاک کی ابتدا کے لئے اور محمد، اگر مین مزید تفصیلات مین جاؤن تو اس طرح کی اور باتین بھی دکھا سکتا ہون، لیکن مین صرف ان خالص اسلامی علامات پر زور دیتا ہون، جو اس امر کا کافی ثبوت ہین کہ ہندوستان کی مینیچر مصوری پر تمامتر مسلمانون کا اثر پڑا ہی،

مسٹر این، سی، مہتا (Mr. N. C. Mehta) نے اپنی "ہندوستانی مصوری" (Studies in Indian Painting) کے دوسرے باب مین وسنت وسالا کے ایک بے نظیر گجراتی قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہی، یہ نسخہ ایک لپٹے ہوئے پارچہ پر ہے، اور ۱۴۵۱ء کا لکھا ہوا ہی، اسمین ۹۰ تصویرین ہین، یہ اس قسم کی تصویرین ہین، جو دیوار پر کھینچی جاتی ہین، یہ نسخہ احمد شاہ قطب الدین بادشاہ گجرات کے عہد مین تیار ہوا تھا، (۸۵۵-۸۶۳ھ مطابق ۱۴۵۱-۱۴۵۸ء) مسٹر مہتا نے یہان نسخہ مذکورہ کے کاتب کی غلطی دکھانے مین جس نے قطب الدین کے عہد کی تاریخ بالکل صحیح بتائی ہی، خود غلطی کی ہی، مسٹر مہتا نے اسمین اسلامی تمدن کی بعض واضح اور صریح باتین دکھائی ہین، جنکو مین نے اوپر لاہور عجائبخانہ کی جینی تصویرون کے ذکر مین بیان کیا ہی، اگرچہ یہ نسخہ گجرات مین مسلمانون کی حکومت قائم ہونے کے ڈیڑھ صدی بعد کا تیار کردہ ہی تاہم یہ معلوم ہوتا ہی کہ مسلمانون نے اہل گجرات کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا، یہ بات ان لوگون کے فن مصوری کے نمونون سے ظاہر ہے، لیکن مسٹر مہتا کہتے ہین کہ اس وقت ایران کا مشہور مصور بہزاد موجود نہ تھا، یعنی ایرانی مصوری کا وجود نہ تھا، یہ بات بھی کیسے تماشہ کی ہی، مین اسکا سبب یہ سمجھتا ہون کہ مسٹر مہتا کو مسلمانون کے فن مصوری سے واقفیت کم ہے،

مسٹر مہتا کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے پاس اب بھی گیارھوین صدی بلکہ اس سے قبل کے ایرانی قلمی نسخے مصوّر اور مزیّن موجود ہین، میرے خیال مین مارٹن اور بلوکے کی کتابون اور دیگر تصنیفات سے تمام باتین مسٹر مہتا کو معلوم ہو جائینگی، یہ سراسر مسلمانون کا قصور ہے، کہ انھون نے کبھی اس جانب توجہ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی، صرف اہل یورپ نے مسلمانون کے فن مصوری کی اصلیت کے متعلق وقتاً فوقتاً جب انکو کچھ معلوم ہوتا رہا ہی کسی قدر لکھا ہی، آپ کے لئے یہ بات نہایت دلچسپی کی ہوگی کہ میرے دوست مسٹر اجیت گھوش (کلکتہ) نے جن کے پاس نوادر مصوری کا ایک نہ بردست ذخیرہ ہی، بڑی عنایت کیساتھ مجھے بہاری لال کی ست سائیہ (Satsaiya) کا قلمی نسخہ دکھایا جو شیخ احسن اللہ کا مصوّر کیا ہوا ہی، یہ نسخہ جگت سنگھ کے لئے لکھا گیا تھا، اور بیاکھ ۱۷۲۸؁ مطابق ۱۶۷۱؁ء کی تاریک نصف ماہ کے پانچوین روز جمعہ کو تیار ہوا تھا، یہی سبب ہی کہ مسلمان ہندوستان مین فن مصوری کے رہنما اور پیشرو خیال کئے جاتے ہین، انھین نے یہ فن اپنی ہمسایہ قومون کو بھی سکھایا،

ہندوستانی اسکول

تمام مصنفین اس امر کا اعتراف کرتے ہین، کہ مغل مصوری کا اثر راجپوت مصوری پر براہ راست پڑا، اسے وہ ہم پر ایک احسان خیال کرتے ہین، میرے خیال مین انھین مسٹر مجیون (MIMIGION) کا ہمزبان ہونا چاہیے، جنکا بیان ہی کہ:۔

"اس قسم کے فن سے جو جذبات سے ماخوذ ہی، شاہان مغلیہ کے دربار کا فن مصوری ناآشنا نہین معلوم ہوتا" (MANUALDEMUSSALMAN ART. P. 215, VOL. I.)

اٹھارہوین صدی مین وہ ہندو مصورین جنھون نے کاغذ پر تصویر کشی کا فن مسلمانون سے حاصل کیا تھا عموماً پہاڑی ریاستون مین تھے، انھون نے مختلف ہندو موضوعون کی تصویرین کھینچین اکثر

مصنفین نے انکا مفصل تذکرہ کیا ہے خصوصاً ڈاکٹر انند کومارسامی کی کتاب "راجپوت مصوری" مین ان کا تفصیلی بیان ہے، یہ مواضع تمثیلی نہین ہوتے تھے جیسا کہ ایرانی اور دیگر مصورین مین رواج تھا، ہندو مصورین عموماً مذہبی روایات کو حسب ذیل مضامین پر اپنا موضوع بناتے ہین:۔ کرشنا لیلا، مہابھارت رامائن، ویدی گیت، سارنگرا، نیکہ، راگنی پاروتی، راگ مالا وغیرہ وغیرہ،

ان مذہبی روایات کے اہل مصورین، جنھون نے آج تک فن مصوری کے بے شمار عمدہ نمونے دکھائے ہین اپنے نامون اور حالات کی نسبت بالکل گمنامی مین ہین، برخلاف اُن ہندو اور مسلمان مصورین کے جو عہد مغلیہ مین اورنگ زیب کے وقت تک رہے ہین، یہ بھی واقعہ ہے کہ ابتدا ہی سے ہندو مصورین مسلمان مصورین سے کم پڑھے لکھے تھے، اور یہ امر اُن خاص اسباب مین سے ایک سبب ہو سکتا ہے کہ کیون ان مصورین نے اپنے شاہکارون پر اپنے نام نہین لکھے یا اپنی تصویرون پر دستخط نہین کئے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مصورین نے کیونکر ایسے بلند اور کامل مذہبی مضامین کی مصوری کی جرأت کی، یا تو وہ کسی کی ہدایت پر عمل کرتے تھے اور یا وہ ایسا کرنا نہین چاہتے تھے، شاید مذہبی جذبات کے ماتحت شہرت کی ضرورت کبھی محسوس نہین ہوتی یا جیسا کہ مسٹر مارٹن کا خیال ہے، یہ تصویرین غیر ملک والون کے ہاتھ فروخت کرنے کی غرض سے کھینچی گئی تھین، اور اس صورت مین مصور کا سوال نہین رہجاتا،

ہندو مصورین

ہین دیکھتا ہون غالباً اسی وجہ سے کسی نے اس ضروری امر کی جانب کبھی توجہ نہین کی ہے، اسکا مطالعہ شروع کرنے کے بعد سے مین نے اس کے متعلق کچھ واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، اور دور آخر کے حسب ذیل ہندو مصورین کے نام جمع کئے ہین:۔

سولارام (۱۷۶۰ء تا ۱۸۰۳ء) جسکا ذکر راجپوت مصوری کے ہر تذکرہ نویس نے کیا ہے

میرے خیال مین اس کے حالات کا بحیثیت ایک مصور کے باقاعدہ مطالعہ کرنا چاہئے، مجھے خطرہ ہی کہ کہین اس ابہام سے تاریخ فن مین کوئی خیالی روایت نہ پیدا ہو جائے، اسمین شبہہ نہین کہ وہ ایک غیر معمولی ماہر فن ہی، مین نے متعدد ذخیرون مین اس کی مصوری کے چند حیرت انگیز نمونے دیکھے ہین، جن سے ابتک عوام ناواقف ہین،

نین سکھ، نکا، رام لال، پنڈت سیو، گوہو، شوتیس، منکو، جیتو، خوشل، کا ما، ان تمام مصورین کی شبیہین لاہور سنٹرل میوزیم گیلری مین دیکھی جا سکتی ہین،

گوہر سہائے جسکی مصوری کے دو بہترین نمونے مشہور مصور مسٹر چغتائی کے نادر ذخیرہ مین ہین یہ اس زمانہ کی ہندوستانی مصوری کے بہترین نمونے ہین، گوہر سہائے، عموماً تصویر کی پشت پر اپنے دستخط فارسی خط شکست مین کرتا ہی، مین اس مصور کی خصوصیات پر ایک مستقل مقالہ لکھنے کی تیاری کر رہا ہون،

شام داس، چندر چلاتر، شیشم چلیا، جن کی مصوری کے نمونے مین نے پروفیسر آغا حیدر حسن نظام کالج حیدر آباد دکن کے نفیس اور نادر ذخیرہ مین دیکھے ہین،

راج ہر چرن داس، جسے اسلوب کے اعتبار سے مسٹر گھوش (کلکتہ) مولارام پر ترجیح دیتے ہین، مسٹر گھوش کا بیان ہی کہ لیلا گووند کی تصویرین اسکی طرف منسوب ہین، (روپ لیکھا سنہ ۱۹۲۹ء) مسٹر گھوش نے اپنے نہایت بیش قیمت ذخیرہ سے بعض نئے نام بھی پیش کئے ہین،

ساجو، جسکا ذکر مسٹر گھوش نے کیا ہی، اس نے ہری ہتھ کی تصویرون مین ایک منظر کھینچا ہی، رام دیال، اور کپور سنگھ امرت سری، جو پیرون اور کنپھٹا جوگی کی تصویرین کھینچا کرتے تھے اسکا ذکر مسٹر اسمتھ نے بھی کیا ہی،

کنور پچھیتر شاہ، ("ہندوستانی مصوری" از مہتا، صفحہ ۵۶)

ہر چند، اٹھارہوین صدی مین، اس کا پتہ بہادر شاہ دہلی کی مہر سے ملتا ہی (۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۶ء) جو تصویر کی پشت پر ہے،

صاحب رام، مکندی لال، (Rupam No. 37)

بھیم (Catalogue Exhibition of Indian Painting Oriental art Society 1930 No. 158)

آخر مین ناظرین سے استدعا کرتا ہون کہ ان نامون کے علاوہ اور نامون کا اضافہ کرکے مجھے ممنون کرین،

طبقات الامم،

از

قاضی اختر میان اختر جونا گڈھی

اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی تصنیف ہے، انھون نے اپنے زمانہ تک کی تمام قومون کی عموماً اور مسلمانون کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی مین لکھی تھی، قاضی احمد میان اختر جونا گڈھی نے اس کو عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، اور جا بجا حاشیون مین علما، اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہین،

ضخامت ۱۵۰ صفحے. قیمت :- عہ

"منیجر"

خیابانِ دانش

(۶)

ساتوان باب

منزلت فلسفہ

از

مولوی ابوالقاسم صاحب سرور حیدرآباد

ضرورتِ فلسفہ اور اسکی قدر و قیمت کا مسئلہ بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہی، طبعی علوم کے دلدادہ اور ظاہری کاروبار عالم کے شیفتہ و فریفتہ اشخاص دور از کار کاوش، بیجا موشگافی، ناممکن العلم حزون پر نارو دماغ پاشی کو فلسفہ کا مفہوم ٹھہرا کر ناک بھون چڑھانے کے عادی ہین، غایت فلسفہ کے ٹھیک طور پر اندازہ نہ کرنے اور غرض حیات کی تعیین مین غلطی کرنے سے اس غلط فہمی کی ابتدا ہوئی، یہ سچ ہی کہ علوم طبعیہ کے بازارون مین جگہ جگہ جنس جنس استفادہ کے انبار کے انبار نظر آتے ہین، وہ بغیر تعیین و تخصیص ہر کس و ناکس کے لئے جائز الاستعمال ہین، یقیناً فلسفہ کے شہر خموشان مین اس قسم کی غیر محدود جنس استفادہ ڈھونڈے سے بھی کہین نہین مل سکتی، مگر فلسفہ کی منزلت اسی مین ہی کہ وہ سطحی اور عام پسند سرمایے بالکل تہیدست رہے، فلسفہ اپنے پرستارون تک استفادہ کو محدود رکھنے کا عادی ہی، اس کے طالبون کے جتھے کے علاوہ اگر کوئی اس کے فیضان سے بہرہ ور ہوسکتا ہی تو بالواسطہ طریقہ پر، فلسفہ کی خوگر اور

اس کی طالب طبیعتین اس عالب سے جتنا اثر لیتی ہین، ان اثر گیر طبائع سے اور دوسری طبیعتین اکتساب یا اخذ اثر کیا کرتی ہین، اس لحاظ سے منزلت و وقعتِ فلسفہ کی بنیاد انھین اثرات پر قائم ہی، اور فلسفہ کی قدر و قیمت کے اندازہ کیلئے انھین اثرات کو بطور معیار تصور کرنا مفید اور کارآمد ہی،

قلب کا آئینہ جب تک عصبیت کے گرد و غبار سے پاک و صاف نہ ہو اس وقت تک اسکی منزلت غیر مفہوم سی رہیگی، عام طور پر مادی ضروریات یا جسمانی غور پرداخت یہی طریقے جاذبِ اعتنا اور لائق توجہ سمجھے جاتے ہین، اور کبھی بھول کر بھی اپنے بطون کی روحانی کائنات کی جانب ضرورتِ التفات کا خیال تک نہین ہوتا سراب نامنتظر اور چلتی پھرتی چھاؤن کو پائدار سمجھکر اسی کی جانب سعی مفرط کی نگاہین جھکی پڑتی ہین، اور جو حقیقۃً پائدار و استوار ہے اس کی طرف ادنی توجہ بھی نہین منفعت جسمانی مین جتنا انہماک سے کام لیا جاتا ہی، اس مصروفیت کا نصف حصہ ہی اگر ذہنی نشو و نما کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو اس قسم کی طبیعتین فلسفہ کی منزلت کا احساس کرنے کے قابل بن سکین، اس لئے کہ استفادۂ ذہنی اصل مین یہی چیز منزلتِ فلسفہ کی ایسی کسوٹی ہے، جس سے اسکی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہی، اور جنھین اس منفعت کا علم ہی اور اس سے خالی الذہن نہین وہی افراد ضرورتِ فلسفہ اور اس کی اہمیت کا صحیح اور قوی احساس کر سکتے ہین،

اور علوم کی طرح فلسفہ کا نصب العین بھی طلب علم ہی ہی، مگر اس علم مین تخصیص اس امر کی ہے کہ یہ جملہ علمون کو وحدت کے تحت مین لانے کے طریقے نکالتا ہی، فلسفہ مین وہ علم کارآمد ہی، جو عصبیت کی بیخ کنی، اور سابقہ عقائد کی سنگین دیوارون کو ڈھاکر اخذِ معلومات کے لئے وسیع اور کشادہ میدان بنا دے، گویا انسان کی عصبیت اور عقائد راسخہ پر تنقیدی نگاہ ڈال کر حرف گیری، اور نکتہ چینی سے جو معلومات کا اثاثہ دستیاب ہوتا ہی، یہی چیز فلسفہ کی نظر مین گران ارزہی،

فلسفہ کی عظمت و منزلت کی داستان جس حد پر دراز کیجائے، وہ بہت کم ہے، لیکن اس

عظمت کے باوجود فلسفہ اپنے مسائل کو بخوبی حل کرنے مین غیر معمولی کامیابی کا نہ مدعی ہی، اور نہ حقیقۃً اُسے اپنے مسائل کو حل کرنے مین کوئی بڑی بھاری کامیابی نصیب ہوئی ہی، منظرِ عام کی کانفرنس مین مختلف علوم کے ناقدین سے جدا جدا انکی دماغ پاشی کے صحیح نتائج اور ان کے مسائلِ قطعیہ اور تحقیقاتِ مسلمہ کی نسبت اگر استفسار کر دیا جائے تو ان کے تحقیقی نتائج اور مسلماتِ قطعیہ کا تفصیلی جواب پھر اتنا طولانی ہوگا کہ سننے والا اکتا جائیگا لیکن اگر اسی سلسلہ مین پرستارِ فلسفہ کے خیالات کا جائزہ لیا جائے تو اس کی گفتگو ڈھائی لفظون سے زیادہ نہ ہوگی، اور اربابِ علوم جس طرح اپنے قطعیتِ نتائج کی طولانی فہرستین پیش کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہین، ان سب کے بالکل خلاف ماہرِ فلسفہ نہایت سنجیدگی سے صاف صاف کہدیگا کہ تحقق وقطعیتِ نتائج کی پیداوار اور علوم کی طرح فلسفہ مین نہین، اس کی اصل وجہ یہی ہی کہ فلسفہ کو تعیین کی حدبندی پسند ہی نہین آتی یہ غیر متناہی وسعت کی فضا مین رہنے کا عادی ہی، اس کی تحقیقاتِ مسائل مین ادھر تعینی آثار سے قربت پائی گئی کہ یہ انھین چھوڑ کر اور اس راہ سے کترا کر پھر اسی غیر معمولی وسعت کی طرف قدم بڑھاتا ہی، کہ نہ جس کی کوئی حد معین ہی اور نہ کوئی انتہا، وہ تعیینی آثار جنھین فلسفہ چھوڑ دیتا ہی، وہ سائنس کی ملک بنجاتے ہین، حاصل یہ کہ مسائل مین تعیین پیدا ہوتی ہی پھر فلسفہ کا تعلق ان سے باقی نہین رہتا بلکہ مستقل سائنس سے ان کا رشتۂ ارتباط ایسا قوی ہو جاتا ہی کہ اسی مین جذب ہو جاتے ہین، عام نگاہین اس بیان سے فلسفہ کی بے اعتباری کی بنیاد قائم کرنے پر مجبور ہونگی، اور اسمین شک نہین کہ نا استواری ہی کے ستونون پر اس کی عمارت قائم ہی لیکن یہ نا استواری حقیقی نہین، ظاہری ہی،

تصفیہ شدہ مسائل کی مختصر سی فوج سائنس کے ساتھ اور تصفیہ طلب مسائل کے ٹھٹ کے ٹھٹ فلسفہ کے گرد لگے رہتے ہین، وہ لاینحل مسئلے جنکی تحقیق کے دریا مین استفسارِ پیہم کا ہر وقت تلاطم بپا رہتا ہی، ان کا حقیقی تعلق فلسفہ ہی سے وابستہ ہی، اور وہ حل شدہ مسائل جنھین قشنگی

اشتباہ و استفسار کی گنجایش ہی نہین یہ سائنس کے اثاث البیت ہین، یہان تک کا کل بیان ناہمواری اور نا استواری فلسفہ کی تصویر کا صرف ایک رخ کے جاننے کے قابل ہی اب رہا دوسرا رخ اسمین ایسے بے شمار استفسارات کی رنگ آمیزی ہے، جن کے ضمن مین وہ مسئلے بھی آگئے ہین، جو بشری روحانی حیات کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت اور ایک خاص اشکال رکھتے ہین، غور و خوض کی نگاہ کے سامنے جو فضا پھیلی ہوئی ہی، اس لحاظ سے یہی نتیجہ نکلتا ہی کہ بیشک موجودہ فہم انسانی اس فضا پیمائی کی قدرت نہین رکھتا، ساتھ ہی اس امکان کی خواہش بھی پیدا ہوتی ہی کہ انسانی پرواز عقل کو اگر غیر معمولی طاقت پابندی نصیب ہوجائے، تو موجودہ تحقیق کی پیمایگی مین کمی آسکتی ہی، اور ذیل کے استفسارات کی تشنگی بھی کسی حد پر فرو ہوسکتی ہی، مثلاً دنیا کی موجودہ ہیئت ترکیبی کیا صرف نتیجۂ اتفاق ہے، یا اس کے عقب مین کوئی نظام وحدت پنہان ہے، جو اس کا شیرازہ بند یا مرکز اعراض ہی، واقفیت و شعور کیا کائنات کے لئے عنصر قوی کا حکم رکھتا ہی، جس سے خرد موشگاف کی غیر محدود ترقی کی امید باندھی جا سکے، یا یہ ایک سریع الزوال ہنگامہ ہے، جس نے اپنے لئے اسی محدود و مختصر سے سیارہ کو منتخب کرلیا ہی، جہان آخر مین زندگی پامال اور نابود ہونے والی ہے، کیا انسان کی ذات ہی سے نیکی اور بدی کا تعلق اور وابستگی ہی، یا کائنات کو بھی اس کی کچھ ضرورت ہی، یہ اور اسیطرح کے اور اور استفسارون کی روشنی فلسفہ کی فضا مین نظر آتی ہی، فلاسفہ نے مختلف طریقون پر ان کے جواب دینے کی کوشش بھی کی ہی، مگر بلحاظ ثبوت کوئی جواب مسکت نہین، حقیقت یہ ہی کہ معلومات کی مختصر چار دیواری کے اندر رہنے سے انسان پا شکستہ، اور مفلوج ہوکر رہجاتا ہی، کیونکہ وہی دیکھی بھالی ہوئی چیزین ہر وقت پیش نظر رہتے رہتے بانع نظری اور غور و خوض کی ضرورت کو صفحۂ خاطر سے محو کر دیتی ہین، فلسفہ ہی اس قید سے نکال کر آزاد فضا مین لاتا ہی، اور فکر انسانی کی ترقی اور ذہن کی ورزش کے لئے نئی نئی راہین نکالتا ہی، اور کائنات کے ساتھ انسان کی

دلچسپ جستجو اور تجسس کا ذہنی سلسلہ قائم کر دیتا ہی فلسفہ کو جو نا استوار بتایا جاتا ہی، یہ صحیح اور بالکل صحیح،
مگر اسکی حقیقی عظمت کی روا یہی نا استواری ہی ہی،

زیادہ تر طبیعتین اسی قسم کی نظر آتی ہین جنکی نظر مین یہ عالم محدود، اس کی روزمرہ کی معمولی باتین
غور و فکر سے بے نیاز اور نامانوس امکانات بے حقیقت و بے وقعت معلوم ہوتے ہین، اثر ماحول اور
اس کے عادات و رواج کے بنائے ہوئے سخت سے سخت عقائد بغیر عقل کے مشورہ اور اجازت کے
انسان کے صفحۂ دل پر نقش ہوتے چلے جاتے ہین، اور ہر لحظہ اسی ادھیڑبن مین صرف کر دینا اس کے
نزدیک یہی بہترین شغلہ اور یہی کارآمد طریقۂ حیات ہی، فلسفیانہ رنگ اختیار کرنے پر یہ دیکھی بھالی ہوئی
دنیا بالکل نئی معلوم ہونے لگتی ہی. مادیت کے مسلمات کا یہان آکر بھرم کھلتا ہی، معمولی سے معمولی بات
جسے نہایت واضح اور پیش پا افتادہ کہتے ہین، وہ ایسے اہم اور مسلسل استفسارات کا منبع بنجاتی ہی کہ
چارون طرف حدِ نگاہ تک سوالات کے پرزور طوفان اٹھتے دکھائی دیتے ہین، اور کسی طرح سفینۂ
تحقیق کنارہ تک نہین پہونچتا، فلسفہ کے طلسم مین آکر سامنے کی چیزین ایسی چیستان بنجاتی ہین، کہ مسلسل
جستجو سے بھی یہ سخت گرہ نہین کھل سکتی، فلسفہ جن غیر محدود سوالات کا سرچشمہ ہی، اگرچہ ان کے
جوابات جزم و حتم کے ساتھ نہین دیتا، اور اس سلسلہ مین جو شک کے گرد و غبار سے ذہن کی فضا
گرد آلود ہو جاتی ہی، نہ اس کے دور کرنے کی کوئی مناسب تدبیر بتاتا ہی، مگر اس پر بھی اس کی
تحقیق کے دوران مین بہت سے امکانات کے ایسے پہلو سامنے آجاتے ہین، جن سے خیالات
مین تدریجاً وسعت پیدا ہوتے ہوتے یہ نوبت آتی ہی، کہ رسم و رواج کی مضبوط بیڑیان مکڑی کے
جالے کی طرح اک ذرا سے اشارہ مین ٹوٹ کر علحدہ گر پڑتی ہین، اور ستارِ پندار کی سرکوبی کے لئے
یہی سرزمین مخصوص ہی، اور اسی جگہ سے روزانہ کی دیکھی بھالی چیزون کی وہ اجنبی صورتین نظر آتی ہین
کہ انسان پہلے تو ایک ایک چیز کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہی، پھر ایسا کھو یا جاتا ہی کہ خود اپنی

اسے خبر تک نہین رہتی،

اس کے علاوہ وضاحت و توضیح کی بنا پر عظمت فلسفہ ذہن نشین کرنے کے لئے حیات بشری کے تجزیہ کی جانب متوجہ ہونے کی ضرورت ہی، اس مین منفعت ذاتی کے رجحانات و میلانات ہی زیادہ ملین گے منفعت ذاتی کے سلسلہ مین زیادہ سے زیادہ اور اتنی وسعت پیدا ہوسکتی ہی کہ دوستون عزیزون کے لئے بھی اس صف مین جگہ نکالی جا سکے، ہر وقت تمناؤن کا ہجوم، قوت ارادی کی پابستگی اور بیچارگی خواہشون کی قوت، ارادہ کی کمزوری و بیکسی، اسی خلفشار سے حیات انسانی ایک مختصر تکدر، ایک سیلاب انتشار، ایک انقباض اور منظر بنی رہتی ہے، جسمین آسودگی و اطمینان ایک لمحہ کے لئے بھی میسر نہین، پھر دوست، دشمن، موافق، مخالف، نیک، بد، یہ متضاد مواقع اور اس پر مستزاد مین، ان سب ضغطون پر اسکی نمود بے بود ایسی کہ ایک وقت معین آنے کے بعد پھر اسکی ترکیب موجود لاکھ لاکھ جتن پر بھی کسی طرح برقرار رہنے والی نہین، فلسفہ ایسی وسیع روحانی منفعت تک پہنچا دیتا ہی، کہ یہ امروز فردا سے گھری ہوئی دنیا اس کے ایک گوشہ مین سما جاتی ہی، اور حریت و اطمینان کی غیر فانی مسرت خیز دلچسپیون کے سوا قید و تکدر کا وہان نام و نشان تک نہین، اس سرزمین پر تفریق دشمن و دوست کے بجائے کثرت کو وحدت کی نظر سے دیکھنے کا رواج ہے یہی وہ مقام ہی، جہان رسمی قیود اور عصبیت کی پابندیان باقی نہین رہتین، آزادی اور حریت کی رونق ہر طرف نظر آتی ہی، اور حیات بشر کو معراج عظمت کی نردبان یہین سے ملجاتی ہی، اس قسم کی فلسفیانہ توسیع یون نہین حاصل ہوتی، اس کی ضروری شرط یہ ہی کہ علم کے رہبر کی معیت مین ایسی خاموشی سے راہ طے کیجائے کہ کل قوتین اسی کے تحت مین رہین، اس خواہش مین اپنی طرف سے کسی تعیین و تخصیص کی شرکت جائز نہین بلکہ انتظار کرنا چاہئے، اور آمادہ رہنا چاہیے کہ اگر

دوڑ دھوپ سے خود بخود جو نتیجہ برآمد ہو نفس اسی کو بطیبِ خاطر قبول کرنے مین ادنی پس و پیش نکرے، یہ چیز بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہین کہ جادۂ فلسفہ سے متصل ہی نہایت مہیب وہشتناک چند گھاٹیان بھی ہین جنمین استکبار و پندار نفس کے درندے رہتے ہین نفس کا غرور عالم کو اپنی برتری کا ثبوت دینے کے لئے اس طرح ایک ذریعہ بنا لیتا ہے کہ دنیا کی منزلت ہیچ اور فرد تر بتا کر اس کے مقابلہ مین اپنی عظمت و برتری کے منوانے کی دعوت دیتا ہے، اسی خدشہ سے بچنے کے لئے خالص فلسفیانہ غور و خوض مین غیر نفس سے آغاز طلب کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ غیر نفس کی منزلت و عظمت نفس کو وسعت کا مرکز بنا دے، نفس علم کو تعمق نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نفس اور غیر نفس مین ایسا اتحاد قایم کر دیا کرتا ہے کہ جس مین جبر و اکراہ کی مطلق گنجایش نہین ہوتی، اس قسم کے امیال وعواطف کی صداقت کی آفرینش بشر ہی کے دست و بازو کا نتیجہ ہے، زمان، مکان، کلیات وغیرہ یہ سب ذہن انسانی کے خاصے ہین، جو چیز ذہن کے دائرہ مین نہین نہ وہ کسی مصرف کی ہے اور نہ وہ علم کے قابل یہ انسان ہی ہر چیز کا محور ہے، اس کے سوا اور کچھ نہین یہ دعویٰ فلسفیانہ نقطۂ نظر سے غلط ہی نہین بلکہ فلسفیانہ غور و خوض کے وہ کل اسالیب ان سے باقی ہی نہین رہتے جن سے فلسفیانہ تفکر کی قدر و منزلت وابستہ ہے، اس بنا پر کہ ان سب کا خمیر خواہش، عادت عصبیت سے تیار ہوا ہے، اس طریقہ مین قوت فکری محض نفس کا مطمحِ نظر بنکر رہ گئی، جو کسی طرح صحیح نہین اس لئے کہ اس سلسلے مین جس شے کو علم سے تعبیر کیا جائے، اس سے غیر نفس اور نفس مین رشتۂ اتحاد قائم نہین ہوتا، منزلِ فلسفہ کے رہرو کے لئے، ذاتیت، شخصیت، اغراض، عادات، حرص و ہوا وغیرہ اس قسم کی چیزین سنگِ راہ اور اصل مقصد یعنی تجسسِ اتحاد سے دور رکھنے والی ہین، یہ رکاوٹین بیچ مین حائل نہ ہون تو فہم و خرد حریت کے پر و بال سے اس نتہاے بلندی

تک پہونچے ہین جہان غیر مصون بصیرت کا طمعہ پاکر، بیم و رجا، سابقہ اعتقادات، تعصبات، ان سب سے الگ ہوکر نہایت اطمینان کے ساتھ ایسے علم کی طلب مین مصروف ہوجاتے ہین، کہ جسمین شخصیت کا شائبہ تک نہ ہو، اور وہ علم بالکل فکری ہو، ایسا فکری کہ انسانی دست طلب وہان تک پہونچ سکے، علم دو طرح کا ہوا کرتا ہی، ایک وہ علم جو تجرد اور کلّی ہی جسمین شخصیت کے نام سے نہ کوئی نقطہ ہے، اور نہ اس کے تاریخی سوانح کا کوئی حصہ،

دوسرا وہ علم جو حواس کے ہرکارون کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے، جسمین شخصیت اور ذاتیت کا اشتراک اور ایسے جسم سے اسکا تعلق جسمین درآمد برآمد دونون کی نوعیت مساویانہ رہتی ہی، یعنی اس جسم کے کارندے (حواس) جس حد پر اس علم کی تحصیل کرتے ہین، اسی حد پر اسے تلف کرنے کے بھی عادی ہین گویا فراہمی اور تفضیع یہ دونون پلے برابر رہتے ہین جب عقل حریت و آزادی حاصل کرلیتی ہے، تو مقدم الذکر علم ہی کو وقعت و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہی اور موخر الذکر کی جانب کبھی بھول کر بھی نظر ڈالنا پسند نہین کرتی، فلسفیانہ تفکر کی آزادی اور راستبازی کے خوگر ہونے کے بعد جذبات اور عملی حدود کے معائنہ کے وقت وہی حریت و عدل کی دوربین استعمال کرنے پر ذہن مجبور ہوتا ہے، ذہن کے سامنے اپنے مقتضیات کی درخواستین، خواہشات کی فہرستین، جس قدر پیش ہوتی ہین ان سب پر اسی ایک نقطہ نظر سے یہ تجویز لکھتا ہی، جسکا فلسفیانہ تفکر اسے عادی بنا چکا ہی،

تجسس حق مین نہایت خلوص کے ساتھ بغیر کسی قسم کی جنبہ داری کے آزادانہ تفکر کا طرز عمل ذہن کا وہ ممتاز اور نمایان خاصہ ہی کہ جو بلدۂ عمل کے بازارون مین انصاف کہا جاتا ہی، اور یہی جذبات کے باغ مین الفت و محبت کی ایسی جوئبار ہے کہ بغیر تخصیص ہر کہ و مہ کے لئے وقف ہی، فلسفیانہ تفکر تنہا حدود خیال ہی کو وسیع سے وسیع تر بنانے پر اکتفا نہین کرتا، بلکہ جذبات اور اعمال مین بھی کافی وسعت پیدا کیا کرتا ہی، اسی استغراق سے انسان اس محبس سے آزاد ہوکر پوری دنیا مین جہان چاہے

بے روک ٹوک اپنا گھر بنا سکتا ہے، اس کل بیان کا خلاصہ یہی ہو کہ فلسفہ مین کسی تعیین اور نتائج کی قطعیت کو پیش نظر رکھکر اس کے مطالعہ مین مصروفیت فائدہ بخش نہین، فلسفہ کے اہم ترین مسائل کے معین حل، یا ان کے جوابون کی صحت اور قطعیت کی فلسفہ سے امید باندھنا سراسر لغو اور فضول ہو محض ان مسائل کی معرفت و علم ہی جو فلسفہ سے پیدا ہوئے ہین، بس یہی غایت اور مطالعہ کی غرض ہونا چاہئے، یہی فلسفہ کے زائیدہ سوالات درحقیقت امکانات کے تصور کو ترقی دینے مین اپنا نظیر نہین رکھتے فہم وخرد کے نئے شہپر اسی تدبیر سے نکلتے ہین اور ذہن کی قوتِ تفکر کا چشمہ جو ادعا اور تحکم کے کوڑے کرکٹ سے خس پوش ہوجاتا ہو اسی کی بدولت وہ تدریجاً صاف ہوکر بہ نکلتا ہو،

اسماء الرجال کا قدیم ذخیرہ

ہمارے محدثین نے خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے، جس ہمت محنت اور جستجو سے راویون کے حالات قلمبند فرمائے اور اُن پر تنقیدین کین وہ نہ صرف مذہبی حیثیت سے اُنکا اہم کارنامہ ہی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی دنیا کی تاریخ مین یہ ذخیرہ اپنی آپ مثال ہی، وہ لوگ جو اس نایاب ذخیرہ پر عبور و اطلاع رکھتے ہین، وہ ان بزرگون کی اس محنت و جانفشانی کو دیکھکر تعجب کرتے ہین، جس کے بدولت اسلام کی [illegible] صدیون کی ہر قابلِ ذکر ہستی کا نام آج تاریخ کے عالم مین زندہ ہی،

نہ صرف مسلمان بلکہ عیسائی اور یہودی مستشرقین بھی مسلمانون کے اس قابلِ فخر کارنامہ کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہین جس کی بدولت کئی لاکھ انسانون کے کارنامے ہمیشہ کے لئے اس دنیاے فانی کی لوح پر ثبت ہوگئے؛

ایک زمانہ تھا جب ہندوستان مین صرف آٹھوین نوین صدیون کے متاخر مصری و شامی محدثین کی کتابین اس فن مین ملتی تھین، آخر نووی، ذہبی اور ابن حجر کی تصنیفات کی اشاعت نے بہت کچھ نیا سرمایہ بہم پہونچایا، میزان الاعتدال، کتاب المشتبہ، لسان المیزان، تہذیب الکمال، تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب وغیرہ شایع ہوئین، اور ہندوستان کو فخر ہونا چاہئے کہ ان کے دائرۃ المعارف حیدرآباد نے اس عظیم الشان سرمایہ کو دنیا مین وقف عام کیا ہی،

بہرحال یہ سب آٹھوین صدی کا ذخیرہ ہی، ابتدائی اور قدیم ذخیرون مین جو چیز سب سے زیادہ قابلِ قدر تھی وہ ابن سعد المتوفی سنہ ۲۳۰ھ کے طبقات کے حصے تھے، ان کو خود یورپ کے اہل علم نے چھاپ کر شائع کیا، یہ ابتدائی تیسری صدی ہجری کی مستند تصنیف تھی، اس کے بعد مولانا شمس الحق صاحب مرحوم محدث عظیم آبادی، اور مطبع انوار احمدی الہ آباد کی گوشہ نشین مسلمانون کے شکریہ کی مستحق ہین کہ انھون نے اسماء الرجال کی قدیم کتابون کو چھاپکر اہل علم کو ممنونِ احسان کیا:

(۱) تاریخ صغیر امام بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ۔

(۲) کتاب الضعفاء الصغیر امام بخاری، المتوفی سنہ ۲۵۶ھ،

(۳) کتاب الضعفاء و المتروکین امام نسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ،

(۴) کتاب الکنی والاسماء، دولابی المتوفی سنہ ۳۱۰ھ،

(۵) کتاب المؤتلف و المختلف فی اسماء نقلۃ الحدیث عبد الغنی ازدی المتوفی سنہ ۴۰۹ھ

(۶) کتاب مشتبہ النسبۃ، عبد الغنی ازدی المتوفی سنہ ۴۰۹ھ۔

یہ قدیم سرمایہ چھپکر شائع ہوا ہی، ضرورت ہی کہ کتبِ اسماء الرجال کے قدیم سے قدیم ماخذون کو تلاش کیا جائے، اور اُن کو اہتمام و صحت کے ساتھ چھاپا جائے، مثلاً امام احمد بن حنبل، ابن حبان، اور خطیب کی تصنیفات، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ ہمارے علماء جنکا یہ کام تھا، ان مین ایسی علمی قناعت پسندی آگئی ہی کہ ان کی نگاہ درسیات سے آگے نہین بڑھتی، اگر مقلد و غیر مقلد کی غیر دلچسپ بحث سے انکو دلچسپی نہ ہوتی تو شاید اس قدر بھی اعتناء انکو نہ ہوتی، اہل ہند کو سجادہ نشین کوٹ جھنڈا (سندھ) کا ممنون ہونا چاہئے کہ انھون نے دنیا کے مختلف کتب خانون کے ذخیرون سے منجملہ دوسرے علوم کی کتابون کے اسماء الرجال کی قلمی کتابین بھی فراہم کی ہین، مثلاً:-

(۱) تاریخ کبیر (جزء ۴) امام بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ

۲۔ کتاب الجرح والتعدیل (مجلد۳) لابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ

۳۔ کتاب الثقات (۲ جلدین) لابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ

حرمین کے کتبخانون مین قدیم سرمایہ بہت کچھ موجود تھا، مگر اسمین سے بڑا حصہ قسطنطنیہ مین منتقل ہوگیا، جہان ہماری رسائی مشکل ہی، جرمنی کے ایک فاضل دان، ایچ ریٹر (RITTER) نے جرمنی کے مشہور علمی مشرقی رسالہ الاسلام (DER ISLAM) کی جلد۱۷ نمبر۳و۴ مین قسطنطنیہ کے کتبخانون مین اسماء الرجال کی متعدد قدیم کتابون کا پتہ دیا ہی، ان مین سب سے اہم اور پرانی کتاب امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کی کتاب العلل والرجال ہی، جو ایا صوفیہ کے کتبخانہ مین نمبر (۳۳۸۰) پرہے، یہ اس فن کی قدیم کتاب کاسب پرانا نسخہ ہی جو اس وقت موجود ہی، اس نسخہ پر امام موصوف کے صاجزادہ عبداللہ کے شاگرد ابوعلی محمد الصواف المتوفی ۳۵۹ھ کے دستخط ہین، کہ ہم نے اس کتاب کو عبداللہ بن احمد بن حنبل کو پڑھکر سنایا ہی"

ضرورت ہی کہ مسلمان اس نسخہ کو عکسی تصویر کے ذریعہ چھپوائین، وہان اس فن کی دوسری قابل ذکر کتاب امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ کی کتاب الاسماء والکنیٰ ہے، تیسری کتاب ابن حبان کی کتاب الثقات اور کتاب التاریخ والمجروحین من المحدثین ہی، چوتھی کتاب ابوبکر احمد بن ابراہیم الاسماعیلی المتوفی ۳۷۱ھ کی کتاب المعجم فی الاسماء ہی،

متوسطین کی کتابون مین حسب ذیل کتابین ذکر کے قابل ہین،

۱۔ کتاب المتفق والمفترق خطیب بغدادی،

۲۔ الکمال فی معرفۃ المؤتلف والمختلف لابن ماکولا،

۳۔ اللباب فی تہذیب الانساب لابن اثیر،

۴۔ اکمال تہذیب الکمال فی معرفۃ الرجال مغلطائی، "س"

کیا تخلیقِ حیات ممکن ہے؟

قدمار کے جنون کیمیا سازی کی طرح، عہد حاضر کے علماء علم الحیات کا سب سے قدیم اور سب سے بڑا جنون یہ ہے، کہ وہ کسی طرح "زندہ مادہ" کے بنانے مین کامیابی حاصل کرین، چنانچہ جب ایک انجان نے ڈاکٹر جارج کریل کے "زندہ مادہ" بنانے کی خبر شایع کی تو امریکہ کے علمی حلقون مین ہلچل مچ گئی اور علماء نے اس خبر کو بہت مشتبہ نظرون سے دیکھا، اور عرصہ تک انھین اسکا یقین نہ آیا،

لیکن اب امریکہ کے بعض علماء حیات کا یہ خیال ہے کہ ان کے تجربہ گاہون کو تخلیقِ حیات مین کامیابی ہوگئی ہے، گو تخلیق کا تجربہ مدتون سے جاری تھا، لیکن اس سلسلہ مین سب سے مشہور تجربہ ایک انگریز ڈاکٹر باستیان کا ہے، اس نے ۱۹۱۱ء مین شیشہ کی ایک نلکی مین بے جان مادہ رکھکر اسے خوب مضبوطی کے ساتھ کس کے بند کرکے اتنی گرمی پہونچائی جس کو زندہ مادہ نہین برداشت کرسکتا، پھر اسے آفتاب کی مختلف شعاعون کے مواجہ مین رکھدیا، اس عمل سے چند مہینون مین اس بے جان مادہ مین ہلامی مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذرات ظاہر ہونے لگے، اور مزید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اگر انھین مناسب غذا پہونچائی جائے، تو ان مین توالد و تناسل کا سلسلہ قایم ہو سکتا ہے، ابھی کل و دن تک عوام اس مصنوعی مخلوق پر حیرت ظاہر کرنے پائے تھے کہ معلوم ہوا کہ تجربہ مین بعض غلطیان سرزد ہوگئی تھین، جنکی بنا پر یہ تجربہ ناقص رہگیا،

اب حال مین وظائف الاعضار کے دو عالمون ڈاکٹر گلڈ و گل، اور ڈاکٹر فلاڈیمیر مورانک نے دو مصنوعی خلیے بنائے ہین، لیکن انھون نے ان کے زندہ ہونے کا دعویٰ نہین کیا، اس تجربہ مین انھون نے ایک چھوٹے سے برتن مین بنائی ہلام بھر کر اوپر سے ایک بنائی مادہ کا جو تمام بنائی

خلایا کے بیرونی حصہ مین قدرۃً پایا جاتا ہو اور اندر سے زندہ پروٹوپلازم کا لیپ کرکے اس کو پانی
مین ڈلوایا، اس سے ان خلایا مین زندہ خلایا کے بعض ممیزات اور خصوصیات پیدا ہوگئے، اس تجربہ سے
علماء کو حقیقی خلایا کے بعض اسرار سمجھنے مین بہت قیمتی مدد ملی،

غرض تقریباً ربع صدی سے جب سے ڈاکٹر جاک لوب کے تخلیقِ حیات کی شہرت ہوئی ہی علماء
مین اسکا عام رجحان پیدا ہوگیا ہی، حالانکہ ڈاکٹر موصوف نے نہ تخلیقِ حیات کی تھی اور نہ اس تجربہ سے
اس وقت اسکا کوئی منشا تھا، بلکہ انھون نے صرف یہ کیا تھا کہ بعض کیمیاوی مواد اور دوسرے
وسائل سے انڈون کی تناسلی قوت کو ابھار کر مرغ کے مادۂ تولید کی امداد کے بغیر بچہ پیدا کر دیا تھا، اس وقت
سے علمای حیاتیات نے تخلیقِ حیات کے مختلف تجربات کئے، چنانچہ بعضون نے بجلی کے ذریعہ انڈے سے
بچہ پیدا کرنے والی تدبیر سے ایک جاندار بحری کیڑے کو پیدا کیا، اور بعضون نے مینڈک کے انڈون سے
فولادی کیلون کے ذریعہ سے بچہ نکال لیا، لیکن ان لوگون مین سے کسی نے کبھی تخلیقِ حیات کا دعویٰ نہین
کیا، بلکہ وہ مختلف تدبیرون سے صرف مادہ کے انڈون کی تخلیقی قوت کو ابھارتے تھے،

سائنس کی غیر معمولی ترقیون اور فطرت کے چہرہ سے انکی نقاب کشائی کے باوجود عقلِ بشری
کے لئے روے زمین پر زندگی کا منبع اور سرچشمہ ابھی تک تاریکی مین تھا، اس تاریکی کا پردہ اٹھا کر اپنی
ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے علمای حیاتیات نے یہ رائے قایم کی ہو کہ زمین پر کشتِ حیات کی تخم ریزی
فضا سے ہوئی ہو، چنانچہ پروفیسر سفنتہ ارہینیوس اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالمِ کیمیا اپنی وفات تک
اسی مبدءِ حیات کا قائل تھا، لیکن اس رائے کی صحت مین بہت سے علمی اعتراضات مانع ہین، مثلاً فضا
کی ناقابلِ برداشت برودت وغیرہ، باایہمہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زندگی کے جراثیم دوسری دنیا
سے آتے ہین، تب بھی یہ سوال کہ زندگی کی اصل کیا ہو؟ بجنسہ لاینحل رہجاتا ہو، اس لئے اب اکثر علماء
اس رائے کو ترجیح دیتے ہین، کہ زندگی کا سرچشمہ زمین ہی سے پھوٹتا ہو لیکن اسی کے ساتھ ڈارون

کی طرح وہ اس کا بھی اعتراف کرتے ہین کہ وہ اس سے بالکل لاعلم ہین کہ عمل تخلیق کی تکمیل کسطرح ظہور پذیر ہوئی، غرض اصل حقیقت اسی طرح مستور رہجاتی ہی، اور آخر مین یہی اعتراف کرنا پڑتا ہی کہ

فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کشود　　　گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

اس سلسلہ مین پروفیسر ہریرا بیالوجی "علم الحیات" کے شعبہ کے ناظم کے وسیع تجربات بھی قابلِ ذکر ہین، پروفیسر مذکور نے کیمیاوی ترکیب سے ایسے خلایا بنانے مین کامیابی حاصل کی ہی، جو جانداروں کی طرح حرکت کرتے ہین، سانس لیتے ہین، بڑھتے ہین، باہمدگر آویزش کرتے ہین، ایک دوسرے سے بچتے ہین، غرض ان مین بہت سے وہ خواص و ممیزات پائے جاتے ہین، جو جانداروں کے ساتھ مخصوص ہین لیکن باایہمہ پروفیسر مذکور نے اسکا دعویٰ نہین کیا کہ یہ خلایا، یا قطرات درحقیقت زندہ مخلوق ہین؛ بلکہ وہ ان کے خواص و ممیزات کو قوانینِ فطرت اور کیمیاوی ترکیب کا لازمی نتیجہ قرار دیتے ہین، اور اب وہ اپنے تجربات کو مزید وسعت دینا چاہتے ہین تاکہ محققین کو اچھی طرح ان "ظواہر" کے درس و مطالعہ کا موقعہ ملے،

بہرحال اگر یہ تجربات جنکی تائید مین بہت سے کیمسٹری اور بیالوجی کے علما بھی ہین، صحیح ہین تو انکو زندگی کی حقیقت کے متعلق بعض قدیم فلسفیانہ معتقدات کا خاتمہ اور علم کیمیاے حیاتی اور بیالوجی مین ایک جدید باب کا آغاز اور اسکا دیباچہ سمجھنا چاہئے، کیونکہ یہ تجربات مستقبل قریب مین شمسی کیمیاوی صنوئی ترکیب کے ذریعہ سے بے جان مادہ سے جاندار مادہ بنانے کی خبر دیتے ہین،

پروفیسر ہریرا نے اپنے تجربات مین ابھی تک روشنی کی ترکیب کو استعمال نہین کیا ہی، لیکن اب وہ اس طرف متوجہ ہوئے ہین، اور انھین اس حد تک اپنی کامیابی کا یقین ہوگیا ہی کہ وہ اپنے ایک شریک کار امریکہ کی علمی جماعت کے صدر پروفیسر بانیارڈ شیلی کو جو کئی سال تک ان کے تجربات مین ان کے شریک تھے، لکھا ہی کہ ان کے پاس اتنے قوی وسائل جمع ہوگئے ہین کہ اب بے جان مادہ سے

جاندار مخلوق بنانے یا کم از کم ایسے مادہ بنانے مین کامیابی کا اعلان کر دیا جائے جسکا جاندار مخلوق سے امتیاز نہین کیا جا سکتا، ان جاندارون کی شکلین بہت ادنی قسم کے حیوانات کی ہین، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ اجسام درحقیقت زندہ نہین ہوتے، لیکن ان مین اور زندہ اجسام مین اتنی شدید مشابہت ہوتی ہے کہ دونون مین تمیز نہین ہو سکتی،

ڈاکٹر ہریرا کو اپنے مسلسل تجربات اور دلائل سے اسکا پورا یقین ہو گیا ہے کہ انھون نے اس زندہ مادہ یا ہیولی کو دیکھ لیا ہے جس پر زندگی صورت پکڑتی ہے لیکن چونکہ وہ انکی اشاعت مین بہت محتاط ہین اس لئے ابھی تک انھون نے اسکا دعوی نہین کیا ہے، کہ ان کا بنایا ہوا "زندہ مادہ" پورے طور پر زندہ اور کامل التکوین ہے، بہرحال ڈاکٹر ہریرا کے تجربات اور دعوون سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ایک ایسا مادہ بنا کر جسکو زندہ مادہ سے تمیز کرنا کا بہت دشوار ہے، تخلیق حیات کی جانب بہت بڑا قدم اٹھایا ہے بہرحال اگر سائنس اور علم الحیات کا پورا زور صرف کرنے کے بعد انھین ایک حقیر سکرم ناستے کے بنانے مین کامیابی ہوئی گئی، تب بھی تخلیق کا خواب پریشان ہی رہیگا، کہ ابھی اس کی منزل جسے ہم "تخلیق کامل" کہہ سکین بہت دور ہے،

"م"

ہندوستان مین علمی تحقیقات

حال مین ایسٹ انڈیا ایسوسیشن کے ایک اجلاس مین سر فلپ ہارٹوگ (SIR PHILIP HARTOG) نے ہندوستان مین تعلیم کی ترقی سے متعلق، سائمن کمیشن کی تعلیمی کمیٹی (جس کے وہ صدر تھے) کی بعض خاص تجاویز پر ایک مضمون پڑھا، مباحثہ زیادہ تر اس مضمون کے آخری حصہ پر ہوا جس مین جدید دستور اساسی کے ماتحت علمی تحقیقات سے بحث کی گئی تھی، سر فلپ ہارٹوگ نے اس امر کا لحاظ کرتے ہوئے کہ حکومت ہند نے بلاشبہہ اہم تحقیقاتی ادارے قائم کئے ہین، فارسٹ ریسرچ انسٹیٹیوٹ

دہرہ دون کی ایک حال کی کمیٹی کی اس تجویز کی پرزور تائید کی کہ ایک ناظم تحقیقات کا تقرر ہونا چاہئے انھون نے اس بات پرزور دیا کہ ٹھیک اسیطرح ہندوستان کی مرکزی حکومت کو بھی ایک ایسا ادارہ قایم کرنا چاہئے جو بعض صورتون مین انگلستان کے محکمہ تحقیقات سائنس وصنعت وحرفت (DEPARTMENT OF SCEINTIFICAND INDUSTRIALRESEARCH) کے مطابق ہو، انکو سر والٹر فلچر کی راے سے اتفاق ہے کہ وائسراے کی کونسل کے کم سے کم ایک ممبر مین سائنٹفک قابلیت ضرور ہونی چاہئے،

ڈاکٹر آر، پی، پارنجپائی ممبر کونسل سکریٹری آف اسٹیٹ نے کرسی صدارت سے تقریر کرتے ہوے اس امر کو تسلیم کیا کہ ہندوستان کی تعلیمات مین تحقیقات کی طرف سے بیجا طور پر غفلت برتی گئی ہے لیکن انکے خیال مین اس واقعہ کی ذمہ داری زیادہ تر انڈین ایجوکیشنل سروس کے سر آئی ہے جسمین چند سال قبل تک تمامتر انگلستان کے لوگ ہوا کرتے تھے انھون نے بیان کیا کہ چند مستثنیات کے علاوہ باقی اسکے تمام ممبران ہرگز اس قابلیت کے نہین ہوتے تھے کہ وہ علم کی ترقی مین کوئی اضافہ کرسکین عام طور سے تحقیق کا تخیل تعلیمی ترقی کا ضروری جزو نہین خیال کیا جاتا تھا یہ تو ابھی حال کی بات ہے کہ ہندوستانیون نے اپنے نصاب تعلیم مین تحقیقات علمی کو شامل کرنا بھی ضروری سمجھا ہے علاوہ برین کالجون کے پروفیسرون اور ریڈرون کے پاس روزمرہ کا معمولی کام اسقدر زیادہ رہتا تھا کہ انھین اسکی فرصت نہین ملتی تھی اور وہ تحقیقات کیلئے وقت نہین دے سکتے تھے دوسری بات جسکی جانب ڈاکٹر پارنجپائی نے خاص طور پر توجہ دلائی یہ بھی کہ جو عطیات تعلیم کے لئے حاصل ہوتے ہین انھین چھوٹے چھوٹے وظیفون مین صرف کردیا جاتا ہے اور اکثر ان وظیفون کو کسی خاص فرقہ تک محدود رکھا جاتا ہے اگر یہی رقم تحقیقات علمی مین صرف کی گئی ہوتی تو ابتک بہت کچھ ہوچکا ہوتا، کیمبرج مین پچاس وظیفے محض تحقیقات کرنے والون کیلئے مخصوص ہین، لیکن بمبئی یونیورسٹی مین ایسے وظیفے صرف دو ہین،

انڈین ایجوکیشنل سروس کی جو تنقید ڈاکٹر پارنجپائی نے کی تھی اسکی تائید سر فرنک ہیتھ نے بھی کی جو کئی سال تک اس کمیٹی کے صدر رہ چکے تھے، جسے سکریٹری آف اسٹیٹ نے افسران ایجوکیشنل سروس کے انتخاب کے لئے مقرر کیا تھا، سر فرنک ہیتھ نے حال کے متعلق اظہار خیال کرنے سے معذوری ظاہر کی لیکن، انھون نے ڈاکٹر پارنجپائی کی اس راے سے اتفاق کیا کہ اس زمانہ مین جو لوگ ہندوستان بھیجے جاتے تھے وہ بحیثیت مجموعی علم مین کوئی

اضافہ کرنے کی اہمیت نہین سمجھتے تھے، انھون نے یہ بھی بیان کیا کہ ابھی بیس سال سے کم ہی ہوئے کہ انگلستان نے تحقیقات علمی کی اہمیت کو محسوس کرنا شروع کیا ہی،

سر فرنک ہیتھو نے صدر کے اس خیال سے بھی اتفاق کیا کہ کوئی معقول تحقیقاتی ادارہ اس وقت تک قایم نہین کیا جا سکتا جب تک نظام تعلیم قابلِ اطمینان نہ ہو جائے، کیونکہ یونیورسٹیان ذہین اور طباع اشخاص کے نشو و نما کی اصلی جگہین ہین، انھون نے اس امید کا اظہار کیا کہ حکومت اس خیال کو تحقیقاتی ادارہ کے قیام کا عذر نہ بنائے گی، اور اسکی ابتدا کے لئے اس وقت کا انتظار نہ کریگی، جب یونیورسٹیون سے اس کام کے لئے اشخاص کی کافی تعداد حاصل ہو جائے، بڑی بڑی تجاویز سے ڈرنا بھی نہین چاہئے، لیکن چھوٹے پیمانہ پر کام شروع کرنے کے لئے تیار بھی رہنا چاہئے، ہندوستان کے لئے انگلستان کا نہین بلکہ اسٹریلیا کا نمونہ قابل تقلید ہے،

اسٹریلیا کی طرح ہندوستان بھی وسعت اور اہمیت مین حقیقۃً ایک براعظم ہی، اور یہ ناممکن ہی کہ ایک وسیع براعظم کی تنظیم اسی طریق پر کی جا سکے جس طریق پر نسبۃً انگلستان جیسے ایک چھوٹے سے ملک کی، انگلستان مین تحقیقات کو زراعت صنعت و حرفت، اور طب مین تقسیم کر دیا ہی، سر فرنک ہیتھو کے خیال مین یہ تقسیم ہندوستان مین رائج نہ ہونی چاہئے، یہان ضرورت اس بات کی ہی کہ اس مسئلہ پر بحیثیت مجموعی غور کیا جائے، اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے دنیا کے مختلف حصون مین ان مختلف تجاویز سے بذات خود واقفیت حاصل کی، جو اس مسئلہ کے حل مین لائی گئی ہین، تو یہ سب سے زیادہ آسان طریقہ ہوگا، لیکن اگر ایسا نہ ممکن ہو تو پھر اس صورت مین ارباب حل و عقد کو چاہئے کہ تین آدمیون کا ایک کمیشن مقرر کرین، جنمین سے ایک طب کا ماہر ہو، دوسرا زراعت کا اور تیسرا صنعت و حرفت کا، اور ان سے اس مسئلہ کے حل کی فرمایش کرین،

(ٹائمس تعلیمی ضمیمہ)

"ع، ز"

اخبار علمیہ

مقناطیسی آندھی

مقناطیسی آندھی معمولی آندھی سے مختلف ہوتی ہی کیونکہ وہ ایک ہی آن مین تمام دنیا مین آتی ہے، اور سال مین اس قسم کی مقناطیسی آندھیون کی تعداد دس سے لیکر پچاس یا سو تک پہونچ جاتی ہی اس قسم کی آندھیان اگرچہ بحری قطب نما کو کوئی صدمہ نہین پہونچاتین لیکن آلات مدد اور آلات لاسلکی کو ان سے نقصان پہونچتا ہی

ان آندھیون کے متعلق مدت سے علماء کا خیال تھا کہ سورج سے کوئی چیز نکلتی ہے، اور وہی ان کا سبب بنجاتی ہے، لیکن وہ اب تک اسکی تعیین نہ کرسکے تھے، کہ یہ کیا چیز ہے؟ اور سورج کی سطح پر کس جگہ سے نکلتی ہی؟ لیکن اس مین شبہہ نہین ہے کہ سورج کی سطح ایک میدان کے مشابہ ہی، اور سورج کے وسط سے جو گیس نکل کر شعلہ زن ہوتی ہی وہ اُن سے ڈھکی ہوئی ہی لیکن علماء اب تک یہ متعین نہ کرسکے تھے کہ ان شعلون کی کس قسم سے ان آندھیون کو تعلق ہی؟ ڈاکٹر ایبرشا کا خیال ہی کہ سورج مین بنفشئی شعاعون کے علاوہ جو شعاعین ہین، جب وہ غیر معمولی طور پر نکلتی ہین تو ان آندھیون کا سبب بنجاتی ہین، کیونکہ انکی رائے مین زمین خود بجلی کا ایک خزانہ ہی، اور زمین کے گرد جو کہربائی ذرے فضا مین تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر حرکت کرتے رہتے ہین، وہ بجلی کی ایک موج پیدا کرتے ہین، جو مشرقی جانب بڑھتی ہی اور یہ موج اپنے گرد ایک مقناطیسی دائرہ بنادیتی ہی، مقناطیسی قوت کا زیادہ تر حصہ یعنی سو مین اٹھانوے تو خود زمین سے پیدا ہوتا ہی، بقیہ یعنی سو مین دو کو یہ موج پیدا کرتی ہی، اب ان آندھیون کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہوتی ہی کہ سورج سے یہ شعاعین چند منٹ مین پہونچکر آہستہ آہستہ دو ایک دن مین فنا

ہو جاتی ہین۔ کیونکہ وہ اوپر ہی اوپر فضا مین جذب ہو جاتی ہین، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ ہوائے فضائی جو ان شعاعون کو جذب کرتی ہی، اس مین مقناطیسی اثر پیدا ہو جاتا ہی، اس لئے زمین کے گرد جو طاقتور بجلی کی موج حرکت کرتی ہی، اس مقناطیسی ہوا سے اُس مین اور قوت پیدا ہو جاتی ہی، اور یہی دوہری مقناطیسی قوت زمین مین مقناطیسی آندھی پیدا کر دیتی ہی،

نیلگون یاقوت کی شناخت

علمائے کیمیا نے ایک ایسا مصنوعی مادہ تیار کر لیا ہی جو نیلگون یاقوت سے اس قدر مشابہ ہی کہ بڑے بڑے جوہری مشکل سے اُس مین اور نیلگون یاقوت مین شناخت کر سکتے ہین، لیکن اس فریب سے بچنے کا سامان بھی علمی ذرایع سے ہو گیا ہی، اور اُس کی صورت یہ ہی کہ اندھیرے مین نیلگون یاقوت کو بجلی کی سلبی قوت کے سامنے رکھدیا جاتا ہی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ اگر یاقوت اصلی ہوتا ہی تو جب یہ سلبی شعاعین اسپر پڑ کر بجھ جاتی ہین، تو ان کے بجھ جانے کے بعد یہ یاقوت بالکل نظر نہین آتا، لیکن اگر یاقوت مصنوعی ہوتا ہی تو اُن شعاعون کے بجھ جانے پر بھی جگمگاتا رہتا ہی،

رنگ اور زخم

جدید طبی تجربات سے ثابت ہوتا ہی کہ اپریشن سے جو زخم پیدا ہو جاتا ہی، اسکو سبز رنگ سڑنے نہین دیتا اور سبز دھاگے سے اس کا سینا اور اس پر سبز پٹی باندھنا بھی اُس کو بہت سے جراثیم کے حملون سے محفوظ رکھتا ہی، یہی وجہ ہی کہ اپریشن کے بعد بہت سے ڈاکٹر اپنا ہاتھ سبز رنگ سے دھوتے ہین، کیونکہ وہ جراثیم کو فنا کر دیتا ہی، اور کسی قسم کی سوزش نہین پیدا ہونے دیتا،

فضائی حوادث کی تحقیقات

ہوائی جہازون کے اڑنے مین سب سے زیادہ مشکلات حوادث فضائیہ سے پیدا ہوتی ہین بالخصوص اُن موسمون مین یہ مشکلات زیادہ پیش آتی ہین، جب ابر گھر آتے ہین، اور پانی برستا ہی

اس غرض سے امریکہ کے ڈاکٹر مارفن نے ایک آلہ تیار کیا ہی جس سے بادلون کی حرکت، رفتار اور بلندی معلوم کیجا سکتی ہو اور ان کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہو کہ کس حالت مین جہاز کو چلانا چاہئے اور کس حالت مین زمین پر اتر آنا چاہئے،

انجینیرنگ کا ایک کمال،

امریکہ کے انجنیرون نے واشنگٹن کے صوبہ مین ایک بند قایم کرنا چاہا ہی جو فن انجنیری کی سب سے بڑی مثال ہی، اور اس پر جو پل باندھا ہی، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا بند ہی، جس کی بلندی ۳۸۹ انچ لمبائی ۱۱۰۰ انچ اور اس کی بنیاد کا عمق ۱۴۰ انچ ہی،

اس بند کے سامنے ایک مصنوعی دریا بنایا گیا ہی جس سے پانی آتا ہی، اور بند سے ٹکرا کر اس قدر بجلی پیدا کر دیتا ہی جس کی قوت ۲۲۵ ہزار گھوڑون کی ہوتی ہی، پھر یہ پانی پلٹ کر دوسرے بند سے ٹکراتا ہے، جو اس بند کے نیچے تیار کیا گیا ہی اور اس سے بھی بڑی طاقتور بجلی پیدا ہوتی ہے، جب یہ بند تیار ہو جائیگا تو اس کی لاگت ۲۵ ملین ڈالر آئیگی،

طب جدید کا ایک حیرت انگیز کارنامہ،

عصبی امراض زیادہ تر خون کے ضعف یا اس کے فساد سے لاحق ہوتے ہین، اور اطبا ان امراض کے ازالہ کے لئے آج تک مصفی خون دواؤن سے علاج کرتے تھے، یا وہ دوائین استعمال کراتے تھے، جن سے خون مین طاقت پیدا ہو، لیکن اب یہ طریقہ ایجاد ہوا ہے کہ تمام خون جسم سے نکال لیا جاتا ہی، پھر اسکو صاف کر کے جسم مین داخل کر دیا جاتا ہی، ایک جرمن ڈاکٹر بازر نے اس طریقہ کو ایجاد کیا ہی، اور یورپ کے بہت سے ڈاکٹرون نے اس کا کامیاب تجربہ کیا ہی، ایک فریخ ڈاکٹر کا خیال ہی کہ تصفیہ خون اور ضعف دم کے علاج کا یہ بہترین طریقہ ہی،

ماخذ زندگی،

ماخذِ زندگی کے متعلق علمائے بہت سی رائین قائم کی ہین لیکن ابتک یہ عقدہ لاینحل ہی، حال مین ڈاکٹر یمان امریکی نے زمین کے اندر ایسے جراثیم کا سراغ لگایا ہی جن کی عمر دو سوملین سال سے کم نہین ہی، اور وہ ابتک زندہ ہین، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ دو سوملین سال سے کرۂ ارض پر زندگی کا آغاز ہوا ہی، یہ زندگی دوسرے عالم یعنی اجرام فلکیہ سے آتی ہی جو کرۂ ارضیہ سے قدیم تر ہین، تو کیا اس سے ماخذِ زندگی کا پتہ لگایا جا سکتا ہی؟ اور اگر اس کا پتہ بھی چل گیا تو کیا معلوم ہو سکتا ہی کہ زندگی کس طریقہ سے زمین پر پہونچی ہی؟ سب مقدم یہ کہ یہ جراثیم یا ان کی نسل دو سوملین سال تک زندہ رہ سکتی ہی؟

شام مین ایک اثری اکتشاف

شام مین آثار قدیمہ کے چند سراغ رسانون کو اینٹ کے اوپر ایک رزمیہ قصیدہ اکسیو اشی سطر دن مین لکھا ہوا ملا ہی، جسمین فینیقی قوم کی داستان پارینہ بیان کی گئی ہی، یہ قصیدہ جس خط اور عبارت مین لکھا ہوا ہی وہ ۲۸ حروف سے مرکب ہی، اور یہی فنیقی زبان کے حروفِ تہجی ہین جنکو اس زمانے کے آرامی تمدن سے تعلق ہی، مشرقی مذاہب اور لغات سامیہ کے اصول کی تحقیقات مین اس تحریر سے بڑی مدد مل سکتی ہی، اور جو لوگ حروفِ تہجی کے اصل کا سراغ لگا رہے ہین، انکو اس تحریر سے ایک نئی سند ہاتھ آتی ہی،

بارہ ہزار میل کی مسافت سے گفتگو

بے تار کی برقی کی ایجاد کے وقت اسمین بڑی دقت یہ تھی کہ دور کی مسافت پر یہ کامیاب نہین ہوتی تھی لیکن اب روز بروز یہ مشکل بھی آسان ہوتی جاتی ہی چنانچہ مسٹر فوربز صدر وزارت نیوزیلینڈ نے اسکے ذریعہ سے ابی بی کیا تھو جو زیلنڈ جدیدہ مین ہین لندن سے گفتگو کی، اور دونون مقامات کا فاصلہ ۱۲ ہزار میل تھا،

"ع"

آہ سوان!

از

جناب سید نواب علی ایم اے پرنسپل بہاؤالدین کالج جوناگڈھ،

"یہ نظم ۴؍ جنوری کو لکھی گئی تھی اور مولانا محمد علی صاحب کی عمر کے مطابق ۳۵ شعر ہیں اسکی اشاعت مین گو تاخیر ہوگئی، مگر مرحوم کے ماتم کے لئے کوئی وقت نہین" "معارف"

اے دھڑکتے ہوئے دل دیکھ سنبھل دیکھ سنبھل
یہ ہے رو ٹر کی خبر جلد نہ کر تو باور

قدم انیس سو اکتیس (۱۹۳۱) کا آیا ہے ابھی
بدشگونی نہ خدا کے لئے کر دیدۂ تر

لوٹ کر آئینگے پھر ہند کے فرزند عزیز
آخرت کا ہی نہین، ہے یہ ولایت کا سفر

گول میز اور سیاست کے وہ جھگڑے بیشک
درد سر ہین، نہین بیماروں کی جانون کا خطر

ہے یہ سائنس کا اعجاز کہ اب یورپ مین
ملکوت بھی آئے تو مسیحا بنکر،

گر نہین اسپہ بھی تسکین تو اٹھ بمبئی چل
آنیوالا ہے ولایت سے چلا اسٹیمر،

ہائین یہ کیا وہ خلافت کے رضاکار آئے
سرنگون ہے علم قوم، ہین سب خاک بسر

شہر مین موت کا چھایا ہوا سناٹا ہے
اک ذرا صبر کہ ہے بمبئی ہرتال کا گھر

خادم کعبہ وہ شوکت نظر آئے ہمکو
انکے پیچھے ہی نظر آئیگا اپنا جوہر

آہ کچھ بھی نظر آتا نہیں، انا للہ — کل کہاں آج ہی لو آگیا روزِ محشر
اٹھ گیا ملک کا ملت کا فدائی افسوس — صدق و حریت و جرأت کا وہ سچا مظہر
وہ مساوات کی تعلیم پہ مرنے والا — جو بھی مظلوم ہو، تھا اسکے لئے سینہ سپر
سکۂ رعب نہ کر سکتی تھی قوت کوئی — حرزِ جاں اسکا تھا لاریب ایک اللہ کا ڈر
اسکا کہنا یہ تھا ہر ایک کو دو حق اسکا — بندہ پابند ہو مانا ہے وہ آزاد مگر
جتنے ہیں ایک ہی اللہ کے سب بندے ہیں — رہیں وہ عدل و مساوات سے باہم ملکر
ہے یہ قانونِ الٰہی جو خلاف اسکے چلے — کوئی بھی قوم ہو اک دن وہ رہیگی مٹ کر
کام دینے کی نہیں اب یہ سیاسی چالیں — ایک دستورِ الٰہی ہے جہاں کا رہبر
اُس کا یہ قول تھا، اسلاف کے اسلام کا عطر — اب وہ اخلاق کی ہر کشتیِ دین کا لنگر
اُسکا اسلام تھا اس عہد میں سچا اسلام — تھا وہ اس دور میں ہمرنگِ بلالؓ و بوذرؓ
فقر و فاقہ میں بھی دل اس کا غنی تھا ہر دم — اسکے کردار میں پنہاں تھے علیؓ کے جوہر
اسمیں تھی خوئے حسینی کی جھلک صاف عیاں — زندگی اُسکی تھی اک کرب و بلا کا منظر
تھا وہ خورشید جو مشرق سے چمک کر نکلا — جاکے مغرب میں چھپا ایسا نہ پھر آیا نظر
اسکی تقریر میں تھی برق کی بجلی پنہاں — اس کی تحریر سے روشن تھا مِلٹن کا ہنر
رول دیتا تھا صحافت میں ادب کے موتی — گرچہ شاعر وہ نہ تھا شعر تھا اس کا جوہر
اسکی اک واہ پہ ہوتی تھی ظرافت قربان — اسکے اک آہ سے شق ہوتا تھا پتھر کا جگر
تھا وہ کپلنگ کے دعوی کی مجسم تردید — تھے بہم مشرق و مغرب صفتِ شیر و شکر
اسمیں ارجن کیطرح فرض شناسی تھی بہت — اسکے اخلاص کا پڑتا تھا عدو پر بھی اثر
اس کی آواز تھی اس عہد میں حق کی آواز — حق کی خاطر نہ اسے خوف کسی کا نہ خطر

صاف آئینہ صفت منہ پہ وہ کہدیتا تھا　　　قابل دید تھے وہ صدق وصفا کے جوہر
مادرِ ہند کا فرزند گرامی لا ریب،　　　آہ اس طرح سے پردیس مین کرجائے سفر
جان سے بھی تھا عزیز اسکو زیادہ یہ وطن　　　مرتے مرتے بھی وطن کو وہ نہ بھولا دم بھر
سرنگون ملتِ بیضا کا علم ہو نہ کہین　　　تھی یہی فکر یہی غم تھا اُسے آٹھ پہر
اُف ری غیرت کہ جو حاصل نہ ہوئی آزادی　　　قیدِ ہستی ہی سے آزاد ہوا خستہ جگر
خیر دو گز تو زمین مل گئی آزادی کی　　　اُس نے سودا یہ کیا جان کا سکہ دیکر
سچ ہی وہ داد ہند مین تھا بہت ہی بھولا　　　ایسے نقصان کی ہو آہ تلافی کیونکر
سنبھل اے دل کہ نہین شیوۂ مسلم زاری　　　ما محمدؐ کی وہ آیت نہین کیا یاد مگر،
جب اُحد مین ہوئے مجروح رسولؐ برحق　　　چھوڑ کر انکو لگے چھپنے صحابی اکثر
حق نے فرمایا محمدؐ ہین فقط ایک رسول　　　ان سے پہلے بھی بہت آئے یہان پیغمبر
اب یہ اٹھ جائین جو دنیا سے تو تم پھر جاؤ　　　دین سے۔ خیر خدا کا نہین کچھ اسمین ضرر
حق کے بندے ہین جو وہ فرض ادا کرتے ہین　　　انکی تلقین پہ کب موت کا ہوتا ہے اثر
مر مٹا گرچہ وہ ہمنام نبیؐ پیروِ حق　　　دل مین یاد اسکی رہیگی صفتِ نقش حجر
جسم نے مسجد اقصی مین جگہ پائی ہے　　　روح فی مقعد صدق مین ہے پیش داور
ہندوالون مین نئی روح ہے پھونکی اُس نے　　　مصر مین شام مین ہے اسکی صداقت کا اثر
نام تاریخ مین لکھین گے جلی حرفون مین　　　اسکو اقوامِ جہان یاد کرین گی رو کر
تھا وہ ظلماتِ سیاست مین خضر کے مانند　　　کیون نہ پھر اسکو ملین آب بقا کے ساغر
اسکو مردہ نہ کہو ہے وہ شہیدِ ملت　　　خاک مین مل کے اسیطرح ہے تابان جوہر
کیا قیامت ہے جمادات تو باقی رہجائین　　　(ق)　　　چند ہی سال مین ہو خاک بشر سرتاسر

یعنی مخلوق مین اشرف ہی جو وہ سمجھ جائے
تف ہے تجھ پر فلکِ سفلہ دون غارتگر

صبر صبر اے دلِ دیوانہ یہ کیا بکتا ہے
شدتِ غم مین ہوا حال ہی تیرا ابتر

دستِ قدرت مین ہی تو آب حیات اور ممات
وہی ہے، جسے کہتے ہین سب روحِ بشر

عالمِ خلق سے تکوین ہے اس کی بالا
ذات مین اس کے ہین پوشیدہ بقا کے جوہر

ہے یہ بے تار کا پیغام الٰہی لاریب
دیکھنا حسن ازل کی ہی یہ دزدیدہ نظر

بزمِ عالم کو سمجھ لے کہ ہے "پاور ہاؤس"
کبھی روشن کبھی تاریک ہی یہ شام و سحر

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ ادب اردو

"مترجمہ جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے سابق ہڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا، ناشر مطبع نولکشور لکھنؤ، حجم حصہ اول ۵۳۱ و حصہ دوم ۲۱۷، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، جلد خوبصورت قیمت تقریباً للعبر"

موجودہ دور مین تصنیف و تالیف کا جو سلسلہ قائم ہی ان مین ادبیات اردو کے ساتھ ہندو مسلمان، اور قدیم و جدید تعلیمیافتہ دونون گروہ کو یکسان دلچسپی ہی اور اسی دلچسپی کی بنا پر اردو لٹریچر کی تاریخ کے متعلق تصانیف و مضامین کا ایک وسیع سلسلہ قائم ہوگیا ہی اور تاریخ ادب اردو اسی سلسلہ کی ایک زرین کڑی ہی، اس تاریخ کو جناب رام بابو صاحب سکسینہ ایم اے ایل ایل بی ڈپٹی کلکٹر یوپی نے انگریزی زبان مین "ہسٹری آف اردو لٹریچر" کے نام سے لکھا تھا، اور غالباً انگریزی دان طبقہ مین اس نے نہایت شہرت اور مقبولیت حاصل کر لی تھی، لیکن خالص اردو دان گروہ اُس کے مطالعہ سے محروم تھا، اس لئے جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے سابق ہڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کو اردو زبان مین منتقل کرکے اس گروہ پر ناقابل فراموش علمی احسان کیا ہی،

اس کتاب کے دو حصے ہین، پہلا حصہ جو نسبتہً ضخیم ہی، اور ۵۳۱ صفحات مین ختم ہوا ہی،

اردو شاعری اور اردو زبان کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہی، اور دوسرے حصے مین اردو نثر کی تاریخ ہے، اور یہ حصہ نسبتہً پہلے حصے سے کم ضخامت رکھتا ہی، اور صرف ۲۱ صفحے مین ختم ہوا ہی،

اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ لوگون کے دلون مین ادب اردو کا صحیح ذوق پیدا کیا جائے، تاکہ اس کے ذریعہ سے ہندو مسلم اتحاد مین ترقی ہو، اور یہ مقصد نہایت شریفانہ ہے، کتاب مین جو خامیان ہین انکو مصنف نے خود ہی نہایت فراخدلی سے بیان کر دیا ہے، یعنی یہ کہ :-

(۱) کتاب مین ماخذون کے حوالے نہین دیئے گئے،

(۲) مصنفین و شعرار کے کلام کا اقتباس پیش نہین کیا گیا،

(۳) موجودہ دور کے شعرار کا تذکرہ نہین کیا گیا،

لیکن انھون نے آیندہ اس کی تلافی کرنے کے لئے یہ ارادہ کیا ہی کہ ایک علحدہ کتاب بطور ضمیمے کے مرتب کیجائے، جس مین ہر دور کے خاص خاص مصنفین کی کتابون کے اقتباسات مع انگریزی ترجمے کے دیئے جائین، اور ماخذون کے لئے ایک علحدہ رسالہ "ماخذ ادب اردو" کے نام سے شایع کیا جائے، موجودہ شعرآ اردو کے لئے انھون نے ایک علحدہ کتاب لکھی ہے، جو عنقریب شایع ہونے والی ہی،

ان خامیون اور فروگذاشتون کے علاوہ اور جو خامیان اور فروگذاشتین تھین، انکی تلافی فاضل مترجم نے کر دی ہی، مثلاً بہت سی باتین ایسی تھین، جو پہلے اردو مین تھین، پھر قدیم تذکرہ نویسون نے انکو فارسی زبان مین بیان کیا، پھر وہ اردو مین اور اردو سے انگریزی مین منتقل ہو کر کچھ سے کچھ ہو گئین، لیکن ترجمے مین یہ کوشش کی گئی ہی کہ اُن کو ان کی اصلی حیثیت مین پیش کیا جائے،

بعض واقعات اصل کتاب مین اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے، لیکن اردو ترجمے مین اُنکی تفصیل کردی گئی ہی، اصل انگریزی کتاب مین شعراء کے کلام کا نمونہ نہین دیا گیا تھا، لیکن ترجمے مین اکثر شعراء کا نمونۂ کلام دیدیا گیا ہی،

ترجمہ نہایت صاف اور شستہ عبارت مین کیا گیا ہے، اور آخیر مین ایک انڈکس بھی شامل ہے، جس سے کتاب کی دلچسپی اور فائدہ مین اضافہ ہوگیا ہی، شعراء و مصنفین کی تصویرین بھی دیگئی ہین، جن سے کتاب کی دلآویزی اور بڑھ گئی ہی،

کتاب مین حصہ نظم ۱۴ ابواب پر مشتمل ہی، اور ہر باب مین متعدد عنوانات قائم کرکے تمام مباحث متعلقہ پر نہایت تفصیل کیساتھ بحث کی گئی ہی، حصہ نثر ۵ ابواب پر مشتمل ہی اور اُس مین بھی یہی انداز قائم رکھا گیا ہے، اس طرح پوری کتاب ۱۹ ابواب مین ختم ہوئی ہی، اور جو مباحث اور دوسری کتابون مین متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ سب اس مین جمع ہوگئے ہین، مثلاً آب حیات، گل رعنا اور خمخانہ جاوید مین صرف شعراء کے تذکرے ہین، سیر المصنفین مین صرف نثارون اور انشاپردازون کے حالات ہین، شعر الہند مین صرف اردو شاعری کی تنقیدی تاریخ ہے، لیکن اس کتاب مین جیسا مرزا محمد عسکری نے بالکل سچ لکھا ہی، زبان اردو کی پیدائش، ہندی بھاشا، اور دوسری زبانون سے اسکا ارتباط و اتحاد، نظم کے ادوار مختلفہ، ان کے مشہور و معروف افراد، ان پر تنقیدین، موجودہ اساتذہ کے حالات، تمام اصناف نظم پر روشنی، ان کی ابتدا و انتہا کے تاریخی نقطۂ نظر سے انکشافات، نثر اردو کے مشہور مصنفین، اُس کی عہد بعہد کی ترقیان، انکی تصانیف پر نقد و تبصرہ، مشہور نثارون کا ذکر اور نثر کے اصناف وغیرہ پر بسیط رائین غرضکہ سبھی کچھ اسمین موجود ہی، البتہ چونکہ تمام مباحث کو اختصار کیساتھ سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہی، اسلئے یہ کہنا بھی صحیح ہی کہ کتاب مین سب کچھ ہی لیکن مکمل طور پر نہین ہی، اگرچہ مترجم نے اپنے حواشی و تعلیقات سے یہ کمی بھی بڑی حد تک پوری کردی ہی، جو لائق صد شکریہ ہی، "ع"

شاہ محمد خوب اور "خوب ترنگ"

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے لکچرر گجرات کالج احمد آباد

آج کل دکھنی اردو کی تاریخ کا مسئلہ تاریخ کی سطح سے ہٹکر مفروضات کی سہ
چنانچہ ابھی گذشتہ فروری کے معارف مین جناب مظہر فاروقی صاحب نے شاہ محمد خوب
تصنیف خوب ترنگ پر اظہار خیال کرتے ہوئے معلوم نہین کن معلومات کی بنا پر یہ دعو
مرحوم کی یہ تصنیف آٹھوین صدی ہجری کی تصنیف ہے، اور اس سے اردو کی سب سے
اس دعوی کی چند سطرون کے بعد ہی، وہ اس کتاب کا سنہ تصنیف ۹۸۶ھ بتا
شرح خوب ترنگ ۱۰۰۰ھ مین مکمل ہوئی، اور دونون کی تاریخین خود مصنف نے

تاریخ خوب ترنگ :-

۱۔ نسخے کی تاریخ اس بھتا نہ — پائے عدد ہر مصرے

۲۔ خوب محمد کئے بچار — جو دگھاٹ اس بہ ہ

۳۔ دوجا چاند جو تھا شعبان — دس دو شنبہ کیا ب

ان شعرون کی شرح مین خود شاہ صاحب کا یہ بیان ہے :-

"تاریخ خوب ترنگ در ہر دو مصراع باعداد ابجد خوب محمد تا سال می شمارد کہ
ہشتاد و شش سال ہجری یوم الاثنین دو دیم ماہ شعبان بنائے بیان نہاد"

تاریخ شرح خوب ترنگ (امواج خوبی) :-

اس کے متعلق خود ان کے الفاظ مین انکا بیان سنئے :-

"و تاریخ شرح مثنوی ہزار کامل ز"فکر خوب محمد" آمد بیت :-

عدد تاریخ شرح نعت محمد ہزار سال مکمل ز"فکر خوب محمد"

بیت :-

شمارم سال شرح نعت امجد دہم سال از دہم عشر از دہم صد

اب ان دونون کی موجودگی مین مضمون نگار مذکور کے اس بیان پر کہ یہ آٹھوین صدی کی تالیف ہے، نظر ڈالی جائے تو سخت حیرت ہوتی ہی کہ ان دونون کو کس طرح تطابق دیا جائے،

اس کے علاوہ صاحب مضمون نے مصنف کے سنہ وفات اور مدفن کے متعلق بھی جو کچھ کہا ہے وہ صحیح نہین ہی، مصنف کا انتقال احمد آباد مین ۱۰۲۳ھ مین ہوا اور "خوب تھے" ان کی تاریخ ہوئی، مراۃ احمدی اور تحفۃ الکرام وغیرہ نے یہی مادہ لکھا ہی، یہ صحیح ہی کہ موخر الذکر نے جو سنہ وفات الفاظ مین لکھا ہی، وہ غلط ہے، لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے، کیونکہ اسمین اس قسم کی متعدد غلطیاں موجود ہین، شاہ صاحب کا مدفن احمد آباد مین سہ دروازہ کے پاس فرحۃ الملک کی مسجد کے قریب ابتک موجود ہے، اور اسی وجہ سے یہ مسجد اب شاہ خوب کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، اور انکے خاندان کے ایک معمر بزرگ اب بھی اس سلسلہ کے فیض کو جاری رکھے ہوئے ہین، اس لئے مدفن بیجاپور کا واقعہ بالکل غلط ہی،

اس کے علاوہ شاہ صاحب مرحوم کی پانچ اور کتابون کا مین نے پتہ چلایا ہی، اور یہ سب کی سب احمد آباد مین پیر محمد شاہؒ کے کتبخانہ مین موجود ہین،

(۱) عقیدۂ صوفیہ، سنہ تصنیف ۱۰۱۳ھ

(۲) خلاصۂ موجودات،

(۳) صلح کل سنہ تصنیف ۱۰۱۶ھ

(۴) حفظ مراتب مقدمہ شرح جام جہان نما،

(۵) شراب جام شرح جام جہان نما،

شاہ محمد خوب،

از

جناب قاضی نور الدین صاحب، قاضی شہر بھروچ۔ گجرات

فروری کے معارف مین بعنوان "زبان اردو کی اولین تصنیف اور اس کا مصنف" مضمون شائع ہوا ہے، اس مین حضرت شاہ خوب محمد چشتی کی تصنیفات کا ذکر ہے، اس لئے جناب کو معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ بندہ کے ہان بھی ان بزرگ کی تصنیفات کے قلمی نسخے، خوب ترنگ اور شرح جام جہان ۱۱۲۵ھ اور امواج خوبی موجود ہین، اول و آخر کتاب کی سنہ کتابت کا پتہ نہین چلتا ہے، تاہم یہ تینون کتابین زیادہ پرانی معلوم ہوتی ہین، شرح جام جہان کی کتابت ۱۱۲۵ھ کی ہے، دیگر جناب نے اسی بحث مین بیجاپور کے سفر کے حالات مین شاہ امین الدین اعلیٰ کے مقبرہ کے کتبخانہ مین سلوک کے رسالہ کے مصنف محمود میان گجراتی کے بارہ مین دریافت کیا ہے، تو وہ احمد آباد کے باشندہ تھے، جنکی اولاد مین فی الحال شیخ نصیر الدین چشتی سجادہ ہین، قاضی شاہ پور احمد آباد، اور حضرت شیخ رشید الدین بھی انھین کے خاندان سے تھے جنکی تصنیفات سے مخبر الاولیا تاریخ مین بڑی معتبر کتاب قلمی موجود ہے،

میرے علم مین حضرت خوب محمد چشتی قادری اور حضرت خوب میان دونون علیحدہ علیحدہ بزرگ ہین، حضرت خوب محمد کی تصنیفات خوب ترنگ اور شرح خوب ترنگ وغیرہ کے سوا بندہ کے علم مین دوسری دو تصنیفات "حفظ مراتب" اور "صلح کل" بھی ہین، اور حضرت خوب میان احمد آباد کے

متوطن تھے، جنکے خاندان مین شیخ رشید الدین صاحب مرحوم جنکا نام معارف فروری ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۱۰۸ مین تحریر ہے، اور جو فارسی کی تاریخی کتاب مخبرالاولیا کے مصنف تھے، یہ کتاب قلمی ہے، ابھی تک چھپی نہین ہے، اور میرے خیال مین مرأت احمدی (تاریخ گجرات احمدآباد) سے زیادہ مستند اور واضح ہے، اس کی ایک نقل بمبئی ٹاؤن ہال مین، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری مین نمبر ۲۰۱ پر فارسی کتابون کی فہرست مین موجود ہے، جو بندہ نے دیکھی ہی، یہ کتاب نامکمل ہی، مگر اسکا اصل اور مکمل نسخہ احمدآباد مین شاہ پور کے قاضی صاحب جناب پیرزادہ شیخ نصیرالدین صاحب ولد سردار قاضی فریدالدین چشتی مودودی کے ہان ہی، یہ قاضی صاحب مرحوم خوب میان کی اولاد مین ہین جو غالباً چوتھی پشت مین ہین، اور اول الذکر بزرگ حضرت خوب محمد چشتی کی اولاد مین احمدآباد مین خارو کے دروازہ کے قریب سید میان ولد سید بڑا میان سجادہ حضرت شاہ خوب محمد چشتی ہین، اس لئے میرے خیال مین حضرت خوب میان چشتی کا مزار بھی احمدآباد مین ہوگا،

نفسیاتِ ترغیب

از

پروفیسر وہاج الدین صاحب

مطبوعات جدیدہ

اوجز المسالک الی موطا مالک، (عربی) مولفہ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مکتبہ یحیویہ سہارنپور حصہ اول ۵۶۴ صفحات لکھائی چھپائی کاغذ وسط درجہ، قیمت للعہ

مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نے جنکی شرح شمائل ترمذی کا تعارف اس سے پہلے کرایا جا چکا ہے موطا امام مالک کی عربی میں شرح لکھی ہے احادیث کی لغوی و معنوی شرح کے علاوہ رجال کی تحقیق ہے باب میں ائمہ اربعہ کے مذاہب اور ہر باب میں حنفی مسلک کے مختصر دلائل دیئے گئے ہیں، ابتدا میں ایک مبسوط مقدمہ علم حدیث اور موطا پر لکھا گیا ہے امید ہے کہ ہندوستان کے اہل علم اس سے فائدہ اٹھائینگے۔

تعلیم اسلام، مرتبہ مولوی سید معین الدین صاحب نظامی پریس بدایون ۷۶ صفحے چھوٹی تقطیع قیمت ۴ر

مولوی سید معین الدین صاحب نے جو نپولین بوناپارٹ کی مشہور ضخیم جلدوں کے مترجم ہیں اسلامی تعلیمات پر یہ مختصر رسالہ لکھا ہے جسمیں اسلام کے عقائد، عبادات اور اخلاقی تعلیمات کو اختصار کے ساتھ بحسن و خوبی پیش کیا گیا ہے، رسالہ عام طور پر مطالعہ کے لائق ہے،

ویدون کی بہشت، از مولوی عبد الحق صاحب ودیارتھی، دار الکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور ۴۴ صفحات چھوٹی تقطیع لکھائی چھپائی کاغذ معمولی قیمت

اسلام مین جنت کے عقیدہ اور اس کی تفصیلات مین جو کچھ آیا ہو، اس پر سوامی دیا نند نے اپنی ستیارتھ پرکاش مین اعتراضات کئے تھے، مولوی عبد الحق صاحب نے انھین کے جواب مین وید کا مطالعہ کرکے ان عقائد اور ان تفصیلات کو پیش کیا ہو، جو وید مین جنت کے متعلق منقول ہین، رسالہ وید و رگ وید سے مرتب کیا گیا ہو اور اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہو کہ اگر اسلامی جنت کے متعلق آب کوثر و تسنیم کا حوالہ آیا ہو، تو ویدون کی بہشت مین بھی بھنگ، شراب پینے کے لئے اور پیپل اور برگد کی پیلیان کھانے کے لئے بہشتی لوگون کو مہیا کیجائیں گی،

سرگذشت وید، یہ موصوف کا دوسرا رسالہ ہو جسمین ویدپر، وید اور ہندون کی دوسری کتابون کے حوالون سے تبصرہ کیا گیا ہو، اور آخر مین بتایا گیا ہو کہ ۱۱۳۱ وید مین سے صرف ۴ وید کیونکر رہ گئے، جو لوگ مناظرات کا شوق رکھتے ہون، ان کے لئے یہ رسالے دلچسپ اور مفید ہیں،

حالات انبیاء مولفہ مولوی محمد احید الدین صاحب بدایونی، نظامی پریس بدایون، ۲۲ صفحات تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۴ ر

اس رسالہ مین انبیاء علیہم السلام کے مختصر اور مستند حالات مسلمان بچون اور بچیون کیلئے لکھا گئے ہین، عبارت سلیس اور بچون کے لائق آسان ہو رسالہ کی ترتیب درسی طریقہ پر کیگئی ہو، اس لئے اسلامی مکاتب کے لئے یہ موزون ہوگا،

اسلامی لغت، مرتبہ جناب سید حامد حسین صاحب رضوی (علیگ) ایم، اے، ایس، ٹی باکلہ بجریا پوسٹ بینا (جی، آئی پی، ریلوے) ضلع ساگر ممالک متوسط، جلد دوم، ۶۵ صفحات کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۱۲؍

مولوی سید حامد حسین صاحب نے اسلامی لغت کے نام سے ایک مفید تالیف کا سلسلہ شروع کیا ہو، جسمین مختلف اسلامی علوم و آداب، قرآن، حدیث، فقہ، خطابت، شاعری، علم کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت اور طبعیات وغیرہ کی اصطلاحون کو نہایت اختصار و جامعیت سے اردو مین پیش کیا گیا ہو؛

مختلف علمی اصطلاحات کی توضیح کے علاوہ ائمۂ اسلام، اور مشاہیر اسلام کے مختصر سوانح حیات اور اسلامی فرقون کی مختصر تاریخ وغیرہ بھی بہ ترتیب حروف تہجی درج کی گئی ہی، اس کی جلد اول ۱۹۲۸ء؁ مین شایع ہوئی تھی، اور اب جلد دوم شایع ہوئی ہی، جسمین جیم سے خائے تک کے الفاظ آئے ہین اس مین شبہہ نہین کہ مصنف نے اس کی تالیف مین نہایت عرق ریزی سے کام لیا ہے، اولًا الفاظ کا استقصار، اور پھر ان کی عمدہ ترتیب، لائق مبارکباد ہی، اسی کے ساتھ اگر مصنف اس تالیف مین اپنی شخصیت کو عقائد و مذاہب سے بلند رکھتا تو زیادہ لائق ستایش تھا، لیکن افسوس ہی کہ ائمہ و مشاہیر کے تراجم اور مذاہب فقہیہ کی تاریخ مین مصنف کے خود ذاتی عقیدۂ شیعیت کی جھلک بہت زیادہ نمایان ہی، وخصوصیت سے ایسی ہی روایتین قبول کی گئی ہین، جو کسی ایک فرقہ مین رائج ہین لیکن پھر بھی مصنف کی یہ کوشش لایق مبارکباد ہی، اور اسلامی لغت اسلامی علوم و آداب کے مطالعہ مین نہایت کار آمد ثابت ہوگا،

کردار اور افسانہ، از جناب عبد القادر صاحب، سروری ایم اے، ال، ال بی مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدر آباد، ۲۳۲ صفحات تقطیع چھوٹی مجلد، قیمت عہ

مولوی عبد القادر صاحب سروری نے اردو زبان کے فن افسانہ کی مستقل خدمت اپنے سپرد کر لی ہی، وہ اولًا مختلف ممالک و اقوام کے افسانے مختلف ترتیب کے ساتھ اردو مین منتقل کر رہے ہین، علاوہ ازین نفس اردو فن افسانہ نویسی پر مستقل کتابین لکھ رہے ہین، چنانچہ اس سلسلہ مین انکی ایک کتاب دنیاے افسانہ شایع ہو چکی ہی، اور اب اسی کی دوسری جلد کردار اور افسانہ کے نام سے شایع ہوئی ہی یہ جلد تین حصون مین منقسم ہی، حصہ اول مین اشخاص قصہ (ہیرو) اور حصہ دوم مین کردار نگاری پر بحث کیگئی ہے اور حصہ سوم مین اردو زبان کے مختلف مشہور افسانون کے کردار پر تنقید کیگئی ہی، اور مسرت ہی کہ اردو زبان مین ایسی تصنیفات جنکی تعداد ابھی تک معدودے چند ہی، اردو زبان کا فن افسانہ علمی مرتبہ بھی حاصل کرتا جاتا ہی، اور اسکے لئے مصنف کو ہم مبارکباد پیش کرتے ہین،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۰
مئی سنہ ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپا

جلد بست و ہفتم (۲۷) | ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۳۱ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

انسان کی کسی شخصیت اور شخصیتون سے مرکب کسی جماعت مین کوئی مذہبی اخلاقی، سیاسی، اجتماعی انقلاب پیدا ہی نہین ہو سکتا، جب تک اس سے پہلے اس شخصیت یا اس جماعت مین کوئی دماغی ذہنی انقلاب پیدا نہ ہو، یہ انقلاب دلیلون اور تجربون سے زیادہ ماحول کی تاثیر اور چند معتقد علیہ بلند ہستیون کی تبلیغ، دعوت، تحریر و تقریر سے پیدا ہوتا ہے، جس انقلاب کو پیدا کرنا ہو، اوسکی حقیقت اور فائدون کو بار بار دہرایا جائے، کہا جائے، بتایا جائے، اُن کا ہر جگہ چرچا کیا جائے، اور انکی خاطر ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت اٹھائی جائے، اور انکی راہ مین ہر طرح کی قربانی پیش کیجائے، اور پورے عقیدہ اور یقین کے ساتھ اُن کے مطابق اس کے مبلغ جوش عمل اور سرگرمی کا اظہار کرین، نتیجہ یہ ہوگا کہ چند ہی دنون مین ایک شخص کی تاثیر جماعت کو، اور جماعت کی تاثیر قوم کو ہم آواز بنائیگی، اور یہ مستحکم عقیدہ اونکی زندگی کے ہر شعبہ کی روح بنجائیگا، اب تک دنیا نے اسی اُصول پر ترقی کی ہے، اور اسی اصول پر ترقی کریگی،

ہر انسان کی ایک انفرادی حیثیت ہے، اور دوسری اجتماعی، انفرادی حیثیت سے انسان ایک خاص مادی جسم سے عبارت ہے جس کے اعضاء کے تمام افعال و حرکات ایک خاص دماغ کے ارادہ کے تابع ہین اور اُن اعضاء کا مجموعی فائدہ و نقصان ایک ہی شخصیت کے ماتحت ہوتا ہے، یہ ایک ارادہ کی ماتحتی اور اعضاء کا باہمی فائدہ و نقصان مین یکسان اتحاد، ایک شخصیت کو انفرادی حیثیت سے مستقل بناتا ہے، اور ادنکو ایک مشترک جمعیت اور واحد شخصیت ٹھہراتا ہے، لیکن اس ارادی اتحاد، اور شخصی جسمانی اشتراک کے باوجود ہر انسان کا ایک ایک عضو ایک جسم کے جزء ہونے کے باوجود اپنا علیحدہ علیحدہ وجود بھی رکھتا ہے، گو یہ ہر ہر عضو کا علحدہ وجود پورے جسم کے نظام کے ساتھ

اس طرح وابستہ ہو کہ پورے جسم کی مصلحتون کی خاطر ہر عضو اپنی مستقل انفرادی حیثیت کو بھلا دیتا ہو، بلکہ اُن پر قربان کر دیتا ہے، اگر کسی ایک جسم کے تمام اعضا مین یہ ہم آہنگی، یہ موافقت اور یہ قربانی نہ ہو، تو اُس جسم کا وجود بھی کچھ دیر کے بعد باقی نہ رہے، اس مفہوم کے دوسرے معنی یہ ہین، کہ اجتماعی شکل اس وقت تک پیدا نہین ہو سکتی جبتک کسی متحد اور مشترک غرض کی خاطر جسمین کل کا فائدہ مضمر ہے، تمام اجزا اپنی انفرادی حیثیت کو بھلا نہ دین،

جو کچھ جسم کے متعلق کہا گیا ہو، وہی بعینہٖ جماعت، اور جماعتون کے مجموعۂ قوم کے متعلق کہا جا سکتا ہو، قوم کے تمام افراد علیحدہ علیحدہ ایک ایک عضو ہین، اور ان سب سے مل کر قوم کا جسم تیار ہوتا ہو، یہ تمام افراد ملکر ناقابل شکست یقین کیسا تھ کسی مشترک خیال و عقیدہ پر اس طرح متفق ہو جائین کہ وہ ہر ایک کی رگ رگ مین تیر جائے، اور اُس خیال و عقیدہ کی حفاظت اور عظمت، ہر ایک فرد کی زندگی کی غرض و غایت بنجائے، اُسی کے لیے اس کا جینا اور مرنا ہو، یہی وہ روح ہے جو قوم کے جسم مین جب پیدا ہو جاتی ہے، تو وہ قوم زندہ ہو جاتی ہو، اور اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک یہ روح اس مین زندہ ہے،

یہی وہ حقیقت ہو جسکو آنحضرت صلعم نے اپنے ان مبارک لفظون مین ادا فرمایا ہے،

"وہ تمام لوگ جو ایمان کے ایک رشتہ مین منسلک ہین ایک جسم کی طرح ہین، کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی صدمہ پہنچتا ہو تو سارے عضو اس درد کو محسوس کرتے ہین اور کسی کو شکھ اور چین کی نیند نہین آتی"

یہی باہمی معاونت، مشارکت، اور ہمدردی وہ اخوت اور برادری ہو، جس کو قرآن پاک نے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مین ادا کیا ہو کہ تمام افراد جو ایمان کی برادری مین شریک ہین، باہم حقیقی بھائی ہین، اور وہ مشترک خیال و عقیدہ جس کی بنا پر یہ برادری قائم ہوتی ہو، اوسکی پختگی، استحکام، اہمیت اور اس کے لیے پوری قوم کی حیات و موت کا فلسفہ قرآن پاک نے دین حنیف کے داعیِ اوّل حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے اس طرح بیان کیا ہو:

"میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سارے دنیا کے پروردگار خدا کے لیے ہے، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا مسلم ہون"

ایک مشترک برادری کیلئے دنیا کی مختلف قومون نے مختلف رشتے تلاش کئے، بنی اسرائیل نے نسل کا اتحاد، یونانیون نے وطن کا اتحاد، رومیون نے سلطنت کا اتحاد، ہندوون نے ذات کا اتحاد اپنے سامنے رکھا، لیکن کیا ان مین سے کوئی رشتہ بھی ایسا ہے جسمین انسانون کی تمام برادری داخل ہو سکے؟ دنیا ایک نسل اور ایک ذات نہین بن سکتی، اور نہ تمام دنیا ایک سلطنت ہو سکتی ہے، اور اگر ہزارون ظلم کے بعد بزور بنائی بھی جائے تو قائم نہین رہ سکتی، موجودہ زمانے نے نسل، قوم، رنگ، وطن، جغرافی تقسیم کو اتحاد کا معیار قرار دیا، ان سے نتیجے بھی سب کی آنکھون کے سامنے ہین، اسلئے نسل، ذات، وطن، سلطنت، جغرافی تقسیم اور رنگ کوئی مادی معیار انسانون کی تمام برادری کو اپنے ایک مشترک گوشہ مین جمع نہین کر سکتا، اگر کوئی ایسی عمومی اور مشترک چیز قرار پا سکتی ہے تو وہ کوئی غیر مادی حقیقت ہی ہو سکتی ہے، جس کے دامن مین وسیع دنیا کے ہر فرد کو پناہ مل سکے،

لوگ یورپ کی تنگدل قومیت اور وطنیت کے فشار سے گھبرا کر بعض ایسی مشترکہ انجمنون اور سوسائٹیون کے قیام کی فکر مین ہین جو کسی "غیر مادی تخیل" کی برادری کی بنیاد پر قائم ہون، مگر وہ غیر مادی تخیل اُن کے سامنے کیا آتا ہے، انسانیت، مزدوری، سوشلزم، بالشوازم، جسمین سے کوئی بھی تمام عالم کی وسعت کو محیط نہین، اور ہر آن بدل جانے والا اور مٹ جانے والا، فانی معیار ہے، اور جسمین سے کوئی ایسی چیز نہین ہے جو نیکی، ایثار اور احسان کو براہ راست انسانون کو ابھار سکے، انسانیت کے تخیل سے باہر ہزارون غیر انسانی مخلوقات ہین جو کبھی بھی انسان نہین بن سکتین، دوسرے تخیلات کی بنیاد صرف روٹی پر ہے، اور جو صرف سرمایہ داری کے خلاف غریبون اور مزدورون کے جذبات نفرت کو ظاہر کرتے ہین، اور یہ سب دنیا کے باطل بُت ہین جو مٹ جائین گے،

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (حج)

یہ اسلیے کہ لاریب اللہ ہی ایک حق ہے اور اس کے سوا یہ لوگ جکو پکارتے ہین وہ باطل ہے اور اللہ ہی بلند اور بڑا ہے،

اسلام نے مادی اشتراکات اور تنگ تخیلات کو چھوڑ کر اُس سب سے زیادہ غیر مادی سب سے زیادہ باقی سب سے زیادہ غیر متبدل سب سے زیادہ عالمگیر سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ سچی حقیقت کو اس اشتراک کا رشتہ اور اس برادری کا معیار قرار دیا جسمین نہ صرف تمام نسلین اور ذاتین تمام جغرافی حدود اور رنگ، اور تمام سرمایہ دار اور مزدور بلکہ تمام بنی نوع بلکہ تمام مخلوقات یکسان شامل اور داخل ہو سکتی ہین اور وہ ایک رحم والے، تمام عالم کے تنہا پالنے والے، اور ساری نیکیون کے مالک رحمان و رحیم اللہ پر ایمان ہے کہ ہم سب صرف اسی کو اپنا آقا و مالک، اور اپنا مادی و ملجا سمجھین اور یقین کرین، اور اسکی تمام مخلوقات کیساتھ جو بندگی اور مخلوق ہونے مین ہمارے برابر ہین نیکی اور محبت سے پیش آئین اس بلند حقیقی، اور سب سے سچی غیر متبدل غیر مادی، روحانی و ذہنی حقیقت کو غیر متزلزل یقین اور عقیدہ کے ساتھ تسلیم کرنا ایمان اور توحید ہے،

یہ وہ برادری ہے جسمین نہ صرف وہ جو مسلمان ہین شریک ہو سکتے ہین بلکہ وہ بھی جو رسمی مسلمان نہین برابر کے شریک ہین قرآن نے سارے آسمانی کتابون کے ماننے والون کو ایک متحدہ معیار برادری کی دعوت ان لفظون مین دی ہے،

"اے کتاب والو! آؤ ایک بات پر ہم سب متحد ہو جائین جو ہم مین تم مین برابر ہے، اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجین اور ہم مین سے کوئی ایک دوسرے کو خدا کو چھوڑ کر اپنا رب نہ بنائے"

اس وسیع و عالمگیر صداقت کے رشتہ کو، وسیع و عالمگیر برادری کی بنیاد قرار دیکر اسلام نے موقع دیا ہے کہ اس سچی، حقیقی، صحیح ترین، باقی اور غیر فانی حقیقت کو پورے جوش یقین اور استحکام کیساتھ تمام افراد انسانی اپنا عقیدہ بنائین اور اپنے تمام کامون کو اس مرکز کے دائرہ کے تحت مین انجام دین، یہ ہے "گریٹر اسلام" جس کے سایہ مین تمام دنیا سما سکتی ہے،

مقالات

حضرت ابو ہریرہؓ پر گستاخانہ جرح

از مولوی شاہ معین الدین صاحب رفیق دار المصنفین

کیسی عجیب بات ہو کہ آج بعض "جدت پسند" برائے نام تعلیمیافتہ اصحاب علمائے اسلام کو طعنہ دیتے ہین کہ وہ اب تک لکیر کے فقیر ہین، اور پرانے زمانہ کے ناموں مجتہدون، محدثین، تابعین اور صحابہ کی باتون اور روایتون کو اس بیسوین صدی مین بھی مانتے ہین، لیکن خود ان معترضون کی دماغی غلامی کا یہ عالم ہو کہ وہ جو بات بھی کہتے ہین وہ دوسرون کی نقالی اور نری تقلید ہوتی ہو، وہ عیسائی مشنریون، اور یورپ کے مستشرقون کے مخالفِ اسلام خیالات کو سنکر اس درجہ اپنی جہالت اور کم علمی سے مرعوب ہو جاتے ہین کہ وہ انکو تمام تر وحی والہام سمجھ لیتے ہین اور انھین معلومات کو لیکر عام مسلمانون کے سامنے اپنی "تحقیقات علمیہ" کی صورت مین پیش کرتے ہین، اور خوش ہوتے ہین کہ ہم نے اسلام کے تجدید و اصلاح کا کام کیا، نامسلمانون کی یہ دماغی غلامی، کیا ان ائمہ مجتہدین، محدثین، تابعین اور صحابہ کی تقلید و اتباع سے بہتر ہی جنھون نے اپنی زندگیان اسلام و رسولِ اسلام علیہ السلام کے احکام و پیام کی تبلیغ و اشاعت مین صرف کین؟

اس ذہنی غلامی کا سب سے بدترین مظاہرہ ہمارے بعض کلم "یورپ دون" کا وجود ہی یہ اپنی تہذیب اپنے تمدن اپنی معاشرت اپنی تاریخ غرض ہر اس قومی عنصر کو جس سے قوم قوم بنتی ہی یورپ کے بنائے ہوئے اصول اور معیار پر جانچتے اور پرکھتے ہین، اگر وہ ان پر پوری اترے تو انکے لئے قابلِ قبول ورنہ قابلِ رد ہی خواہ اس رد کرنے مین خود اسلام ہی کی پوری عمارت کیون نہ گر جائے،

اسلامی تہذیب و معاشرت تو انکے تیرِ اصلاح کا نشانہ پہلے ہی سے تھی، لیکن اب مذہب کی باری آئی ہی، اور اصلاح و تجدید کے پردہ مین اسکے خلاف صف آرائیان شروع ہوگئی ہین، اور ہر پہلو سے "متمدن" تاریخ اسلام کا کوتھر بننے کی کوشش

کرتا ہی، سب سے زیادہ قابلِ رحم یہ ہو کہ یہ بھی صرف یورپ کی نقالی ہو، ورنہ ایسے اشخاص جو عربی زبان سے بہت ہی سطحی واقفیت رکھتے ہین، جنھون نے قرآن پاک کے سمجھنے پر زندگی کے چند لمحے بھی صرف نہین کئے، جنھون نے احادیث کے پڑھنے اور سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہین کی، وہ محض ترجمون اور دوسرون کے نوشتون پر بھروسہ کرکے پبلک مین اپنے جعلی فضل و کمال کی نمائش کرتے ہین، انکی اس کوشش سے انکو کم از کم یہی فائدہ حاصل ہوجاتا ہی کہ انکی صدائے تجدید کو سنکر اسی قبیل کے "متلاشیانِ حق" ادھر متوجہ ہوجاتے ہین، اور تھوڑی سی دیر کیلئے ان سے خراج تحسین ملجاتا ہی، اور عارضی طور پر انکی گرم بازاری ہوجاتی ہی،

اس "تجدید ملت" کے ساعی جمیلہ وقتاً فوقتاً اس فرقہ کے ایک خاص "صحیفہ" مین اکثر نظر آتے رہتے ہین لیکن حال مین اس "محققانہ سلسلہ" کی جو زرین قسط گمراہ دقیانوسی مسلمانون کی رہنمائی کے لئے پیش کی گئی ہی، وہ اپنی گوناگون خصوصیات کے سبب سے عجیب تر ہی، اور اس لئے قابلِ توجہ ہی،

اس سے پہلے کے مقالات مین غریب پرانے مولوی "مجددینِ ملت" کے ہدفِ ملامت بنتے تھے، لیکن تازہ مقالہ مین پروازِ اصلاح نے آج سے تیرہ سو سال پیچھے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف مورچہ جمایا ہی، کہ درمیانی واسطون کو چھوڑ کر براہِ راست گلشنِ اسلام کے باغبانون ہی کو مجروح کرکے روز روز کے مذہبی مناظرون کا قصہ ختم کردیا جائے، کہ جب صحابہ ہی جو قصرِ اسلام کے ساطین ہین گرادئیے جائینگے تو مذہب کی بوسیدہ عمارت خود بخود منہدم ہوجائے گی، اس طرح سے حدیث کا دفترِ بے پایان بھی ناقابلِ اعتبار قرار پاجائیگا، اور جب حدیثین ناقابلِ اعتبار ہوجائینگی تو من مانی تاویلون کیلئے دروازہ کھل جائیگا، لیکن لائق مضمون نگار کو معلوم ہونا چاہئیے،

اگر گیتی سراپا باد گیرد　　　چراغِ مقبلان ہرگز نمیرد

چنانچہ تازہ مقالہ مین حضرت **ابوہریرۃ** کو جو صحابہ کے زمرہ مین سب سے زیادہ کثیر الروایۃ ہین مشقِ ستم کیلئے منتخب فرمایا گیا ہی، اور اس محترم ہستی کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے تدلیس کذب، مغالطہ اور اس قبیل کا کوئی ایسا اوچھا حربہ نہین ہی، جو استعمال نہ کیا گیا ہو، اس کوشش مین جابجا فاضل مضمون نگار کی وسعتِ نظر اور سخن فہمی کا پردہ بھی فاش ہوگیا ہی، اس جرأت اور بے باکی کی بھی کوئی انتہا ہی کہ شروع سے آخر تک مضمون کا ایک

نقطہ بھی صحیح نہیں، اور اس پر اس دلیری سے صحابۂ پر تنقید گو اس سے پہلے اس سلسلہ کے جو مضامین نظر سے گذرے وہ بھی تحقیق اور ترجیح میں اس سے کم نہ تھے لیکن جس دیانت کا تازہ مضمون میں ثبوت دیا گیا ہے، اس کی مثال مشکل سے مل سکے گی اسلئے اسکو نظر انداز کر دینا ہر عامی کا حوصلہ بڑھانا ہے،

سب سے پہلے اس بات پر تعجب ہوا کہ وہ آزاد دبیباک محرر جو حق گوئی کی خاطر مسلمانوں کی مسلمانوں کے علم کی صحابہ کی کسی کی پروا نہیں کرتا آخر وہ کس باطل کے خوف سے اتنا لرزہ براندام ہوتا ہے کہ مضمون میں اپنے نام کے اظہار کی جرأت بھی نہیں پاتا، اور سرکاری نوکری کے ماہانہ چند حزف ریزون کے ڈر سے اپنے نام وعہدہ کو چھپا ہی کر اس نے اتنی دنیا میں سنت جانا ہے، جس شخص کی جرأت کا یہ حال ہو اسکی دوسری اخلاقی جرأت کا کیا ذکر ہے،

بہر حال اس "احقاق نام" کی بیہود کوشش کے باوجود حصول شہرت کا بے خواستہ جذبہ چلمن کے پیچھے سے اپنے حسن کی نمائش میں مصروف ہے، املا اور زبان کی "صحت" طرز خیال کی سنجیدگی تحقیق اور نظر کی وسعت ہر چیز غمازی کرتی ہے کہ ان کا سرچشمہ بھی وہی ہے جس سے اس سلسلہ کے پچھلے مضامین نکل چکے ہیں لیکن "حق گوئی" کے نقاب میں چہرہ صاف نظر نہ آتا تھا حالانکہ اصلاح و تجدید کی دعوت برافگندہ نقاب و برعلی رؤس الاشہاد ہونی چاہئے کہ "مجدد دین ملت" اور مصلح امت نے تجدید کی دعوت پس پردہ نہیں بلکہ بر سر دار دی ہے، بہر حال ہمکو مضمون نگار کے ذوق خود نمائی کا ممنون ہونا چاہئے کہ ایک موقعہ پر انھوں نے خود ہی اپنی بغدادی سیاحت کا حوالہ دیکر جسکو وہ اپنی عربی دانی کے ثبوت میں اکثر پیش فرماتے رہتے ہیں، خود ہی اپنے چہرہ سے نقاب ہٹا کر اپنا تعارف کرا دیا ہے،

اس مضمون نگار کو صحابہؓ کے "مطاعن" لکھنے کیلئے کسی بڑی کوشش کی ضرورت نہ تھی، اردو کی بہت سے چھپی ہوئی مناظرہ کی کتابون میں یہ معلومات انکو مل سکتے تھے، اور ہمکو مضمون نگار کی علمی وسعت سے یہ بدگمانی نہیں ہے کہ انھوں نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا ہوگا لیکن انکے جواب میں جو رسالے لکھے گئے ہیں اگر وہ انکو بھی دیکھ لیتے تو نہ انکو مضمون لکھنے کی ضرورت پیش آتی اور نہ ہمکو جواب کی، یہی سبب ہے کہ مضمون نگار نے پورے مضمون میں کہین کتابون

کے ابواب یا صفحات کا حوالہ نہین دیا ہی، شاید یہ بھی مقصود ہو کہ اس طرح لوگون کو جواب کیلئے انکے حوالون کے ڈھونڈھنے مین دقت ہوگی، اور انکے کذب و تدلیس کا پردہ فاش نہ ہوگا،

اس سے پہلے کہ مقالہ نگار کی تنقید پر نظر ڈالی جائے اول اس سے یہ سوال کرنا ہی، کہ اس نے اپنے مضمون کی اس سرخی "بعض عقائد اسلامی کے کمزور ماخذ" کے ماتحت جو احادیث نقل کئے ہین، ان مین کون سی روایت عقیدۂ اسلامی کے متعلق ہی، غالباً اسکو معلوم ہوگا کہ عقیدہ یا ایمان صرف توحید، رسالت، صحف سماوی، ملائکہ اور حشر و نشر پر صدق دل سے یقین کا نام ہی، لیکن ان مین کسی شے کے متعلق اس نے کچھ نہین کہا ہی، پھر اس مضمون کو عقائد سے کیا تعلق ہی؟ اور اگر اسکے نزدیک ایمان و عقیدہ کے کچھ اور اجزا بھی ہون، تو براہ کرم عامۂ مسلمین کو اس سے آگاہ فرما کر ممنون کیا جائے، ورنہ پھر یہی سمجھا جائیگا کہ اس سرخی کے ماتحت ہر قسم کی رطب و یابس روایات جنھین عقیدہ سے دور کا بھی لگاؤ نہین نقل کر کے عوام اور نیم تعلیمیافتہ طبقہ کو عقائد اسلامی کے متعلق مغالطہ دینا مقصود ہی؟

معترض کے اس مضمون کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تاریخی اور اخلاقی حیثیت سے گرانے کی کوشش کی ہی اور دوسرے حصہ مین انکی روایتون پر عاقلانہ تنقید کی ہے،

مضمون کا پہلا حصہ

کیا ابوہریرہؓ اسلام لاتے وقت صغیر السن تھے؟ اس سلسلہ مین معترض نے سب سے اول حضرت ابوہریرہؓ کو ان کے قبول اسلام کے وقت صغیر السن ثابت کرنے کی کوشش کی ہی تاکہ سرے سے انکی تمام مرویات مشتبہ ہو جائین چنانچہ ارشاد ہوتا ہی کہ

(۱) "جب ابوہریرہ مدینہ مین آئے تو نہایت مفلوک و مفلس تھے اور غالباً کم سن بھی تھے" پھر اس کم سنی کے ثبوت مین حسب ذیل دلیلین پیش کی ہین،

۱۔ جب وہ مدینہ آئے تو یتیم و مفلوک تھے۔

(۲) ان کی کنیت ابوہریرہ (بلیون والے) تھی،

۳۔ مروان جس نے سنہ سے سنہ تک خلافت کی، وہ انکو اپنا خلیفہ بناتا تھا،

۴۔ حسن بصری سے ان سے ملاقات ثابت ہے اس لئے وہ کم سن تھے،

۵۔ جب وہ مدینہ آئے تو انکی ماں زندہ تھین، اور جس کی ماں زندہ ہو وہ کم سن،

یتیمی و افلاس را اس دعوے کے ثبوت مین حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ "مین بڑا ہوا یتیمی کی حالت مین اور جب مین نے آنحضرت صلعم کے پاس ہجرت کی اس وقت مین مسکین تھا اور نوکر تھا غزوان کی بیٹی کا صرف پیٹ کی روٹی پر اور باری باری اونٹ چرانے پر جن لوگون کے لئے لکڑیان چنتا جب وہ اترتے اور جانورون کو گاکر چلاتا جب وہ سوار ہوتے سو شکر ہے اس کا جس نے دین کو مضبوط کیا، اور ابوہریرہ کو دین کا پیشوا بنایا" یہ روایت نقل کرکے معترض کہتا ہے کہ "آخری جملے قابل غور ہین"

معلوم نہین سخن فہم فاضل اس روایت کے کس جملہ سے ابوہریرہ کا کم سن ہونا ثابت کرتے ہین، وہ یہ نہین کہتے کہ مین کم سن یتیم ہوکر آنحضرت صلعم کے پاس آیا، بلکہ وہ یہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہین، اس کے بعد کے واقعہ یعنی آنحضرت صلعم کے پاس آنے کو اس کے ماقبل سے کوئی تعلق نہین یہ دونون واقعے الگ الگ ہین، اگر ناقد نے اس روایت کے الفاظ پر غائر نظر ڈالی ہوتی تو اسکو معلوم ہوجاتا کہ یہ روایت اسکی تائید کے بجائے تردید کرتی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہین، کہ "مین بڑا ہوا یتیمی کی حالت مین اور جب آنحضرت صلعم کے پاس ہجرت کی" یہ الفاظ خود شاہد ہین کہ وہ بڑے ہونے کے بعد خدمت نبویؐ مین حاضر ہوئے، دوسرے یہ فطری اصول بھی پیش نظر رہنا چاہئے تھا، کہ کوئی صغیر السن بچہ مذہب کی تلاش مین دور دراز کا سفر نہین کرسکتا کہ اس قسم کی تلاش حق تو پختہ کاری مین ہوتی ہے" مزید بحث آگے آئیگی،

"قابل غور" کے متعلق گذارش ہے کہ نعوذ باللہ ابوہریرہ کوئی خداع اور فریب کار تو تھے نہین جو جبکا

اعتراف باوجود مخالفت آپکو بھی ہوگا، کہ وہ اپنے پیشوا ہونے کے بعد فخریہ کہتے ہیں کہ دیکھو میں نے کیسی چالاکی کی، کیسی زبون حالت مین آیا تھا اور اپنی چالاکیون سے آج دین کا پیشوا ہوگیا، بلکہ اما بنعمۃ ربک فحدث کے قرآنی اصول پر اس سے باری تعالیٰ کا شکر مقصود ہی کہ ایک وہ دن تھا کہ مین نادار و مفلس تھا اور آج خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اس رتبہ تک پہونچایا، ان جملون پر توجہ دلانے سے معلوم نہین فاضل ناقد نے ابوہریرہؓ کا کون سا چھپا ہوا راز معلوم کر لیا، اگر وہ حضرت ابوہریرہؓ کے ان فقرون کو "قابل غور" سمجھتے ہین، تو نعوذ باللہ سورہ الم نشرح کو وہ اور زیادہ "قابل غور" سمجھتے ہونگے، جسمین خود آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے یہی تعلیم نقل کی گئی ہی،

ابوہریرہؓ کی کینت، دوسری جگہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ ابوہریرہؓ کی کینت سے انکی صغرسنی ثابت فرماتے ہین لیکن چونکہ غلط بیانی پر ضمیر ملامت کرتا ہی، اس لئے عجب متضاد مضحکہ انگیز اور بے سروپا باتین لکھ جاتے ہین، ارشاد ہوتا ہی، "یہ پتہ نہین چلتا کہ ابوہریرہ کی کینت کی کیا وجہ ہی، .... ممکن ہی ابوہریرہؓ کی کینت اس اس واسطے پڑ گئی ہو کہ ابوہریرہؓ نے حسب عادت رسول اللہ صلعم سے روایت بیان کی کہ ایک مسلمہ پر اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے عذاب کیا کہ اس نے ایک بلی کو بھوکا مار دیا تھا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو انھون نے کہا خدا ابوہریرہؓ پر رحم کرے کیا ایک مومنہ پر ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہو سکتا ہی، غالباً اس واقعہ نے ابوہریرہ کی کینت کو مشہور کر دیا ہو، مگر روایتون سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ خود بھی اس کینت کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، اس لئے ممکن ہی کہ جب وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین طفل صغیر کی حیثیت سے حاضر کئے گئے ہون، اس وقت وہ بلی کے بچہ کو گود مین لئے ہون اور آنحضرت صلعم نے انکا لقب ابوہریرہؓ رکھ دیا ہو، کیونکہ آپ مزاحاً ایسی کینت رکھ دیا کرتے تھے، جیسے ابوتراب مگر اس واقعہ کی کوئی سند کم از کم میری نظر سے نہین گذری، تیاس یہ ہی کہ "ہریرۃ" انکی لڑکی کا نام رہا ہو، کیونکہ ان کے داماد بھی حدیثون کے بڑے راوی تھے، اور انکا نام عام ہی، مگر دقت یہ ہی کہ رسول اللہ صلعم نے انکو ابوہریرہؓ کیسے پکارا"

فاضل نقاد نے بہت سی باتوں کی تحریر میں کتنی متضاد اور غیر مربوط باتیں لکھ گئے، ایک طرف انھیں کنیت کا صحیح پتہ نہیں چلتا، دوسری طرف وہ بلی اور مومنہ کی حدیث سے کنیت پیدا کرتے ہیں، تیسری طرف وہ آنحضرت صلعم کا دیا ہوا لقب تجویز فرماتے ہیں، پھر ابوہریرہ کی لڑکی کا نام ہرہ فرض کر کے اسکو کنیت کا سبب قرار دیتے ہیں، پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میری نظر سے نہیں گذری، اور سب سے زیادہ حیرت انکو اس پر ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ابوہریرہ کو اس کنیت سے کیونکر پکارا، غرض یہ آشفتہ نگاری اور پریشان نظری فاضل نقاد کے دماغی انتشار کا عجیب و غریب مرقع ہے،

حیرت ہے کہ جس نے بزعم خود روایات و احادیث کی تمام کتابیں کھنگھال ڈالی ہوں، اس کی نظر سے کنیت کی سند نہ گذری ہو، حالانکہ اسکی سند طبقات کی ہر کتاب اور حدیث کی بعض کتابوں میں موجود ہے، ترمذی میں خود ابوہریرہؓ کی زبانی منقول ہے کہ میں بلی کا ایک بچہ پالے تھا، اسے رات کو ایک درخت میں رکھ دیتا اور صبح کو بکریاں چراتے وقت ساتھ لے لیتا، اور اس سے کھیلتا تھا، لوگوں نے اسکے ساتھ میری یہ دلچسپی دیکھکر مجھکو ابوہریرہ کہنا شروع کر دیا (ترمذی مناقب ابوہریرہ)

اس روایت سے کنیت کی دشواری حل ہو گئی ہوگی اور انکو قیاسی مفروضات کی ضرورت نہ پیش آئیگی بلی اور مسلمہ کی روایت تنہا ابوہریرہ سے مروی نہیں ہے کہ اسکو انکی کنیت کا سبب قرار دیا جائے، بلکہ ابن عمر سے بھی مروی ہے اور کئی طریقوں سے مروی ہے، (دیکھئے بخاری ج اول ص ۴۹۵ و مسلم ج ۲ ص ۹۹ طبع مصر) اگر یہ واقعہ بھی کنیت کا سبب ہو سکتا تھا تو ابوہریرہ سے زیادہ ابن عمر اسکے مستحق تھے، حضرت عائشہؓ کی تنقید سے عقلاً و نقلاً اس روایت کی تضعیف نہیں ہو سکتی، عقلاً اس لئے کہ اسمیں جانداروں پر شفقت کی تعلیم ہے، نقلاً اسلئے کہ ابوہریرہؓ کے علاوہ اور صحابی بھی اس کے راوی ہیں، ہریرہ نام ابوہریرہ کے کوئی لڑکی نہ تھی، اور نہ آنحضرت صلعم نے یہ کنیت رکھی تھی، بلکہ بچپن میں انکے وطن میں رکھی گئی تھی جیسا کہ ترمذی کی روایت سے ظاہر ہے، ابوہریرہؓ کے داماد کا نام عاصم نہیں بلکہ سعید بن مسیب ہے (تہذیب التہذیب ابن حجر تذکرہ سعید بن مسیب) یہ بھی عجیب متضاد

ارشاد ہی کہ آنحضرت صلعم نے یہ کنیت بھی رکھی تھی اور پھر انکو یہ دقت بھی محسوس ہو رہی ہی کہ رسول اللہؐ نے انکو ابوہریرہ کیسے پکارا، حالانکہ اسمین کوئی دقت نہین، کیا آنحضرت صلعم اس قسم کی کنیت سے لوگون کو نہین پکارتے تھے، آپ نے تو خود حضرت علیؓ کی کنیت ابو تراب رکھی تھی، یہ تو بہت موٹی سی بات ہی کہ جسکا جو نام ہوگا لوگ اسکو اسی سے پکارینگے، اسمین دقت کیا ہی، عرب مین کنیت کی حیثیت نام کی ہوتی ہی، بلکہ اس کے آگے لوگ نام کو بھول جاتے ہین،

مروان کی نیابت، دعوی کے تیسرے ثبوت مین ارشاد ہوتا ہی کہ "مروان بن حکم نے ۴۰ھ سے ۶۰ھ تک خلافت کی، اس زمانہ مین ابوہریرہ کو مروان نے مدینہ مین اپنا خلیفہ مقرر کیا" پھر اس کے ثبوت مین مسلم کی ایک روایت نقل کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہی کہ "کہا جاتا ہی کہ ابوہریرہ جب اسلام لائے تو انکی چھبیس (۲۶) سال کی عمر تھی، اگر جنگ خیبر مین انکی عمر چھبیس (۲۶) سال تھی جو ۷ھ کا واقعہ ہی تو ۶۰ھ مین انکی عمر ۹۰ سال کی ہوئی جو سن ایک شیخ فانی کا ہی، مگر ایک روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ انھون نے بصرہ مین وفات پائی، اور انکی عیادت کو حسن بصری آئے" اس کے بعد حسن بصری کی عیادت مین آنے کا واقعہ نقل کرکے فرماتے ہین "کہ اس حساب سے تو وہ (ابوہریرہ) بالکل غیر طبعی عمر مین مرتے ہین، حالانکہ تاریخ کی رو سے انکا انتقال چھہتر (۷۶) سال کی عمر مین ہوا، اگر یہ صحیح ہے، تو ابوہریرہؓ جس وقت آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے اس وقت بالکل نوعمر بچہ تھے، یہ نتیجہ اس واقعہ سے اور بھی زیادہ قوی ہو جاتا ہی کہ ابوہریرہ کا خود بیان ہے کہ انکی والدہ بھی انکے ہمراہ تھین،"

ناظرین کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ مذکورۂ بالا واقعات مین سے ایک واقعہ بھی صحیح نہین ہی، کسی مین کذب صریح ہی اور کسی مین تدلیس یا مغالطہ سے کام لیا گیا ہی، ستم ظریفی یہ ہے کہ اس صریحی غلط بیانی پر "حق گو" لقب فرماتے ہین،

سب سے پہلی غلط بیانی یہ ہی کہ اس مورخ بے ہمتا نے مروان کا زمانہ ۴۰ھ سے ۶۰ھ تک بتایا ہی، حالانکہ وہ غریب ۶۵ھ مین مرچکا تھا، ۶۰ھ مین تو اسکی ہڈیان بھی قبر مین باقی نہ رہی ہونگی، جناب حق گو ۶۰ھ

یک مروان کا زمانہ نہین بلکہ عبد الملک بن مروان کا زمانہ ہی، وہ بھی آپ کے قول کے مطابق ۲۰ھ سے نہین بلکہ ۶۵ھ سے شروع ہو کر ۸۶ھ پر ختم ہوتا ہی، ذرا اگر ابو حنیفہ دینوری، طبری، یعقوبی، مسعودی، ابن اثیر، ابو الفدار، ابن خلدون وغیرہ کی متداول تاریخون کےعلاوہ جناب کوئی جدید ماخذ دریافت فرمایا ہی تو کبھی اس علمی اکتشاف پر مبارکباد دیتا ہون اس سے ہم نیازمندون کو بھی آگاہ فرمایا جائے، یورپ کو کتابون کی تلاش پر بڑا ناز ہے لیکن اس جدید انکشاف پر شاید وہ بھی انگشت بدندان رہجائیگا، دوسری ضمنی تاریخی غلطی یہ ہو کہ غزوۂ خیبر کا زمانہ ۶ھ بتایا گیا ہی، حالانکہ غزوۂ مذکور محرم ۷ھ مین ہوا، جیسا کہ تمام کتب سیر مین ہی، اگر آپ غزوۂ خیبر کا سنہ صحیح رقم فرماتے تو حضرت ابو ہریرۃؓ کی عمر ایک سال اور بڑھ جاتی گو یہ اضافہ آپکے لئے کارآمد نہ ہوتا کہ ایک سال کے اضافہ سے وہ غیر طبعی عمر مین نہین پہونچ سکتے تھے۔

تیسری تدلیس یہ ہو کہ مروان کی گورنری کے ایک واقعہ کو اس کی خلافت کے زمانہ مین دکھایا گیا ہے، حالانکہ مروان ابوہریرہ کو اپنی خلافت کے زمانہ مین نہین بلکہ امیر معاویہ کے عہدِ حکومت مین جبکہ وہ انکی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا، اپنی عدم موجودگی مین کبھی کبھی اپنا خلیفہ یعنی نائب بناتا تھا، اور اس کی گورنری کا زمانہ ۴۲ھ سے شروع ہوتا ہی، (ملاحظہ ہو طبری و ابن اثیر وغیرہ حوادث ۴۲ھ) اگر جناب کی "بغدادی سیاحت" عربی دانی کے لئے کچھ مفید ہوئی ہوتی تو خود آپکی نقل کردہ مسلم کی روایت سے یہ مشکل حل ہوجاتی، مسلم کے الفاظ یہ ہین "ان اباھریرۃ حسین کان یستخلفہ مروان علی المدینۃ" یعنی "جب مروان ابوہریرہ کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بناتا تھا" اس جملہ کے الفاظ خود شاہد ہین کہ یہ واقعہ مروان کی حکومت کے زمانہ کا نہین بلکہ اس کی گورنری اور امارتِ مدینہ کے زمانہ کا ہے، آپ کو معلوم ہوگا کہ بنوامیہ اور مروان کا دارالخلافہ دمشق تھا، اس لئے خلیفہ دمشق کے مدینہ مین قائم مقامی کے کیا معنی ہو؟ اور اس سے یہ بھی مراد نہین لیا جا سکتا کہ وہ اپنی حکومت دمشق کے زمانہ مین ابوہریرہ کو مدینہ کا گورنر بناتا تھا کیونکہ اس کے لئے عربی محاورہ "یستخلفہ" کے بجائے "یستعملہ" ہوتا، اس لئے اس استخلاف کے سوائے

اس کے کوئی معنی ہو ہی نہین سکتے کہ مروان امیر معاویہ کے عہد مین اپنی مدینہ کی گورنری کے زمانہ مین ابوہریرہؓ کو کبھی کبھی اپنا قایم مقام بناتا تھا، بہرحال اس سے کم از کم آپ کی یہ کوشش بالکل رائگان گئی کہ ابوہریرہؓ مروان کے زمانہ مین ۹۰ سال کے ہو جاتے ہین، اس لئے وہ عہد نبویؐ مین صغیر السن تھے، رہا یہ سوال کہ انکی صحیح عمر کیا تھی تو اس کا جواب آگے آتا ہی،

یہ دلیری اور تناقض بیان بھی کس درجہ حیرت انگیز ہی کہ ابھی آپ ابوہریرہؓ کو ان کے اسلام کے وقت کم سن ثابت کر رہے تھے، لیکن پھر چونکہ مروان کے زمانہ مین انھین شیخ فانی دکھانا تھا اس لئے اسلام کے وقت ان کی چھبیس ۲۶ سال کی عمر فرض کرلی، درانحالیکہ اس سے آپکو کوئی فائدہ بھی حاصل نہین ہوتا، اگر آپ نے رجال کی کتابون کے دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہوتی تو آپ کو آسانی کے ساتھ ان کی عمر معلوم ہوجاتی، اصابہ مین خود انھین کی زبانی مروی ہی کہ مین غزوۂ خیبر کے زمانہ مین (یعنی ۷ھ مین) رسول اللہؐ کی خدمت مین حاضر ہوا، اس وقت میری عمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی، اس وقت سے لیکر آپکی وفات تک برابر آپ کے ساتھ رہا، (ملاحظہ ہو اصابہ ابن حجر عسقلانی ج ۷، ص ۲۰۵ مصر)

کیا اس صریح شہادت کے بعد بھی آپکو اسلام کے وقت یا آنحضرت صلعم کے عہد مین ابوہریرہؓ کی صغر سنی پر اصرار رہیگا؟

حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام کا واقعہ رجال وطبقات کی تقریباً تمام اور حدیث کی بعض کتابون مین مفصل مذکور ہے، اس کو دیکھ کر آپ آسانی کے ساتھ ان کی عمر کے متعلق صحیح فیصلہ کرسکتے تھے، چنانچہ یہ واقعہ حدیث کی مستند ترین کتاب بخاری مین ہی جب ابوہریرہ نے اسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینہ کا رخ کیا تو راستہ مین نہایت ذوق وشوق سے یہ شعر پڑھتے جاتے تھے،

یا لیلة من طولها وعنائها	علیٰ انها من دارة الکفر نجت
اے رات اس کی درازی اور اس کی مصیبت	ہان اس نے کفر کے گھر سے نجات دی،

اس تلاش حق کے راستہ مین انکا غلام بھی ان کے ساتھ تھا، وہ گم گیا جب ابوہریرہ مدینہ پہونچکر اسلام قبول کر چکے تو انکا گم شدہ غلام بھی آگیا، اس کو دیکھکر آنحضرت صلعم نے ان سے فرمایا ابوہریرہ لو تمھارا غلام آگیا، ابوہریرہؓ نے عرض کی یارسول اللہ وہ لوجہ اللہ آزاد ہی (ملاحظہ ہو بخاری ج ۲ ص ۴۴۳ و ۴۴۴ مطبوعہ کرزن پریس دہلی) اس واقعہ کے بعد مین فاضل محقق سے سوال کرسکتا ہون کہ کیا ایک صغیر السن بچہ جسے حق و باطل کی کوئی تمیز نہین ہوتی اس ذوق و وجد کے ساتھ حق کی تلاش مین گامزن ہوسکتا ہی؟ اور اسکے سامنے غلام و آقا کی یہ صورت پیدا ہوسکتی ہی؟

حسن بصری سے ملاقات تیسرا مغالطہ یہ دیا گیا ہی کہ حضرت حسن بصری اور ابوہریرہ کی ملاقات سے ابوہریرہؓ کے غیر طبعی عمر مین پہونچ جانے کا نتیجہ نکالا گیا ہی حالانکہ ان دونون بزرگون کی ملاقات نہایت آسانی کے ساتھ ابوہریرہؓ کی طبعی عمر مین ہوسکتی ہی حسن بصری کا زمانہ ابوہریرہؓ سے اتنا متاخر نہین ہی کہ عمر طبعی مین دونون کی ملاقات نہ ہوسکتی ہو، حسن بصری معمولی شخصیت کے بزرگ نہین کہ ان کے حالات پردۂ خفا مین ہون بلکہ وہ جلیل القدر تابعی ہین طبقات و رجال کی اکثر کتابون مین انکے تفصیلی حالات موجود ہین انکے سال پیدائش کو دیکھکر آپ نہایت آسانی کے ساتھ اس کا فیصلہ کرسکتے تھے، کہ انکی اور ابوہریرہؓ کی ملاقات عمر طبعی مین ہوسکتی تھی یا نہین، لیکن آپکو تو عوام کو مغالطہ دینا مقصود تھا، اس لئے خواہ مخواہ اس تحقیق کی کیون زحمت گوارا فرماتے، اب آئیے اس فرض کو پورا کرکے آپ کے مغالطہ کا پردہ فاش کیا جاتا ہی،

حضرت حسن بصری حضرت عمرؓ کے اخیر عہد خلافت مین پیدا ہوئے، طبقات کی سب قدیم اور سب سے مستند کتاب ابن سعد کے الفاظ یہ ہین، "ولد الحسن بالمدینۃ لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر بن الخطاب" یعنی حضرت حسن بصری حضرت عمرؓ کے اختتام عہد خلافت سے دو سال پہلے مدینہ مین پیدا ہوئے، (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ق اول ج ۷ ص ۱۱۴ لیڈن) اور رجب سنہ ۱۱۰ھ مین انکا انتقال ہوا (کتاب مذکور ص ۱۲۹) حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب مین لکھتے ہین ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر بن الخطاب نشاء

بوادی القری" یعنی حسن بصری عمرؓ کے ختم خلافت سے دو سال قبل پیدا ہوئے اور وادی القری مین نشو ونما پائی (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۳) حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ مین لکھتے ہین "حفظ کتاب اللہ فی خلافۃ عثمان وسمعہ یخطب مرات وکان یوم الدار ابن اربع عشرۃ سنۃ" یعنی حسن بصری نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت مین کلام اللہ حفظ کیا اور انکو بارہا تقریرین کرتے ہوئے سنا اور یوم الدار (حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کا دن) مین وہ ۱۴ سال کے تھے، پھر سنہ وفات مین لکھتے ہین کہ "مات سنۃ عشر ومائۃ" یعنی ۱۱۰ھ مین انتقال کیا، (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج اول ص ۶۲ و ۶۳)

"یوم الدار" مین ۱۴ سال کا ہونا خود اسکا ثبوت ہی کہ وہ حضرت عمرؓ کے اختتام خلافت سے دو سال قبل پیدا ہوئے، کیونکہ حضرت عثمانؓ نے ۱۲ سال خلافت کی اس لئے انکی خلافت کے آخری سال مین جبکی عمر ۱۴ سال کی ہوگی وہ انکی خلافت سے دو سال پہلے پیدا ہوا ہوگا یعنی وہی حضرت عمرؓ کے اختتام عہد خلافت سے دو سال قبل اور حضرت عمرؓ ذی الحجہ ۲۳ھ مین شہید ہوئے، اس لئے حضرت حسن بصری کا سال پیدائش اس سے دو سال پہلے ذی الحجہ ۲۱ھ یا اس سے ایک مہینہ پہلے یا بعد متعین ہوا،

اب عمر طبعی اور غیر طبعی مین ملاقات کا فیصلہ نہایت آسان ہے، خواہ حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام کے وقت ھ مین میرا متعین کردہ سن تیس سال لیجئے، یا اپنا متعین کردہ چھبیس سال، اگر اس ملاقات مین حضرت حسن بصری کی عمر ۲۵ سال بھی فرض کیجائے جو سن رشد کے لئے بہت کافی ہی جسکا ۴۶ھ ہوگا تو میری متعین کردہ عمر کے حساب سے اس ملاقات کے وقت حضرت ابوہریرہؓ کی عمر تقریباً کم وبیش ۷۰ سال ہوگی اور آپکی متعین کردہ عمر کے حساب سے تو چار پانچ سال اور بھی گھٹ جائین گے یعنی کم وبیش ۶۳ یا ۶۴ سال کی عمر ہوگی، بہرحال دونون صورتون مین طبعی ہی عمر مین دونون کی ملاقات ہوتی ہی،

اب اس کو دوسری شکل سے بھی جانچ لیجئے، حضرت ابوہریرہؓ کی وفات باختلاف روایت ۵۷ھ سے ۵۹ھ تک کسی سنہ مین ہوئی ہی اور وفات کے وقت ۷۸ سال کی عمر تھی اسلئے انکی

ملاقات حسن بصری سے جو ۲۱ھ میں پیدا ہوئے نہایت آسانی کے ساتھ عمر طبعی میں ہو سکتی ہے،

اس سلسلہ میں آپکا یہ خیالی دعویٰ کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں وفات پائی، معلوم نہیں کہاں کی گپ ہے، اس قسم کی تو کوئی ضعیف سی ضعیف روایت بھی نہیں مل سکتی، غالباً آپ نے حسن بصری کی ملاقات سے یہ نتیجہ نکالا ہے، لیکن آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ مدینہ خود تمام طالبانِ علم کا مرجع تھا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بصرہ جانے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے شائقینِ حدیث خود مدینہ آکر استفادہ کرتے تھے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال باتفاق اربابِ سیر مدینہ میں ہوا، اور یہیں آپ سپردِ خاک کئے گئے، (دیکھئے ابن سعد و استیعاب و اسد الغابہ وغیرہ تذکرۂ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

ابوہریرہ کی ماں کا زندہ ہونا، چوتھا مغالطہ یہ ہے کہ مقالہ نگار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے وقت انکی ماں کی حیات کو انکی صغرسنی کے ثبوت میں پیش کیا ہے، کیا کوئی سمجھدار انسان اس قسم کی مہمل اور لایعنی دلیل بھی پیش کر سکتا ہے، یہ معلوم ہے کہ اسلام کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عمر تیس اکتیس سال سے زیادہ نہ تھی، اس عمر میں کسی کی ماں کا زندہ رہنا کون غیر طبعی اور خارقِ عادت واقعہ ہے جس پر آپکو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو خواہ مخواہ کمسن فرض کرنے کی ضرورت پیش آگئی، یا آپ نے اوسطِ عمر کا کوئی اور نرالا اصول ایجاد کیا ہے، ع

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی،

مذکورۂ بالا تمام مباحث ناقد علام کے اس ادعا کے جوابات تھے کہ ابوہریرہ قبولِ اسلام کے وقت کم سن بچہ تھے، ان مباحث سے ناظرین کرام کو ناقد کے خودساختہ اعتراضوں، مغالطوں اور تاریخی تدلیسوں کا بھی پورا اندازہ ہوگیا ہوگا، اور قبولِ اسلام کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح عمر بھی معلوم ہو گئی ہوگی،

حضرت ابوہریرہ پر اخلاقی الزام، اس کے بعد فاضل مضمون نگار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اخلاقی حیثیت سے مجرم ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اس حصہ میں انھوں نے ایک جلیل القدر صحابی کی ہجو میں جس طرح قلم کو آلودہ کیا ہے، شاید کوئی سنجیدہ انسان ایک معمولی شخص کیلئے بھی ایسے نازیبا الفاظ استعمال نہیں کر سکتا، اس سلسلہ میں سب سے سنگین فردِ جرم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر یہ لگائی گئی ہے کہ وہ غزوات میں مطلق

شریک نہین ہوئے اور پھر غزوات کے چھوٹے واقعات بیان کرتے ہین ارشاد ہوتا ہو کہ

ابوہریرہؓ غزوات مین شریک نہ تھے اور دوسرون سے سنی ہوئی باتین اپنی جانب سے بیان کرتے تھے	"ساڑھے تین برس مین آنحضرت صلعم کو متعدد غزوات پیش آئے غزوۂ تبوک غزوۂ حنین، غزوۂ طائف، فتح مکہ، حجۃ الوداع، جسمین خود آپ بنفس نفیس

شریک تھے" ابوہریرہؓ کا قول ہو، جیساکہ حسب ذیل حدیثون سے معلوم ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے ہمراہ خیبر، تبوک، حنین، فتح مکہ اور حج اکبر مین شریک تھے، اگرچہ یہ ظاہر نہین ہوتا کہ کس حیثیت سے، ان احادیث مین قابل غور یہ امر ہے کہ اس قسم کے واقعات سے ملتا جلتا واقعہ اور صحابیون کی زبانی بھی مروی ہو، لہذا یہ ممکن ہو کہ ابوہریرہ نے سارے واقعات دوسرے صحابیون سے سنے ہون، اور بعد مین اپنی طرف سے بیان کردیئے ہون" اس کے بعد پیش بندی کے طور پر جسکا فائدہ آگے چل کر معلوم ہوگا فرماتے ہین "جیساکہ عام طور پر لوگون کا خیال ہو وہ اصحاب صفہ مین نہ تھے"

ان ارشادات گرامی کے بعد مذکورۂ بالا غزوات کے متعلق ابوہریرہ اور انکی مرویات سے ملتی جلتی ہوئی بعض دوسرے صحابہ کی روایتین نقل کی ہین، اور لطف یہ ہے کہ ان منقولہ روایتون سے ہمارے ناقد بزرگ کے دعوی کو ذرہ برابر بھی تقویت حاصل نہین ہوتی،

اوپر کے بیان مین ہمارے ناقد نے عجیب و غریب قیاس آرائیان فرمائی ہین، اور محض اپنے مفروضہ قیاس پر ابوہریرہؓ کو ہدف ملامت بنا دیا، وہ فرضی قیاس یہ ہو، کہ "خیبر، تبوک، حنین، اور فتح مکہ کے متعلق ابوہریرہؓ کی روایات موجود ہین، لیکن چونکہ یہ معلوم نہین کہ وہ کس حیثیت سے ان مین شریک تھے، اور یہ کہ انکی مرویات سے ملتی جلتی ہوئی دوسرے صحابہ کی مرویات بھی موجود ہین" اس لئے ہمارے منطقی ناقد اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ ابوہریرہ خود ان غزوات مین موجود نہ تھے اور انھون نے دوسرے صحابہؓ سے سنکر اپنی طرف سے یہ واقعات بیان کردیئے،

ارسطو اگر زندہ ہوتا تو وہ اپنی منطق کی اس بربادی پر ماتم کرتا، دعوی اور دلیل، مقدمات اور نتائج کا باہمی تناسب اور ارتباط کس درجہ منطقیانہ ہے، "کس حیثیت سے شرکت" کا سوال بھی خوب ہے، ظاہر ہے

کہ جن غزوات کے متعلق انکی روایات ملتی ہین، انمین وہ بہ حیثیت مجاہد شریک ہوے ہونگے، کیا مغازی اور تاریخ کی کتابون مین، افسران فوج کے علاوہ تمام مجاہدین کی شرکت کی حیثیت بھی بیان کیجاتی ہو؟ اگر نہین بیان کیجاتی، تو ابوہریرہ رضی کی شرکت کی حیثیت کو آپ کیون تلاش کرتے ہین، اور نہ ملنے پر اس پر انکی عدم شرکت کا فتوی دیتے ہین، دوسرا قیاس بھی ایسا ہی دور از کار ہو کہ چونکہ ابوہریرہ رضی کے بیان کردہ واقعات سے ملتے جلتے ہوے دوسرے صحابہ کے بیان کردہ واقعات بھی منقول ہین، اس لئے لامحالہ انھون نے انھین سے سنکر اپنی طرف سے بیان کر دیئے" اس سے تو آپکی تائید کے بجائے تردید ہوتی ہو، اس کو ایک معمولی عقل کا انسان بھی سمجھ سکتا ہو، کہ جب دو آدمی کسی ایک واقعہ کے وقت موجود ہونگے تو اس کے بارہ مین ان دونون کا بیان خواہ مخواہ ملتا جلتا ہوا ہوگا، بیان کی مشابہت سے تو ابوہریرہ رضی کی شرکت کی اور زیادہ تصدیق ہوتی ہو، اس سے آپ ان کی عدم شرکت کا نتیجہ کس طرح نکالتے ہین،

جب یہ دونون مقدمات سرے سے غلط ہین تو اس کا یہ نتیجہ بھی صحیح نہین کہ "ابوہریرہ خود غزوات مین شریک نہ تھے، اور انھون نے دوسرون کی زبانی سنکر اپنی جانب سے روایت بیان کر دی" اس لئے جن غزوات کے بارے مین انکی روایات حدیث کی کتابون مین ملتی ہین ان مین وہ یقیناً شریک ہوے ہونگے، ان روایات کے علاوہ خود ان کا یہ بیان بھی اسکا شاہد ہو، کہ جب مین آیا، اس وقت رسول اللہ صلعم خیبر مین تھے، اس وقت میری عمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی، اس وقت سے لیکر آپکی وفات تک برابر آپکے ساتھ رہا، آپ کے ساتھ آپکی ازواج مطہرات کے گھرون پر جاتا تھا، آپکی خدمت کرتا تھا، آپ کے ساتھ غزوات مین شریک ہوتا تھا، آپ کے ساتھ حج کرتا تھا" (اصابہ ج ۷، ص ۲۰۵) روایتون سے بھی انکے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہو، اس لئے محض سوے ظن کی بنا پر انکی شرکت سے انکار نہین کیا جاسکتا، کہ سوے ظن کسی صحیح العقل انسان کے نزدیک دلیل نہین بن سکتا،

اس کے علاوہ بعض غزوات مین ان کی شرکت کا ثبوت اور طریقون سے بھی ملتا ہو، مثلاً یہ ایک

متفقہ بیان ہو کہ ابو ہریرہؓ غزوہ خیبر کے سال یمن اور حبش کے مسلمانوں کے بحری قافلہ کے ساتھ اپنے وطن سے حجاز آئے لیکن چونکہ آنحضرت صلعم اس وقت مدینہ سے خیبر تشریف لے جا چکے تھے، اس لئے یہ بھی قافلہ کے ساتھ راستہ سے وہین چلے گئے، اور مشرف ہو کر آپ کے ساتھ مدینہ واپس آئے، اس لئے غزوۂ خیبر کے متعلق ان کا بیان چشم دید ہوگا، اسلام کے پہلے حج مین جو حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے ہوا اس کی شرکت احادیث و سیر کی کتابون سے ثابت ہے کہ وہ اور دوسرے لوگ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کے اعلان کی زور زور سے منادی کرتے تھے کہ سب کے گلے پڑ گئے تھے (صحیح بخاری کتاب المناسک وتفسیر سورۂ برأت و مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۹۹، و ابن سعد وغیرہ) حنین کی روایت مین آپ نے تدلیس فرمائی ہو، وہ حنین کا واقعہ نہین بلکہ خیبر کا ہو (ملاحظہ ہو بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر)

فتح مکہ کے متعلق آپ نے خود انکی مفصل روایت نقل کی ہو اگر اس روایت مین محض کوئی ایسا واقعہ ہوتا جس سے براہ راست انکو کوئی تعلق نہ ہوتا تو یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ انھون نے دوسرے صحابہؓ سے سنکر بیان کر دیا ہوگا لیکن روایت مذکور کے بعض اجزاء خود انکی ذات سے متعلق ہین، مثلاً یہ کہ رسول اللہ صلعم نے غزوۂ مذکور مین ان کے ذریعہ سے انصار کو بلوایا تھا، اس لئے اس کے نقل کا احتمال نہین ہو سکتا، اسی سفر کا دوسرا واقعہ مسلم مین ان سے مروی ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "انشاء اللہ کل خیف مین قیام ہوگا، جہان کفار قریش نے اسلام کے خلاف معاہدہ کیا تھا، (مسلم ص ۵۰۰ جلد اول مصر) اسی طریقہ سے اور جن غزوات کے متعلق انکی روایات ملتی ہین اس مین بھی یہ یقیناً شریک رہے ہونگے، اور جب تک اس کے خلاف کوئی قوی شہادت نہ مل جائے اس وقت تک محض آپ کے باطل ادعا سے انکی عدم شرکت کا فیصلہ نہین ہو سکتا،

ابو ہریرہ اصحاب صفہ مین نہ تھے، | معترض کا یہ کہنا بھی صحیح نہین کہ "ابو ہریرہ اصحاب صفہ مین نہ تھے اور یہ محض عام لوگون کا خیال ہو" یہ عام لوگون کا خیال نہین، بلکہ تاریخی واقعہ ہو، اگر احادیث و سیر کی کتابون پر معترض کو عبور ہوتا تو کبھی ایسا دعوی نہ کرتا، ثبوت ملاحظہ ہو:-

علامہ ابن حجر بروایت ابو نعیم لکھتے ہین "ابو ہریرہ رضؓ خیبر اور حدیبیہ کے درمیان اسلام لائے اور مدینہ مین ہجرت کرکے اصحاب صفہ کے زمرہ مین مقیم ہوئے" (اصابہ ج ۷ ص ۲۰۲) ترمذی کی روایت ہے "ابو ہریرہ رضؓ بیان کرتے تھے کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے، ان کے پاس اہل وعیال اور مال ودولت مین سے کوئی شے نہ تھی، اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہین مین بھوک کی شدت سے اپنا کلیجہ زمین پر ٹیک دیتا تھا، اور پیٹ پر پتھر باندھتا تھا، (ترمذی ص ۴۰۸ مطبع العلوم دہلی) اس سے بھی زیادہ واضح اور مستند بخاری کی روایت ملاحظہ ہو" ابو ہریرہ بیان کرتے تھے کہ مین مساکین صفہ مین سے ایک مسکین تھا، اس لئے جب وہ لوگ قول رسول اللہ صلعم کو بھول جاتے تھے تو مین یاد رکھتا تھا" (بخاری کتاب البیوع)

کیا اتنی شہادتون کے بعد کوئی لکھا پڑھا آدمی یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ ابو ہریرہ رضؓ اصحاب صفہ مین نہ تھے؟

خلفاء کے عہد مین جہاد مین نہ شریک ہونے کا الزام

اسی سلسلہ مین اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے "عجیب یہ بات ہے کہ مغازی ابن اسحٰق جو بخاری اور مسلم سے تقریباً ستر برس قبل کی تصنیف ہے، اسمین ابو ہریرہ رضؓ کا ذکر غزوات مین کہین نہین ملتا، اور نہ ان کی طرف سے کوئی روایت نقل کی ہے، کاتب واقدی نے غزوات مین اگر کسی راوی کا نام لیا ہے، تو اسمین بھی ابو ہریرہ رضؓ کا نام نہین ملتا، کاتب واقدی بالعموم روایت کو اس طرح شروع کرتا ہے مجھے یہ روایت پہونچی واللہ اعلم بالصواب، ہان ابو ہریرہ رضؓ کا ذکر ایک جگہ آیا ہے اور وہ زمانہ صدیق اکبر رضؓ مین بموجب روایت واقدی کہ جب یمن کے قبائل غزوۂ شام مین، شرکت کے لئے مدینہ آئے، تو ابو ہریرہ رضؓ بھی اسمین موجود تھے" اس کے بعد مضمون نگار نے فتوح الشام واقدی سے شامی جہاد مین ابو ہریرہ رضؓ کی شرکت کی روایت نقل کی ہے،

ان مفروضہ مقدمات سے آپ حسب ذیل نتائج نکالتے ہین:۔

"اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ خلافت سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ سے پہلے ہی اپنے وطن واپس چلے گئے تھے،

اور شاید آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت وہ مدینہ مین نہ رہے ہون، مگر تمام غزوۂ شام مین جسمین مجاہدین کی شجاعت اور بسالت کی داستانین دنیا کو غرق حیرت کردینگی، اور جناب خالدؓ، ضرارؓ، شرحبیلؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ وغیرہم کے کارنامے فوجی تاریخون مین ہمیشہ آب زر سے لکھے جائینگے، وہان بھی ابوہریرہ کا کوئی ذکر نہین آیا، اغلب یہ ہو کہ سپاہ اسلام مین وہ محض فالوریا باشی بزدق کی حیثیت رکھتے تھے، البتہ فتوحات بلاذری مین انکا ذکر خلافت عمر فاروقؓ مین ملتا ہو حضرت نے انکو بحرین کا محصل مقرر کیا تھا مگر ان پر غبن ثابت ہوا، اور یہ مدینہ بلوائے گئے، حضرت عمرؓ نے غصہ مین انکو مخاطب کرکے کہا، اے خدا اور اس کی کتاب کے دشمن تو نے مسلمانون کا مال چرایا، اس کے بعد خلفاے راشدین کے زمانہ مین ان کا ذکر نہین ملتا"

قبل اس کے کہ ان دونون اقتباسون پر تنقیدی نظر ڈالی جائے فاضل محقق سے یہ پوچھنا ہو کہ جناب نے مغازی ابن اسحٰق کا نسخہ کہان دیکھا کہ آپ نے اس مین ابوہریرہؓ کا ذکر نہ ہونے کا فیصلہ کردیا، اس قسم کے بے بنیاد دعوون سے آپ عوام کو فریب دے سکتے ہین لیکن واقفان راز پر یہ افسون نہین چل سکتا کہ علم کے شائق مدت سے مغازی ابن اسحٰق کو گوشہ گوشہ مین ڈھونڈھ رہے ہین، مگر نہین ملتی لیکن اگر آپ کی متجسس نظر اور علمی طلب نے کہین اسکا پتہ چلایا ہو تو مہربانی کرکے آگاہ فرمایئے کہ نہ صرف ہندوستان کے اہل علم بلکہ دنیاے اسلام بلکہ آپ کے لئے قابل فخر یہ ہو کہ تمام یورپ آپ کے اس علمی انکشاف کا ممنون احسان ہوگا، شاید سیرت ابن اسحٰق سے آپکا مقصود سیرۃ ابن ہشام ہو جسمین ابن اسحٰق کی روایتین بھی ہین، اور یہ سیرۃ ابن ہشام ہو جو بخاری و مسلم سے متقدم نہین، ابن اسحٰق المتوفی ۱۵۱ھ اور امام بخاری المولود ۱۹۴ھ والمتوفی ۲۵۶ھ کی تالیفون کے درمیان تقریباً ستر برس کا فصل بتانا بھی عجیب و غریب تحقیق ہو، اگر ابن اسحٰق نے مرتے وقت اور بخاری نے بچپن برس کے سن مین کتابین لکھی ہون تو البتہ یہ درست ہوسکتا ہو

پھر وسعت نظر اور صحت علم کا یہ حال ہو کہ آپ محمد بن عمر واقدی اور محمد بن سعد کاتب واقدی دونون کو ایک شخص سمجھتے ہین، حالانکہ دونون دو علٰحدہ علٰحدہ شخص ہین، محمد بن عمر واقدی اور ہین جنکی کتاب المغازی

او فتوح الشام ہے، اور محمد بن سعد کاتب واقدی دوسرے ہین، جنکی مشہور کتاب طبقات ہو اور لیڈن مین چھپ چکی، اول الذکر محض افسانہ گو ہو، ارباب فن کے نزدیک اس کی تصانیف کی کوئی وقعت نہین، البتہ آخر الذکر کی کتاب طبقات مین مستند سمجھی جاتی ہو، آپ دانستہ یا نادانستہ مستند مصنف کاتب واقدی کا نام لیکر غیر مستند واقدی کی کتاب سے واقعہ نقل کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہین آپکا نقل کردہ واقعہ کاتب واقدی کے طبقات (ابن سعد) مین نہین، بلکہ واقدی کے فتوح الشام مین ہو جسکو نہ صرف علمائے مشرق، بلکہ علمائے مغرب بھی جعلی سمجھتے ہین،

اس التباس کی جانب توجہ دلانے کے بعد یہ عرض ہو کہ پہلے ایک اصول کو سمجھ لیجئے اس سے آپکے اعتراض کا اہم حصہ خود بخود اٹھ جائیگا، کہ دنیا مین تمام انسانون کی صلاحیتین یکسان نہین ہوتین اسی لئے ہر شخص ایک ہی لائن مین نہین چمکتا بلکہ ہر شخص کی صلاحیت و استعداد علحدہ علحدہ ہوتی ہو، اور جس کو جس شے سے طبعی مناسبت اور فطری لگاؤ ہوتا ہو اسی مین وہ زیادہ نمایان ہوتا ہو حضرت ابو ہریرہؓ فطرۃً علمی آدمی تھے، اصحاب صفہ کے ماحول مین انھون نے زندگی بسر کی تھی، اس لئے ان سے خالد بن ولیدؓ کے جیسے جنگی کارنامون کی امید رکھنا جن کے خاندان مین پشتہا پشت سے قریش کی فوجی امارت چلی آتی تھی خود اپنی نادانی ہو ابو ہریرہؓ کی عظمت کا میدان، میدان رزم نہین، بلکہ مسند علم و افتا تھی، اس لئے ان کے کارنامون کو شام کے میدان وغا کے بجائے، مدینہ کے مسند علم مین تلاش کرنا چاہئے، آج بھی سیف و قلم دونون مشکل ہو سے ایک شخص مین جمع ہو سکتے ہین، بلکہ بڑی حد تک ان دونون مین ایک قسم کا بیر ہے، اسی لئے استثنائی مثالون کے سوا کوئی بڑا فاتح کامیاب مصنف نہین ہو سکتا، اور کوئی بڑا عالم فوجی قیادت نہین کر سکتا پھر آپ سیف و قلم دونون کو ابو ہریرہؓ کے ہاتھ مین دیکھنا چاہتے ہین، اگر انکی تیغ علم کے جوہر دیکھنے ہو تو کتب احادیث پر نظر ڈالئے، انکی تابانی سے آپکی نظر خیرہ ہو جائیگی، لیکن اگر اسکے باوجود آپکو نظر نہ آئے تو

ع چشمۂ آفتاب را چہ گناہ،

خود اپنی پیش کردہ شخصیتون مین سے حضرت خالد بن ولیدؓ کو لیجئے جنکی تلوار نے عراق اور شام کا تختہ الٹ دیا تھا، اور بقول آپ کے فاتح کی حیثیت سے لازوال شہرت حاصل کی، لیکن کیا اس فاتحانہ شہرت کیساتھ انھون نے کوئی علمی شہرت بھی حاصل کی، عمرو بن العاصؓ پر نظر ڈالئے جو فتوحات شام مین ابو عبیدہ بن جراحؓ اور خالد بن ولید کے دوش بدوش تھے، اور مصر کے فاتح اعظم ہین، لیکن کیا وہ اپنی ان عظیم الشان فتوحات کے ساتھ میدان علم کا ایک چپہ بھی فتح کر سکے، واقعہ یہ ہے کہ استثنائی مثالون کے سوا سیف و قلم دونون مشکل ہی سے کسی ایک شخص مین جمع ہوتے ہین، اسی لئے خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ جنھون نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتون کا تختہ الٹ دیا، علم کا کوئی معمولی کارنامہ بھی نہ دکھا سکے، تاہم اس سے نہ انکی تنقیص ہو سکتی ہے اور نہ انھین جاہل کہا جا سکتا ہے کہ انکو جو کچھ کرنا تھا وہ میدان رزم مین کیا، اس لئے اگر ابوہریرہؓ جو مدینہ کی مسند علم و افتا کی زینت تھے، میدان جہاد مین زیادہ نمایان نہ ہو سکے، تو اس سے انکی تنقیص نہین ہو سکتی، اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ مغازی کی کتابون مین عموماً انھین لوگون کے نام آتے ہین جنھون نے اس مین کوئی نمایان کام کیا ہو، ہر معمولی مجاہد کا تذکرہ نہین ہوتا، اس لئے اس تذکرہ کے نہ ہونے سے کسی کی عدم شرکت کا فیصلہ نہین ہو سکتا،

خود اپنے ذاتی واقعہ کو لیجئے، آپ عراق کی جنگ مین کسی حیثیت سے انگریزی حکومت کی طرف سے شریک تھے، اور بہت سے واقعات کے چشمدید گواہ بھی ہونگے، مگر اس جنگ کی کسی مستند تاریخ "مغازی" مین آپکا ذکر نہین، ٹائمس ہسٹری مین بھی شاید نام نہ ملے، مگر کیا نعوذ باللہ آپکی اس عراقی غزوہ کے اسلامی و دینی خدمات سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ معمولی مجاہد تھے، اس لئے اگر انکا نام کسی خاص کتاب مین نہین ہے، تو اس سے انکی عدم شرکت ثابت نہین ہو سکتی،

پھر آپ نے صرف دو تین کتابون کا حوالہ دیا ہے، ایک مغازی ابن اسحٰق اسکا حال معلوم ہے کہ بغیر دیکھے ہوئے آپ نے دعویٰ کر دیا، دوسرے واقدی کی کتاب المغازی اور فتوح الشام ان دونون

کی حیثیت بھی داستان امیر حمزہ سے زیادہ نہیں، اس مہمل حوالہ مین بھی آپ نے دو غلطیان فرمائین ایک یہ کہ محمد بن سعد کاتب واقدی اور محمد بن عمر واقدی دونون کو ایک شخص لکھدیا، دوسرے یہ دعوی کردیا کہ واقدی روایت مین راوی کا نام نہین لیتا، حالانکہ یہ صحیح نہین ہی، اس وقت مغازی واقدی میرے سامنے ہی، اسمین سب روایتون مین مسلسل نام ہین، مہربانی کرکے محض سماعی باتون پر یقین نہ کیا کیجئے، بلکہ خود بھی کبھی کتاب دیکھنے کی زحمت گوارا کر لیا کیجئے، بہرحال اگر واقدی جیسی جھوٹی کتاب مین ابوہریرہؓ کی روایت نہین ہی تو، چشم ماروشن دل ماشاد،

یہ بھی واقف کارون کی سمجھ سے باہر ہے کہ آپ نے تاریخ کی سیکڑون کتابون کو چھوڑکر صرف **دروغگو واقدی** کو کیون منتخب فرمایا ہی، یا ترقی ہی تو یہ کہ بخاری بھی غلط مسلم بھی غلط، اور یا تنزل ہی تو یہ کہ دروغگو واقدی بھی مستند، ع

یا ترقی آن چنان ویا تنزل این چنین،

بہرحال اسی واقدی کی فتوح الشام بھی اسمین بھی تو شام مین ابوہریرہؓ کی شرکت جہاد ثابت ہے، اور آپ کو خود اسکا اعتراف ہی لیکن اگر فتوح الشام کے علاوہ تاریخ کی دوسری کتابون پر بھی نظر ڈالنی آپ کے لئے ممکن ہوتا تو اس دلیری کے ساتھ ابوہریرہؓ کو شرکت جہاد سے محروم نہ کرتے، ابوہریرہؓ فاروقی اور عثمانی دونون دورون مین مشرقی ملکون کے جہاد مین شریک تھے،

حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت مین جب آذربیجان پر فوجکشی ہوئی تو عبدالرحمن بن ربیعہ ترکون کے مقابلہ پر مامور ہوئے، اس فوجکشی مین ابوہریرہؓ بھی مجاہدانہ شریک تھے، لیکن ابھی یہ مہم ناتمام تھی کہ حضرت عمرؓ کا انتقال ہوگیا، اور حضرت عثمانؓ مسند نشین ہوئے، انکے زمانہ مین عبدالرحمن نے بلنجر پر حملہ کیا اور شہید ہوئے، انکی شہادت کے بعد انکے بھائی سلمان انکے قایم مقام ہوئے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ انکے ساتھ بلنجر سے جیلان ہوتے ہوئے جرجان گئے (ابن اثیر ج ۳ص ۴۳ مطبوعہ یورپ)

غرض مذکورۂ بالا تصریحات سے یہ دعویٰ کہ "ابوہریرہؓ فتوحات مین شریک نہ تھے" قطعًا غلط ہی اور اسی مقدمہ کا یہ نتیجہ بھی کہ وہ خلافت سیدنا ابوبکرؓ سے پہلے ہی اپنے وطن واپس چلے گئے تھے، اور شاید آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت مدینہ مین موجود نہ رہے ہون تمامتر غلط ہے، تمام ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ ابوہریرہؓ قبول اسلام کے بعد پھر اپنے وطن واپس نہ گئے، اور ہمیشہ آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے، اور بعد کو مدینہ ہی مین اقامت اختیار کی، اور وہین وفات پائی، (دیکھو ابن سعد و استیعاب و اسد الغابہ تذکرہ ابوہریرہؓ)

خلفاء کے عہد مین انکا تذکرہ نہین ملتا، اسی طرح یہ ارشاد کہ "خلفاے راشدین کے زمانہ مین انکا تذکرہ نہین ملتا" مضمون نگار کے قصور علم کا آئینہ ہی، ابوبکر صدیقؓ کے عہد مین وہ خود شامی جہاد مین انکی شرکت تسلیم کرتا ہی، پھر عہد فاروقی مین انھین بحرین کا عامل بھی مانتا ہی، گو اس سلسلہ مین انکو خیانت کا مجرم ٹھہراتا ہی، تاہم انکے تذکرہ سے انکار نہین، اس کے علاوہ ابھی اوپر ابن اثیر کے حوالہ سے آذربیجان کی فوجکشی مین انکی شرکت کا ثبوت دیا جاچکا ہی، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا زمانہ آتا ہی، اس مین وہ ایسے نازک وقت مین جبکہ باغیون نے قصر خلافت کو گھیر رکھا تھا، اس مین موجود تھے، اور مسلمانون کو حضرت عثمانؓ کی حمایت پر آمادہ کرتے تھے، مسند احمد بن حنبل کی روایت ہی کہ عثمانؓ کے محاصرہ کے زمانہ مین ابوہریرہؓ نے عثمانؓ سے کچھ کہنے کی اجازت مانگی، انھون نے اجازت دی، ابوہریرہؓ نے کھڑے ہوکر حمد و ثنا کے بعد کہا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہی، آپ فرماتے تھے کہ تم لوگون کو میرے بعد فتنہ و اختلاف سے سابقہ پڑیگا، اس پر کسی نے سوال کیا، ایسے وقت مین ہمارے لئے کیا حکم ہی، فرمایا تم کو امین اور اس کے ہواخواہون کا ساتھ دینا چاہئے، اس سے عثمانؓ کی طرف اشارہ تھا، (مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۴۴) حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے زمانہ مین یہ صفین کے میدان مین ناظر فدا حیثیت سے موجود تھے ان چارون خلفاء کے علاوہ کونسا خلیفۂ راشد تھا جسکے عہد مین حضرت ابوہریرہؓ کا پتہ نہین چلتا،

ابوہریرہؓ کے جہاد مین نہ شریک ہونے کی حقیقت واضح کرنے کے بعد اب مین ان مکروہ الزامون پر تنقید کرتا ہون جسمین ہمارے شایستہ فاضل نے ابوہریرہؓ کو ظالم بدہن خائن، غدار، اور جھوٹا وغیرہ معلوم نہین کن کن بداخلاقیون کا مرتکب قرار دیا ہی؛

ابوہریرہؓ پر خیانت کا اتہام، اس سلسلہ مین سب سے مکروہ الزام خیانت کا ہی جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہی، اس واقعہ کو حق گو صاحب نے حذف و اضافہ کرکے بہت زیادہ بدنما بنادیا ہی، اگر وہ دیانت داری کے ساتھ پورا واقعہ نقل کردیتے تو خود اس کی بدنمائی دور ہوجاتی، اور اس کی تصحیح کی ضرورت نہ پیش آتی، یہ واقعہ طبقات کی کتابون مین متعدد طریقون سے مروی ہی جنمین جزوی اختلافات ہین، مین طبقات کی مستند ترین کتاب ابن سعد کی روایات کا قدر مشترک نقل کرتا ہون، اس سے واقعہ کی اصلی صورت نمایان ہوجائیگی واقعہ یہ ہی کہ حضرت عمرؓ نے ابوہریرہؓ کو بحرین کا محصل مقرر کیا، یہ وہان اپنے فرائض کے ساتھ ساتھ تجارت بھی کرتے رہے، جس سے ان کے پاس باختلاف روایت دس بارہ ہزار یا بیس بائیس ہزار کی رقم جمع ہوگئی، جب یہ بحرین سے مدینہ آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ خدا اور اس کی کتاب کے دشمن تونے خدا کا مال چرایا، انھون نے جواب دیا کہ مین انکا دشمن نہین بلکہ ان کے دشمن کا دشمن ہون حضرت عمرؓ نے پوچھا پھر تم نے یہ روپیہ کہان سے پایا، انھون نے جواب دیا کہ میری گھوڑیان بچے دیتی تھین انکی تجارت کرتا تھا، غلامون کا ٹیکس ملتا تھا عطیے آتے تھے اور غنیمت مین میرے حصے ملتے تھے، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سنکر کہا کہ اپنا اصل سرمایہ اور اپنا وظیفہ لو، باقی بیت المال مین داخل کردو، چنانچہ انھون نے یہ دونون رقمین لیکر باقی روپیہ بیت المال مین داخل کردیا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انھین پھر بحرین واپس کرنا چاہا لیکن انھون نے انکار کردیا، حضرت عمرؓ نے کہا تم کو نوکری (عمل) سے انکار کیون ہی، نوکری تو حضرت یوسفؑ نے کی ہی جو خود نبی اور نبی زادہ تھے، انھون نے جواب دیا یہ سچ ہے لیکن مجھکو خوف ہی کہ میری آبروریزی کیجائے، میرا مال چھینا جائے، اور مجھے سزا دیجائے" (ابن سعد

ج ۴ ق ۲ ص ۵۹ و ۶۰۔ تذکرۂ ابوہریرہؓ) یہ اصل واقعہ ہی جسکا ایک ٹکڑا ہمارے حق گو صاحبؒ نقل کرکے کہان سے کہان پہنچا دیا،

ظاہر ہی کہ اس واقعہ مین حضرت ابوہریرہؓ خیانت کے مجرم نہ تھے لیکن اگر کوئی شخص یہ شبہہ کرے کہ حضرت عمرؓ نے ان پر خیانت کا شک کیون کیا تو اس کو حضرت عمرؓ کی سیرت اور ان کے طرز جہانبانی پر نظر ڈالنی چاہئے، ہر تاریخ دان حضرت عمرؓ کے سخت گیر احتساب سے واقف ہی، کہ وہ ادنی ادنی شبہہ پر بڑے بڑے صحابہؓ کو لے ڈالتے تھے، اس قسم کے معلوم نہین کتنے واقعات تاریخون مین موجود ہین، اس لئے تنہا انکے احتساب اور انکی باز پرس سے کسی کے دامن اخلاق پر دھبہ نہین لگایا جاسکتا جب تک تحقیقات کے بعد واقعی جرم ثابت نہ ہوجائے، حضرت عمرؓ اپنے والیون اور عاملون کے ساتھ اسی سختی اور تشدد سے پیش آتے تھے، یہ کچھ حضرت ابوہریرہؓ کی خصوصیت نہ تھی، حضرت عمرؓ کو ان کے پاس فاضل رقم دیکھکر پہلے شبہہ ہوا ہوگا، لیکن جب تحقیقات سے غلط ثابت ہوا تو انھون نے نہ صرف انکو بری قرار دیا بلکہ پھر انکے سابقہ عہدہ پر واپس کرنا چاہا، لیکن انھون نے خود قبول نہین کیا، اب شبہہ یہ رہجاتا ہی کہ جب ابوہریرہؓ خیانت کے مجرم نہین تھے، تو حضرت عمرؓ نے انکا روپیہ کیون بیت المال مین داخل کرایا، اس کا جواب بھی حضرت عمرؓ کے آئین جہانبانی سے ملجاتا ہی، انکا یہ اصول تھا، کہ حکومت کا کوئی عہدہ دار جب تک کہ اس سلسلہ مین منسلک ہی واجبی ضروریات سے فاضل مال نہین رکھ سکتا تھا، اور جس کے پاس فاضل مال نکلتا تھا، اسکو وہ ضبط کرکے بیت المال مین داخل کرادیتے تھے، اس کی ایک دو نہین بلکہ بیسیون مثالین ہین، اسی اصول کے ماتحت انھون نے ابوہریرہؓ کا زائد مال بھی بیت المال مین داخل کرادیا، لیکن انکا اصل سرمایہ اور حق الخدمت انکو واپس کردیا،

ابن سعد کی مذکورۂ بالا روایت کے علاوہ یہ روایت طبقات کی بعض اور کتابون مین بھی ہے، اس مین اسکی صورت اور بھی بدلی ہوئی ہے، اور اسمین خدا اور اس کی کتاب کے دشمنؓ کے

انفرادی نہیں ہیں چنانچہ اصابہ میں اس طرح ہے ابن سیرین راوی ہیں کہ عمرؓ نے ابوہریرہؓ کو بحرین کا عامل بنایا، یہ وہاں سے دس ہزار روپیہ لیکر واپس ہوئے، عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ یہ روپیہ تم نے اپنے لئے کیون جمع کیا؟ انھون نے کہا کہ یہ مجھکو میرے گھوڑون کے بچون عطیون اور غلامون کے ٹیکسون کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے، حضرت عمرؓ نے ان کے بیان کی تحقیقات کی تو صحیح نکلا، اسکے بعد انھون نے پھر انکے سامنے بحرین کی حکومت پیش کی لیکن ابوہریرہؓ نے انکار کر دیا، عمرؓ نے پوچھا تم کو اس سے انکار کیون ہے؟ اسکی [illegible] کہ وہ [illegible] تھے، اور مین بیچارہ امیمہ کا بیٹا ہون (اصابہ ج ۷ ص ۲۰۷)

اس روایت سے تو اس واقعہ کی ظاہری بدنمائی بھی اگر کسی حد تک ہو بھی تو وہ بھی دور ہو جاتی ہے، غالباً اب معترض کے نزدیک بھی حضرت ابوہریرہؓ کی پوزیشن بالکل صاف ہو گئی ہوگی، اور صاحب استیعاب نے سرے سے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا، وہ لکھتے ہین کہ عمرؓ نے ابوہریرہؓ کو بحرین کا عامل بنایا تھا، پھر معزول کر دیا، معزول کرنے کے بعد پھر عامل بنانا چاہا لیکن انھون نے انکار کر دیا، اس کے بعد وہ برابر مدینہ مین مقیم رہے اور یہین وفات پائی (استیعاب ج ۲ ص ۷۱۰)

حضرت ابوہریرہؓ پر دوسرا اخلاقی الزام یہ ہے کہ مروان نے انکو اپنی خلافت کے زمانہ ۶۴ تا ۶۵ھ (مدینہ مین) اپنا خلیفہ مقرر کیا، اور مروان وہی شخص ہے جو فتنۂ عثمانؓ (یہ اضافت کس قدر برمحل ہے) کا اصلی بانی مبانی تھا، اور بنی امیہ مین سب سے زیادہ مکار اور خودغرض وہی شخص تھا، اسی کے زمانہ مین عبد اللہ بن زبیر نے خروج کیا، اور مسلمانون کی کثیر جماعت نے عبد اللہ بن زبیر کو صحیح خلیفہ اور مروان کو غاصب قرار دیا"

مذکورۂ بالا تحریر مین جس تاریخ دانی کا ثبوت دیا گیا ہے، ان مین سے مروان کے سنین خلافت کی تحقیق انیق پر کافی داد دیجا چکی ہے، نیز ابوہریرہؓ کے "زمانہ خلافت" پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے، بقیہ

حقایق پر یہان تبصرہ کیا جاتا ہی

مروان کے معائب اور ابوہریرہ کی نیابت

معلوم نہین مروان کے فتنۂ عثمان کے بانی مبانی ہونے کا ناقد علام کے نزدیک کیا مقصد ہی، غالباً اس سے مہر کردینے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو کیونکہ اس سلسلہ مین یہی ایک واقعہ اس قسم کا ہی، لیکن جناب ناقد کو معلوم ہونا چاہئے کہ مروان کے مہر کرنے کا واقعہ حضرت عثمانؓ کے سال شہادت یعنی ۳۵ھ کا ہی (ملاحظہ ہو طبری و ابن اثیر حوادث ۳۵ھ) اور حضرت عثمانؓ کے خلاف اس سے کئی سال پہلے شورش بپا ہو چکی تھی، حضرت عثمانؓ ۲۳ھ مین مسند نشین ہوئے اور ۱۲ سال تک خلافت کی، مدت مین کل چھ سال ابتدائی پرامن گذرے (تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۵۵) اسکے بعد ہی شورش کا آغاز ہوگیا اور پھر اسمین برابر اضافہ ہوتا رہا (ملاحظہ ہو طبری و ابن اثیر حوادث سنین مذکور) ایسی صورت مین مروان کو جس سے ۳۵ھ مین ایک غلطی ہوئی فتنہ کا اصل بانی مبانی قرار دینا کہان تک صحیح ہی، یہ البتہ کہا جا سکتا ہی کہ آخر مین اس کی وجہ سے واقعات نے زیادہ بدنما شکل اختیار کرلی،

مروان کو مکار اور خود غرض کہنا غالباً اس بنا پر ہی کہ اس نے بنو امیہ کی گرتی ہوئی عمارت پھر سنبھال لی، اور یزید کے بعد بنو امیہ کی حکومت از سر نو قایم کردی، لیکن اگر یہ جرم ہی، تو اس جرم سے کون خالی ہی، یہ بھی عجیب تضاد ہی کہ ایک طرف آپ مروان کو غاصب قرار دیتے ہین، اور دوسری طرف ابن زبیر کے لئے "خروج" کا لفظ استعمال فرماتے ہین، یا تو مروان کو غاصب نہ قرار دیجئے، یا ابن زبیر کے دعوی خلافت کو خروج کے لفظ سے تعبیر نہ کیجئے، کہ خروج تو صاحب حق کے مقابلہ مین ہوتا ہے

بہرحال اب حضرت ابوہریرہؓ کی اس اخلاقی کمزوری کا کہ وہ ایک غاصب اور مکار کے نائب بنے تھے جواب سنئے، گو انکی اس خلافت کی حقیقت اوپر بیان کیجا چکی ہی کہ وہ مروان کی حکومت کے زمانہ کا واقعہ نہین ہی، بلکہ اسکی امارت مدینہ کے زمانہ کا ہی تاہم مین ناظرین کو غلط فہمیون سے بچانے کیلئے یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہون کہ اگر کسی وقت مین ابوہریرہؓ نے مروان کی حکومت مین اسکا ہاتھ بٹایا

بھی اور انھون نے اسکی نیابت کی بھی تو اسطرح کہ وہ مروان کے ہر حکم کو آمنا وصدقنا کہنے کے بجائے اسکی لغزشون پر ہمیشہ نکتہ چینی کرتے تھے، اور اسے راہ راست پر لگاتے تھے،

چونکہ مدینہ ہی مین دونون کا قیام تھا اس لئے اکثر سابقہ پڑتا تھا، ایکمرتبہ وہ مروان کے یہان تشریف لے گئے، یہان تصویرین آویزان دیکھیں، تو فوراً ٹوکا کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح مخلوق بناتا ہے (اگر دعوائے تخلیق ہے) تو کوئی غلہ یا جو پیدا کرکے دکھائے (مسند احمد بن حنبل مسند ابو ہریرہ)

اسی طرح ایکمرتبہ جبکہ اس کے زمانہ مین مدینہ مین ہنڈی یا چک کے ذریعہ تجارت کے ایک خاص طریقہ کا رواج ہونے لگا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے جاکر اس سے بازپرس کی کہ تم نے ربٰو حلال کر دیا، مروان نے انکار کیا فرمایا، تم نے ہنڈی کا طریقہ جائز کر دیا، اس کے بعد آنحضرت صلعم کا ایک فرمان سنایا، مروان نے یہ فرمان سنکر فوراً یہ طریقہ منسوخ کرادیا، (مسلم کتاب البیوع باب بطلان بیع المبیع قبل القبض)

بنو امیہ کے عہد حکومت مین نوخیز جوان بھی حکومت کے عہدون پر مامور کر دیئے جاتے تھے اور یہ اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے کبھی کبھی غلطی کر بیٹھتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ طریقہ ناپسند تھا، چنانچہ ایکمرتبہ بھرے مجمع مین جبکہ مروان بھی موجود تھا لوگون سے خطاب کرکے فرمایا، کہ مین نے صادق مصدوق صلعم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈون کے ہاتھون ہوگی (بخاری کتاب الفتن) غرض اس قسم کے بیسیون واقعات ہین جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کس دلیری کے ساتھ مروان کو اس کی لغزشون پر تنبیہ فرماتے تھے، ایسی صورت مین اگر انھون نے ایک "غاصب" کی نیابت کی بھی تو وہ نیابت نہایت مبارک ومسعود تھی کہ اس سے حکومت، اور حکمران کی اصلاح ہوتی تھی اور اس نیابت سے ابو ہریرہؓ کا مرتبہ گھٹنے کے بجائے اور بلند ہو جاتا ہے،

ابوہریرہؓ کی مرویات کی تعداد تمام صحابہؓ کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے

ان الزامون کے بعد ناقد علام ایک دوسرا پہلو اختیار کرتے ہین اور حضرت ابوہریرہؓ کو ان کے ہمعصر صحابہ مین ناقابل اعتبار ثابت کرنیکی کوشش فرماتے ہین، اس مین انھون نے طرح طرح کی تدلیس سے کام لیا ہے، اور ابوہریرہؓ کی متعدد مرویات نقل کی ہین، لیکن کسی مین صفحات یا ابواب کا حوالہ نہین دیا، اس سعی ناشکور کی تمہید مین ارشاد ہوتا ہے کہ "ابوہریرہؓ کی تعداد حدیث پانچ اور دس ہزار حدیثون کے درمیان ہے گویا ہر تیسری حدیث کے راوی اور ذمہ دار ابوہریرہؓ ہین یعنی عبداللہ بن عباسؓ، عائشہؓ اور انسؓ کی مجموعی تعداد سے کچھ اوپر لانکہ ان مین سے ہر ایک صحابی خود تین چار ہزار حدیثون کے ذمہ دار ہین" افسوس ہے کہ ان مین سے ایک بات بھی صحیح نہین ہے، اور محض ابوہریرہؓ کی مرویات کو بڑھا کر دکھانے کی ہوس مین حق گو صاحب نے یہ تمام باتین تصنیف فرمائی ہین، اگر "پانچ ہزار اور دس ہزار کے درمیان" کا مقصد پانچ ہزار سے کچھ اوپر ہے، تو بیشک صحیح ہے لیکن اس مفہوم کو ان الفاظ مین نہین ادا کیا جاتا، اس لئے یہ مقصد نہین ہو سکتا پھر چونکہ ناقد کثرت روایت کو ثابت کرنا چاہتے ہین، اس لئے پانچ اور دس سے انکا مقصد یقیناً دس ہزار کے لگ بھگ ہوگا، جو صریحاً غلط ہے، ابوہریرہؓ کی مرویات کے لئے ظن و تخمین کی ضرورت نہین محدثینؒ احادیث کے متعلقات مین سے کسی چیز کو تشنہ نہین چھوڑا ہے حتی کہ تمام رواۃ کی مرویات کی صحیح تعداد بھی لکھدی ہے لیکن غالباً ہمارے فاضل محترم کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی، ورنہ وہ ظن و تخمین سے کام لینے کے بجائے حافظ صفی الدین خزرجی کی تہذیب الکمال مین انکی تعداد دیکھ لیتے، اسمین بالتصریح مذکور ہے کہ "ابوہریرہؓ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے جنمین سے ۳۲۵ روایتین متفق علیہ یعنی بخاری اور مسلم دونون مین موجود ہین، ان مشترک روایات کے علاوہ ۹۰ بخاری مین اور ۹۳ مسلم مین ہین، (ملاحظہ ہو تہذیب الکمال ص ۴۶۲) اس موقع پر یہ بھی یاد رہے کہ یہ ۵۳۷۴ کی تعداد ہر قسم کی رطب و یابس صحیح وضعیف ثابت وغیر ثابت تمام روایتون کا مجموعہ ہے، ورنہ صحاح کے اندر تو شاید ایکہزار سے بھی کم ہون،

اسی طرح یہ قیاس بھی صحیح نہین کہ ابو ہریرہؓ کی احادیث کی تعداد ابن عباسؓ، عائشہؓ اور انسؓ کی مجموعی روایات سے زیادہ ہی حضرت ابن عباسؓ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہی (حوالہ مذکور ص ۲۴۲) حضرت عائشہؓ کی مرویات کی تعداد ۲۲۱۰ ہی (ایضاً ص ۴۹۳) حضرت انسؓ کی مرویات کی تعداد ۱۲۸۶ ہی (ایضاً ص ۴۰) اور ان سب کی میزان ۶۱۵۶ ہوتی ہی، جو ابو ہریرہؓ کی مرویات سے صرف کئی سو زیادہ ہی اب آپ خود فیصلہ فرمایئے کہ آپکا ارشاد کہان تک صحیح ہی، یہ ارشاد بھی ازین قبیل ہی کہ ہر تیسری حدیث کے ذمہ دار ابو ہریرہؓ ہین، کیونکہ ہر قسم کی احادیث کی تعداد پندرہ بیس ہزار نہین بلکہ اس سے کہین زیادہ ہی

صحابہ مین ابو ہریرہؓ کی بے اعتباری، اس صدق مقال کے بعد ابو ہریرہؓ کو ان کے ہمعصرون مین ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی کوشش مین صداقت بیان کے اس سے بھی عجیب ترنمونے پیش فرمائے ہین،

مجھے سخت حیرت ہی کہ ناقد علام کا شروع سے آخر تک ایک اعتراض بھی صحیح نہین ہی، اور جس مقام پر انھون نے کوئی حوالہ پیش کیا ہی، اسمین اور بھی انکی قابلیت کا پردہ فاش ہو گیا ہی، ان مواقع پر یا تو وہ عمداً تدلیس سے کام لیتے ہین، اور یا ان کی بغدادی سیاحت کے نتائج ان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہین،

ابن عمرؓ کے بیان مین تدلیس، دعویٰ فرماتے ہین کہ "ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت نہایت شک وشبہہ کی نظر سے دیکھی جاتی تھی،" دلیل مین ارشاد ہوتا ہی، کہ "عبد اللہ بن عمرؓ سے لوگون نے سوال کیا کہ تم بھی ابو ہریرہؓ کی طرح حدیثین کیون نہین بیان کرتے انھون نے کہا، ابو ہریرہؓ مین یہ جسارت ہی اور ہم مین نہین ہی" ناظرین نے دعویٰ بھی سن لیا اور اس کی محرف دلیل بھی اب اس واقعہ کی اصلیت ملاحظہ ہو، ایک مرتبہ ایک شخص نے ابن عمرؓ سے سوال کیا کہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے بکثرت روایت کرتے ہین انھون نے جواب دیا عیاذاً باللہ ان کی روایات مین کسی قسم کا شک وشبہہ نہ کرنا، اس کی وجہ یہ ہی کہ وہ آنحضرتؐ سے سوالات کرنے مین بہت جری تھے، اس لئے وہ ایسے سوالات کرتے تھے، جن کے پوچھنے کی ہمت ہم لوگون مین نہ تھی،" (مستدرک ج ۳ ص ۵۱۳) یہ ہی اس واقعہ کی اصل وحقیقت جس کو ہمارے حق گو

ناقد نے ردوبدل کرکے کہان سے کہان پہنچا دیا، اب ناظرین خود فیصلہ کرلین کہ اس واقعہ سے ابوہریرہؓ کی مرویات کی توثیق ہوتی ہی یا تضعیف ناقد علام کی دیانت داری کی یہ کیتنی اچھی مثال ہی؟

عمرؓ نے ابوہریرہ کو زدوکوب کیا تھا

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمانِ مبارک مین بھی ان کے قول پر اعتبار نہ کیا جاتا تھا، اور حضرت عمرؓ نے ان کے روایت کرنے پر زدوکوب بھی کیا تھا، جیساکہ خود انھون نے اس حدیث مین بیان کیا ہی" اس کے بعد ایک طول طویل حدیث نقل کی ہے، اس کا غیرضروری اور غیرمتعلق حصہ حذف کرکے مین صرف متعلقہ واقعہ کا ٹکڑا نقل کرتا ہون،

"ابوہریرہؓ راوی ہین کہ ایکمرتبہ مین رسول اللہ صلعم کو تلاش کرتے ہوئے ایک باغ مین پہنچا، آپ نے اپنی دونون نعلین مبارک دیکر مجھکو حکم دیا کہ ان کو لیجاؤ اور باغ کے باہر جو شخص تم کو ایسا ملے کہ خدا کی توحید کی شہادت دیتا ہو، اور دل سے اس پر یقین رکھتا ہو، اسکو جنت کی بشارت دو، مجھکو بیرون باغ سب سے پہلے عمرؓ ملے، انھون نے پوچھا کہ ابوہریرہؓ یہ دونون جوتیان کیسی ہین؟ مین نے کہا یہ دونون جوتیان رسول اللہ صلعم کی ہین، آپ نے انھین دیکر مجھکو بھیجا ہی اور ارشاد فرمایا ہی کہ جو شخص تم کو لاالٰہ الا اللہ کہتا ہوا اور اس پر دل سے یقین رکھتا ہوا ملے اسکو جنت کی بشارت دو" یہ سنکر عمرؓ نے اپنے دونون ہاتھون سے میرے سینہ پر مارا، (اسی کا مطلب ناقد نے زدوکوب لیا ہی) اور مین پشت کے بل گر پڑا، پھر مجھ سے کہا کہ ابوہریرہ لوٹ جاؤ، مین رسول اللہ صلعم کے پاس لوٹ آیا، اور رونے کے لئے آمادہ تھا، میرے پیچھے پیچھے عمرؓ بھی پہونچے، رسول اللہ صلعم نے مجھ سے پوچھا ابوہریرہ کیا ہوا؟ مین نے پورا واقعہ بیان کیا، آپ نے واقعہ سنکر مجھے لوٹا دیا اور عمرؓ سے پوچھا تم نے ایسا کیون کیا، انھون نے جواب دیا بابی انت و امی یارسول اللہ آپ نے ابوہریرؓہ کو اس قسم کا حکم دیکر بھیجا تھا؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہان، عمرؓ نے عرض کیا بابی انت و امی یارسول اللہ ایسا نہ کیجئے مجھے خوف ہی کہ لوگ اس پر اعتماد کرکے بےعمل ہو جائین گے، آپ انھین عمل کرنے دیجئے، حضرت عمرؓ کی اس رائے پر آپ نے فرمایا

اچھا عمل کرنے دو (مسلم ج اول ص ۴۴ مطبوعہ مصر)

اس روایت کے الفاظ بالکل صاف اور معنی بالکل واضح ہین کسی تشریح و تاویل کی حاجت نہین، انکو پڑھکر ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہو، کہ حضرت عمرؓ نے ابوہریرہؓ کو اس لئے دھکا دیکر لوٹا دیا تھا کہ وہ انھین جھوٹا سمجھتے تھے یا اس لئے کہ وہ اس فرمان نبوی کی اشاعت کو سوء وقت خلاف مصلحت سمجھتے تھے کہ اس سے مسلمانون مین بے عملی پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، اس صاف اور واضح مطلب پر کسی مزید شہادت کی ضرورت نہین، تاہم مزید تائید کے لئے ائمہ اور ارباب فن کی شہادت بھی پیش کئے دیتا ہون

امام نووی فرماتے ہین کہ "ابوہریرہؓ کو ہٹانے سے حضرت عمرؓ کا مقصد انکا گرانا اور انکو ایذا دینا نہ تھا، بلکہ اس کام سے روکنا تھا جو ان کے متعلق کیا گیا تھا، پھر لکھتے ہین کہ عمر کا یہ فعل نبی صلعم کے حکم کی تردید یا اسمین مزاحمت کے جذبہ سے نہ تھا، کیونکہ اس حکم کا منشا صرف مسلمانون کے دلون کو خوش کرنا اور انکو بشارت دینا تھا، اور عمر کے نزدیک اس حکم کا عام مسلمانون سے پوشیدہ رکھنا ان کے لئے زیادہ مناسب اور فائدہ بخش تھا، تاکہ وہ محض اسی پر اعتماد نہ کر بیٹھین، اس لئے اس حکم کا اخفاء اس معجل بشارت سے ان کے لئے زیادہ سودمند اور بہتر تھا (نووی ج اول ص ۲۲۸ مطبوعہ مصر)

امام ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ مالکی لکھتے ہین کہ "اس ضرب کا مقصد ابوہریرہؓ کو اذیت پہونچانا یا آنحضرت صلعم کے حکم کو رد کرنا نہ تھا، بلکہ عمرؓ مسلمانون کے محض اعتقاد پر اعتماد کر لینے کے لئے خطرہ سے بچنے کے لئے عدم تبشیر مین مصلحت سمجھتے تھے، تاکہ مسلمانون کا اجر زیادہ ہو، یہ بشارت خواص کیلئے تھی، اس لئے عمرؓ کو یہ خوف ہوا کہ کہین عوام اس کو سنکر بے عمل نہ ہو جائین، اسی لئے رسول اللہ صلعم نے انکی رائے پسند فرمائی، (ملاحظہ ہو اکمال اکمال العلم ج اول ص ۱۱۴)

اتنی شہادتون کے بعد غالباً اب اس ضرب کے منشاء و مفہوم مین کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا ہوگا

(باقی)

ترکی کے چشم دید حالات

از

ڈاکٹر زبید احمد پی ایچ ڈی الہ آباد یونیورسٹی

"ڈاکٹر زبید احمد ان لوگون مین ہین جو نئے تعلیمیافتہ ہونے کے باوجود اپنے پرانے مذہب اور پرانے علوم سے پوری دلچسپی رکھتے ہین اور اپنے پہلو مین ایک مسلمان درد مند ذوق آشنا دل رکھتے ہین، ابھی دو سال ہوئے کہ وہ یورپ سے تعلیم پاکر واپس آئے ہین، انکی ڈاکٹری کا مقالہ "عربی لٹریچر کی ترقی مین ہندوستان کا حصہ" تھا، ہمین امید ہے کہ جب ان کی یہ کتاب شایع ہوگی تو ہندوستان کے علمی کارنامون کی ہزار سالہ تاریخ سامنے آجائیگی،

ڈاکٹر صاحب چونکہ خود ایک مذہبی آدمی ہین، اس لئے ترکی کے چشم دید حالات کے متعلق ہمارے نزدیک انکی شہادت پورا وزن رکھتی ہے،"

مغربی یورپ، مغربی تہذیب و تمدن کا مرکز ہے، یہان سے جون جون مشرق کی طرف جائیے، اس تہذیب و تمدن مین کمی آتی جائیگی، یہ کمی زیادہ تر اٹلی کے بعد سے محسوس ہوتی ہے، جہان ریل مین ایسے مسافر نظر آنے لگتے ہین، جنکی شکل و صورت، وضع و قطع نشست و برخاست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ موجودہ تہذیب کی آخری منزل سے ہنوز بہت دور ہین کھیتون مین جو کسان کام کرتے یا سڑکون پر جو آدمی آتے جاتے دکھائی دیتے ہین، وہ انگلینڈ، جرمنی اور فرانس کے کسانون اور رہرؤن سے مختلف ہین، قصبات و دیہات، تمدن و تانق کے ابتدائی مراحل طے کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہین، ریاستہاے مقدونیہ کا کم و بیش یہی حال ہے، یورپ کے مشرقی کنارہ پر سلطنت ترکی کا، جو اوائل صدی پانزدہم عیسوی مین سرحد فرانس تک پھیل گئی تھی، اب تھوڑا سا علاقہ بچ بچاکر رہگیا ہے، جسکا رقبہ دس ہزار

مربع میل اور آبادی دو لاکھ ہی، اس یورپین ترکی مین مشہور شہر اڈریانوپل ہی، اور تقریباً یورپین سرحد پر واقع ہی،

ولایت جانے سے پہلے سیر انگلستان کا جس قدر شوق تھا، اس سے زیادہ لندن پہونچکر یورپ کی زندگی سے اکتا جانے کے بعد بلاد اسلامیہ کی سیر و سیاحت کا شوق ہوگیا تھا، سرویہ و بلغاریہ سے گذرتے وقت دل کی عجب کیفیت تھی، ایک زمانہ تھا کہ یہ سب حصہ سلطنت عثمانیہ مین شامل تھا اور اسلامی جھنڈا یہان لہرایا کرتا تھا، آج یہ ممالک ترکون کے قبضہ سے نکل کر ترکی کے طاقتور حریف بن گئے، جب ٹرین اڈریانوپل مین داخل ہوئی جذبات و تاثرات مین ایک خاص قسم کا ہیجان پایا، بدن مین سنسناہٹ سی محسوس ہوئی، ترکی کی سرزمین مین جس کی سیر و سیاحت کا اس قدر شوق تھا، آخر داخل ہو ہی گیا، مگر آہ! داخل ہوتے ہی جس بات کا سب سے پہلے احساس ہوتا ہے وہ ترکی اور بلغاریہ کے علاقون کی زرخیزی و آبادی کا فرق ہی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریاست بھاولپور کی سرحدت نکلکر بیکانیر کے علاقے یا پنجاب کے زرخیز ملک سے سندھ مین پہونچ گئے، جو سلطنت سالہا سال سے طاقتور حریفون سے مسلسل برسر پیکار رہی ہو، اور جسے آئے دن کسی نہ کسی جنگ مین شامل ہونا پڑا ہو، اس کے علاقہ کا پڑوس کی سلطنت کے علاقہ کے مقابلے مین ویران و غیر آباد ہونا قابل توجہ نہین خصوصاً ایسی صورت مین جبکہ ہر لڑائی کا انجام اول الذکر کے لئے مضر و مہلک اور موخر الذکر کے لئے مفید و حیات بخش ثابت ہوا ہو،

قسطنطنیہ دنیا کے مشہور خوبصورت اور قدیم شہرون مین ہے، سب سے پہلی عام مردم شماری میرے دوران قیام لندن مین ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو ہوئی تھی، جس کی رو سے سلطنت ترکیہ جمہوریہ کی آبادی، ایک کرور چھتیس لاکھ سینتالیس ہزار آٹھ سو دس ہی اور خاص شہر قسطنطنیہ کی آبادی آٹھ لاکھ پچاس ہزار، یہ شہر آبنائے باسفورس اور شاخ زرین پر اس طرح واقع ہی کہ ایک حصہ

مغربی ساحل پر ہی، جسے استامبول کہتے ہین اور دوسرا حصہ مشرقی کنارہ پر، جو پیرا کے نام سے مشہور ہے، ایک خوشنما آہنی پل دونون حصون کو ملاتا ہی، اول الذکر شہر قدیم کا خاص حصہ اور اسلامی آبادی کا مرکز ہے، یہین محلات شاہی اور وہ سربفلک خوبصورت مسقف مساجد ہین، جنکی وجہ سے قسطنطنیہ بلاد اسلامیہ ہی مین نہین، ساری دنیا مین مشہور ہی، پیرا مین زیادہ تر غیر قومین رہتی ہین، اس حصے کی رونق پیرس اور برلن کی رونق سے کم نہین، لیکن استامبول کو مغربی تمدن کی ہوا نسبتہً بہت کم لگی ہی، اس حصۂ شہر مین بلند عمارات بے شمار ہین، لیکن ان مین سے اکثر مکین کے فقدان سے غیر آباد ہین، شاہی محلات یا تو حکومتی دفاتر کا کام دیتے ہین یا تعلیم گاہین اور عجائب خانے بنا دیے گئے،

مین نے انگلستان، فرانس، جرمنی، بلجیم، اٹلی وغیرہ سب ممالک اچھی طرح دیکھے لیکن جیسا نظم ونسق انگلستان کا دیکھا کسی اور ملک کا نہ پایا، لندن کی پولس شہرۂ آفاق ہی، ایسی پولس نہ برلن مین ہی نہ پیرس مین، البتہ قسطنطنیہ کی پولس کو مین نے لندن کی پولس سے دوسرے نمبر پر دیکھا، خوش شکل قدآور جوان شاندار وردی پہنے، آن بان کے ساتھ کھڑے، ایسی متانت، تحمل وبرداشت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہتے ہین، کہ انگریزی پولس کا دھوکا ہوتا ہی، فوجی نظام بھی مغربی دول عظمیٰ کے نظام فوج کے دوش بدوش ہی گورنمنٹ کے تمام دفاتر معمولی سے لیکر بڑے تک مین حتی کہ بنکون مین صرف ترک ہی ملازم ہین، حکومت کی ملازمت مین غیر ترک صرف خال خال ہین مختلف کامون مین بہت کچھ بیرونی سرمایہ لگا ہوا ہی، لیکن مزدور وا جیر ترک ہی ہین، استامبول اور پیرے کے درمیان جو آہنی پل ہی اسے کسی غیر قوم نے ٹھیکے پر بنایا ہی زر تعمیر ہنوز وصول نہین ہوا، اس لئے اس پر سے گذرنے کیلئے خفیف سا محصول مقرر ہی، جو پیادہ اور سوار سب کو دینا پڑتا ہی، پل کے دونون سرون پر دائین بائین تین تین چار چار آدمی لمبا کرتے پہنے ہوئے، ہاتھ مین صندوقچیان لئے ہوئے کھڑے رہتے ہین جو ہین کوئی شخص پل کی طرف

بڑھتا ہی، وہ صندوقچیان ہلاتے ہوئے اسکی طرف بڑھتے ہین، اور وہ شخص فوراً چلتے چلتے زر محصول جب وہ پہلے ہی سے ہاتھ مین لئے ہوتا ہی ادا کر دیتا ہی، یہ نظارہ عجیب ہی آمد و شد کی وہ کثرت کہ الحفیظ، الامان، لیکن اس سہولت سے محصول ادا ہوتا ہی کہ مطلقاً کسی قسم کی زحمت و دقت معلوم نہین ہوتی، جو ہین راہرو پل کے قریب ہوتا ہی وہ مشین کی طرح جیب مین سے سکہ نکال کر ہاتھ مین لے لیتا ہی، اور صندوقچی مین ڈال کر بلا ایک سکنڈ ٹھہرے ہوئے چلتا بنتا ہی، آپ گھنٹون کھڑے یہ تماشا دیکھا کرین، مگر ایک مثال بھی ایسی نظر نہ آئیگی، کہ کسی شخص نے نگاہ بچا کر جانے کی کوشش کی ہو، یا وصول کرنے والون نے تقاضا کیا ہو، اس واقعہ سے ترکی رعایا کی نظام پسندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہی، یورپ اور خصوصاً انگلستان کی ترقی کا راز قاعدہ کی پابندی اور ضبطِ نفس مین ہی، انگلستان مین ہر شخص قاعدہ کی پابندی کرنے کی کوشش کرتا ہی، کوشش کرنا کیا معنی، قاعدہ کی پابندی اور ضبطِ نفس انکی طبیعت ثانیہ بن گئی ہی، اس کے مقابلہ مین ہندوستان کی حالت کو دیکھئے جہان یہ مثل لفظ بلفظ صادق آتی ہی کہ "قواعد محض خلاف ورزی کے لئے بنائے جاتے ہین" یہان اگر کسی قاعدے کی پابندی ہی تو محض حکومت کے خوف سے، اگر پولیس کا سپاہی چوراہے پر نہین کھڑا ہی، تو ہر راکب و راجل اپنی سہولت کا خیال کر کے دائین بائین کا سوال آسانی سے نظر انداز کر دیتا ہی،

قسطنطنیہ مین بھیک مانگنے کی حکومت کی طرف سے ممانعت ہی، مگر ہنوز اس پر سختی سے عمل نہین ہوتا، لندن مین بھی اس قسم کی ممانعت ہی، مگر مانگنے والے بھیک مانگنے کے سو طریقے نکال لیتے ہین،

ابتدائی تعلیم جبریہ ہی، مگر کہا جاتا ہی کہ ہنوز پوری طور سے تعلیم جبریہ کا قانون نفاذ پذیر نہین ہوا قسطنطنیہ مین ایک بڑی زبردست یونیورسٹی قائم ہی جسکا نظام و معیار مغربی یورپ کی یونیورسٹیون کے نظام و معیار سے فروتر نہین ہی، مضامین جدیدہ کے علاوہ، علوم دینیہ کی تعلیم بھی داخل نصاب ہے، مگر ایسی تعلیم نہین جیسی مدارس قدیمہ مین مروج تھی، کہ معلم و متعلم کی ساری ذہنی قوت فقہ کے

قیاسی وخیالی مسائل کی موشگافی مین صرف ہوجاتی تھی اور عملی ضروریات کا کچھ خیال نہین ہوتا تھا، اس زمانہ مین پرانے طریقے کی تعلیم ایسی ہی خارج از آہنگ اور بے عمل ہے جسطرح زمانہ قدیم کے ذرائع طے مسافت، آج کل کے موٹر ریل اور ہوائی جہاز کے مقابلہ مین، یا گذشتہ زمانے کے گرز و تبر اس زمانہ کے حیرت انگیز آلات حرب کے سامنے، جو قوم اس کلیہ کو پیش نظر رکھکر اپنی ذہنیت اور اپنا طرز عمل نہین بدلتی وہ اگر فنا نہ ہوگی تو ذلیل و خوار زندگی ضرور بسر کریگی، آپ اپنے مذہبی خیالات اور روایتی تاثرات کی بنا پر قانون قدرت کو نہین بدل سکتے، یہ قانون قدرت ہی کہ جو قوم رفتار زمانہ کا ساتھ نہ دیگی وہ حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹکر رہیگی، خدا کا شکر ہی کہ ترکون نے اس کا احساس کیا، گو دیر سے کیا، لیکن اگر صبح کا بھولا ہوا شام کو آجائے تو اسے بھولا ہوا نہ سمجھئے، علامہ شبلی مرحوم نے اسی اصول کے مطابق قدیم طریقۂ تعلیم و تعلم کی خرابیون کا احساس کرکے ندوہ کی بنیاد ڈالی تھی، دیکھ لیجئے، مدارس قدیمہ کے مقابلے مین اس درسگاہ جدید کی تعلیم و تدریس کس قدر کامیاب ثابت ہورہی ہی،

برلن مین جو خاص بات لندن اور پیرس کے مقابلہ مین نمایان طور پر معلوم ہوتی ہی، وہ اہل برلن کا جوش عمل ہی، ہر طرف یہ معلوم ہوتا ہی کہ قومی و انفرادی جد وجہد کا سمندر جوش مار رہا ہی، سڑکین وسیع ہو رہی ہین، نئی عمارات بنائی جارہی ہین پرانے شاہی محلات، عجائبخانون اور رفاہ عام کے دفتر گاہون مین تبدیل ہورہے ہین، بود و ماند، آمد و شد اور کاروبار کی سہولتون کے لئے نئے نئے سائنٹفک اختراعات کام مین لائے جارہے ہین، عمومی باغون اور تفریح گاہون کو پر رونق کیا جارہا ہی، غرض تنازع للبقا کے ایسے حیرت انگیز آثار آپ برلن مین پائین گے، جو پیرس اور لندن مین مشکل ہی سے نظر آئین گے۔ لیکن یہی حالت بالکل قسطنطنیہ کی ہی، فرق ہی تو اتنا کہ اہل برلن کی جد وجہد انکے شایان شان ہی، اور قسطنطنیہ کی ترقی اس کے ہوتے کے مطابق، سب سے زیادہ امیدافزا بات یہ ہی کہ اس وقت حکومت اور رعایا کے درمیان کچھ اختلاف نہین، دونون مین وہ تعاون ہے، جو ایک آزاد قوم کے شایان شان ہی، مرد اور عورت،

حصہ نے بڑے بڑے سرون مین ترقی کرنے کی امنگین ہین، اور ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ آگے بڑھنے کے لئے بیتاب ہی،

مین لندن مین اکثر سنا اور اخبارون مین پڑھا کرتا تھا کہ ترک اسلام سے بیزار اور عیسائیت کیطرف مائل ہین، اس دعوی کو ثابت کرنے کے لئے عجیب عجیب تبدیلیان انکی طرف منسوب کیجاتی ہین، ایکدفعہ لندن مین ترکی کے متعلق ایک بڑا جلسہ ہوا، جسمین انگریز مقررون نے نہایت شدومد کے ساتھ بیان کیا کہ ترک روز بروز اسلام سے دور ہوتے جاتے ہین، اس جلسہ مین سب تقریرین ترکون کے خلاف ہوئین، صرف جناب خواجہ یوسف علی کی ایک تنہا آواز تھی جو ان آوازون کی تردید مین کسی قدر بلند ہوئی لیکن نقارخانے مین طوطی کی آواز کون سنتا ہی، جہان مغربی محققین کی علم دوستی، تحقیقات علمیہ، وسعت نظر، قوت مشاہدہ، نتائج نکالنے کی صلاحیت، اور دوررسی ذہنی قابل تحسین وآفرین ہی، وہان انکی یہ خودپسندی اور تعصب بھی، قابل افسوس، اور انکی شان محققیت پر ایک بدنما دھبہ ہی، کہ وہ صرف اپنی ہی تحقیقات کو تحقیقات سمجھتے ہین، اور دوسرون کی محققانہ جستجو کو کچھ وقعت نہین دیتے، انکی قوم کا کوئی فرد مشرق کی بابت جو کچھ چاہے کہدے، وہ ان کے نزدیک زیادہ معتبر ہی، بہ نسبت ایک مشرقی شخص کی رائے کے، گو وہ کتنا ہی قابل اور بحث متعلقہ پر سند کیون نہ ہو، مس میو قلیل مدت کے لئے ہندوستان مین آکر ایک کتاب لکھتی ہین، اور اسمین چند غیر معمولی واقعات کی بنا پر عام رائین قائم کرتی ہین، یورپ ان رایون کو زیادہ وقعت سے دیکھتا ہی، بمقابلہ مسٹر گاندھی، مسٹر گوکھلے، لالہ لاجپت رائے وغیرہ اپنے ہندوستانی لیڈرون کی تحریرات وتقریرات کے،

یورپ مین [illegible] یہ سب سیاسی و مذہبی پروپگنڈا ہی، جو نہایت شدومد کے ساتھ ترکون کے خلاف جاری ہی، اسکی حقیقت اگر معلوم ہوسکتی ہی تو وہین جاکر، خدا کا شکر ہی کہ وہ وقت آگیا کہ میری یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی، اور مجھے ترکی ہوکر وہان کے حالات مطالعہ کرنے کا موقع ملا،

ترکی زبان سے نابلد ہونے نے مجھے بہت زیادہ متمتع ہونے نہ دیا تاہم دیگر السنہ کی وساطت نیز مترجم کی مدد سے جس قدر فائدہ اٹھا سکتا تھا مین نے اٹھایا، تمام بڑی بڑی مسجدون مین گیا، مختلف اوقات کی نماز جماعت مین شریک ہوا، پرانی ترکیہ کے علمار کی صحبت مین حاضری دی، نئی روشنی والے نوجوانون سے ملا، غرض جہان تک میرے محدود امکان مین تھا تحقیق کا کوئی دروازہ کھٹکھٹائے بغیر نہ چھوڑا،

بے شک حکومت ترکیہ نے ترکی ٹوپی کی جگہ ہیٹ کا استعمال لازمی کردیا ہو، ترک عرصۂ دراز سے سوٹ بوٹ پہنتے تھے صرف یہ ترکی ٹوپی عیسائیون اور مسلمانون مین مابہ الامتیاز تھی، اب وہ بھی نہ رہی، اس کے متعلق گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ ترکی ٹوپی کا سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ ایسے ممالک مین جہان ترک غیر قومون سے بری طرح گھرے رہتے ہین، دیکھنے والے کو محض پہلی نظر مین ترک و غیر ترک کا پتہ چل جاتا تھا، اور اس طرح غریب ترک بربنا تعصب کسی بدگمانی یا بدمعاملگی کا شکار بنجاتا تھا، مثلاً ایک نووارد سیاح کسی بڑے شہر مین جہان مختلف قومون کے افراد رہتے ہین پہونچا تو اسے سرخ ٹوپی کے استعمال سے فوراً معلوم ہوجاتا کہ یہ ترک ہو اور وہ غیر ترک، ایشیائے کوچک کی ریلون کا تو چندان مضائقہ نہین لیکن یورپی ترکی، نیز بلقان کی ریلون مین، ترک اپنی ٹوپی سے خود بخود ممیز ہوجاتا، اور اس لئے غیر قومون کو، قومیت دریافت کئے بغیر محض ظاہری لباس کے ایک حصے کے بدولت ترکون کے ساتھ ذہناً، نیز عملاً تعصب کرنے کا موقع مل جاتا، یورپین اقوام کو لباس کی یکسانی کی وجہ سے یہ بڑا فائدہ ہو کہ دریافت کئے بغیر کسی کی قومیت کسی طرح معلوم نہین ہوسکتی علاوہ ازین ترکی ٹوپیان زیادہ تر اٹلی کی بنی ہوئی استعمال ہوتی تھین، خاص ترکی کی بنی ہوئی گران ہوتی تھین جنکو صرف اونچے طبقے کے لوگ استعمال کرتے تھے، اب ہیٹ کے رواج سے یہ خرابی نہ رہی، ترکی ہیٹ کی بابت پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عام طبقہ یعنی مزدور اور کسان لوگ وہ ٹوپی استعمال کرتے ہین جسے ہم نائٹ کیپ کہتے ہین، جو معمولی کپڑے کی خانہ ساز یا زیادہ سے زیادہ کسی درزی کی بنائی ہوئی

ہوتی ہے،غرض اس تبدیلی سے یہ اور فائدہ ہوا کہ بجائے اٹلی کی بنی ہوئی ٹوپیون کے سودیشی خانہ ساز ٹوپیونکا استعمال ہوگیا، نماز پڑھنے مین اس ناٹ کیپ سے کچھ دشواری نہین ہوتی، کیونکہ نماز پڑھنے کے وقت ٹوپی کو پھیر کر پہن لیتے ہین، یعنی چھجا دار حصہ پیچھے چلا جاتا ہی، جو لوگ فیلٹ ہیٹ پہنتے ہین ان مین سے بعض لوگ ہیٹ کے نیچے معمولی ٹوپی بھی رکھتے ہین،

نماز کی بابت تین باتین ترکون کے خلاف کہی جاتی ہین، ایک یہ کہ مساجد مین بینڈ باجے کا رواج دیا جا رہا ہی، دوسرے یہ کہ سجدون مین سجدہ کے لئے خاص طور پر تختین بچھادی گئین، تیسرے یہ روز بروز نمازیون کی تعداد کم ہوتی جارہی ہی،

پہلی بات جہان تک مجھے معلوم ہی محض لغو اور بے اصل ہے، دوسری کی اصلیت صرف اسقدر ہے، کہ مساجد مین ہر صف کے سامنے لکڑی کی دو کھنڈ والی چھوٹی چھوٹی الماریان سی رکھی ہین، نیچے کے حصے مین جوتے رکھے جاتے ہین، اوپر کے حصے مین فیلٹ ہیٹ اور جب تک فیلٹ ہیٹ کا استعمال عام نہین ہوا تھا، اوپر کے حصے کی ضرورت نہ تھی اور صرف جوتے رکھنے کا انتظام تھا، لیکن جب سے ہیٹ کا استعمال عام ہوگیا تو موجودہ الماری کی ضرورت پیش آئی، یہ الماریان (جنمین آگے کے کیواڑ اور پیچھے کے تختے نہین ہوتے) دو فٹ اونچی ہر صف کے سامنے اس طرح رکھی ہوئی ہین کہ بہت ممکن ہی کہ جب کسی عیسائی سیاح نے اس نئے انتظام کو دیکھا ہوگا، تو اس کی علت غائی نہ سمجھکر یہ خیال کرلیا ہوگا کہ یہ سجدہ کرنے کے لئے ہین،

رہی تیسری بات اس کی بابت ایک مقدمہ سمجھ لینے کی ضرورت ہی، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کم و بیش ہر مذہب کا اثر اس کے غریب معتقدون پر زیادہ ہوتا ہی، اسلام کے بارہ مین تو خاص طور پر بانی اسلامؐ کا ارشاد موجود ہی کہ اسلام غریبون مین آیا اور غریبون مین رہیگا، تاریخ اسلام کے مطالعہ سے اس ارشاد نبوی کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہی، اسلام کی اشاعت سلاطین

وزرا، وامرا کی دولت وقوت سے اس قدر نہین ہوئی جسقدر بے نفسانہ وخاکسارانہ زندگی بسر کرنے والے اولیاے کرام وعلماے عظام کے ذریعہ سے، اور پھر ہم دیکھتے ہین کہ ہر دور مین غریبون کا طبقہ نسبۃً زیادہ تر پابند شریعت رہا ہی، سلاطین و امرا ہمیشہ مذہب کے قیود سے آزاد رہے، بنی امیہ اور بنی عباس کے خاندانون کو دیکھئے کہ باستثنا چند نفوس قدسیہ کے، عام خلفار مذہب سے بے نیاز تھے، ان کے علاوہ ہر ملک کے سلاطین کا کم وبیش یہی حال رہا ہی، دور نہ جایئے، ہندوستان ہی کی تاریخ کو لیجئے، یہان فیروز شاہ ناصر الدین، شاہجہان اور اورنگزیب وغیرہ جیسے سلاطین کتنے پیدا ہوئے، غرض ہر عہد مین، اور ہر ملک مین شریعت کی پابندی کا خیال اور اسلام کا چرچا زیادہ تر غریبون مین رہا ہی، چنانچہ یہی حال اس زمانہ مین ہندوستان کا ہی، نماز پڑھنے والے روزہ رکھنے والے اور حج کو جانے والے زیادہ تر غریب لوگ ہی ہین، اقبال نے کیا خوب کہا ہی ؎

جا کے ہوتے ہین مساجد مین صف آرا تو غریب — زحمت روزہ جو کرتے ہین گوارا تو غریب

نام لیتا ہی اگر کوئی ہمارا تو غریب — پردہ رکھتا ہی اگر کوئی تمھارا تو غریب

امرا نشۂ دولت مین ہین غافل ہم سے،

زندہ ہی ملت بیضا غربا کے دم سے،

یہی حالت باقی دیگر بلاد اسلامیہ کی ہی، ترکی کی حالت اس عام کلیہ سے مستثنیٰ نہین، جسطرح ہمارے یہان کے غربا نماز پڑھتے اور روزے رکھتے ہین اسی طرح وہان کے غربا بھی پابند صوم وصلوۃ ہین، او ہندوستان مین حکومت کے اعلیٰ حکام، مجالس قوانین کے ارکان، قومی زعما، سیاسی قواد اور دیگر اصحاب ثروت ودولت کی پابندی احکام شریعت کا عموماً جو حال ہی، وہی حال ترکی مین اس قسم کے لوگون کا ہی، مگر جس طرح ان نماز نہ پڑھنے والے ممبرون اور لیڈرون کی خدمات اسلام پروری سے انکار نہین کیا جا سکتا، اسی طرح ترکی ارباب حل وعقد کی اسلامی حیثیت پر شک وشبہہ نہین کرسکتے،

قسطنطنیہ مین تمام مساجد آباد ہین، وقت پر باقاعدہ جماعت ہوتی ہے چونکہ کئی عالی شان مسجدین
پاس پاس بنی ہوئی ہین، اس لئے ہر مسجد مین ہر نماز کے وقت زیادہ اجتماع ناممکن ہے، دہلی کی جامع مسجد
مین کیا پانچون وقت جماعت یکسان ہوتی ہے، حالانکہ جامع مسجد سے لیکر فتحپوری مسجد تک بیچ مین کوئی
بڑی مسجد نہین، مگر قسطنطنیہ مین اس قدر فاصلہ مین کم از کم دو تین بڑی مسجدین ہونگی، مین نے قسطنطنیہ
کی مساجد مین دیکھا ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے آدمیون کا تانتا برابر لگا رہتا ہے، اسلامی لباس مین وضو کرکے
نماز پڑھنا کچھ مشکل نہین، مگر ترکون کو دیکھو سوٹ بوٹ پہنے ہوتے ہین، وضو خانے مین پہونچے،
فوراً جوتے اتارے موزے اتارے، وضو کیا اور پھر موزے پہنکر مسجد مین پہونچے مجھے سب سے زیادہ دلچسپ
سمان وضو خانہ کا معلوم ہوا، جہان سوٹ بوٹ پہنے ہوئے لوگ بڑی پھرتی اور چستی کے ساتھ وضو
کرتے تھے، یہان ہندوستان مین ایسے پابند نماز بہت سے ہین کہ جب وہ انگریزی لباس پہن لیتے
ہین تو پھر وضو کرکے نماز پڑھنا ان کے لئے مشکل ہوجاتا ہے، اگر وضو ہو تب تو خیر نماز پڑھ لیتے ہین لیکن
دوگانہ کارہانہ بادل ناخواستہ کہ کہین پتلون کی شکن خراب نہ ہوجائے، ترکون کو دیکھئے کہ جوان مین
نماز پڑھتے ہین، انکو انگریزی لباس پہنے ہونے کی حالت مین نماز پڑھنے سے کچھ آلکس نہین آتا
آپ دفترون مین پبلک پارکون مین، اسٹیشنون پر غرض ہر جگہ دیکھین گے کہ نماز کا وقت آجانے
پر کچھ نہ کچھ ترک ضرور نماز پڑھتے ہونگے،

نماز جمعہ مین نے جامع ایوبیہ مین ادا کی، وہ باوجود اپنی وسعت و کشائش کے اس قدر بھر
گئی تھی کہ تل رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی، ایک حصہ عورتون کے لئے محفوظ تھا، جو ان سے پر ہوگیا تھا،
نماز باقاعدہ عربی مین اور حنفی طریقے سے ہوتی ہے، مساجد کے خطیب و امام ہیٹ کے استعمال سے
مستثنیٰ ہین، وہ بدستور جبہ و دستار پہنتے ہین، خطبے مین مسنون حصہ باقاعدہ عربی مین ہوتا ہے، البتہ
وعظ و نصیحت والا ترکی زبان مین ہوتا ہے، اور اس لئے وہان کا خطبہ ہمارے یہان کے خطبہ

کی طرح خشک نہین ہوتا، لوگ حج کو جاتے ہین، مگر ہان اس کثرت سے نہین جس قدر پہلے جاتے تھے کی وجہ یہ ہو کہ پہلے حکومت لوگون کے ارادہ حج مین دخل نہین دیتی تھی، اب حکومت کو یہ اطمینان دلانا پڑتا ہو کہ حج کو جانے والے کی مالی حالت اچھی ہو اور اس کے سفر کے مصارف کا، اس کے خاندان کی مالی حالت پر برا اثر نہین پڑ سکتا، حکومت کی اس مداخلت سے جو درحقیقت قوم ہی کے مفاد کے لئے ہو، عازمان حج کی تعداد کا کم ہو جانا لازمی تھا، ہندوستان سے بہت سے غریب مسلمان محض معمولی سے زادراہ کا انتظام ہو جانے پر حج کو روانہ ہو جاتے ہین، جس سے ایک طرف خود انکو سخت تکالیف اٹھانی پڑتی ہین اور دوسری طرف ان کے اہل و عیال ان کے روانہ ہو جانے کے بعد ہندوستان مین پریشان ہوتے ہین

ترکی مین تعدد ازدواج کو قانوناً روک دیا گیا ہو، اس کی بابت میری ناچیز رائے یہ ہو کہ انھون نے بہت اچھا کیا، بڑی دانشمندی سے کام لیا، سب ملکون مین ایسا ہی ہونا چاہئے، اسلام مین ایک سے زیادہ بیوی رکھنا جائز ہو، مگر فرض و واجب یا سنت نہین، (سنت شرعی اصطلاح مین محض فعل رسول ہی کو نہین کہتے، بلکہ اس کام کو کہتے ہین، جس کے کرنے کے لئے آنحضرت صلعم نے تاکید فرمائی ہو) اور جائز اس فعل کو کہتے ہین جسکا نہ کرنا بہتر ہو، پس جس چیز کا نہ کرنا درحقیقت بہتر ہے، لیکن شارع نے کچھ قیود کے ساتھ اسکے کرنے کی اجازت دیدی تو اگر کوئی قانون حکومت اسلامی مسلمانون کے اس اجازت سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھانیکا احساس کرکے اسے ممنوع قرار دیدے تو اسمین شریعت کی خلاف ورزی کیا ہوئی، یہ تو درحقیقت شریعت کے اصلی منشاء کی تکمیل ہی، میرا اعتقاد ہو کہ جہان ایک طرف تعدد ازدواج کی مع الشرط اجازت ہوے بغیر اسلام ناقص رہتا وہان دوسری طرف یہ بھی ہو کہ مسلمانون نے اسے اپنی بہیمانہ خواہشات کے پورا کرنے کا حیلہ بنا کر قوم و ملت کو سخت نقصان پہونچایا

ایک جرمن پروفیسر مقیم قسطنطنیہ کی وساطت سے ایک سیاست دان ترک سے ملاقات ہوئی، اور اس سے کئی مباحث پر گفتگو کرنے کا موقع ملا، سب سے پہلے مین نے الغائے خلافت کا

مسئلہ لیا، اسکا اس نے نہایت معقول جواب دیا، وہ بولا کہ اس خلافت کی وجہ سے ترکون کی حکومت تمام عیسائی طاقتون کی آنکھون مین خوار تھی، وہ خلافت کو پین اسلامزم کا کارگر حربہ سمجھتے تھے، اور اس لئے ہر طرح ہمارے درپے تخریب تھے، ہمکو اس خلافت پر بڑا ناز تھا، اور سمجھتے تھے کہ جب دنیا کے مسلمانون کی ہمدردی ہمارے ساتھ ہے، تو عیسائی سلطنتین ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہین، مسلمان اپنے خلیفہ کو کبھی نہین چھوڑ سکتے، لیکن گذشتہ جنگ عظیم مین یہ خیال سراسر نقش برآب ثابت ہوا، اعلان جہاد پر بھی مسلمانون نے ہمارا ساتھ نہ دیا، اور آخر ہمین شکست ہوئی تو کس لئے؟ اسی لئے تو کہ ایک طرف ہمارے مسلمان بھائی ہم سے لڑنے آئے، اور دوسری طرف عربون نے ہم سے قطع تعلق کرکے ہمارے دشمنون کیساتھ ساز باز کیا، ہم تو انھین کے بوتے پر خلافت کی حمایت کے لئے اس قدر نقصان پر نقصان اور زک پر زک اٹھا رہے تھے، جب انھون نے غداری کی تو اس خلافت کا عقدہ کھلا، کہ یہ تو تار عنکبوت سے بھی کمزور ہے، ہم نے یہ خلافت ان کے منہ پر الٹی دے ماری کہ عطائے تو بہ لقائے تو، اب جب ہم نے خلافت کا قصہ طے کر دیا تو ہماری حیثیت محض ایک معمولی حکومت کی سی رہ گئی، ہم سے پین اسلامزم کا کچھ تعلق نہ رہا، اور اب ہم ہر طرح پر محفوظ اور خوش و خرم ہین،

مین نے دریافت کیا کہ "ترکیہ جمہوریہ" کے نام سے لفظ اسلام کیون اڑا دیا گیا، کہنے لگا کہ یہ لفظ زائد تھا، کیا کسی عیسائی سلطنت کے نام کے ساتھ لفظ عیسائی لگا ہوا ہے، علاوہ برین سب ترک مسلمان ہی ہین، اسی سلسلہ مین اس نے بتایا کہ آج تک مشکل سے ایک آدھ ترک نے دین عیسائی قبول کیا ہو تو کیا ہو، ورنہ سب ترک مسلمان ہین، اور اس لئے لفظ ترک مسلمان کا مترادف ہے، آج تک صرف چند لڑکیون نے غیر مذہب والون سے شادی کی ہے، حکومت اس کا سد باب کرنے کی فکر مین ہے،

حروف لاطینی اختیار کر لینے کا ترکون پر بڑا اعتراض ہے، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

وہ حق بجانب ہین، عربی خط کے خوبصورت ترین خطوط ہونے مین شک نہین مگر اسی کے ساتھ سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ تلفظ الفاظ، طریقہ املا سے جہان تک حرکات بلکہ نقطہ کا تعلق ہے، بالکل مستغنی ہے، اگر کسی لفظ پر نقطے اور حرکتین نہ دیجائین تو وہ کئی صورتون سے پڑھا جا سکتا ہے، خط لاطینی مین یہ عیب نہین، جب آپ نے خاص آوازون کے لئے خاص واول (اعرابی حروف) مقرر کردیئے تو پھر ایک لفظ صرف ایک ہی تلفظ کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے، علاوہ برین خط لاطینی خط عربی کے مقابلے مین اس قدر سہل ہے کہ بہت ہی کم مدت مین ایک جاہل عمر رسیدہ شخص لکھنا پڑھنا سیکھ سکتا ہے، پھر اسی کے ساتھ یہ بھی خیال کیجئے کہ ترکون کو زیادہ تر اُن اقوام سے سابقہ پڑتا ہے جنکا رسم الحروف لاطینی ہے ایسی صورت مین اس خط کا اختیار کرلینا نہایت عقلمندانہ اصلاح ہے، اب قسطنطنیہ مین نوے فیصدی مرد لاطینی خط لکھنا پڑھنا جانتے ہین، عربی رسم الخط کے جاننے والے ہمیشہ بہت ہی کم ہوتے تھے، عمر رسیدہ لوگ لاطینی خط سے واقف ہونے کے بعد نوشت وخواند کی لذت سے آگاہ ہوکر عربی رسم الخط سے بھی رفتہ رفتہ واقفیت حاصل کرلیتے ہین، مجھے اطلاع دینے والے ترک نے مجھ سے بیان کیا کہ لاطینی خط تو صرف ترکی زبان کے لئے اختیار کیا گیا ہے، فارسی عربی کی کتابین بدستور عربی خط مین شایع ہوتی ہین، جب مذہب اسلام کسی قوم یا ملک کے ساتھ مخصوص نہین، تو تمام دنیا کے مسلمانون کے لئے یہ ناممکن ہے کہ انکی زبان اور خط عربی ہو، چینی مسلمانون کی زبان اور خط چینی ہے یہی حال برما، بنگال اور مالابار کے مسلمانون کا ہے، مین نے برٹش میوزیم مین اسلام کی ایسی کئی کتابین دیکھین جو تاملی رسم الحروف مین لکھی ہوئی ہین، اس مین کوئی شک نہین کہ پرانے طریقے کے علما سخت ناراض ہین اور موجودہ عہد کو بے دینی کا عہد سمجھتے ہین، لیکن فی الاصل بات یہ ہے کہ اس وقت ترکی ارتقائی تحویل کی حالت مین ہے، سر سید مرحوم نے جب ہندوستان کے علمار کو دیکھا کہ ان پر جمود و خمود طاری ہے، نہ ان مین جوش عمل ہے، نہ کام کرنے کی صلاحیت، انکے معلومات

محدود و فرسودہ ہیں، اور انکا درس تدریس دقیانوسی و ناکارہ، مسلمانون کو اگر زندہ رہنا ہی تو وہ انگریزی تعلیم کی طرف توجہ کرین اور علوم جدیدہ سے فائدہ اٹھائین، علمائے اس تحریک کو کفر و الحاد سے تعبیر کیا، سرسید انکا مقابلہ کرنے کے لئے خم ٹھوک کر سامنے آیا، چنانچہ بہت جلد صورت حال یہ ہوئی کہ تمام ہندوستان کے علما ایک طرف اور بیچارہ سرسید دوسری طرف، لیکن وہ اپنے ارادہ پر مستقل رہا، اور علی گڈھ کالج قایم کرکے چھوڑا، سرسید مرحوم کی مجددانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہو کہ آج ہندوستان مین مسلمانون کی جو سیاسی ہستی باقی ہو وہ محض اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگون ہی کے بدولت ہے، جس کے خلاف تمام علماے ہند نے مقدور بھر کوشش کرلی تھی، یہی حالت آج ترکی کی ہو، وہان کے علما کی حالت یہان کے علما سے بھی بدتر ہو گئی تھی، جا بجا پیری مریدی کا زور، خانقاہون کی کثرت، ننگ قوم و ملت درویشون کا تلاطم، جب علما ہی کی حالت خراب ہو تو عوام کی حالت جس قدر زبون اور افسوسناک ہو کم ہی، لیکن خداوند عالم نے وہان سرسید ایسا مصلح قوم مصطفی کمال پاشا کی شکل مین بھیجا، مصطفی کمال پاشا اور علما کی جماعتون مین تصادم واقع ہونا لازمی تھا، سرسید کے ہاتھ مین حکومتی اقتدار نہ تھا، مصطفی کمال پاشا اپنی تدبر و شجاعت، ہمت و استقلال کی وجہ سے سلطنت ترکی کو تباہی سے بچا کر اس کا صدر اعظم بن چکا تھا، اپنی اصلاحات کی اجرا مین جسقدر کوشش کرتا کم تھا، فرض کرو کہ اگر سرسید ہندوستان کا بادشاہ یا عنان حکومت کا مالک ہوتا تو وہ مخالفین علما کی کس قدر بیخ کنی نہ کرتا، اگر کیا اسکا ایسا کرنا، اس لئے ہوتا کہ وہ اسلام کے خلاف تھا، اور اسے برباد کرنا چاہتا تھا؟ ہرگز نہین،

یورپین اصحاب الرائے کی یہ کس قدر کوتاہ نظری اور تعصب ہو کہ ترکی مین جو اصلاح جاری ہوتی ہے، اسے یہ لوگ ترکی کے عیسائیت سے قریب اور اسلام سے بعید ہونے کی تحریک سمجھتے ہین، کیا اسلام ان کوتاہ نظر متعصب جاہلان تہذیب حاضر کے نزدیک اقتصادی، اجتماعی، سیاسی، اور

مذہبی خرابیون کے مجموعہ کا نام ہی کہ جیسے ایک برائی کم ہوئی، ویسے ہی اسلامیت کا ایک عنصر کم ہو گیا،
کیا اسلام نام ہی، عام لوگون کے تحصیل علوم اور کسب فضائل سے محروم رہنے، عورتون کو ذلیل و
خوار سمجھکر مکانات کی چار دیواری مین مرغان تفس کی طرح مقید رکھنے اور چار چار بیویان رکھنے کا
اگر ایسا نہین ہی، اور ہر شخص جانتا ہو کہ یقیناً ایسا نہین تو پھر ان برائیون مین سے کسی ایک برائی کے کم
ہونے پر کوئی قوم اسلام سے دور کیونکر ہو سکتی ہی، علاوہ برین دیکھئے کہ موجودہ عیسائیت اس عیسائیت سے
جو حضرت عیسیٰؑ لائے تھے، اور جو انجیل مین مذکور ہی، کس قدر دور ہی، ترک اسلام سے کسی لحاظ سے اسقدر
دور نہین ہوئے، جس قدر بیسوین صدی کے عیسائی اپنی اصلی شریعت سے دور ہین، پھر ترکون کو
کیون الزام دیا جاتا ہی، جب تک کوئی شخص خدا کی وحدانیت، قرآن پاک کے منزل من اللہ، اور
جناب رسول کریم کے برحق ہونے کا معتقد ہی، اس وقت تک وہ نہ کسی طرح دائرۂ اسلام سے خارج
ہو سکتا ہے، نہ عیسائیت کے قریب آسکتا ہی مخالفین، اسلام کو ہدف ملامت بنانے مین خلط مبحث
کر دیتے ہین، مثلاً اس وقت موجودہ ترقی و تہذیب کو عیسائیت سے کچھ سروکار نہین، عیسائیت کا
رکن رکین محبت و ایثار ہے، کیا آج ایک قوم دوسری قوم کے لئے محبت و ایثار کرتی ہی، قوم کو چھوڑ دو
کیا کوئی شخص اس ہنگامۂ تنازع للبقا مین اپنی ہستی کو دوسرون پر فوقیت دینے کی کوشش کئے بغیر کامیاب
ہو سکتا ہی؟ قوت عمل کی تحریک جسقدر قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہی، وہ انجیل مین کہان جس کی تعلیم
یہ ہو کہ اگر ایک گال پر تھپڑ لگے تو دوسرا سامنے کر دو، توکیا اسلام مسلمانون کی موجودہ برائیونکا ذمہ دار ہو سکتا ہے؟
پردہ کے لحاظ سے ترکی مین تین طرح کی عورتین ہین، قدامت پسند جو ہنوز چہرہ پر نقاب
ڈال کر برقع مین باہر جاتی ہین، دوسرے وہ جو بلا نقاب گو برقع مین نکلتی ہین، تیسری وہ جو یورپین
لباس پہنتی ہین، آخر الذکر طبقہ روز بروز افزون ہی، یہی حالت مین نے مصر مین دیکھی البتہ شام، فلسطین
اور حجاز مین سب عورتین چہرہ پر نقاب ڈالتی ہین، الغرض مین نے ہندوستان کا سا پردہ بلاد اسلا

مین کہین نہین پایا، ہر چیز کی افراط و تفریط مذموم و مقبوح ہی فضیلت کا دار مدار، اعتدال اور وسط پر ہے، جس طرح ہندوستان مین پردہ کی بابت افراط ہے، یورپ مین تفریط ہے، یہ دونون صورتین بری ہین، بہترین صورت وہ ہوسکتی ہی جو افراط و تفریط کے درمیان ہو، جب ہندوستان مین بعض مسلمان خاندان اس بارہ مین انگریزون کے دوش بدوش ہین تو ترک جو یورپین اقوام سے بہت نزدیک ہین اگر پردۂ نسوان کے بارہ مین ہم سے قریب ہونے کے بجائے، یورپین عمل درآمد سے قریب ہین، تو کچھ شکایت کا موقع نہین، کیا ہندوؤن کے پاس رہنے کی وجہ سے ان کی بہت سی رسمین ہم مین نہین پائی جاتین ؟ یہ ناممکن ہی کہ ہندوستان کی مسلمان عورتون کا پردہ ہمیشہ یا عرصۂ دراز تک موجودہ حالت پر رہے، اگر ہمارے مذہبی و دنیوی رہنما باہم غور و فکر کرکے مسئلہ احتجاب نسوان کا کوئی قابل اطمینان حل نکال دین، تو بہت مناسب ہے، تاکہ اس باب مین رفتار ترقی ایک پسندیدہ ڈھچر پر پڑ جائے ورنہ ریم پرٹے، ہوئے دبل کی طرح اندیشہ ہی کہ نہ معلوم یہ مواد کس طرف کا رخ کرے اور پھر کیا انجام ہو، خودرو اور باغبان کی نگرانی مین اُگے ہوئے پودون مین بڑا فرق ہی، دما توفیقی الا باللہ العلی العظیم،

سفرِ حجاز

از مولانا عبدالماجد دریابادی اڈیٹر سچ

مولانا نے اس سفرنامہ مین حرمین کے چشم دید حالات قلمبند کئے ہین، اور مناسک حج کے متعلق فقہی احکام و ہدایات درج کئے ہین جو لوگ حج و زیارت کرنا چاہین، یا حجاز کے حالات سے واقف ہونا چاہین ان کے لئے یہ سفرنامہ نہایت دلچسپ و مفید ہی، ضخامت ۱۲۱ صفحے قیمت عا

مطبوعہ معارف پریس، "منیجر"

ملا سعد عظیم آبادی اور انکی دو اور کتابین،

از

مولوی سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین،

معارف ماہ اکتوبر ۱۹۳۰ء مین ہمارے محترم نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے ملا سعد عظیم آبادی کی تین کتابون باغ گلبن[1]، فارسی ترجمہ ہر شش دفتر مثنوی اور شرح مختصر[2] و فرہنگ لغات[3] مثنوی کا تعارف کرایا تھا، جو مولانا ے مخدوم کو اپنے کتبخانہ کی ترتیب مین نظر آئین، اور پھر اسی سلسلہ مین موصوف نے فرزندان بہار سے ملا صاحب کے حالات پر روشنی ڈالنے کی فرمائش کی تھی،

دار المصنفین مین تذکرہ و تراجم کی جو کتابین ہین ان مین ملا صاحب کا ذکر موجود نہین، عجب کیا کہ مشرقی کتبخانہ بانکی پور پٹنہ یا ظفر نواب پبلک لائبریری گیا کے کسی قلمی تذکرے مین انکے حالات موجود ہون، اس وقت اتفاق سے ہمارے سامنے ملا صاحب کی دو اور کتابین شکرستان فرہنگ گلستان اور فرہنگ سکندر نامہ ہین جنپر دار المصنفین کے کتبخانہ کی ترتیب کے ضمن مین مولینا کی اس تحریر کی اشاعت کے بعد نظر پڑی،

یہ دونون کتابین ایک ہی جلد مین بندھی ہین، اور ایک ہی کاتب کے قلم سے لکھی ہوئی ہین، کاتب محمد آباد ضلع اعظم گڈھ ہی کے ایک بزرگ ہین، شروع مین شکرستان ہے، اور آخر مین فرہنگ سکندر نامہ، نسخہ کی تقطیع $\frac{20 \times 26}{8}$ ہے، خط نستعلیق اور خوشخط ہے، شکرستان ۱۴۴ ورق پر ختم ہوتا ہے، اور فرہنگ سکندر نامہ ورق ۱۵۰ سے ۲۴۲ ورق تک ہے، اور اسی کے آخر مین کاتب نے اپنے قلم سے ایک خاتمہ بھی لکھا ہے جس سے مصنف کا نام، کاتب کا نام، کتابت کے خاتمہ کا وقت اور زمانہ اور کتابت کے مقام کے حالات معلوم ہوتے ہین،

وہ خاتمہ حسبِ ذیل ہی:۔

"تمام شد نسخۂ فرہنگ سکندر نامہ من تصنیف حقایق و معارف آگاہ فضائل و کمالات دستگاہ مولوی محمد سعد عظیم آبادی بروز چہار شنبہ بتاریخ ہفتم ربیع الثانی قبل از ظہر در سنہ ۱۲۱۱ ہجری النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطابق سنہ ۱۲۰۳ فصلی تحریر یافت. کاتب و مالک بندہ محمد یعقوب ابن شیخ غلام احمد بن شیخ عبد اللہ ساکن پرگنہ محمد آباد گوہنہ سرکار جونپور مضاف صوبہ الہ آباد، ہر کہ دعوی کند باطل گردد، در مقام بنارس بخانہ نیچو نور باف در وقت طالب علمی نوشتہ شد. اللّٰھم اغفر لکاتبہ وارحم بحمتک یا ارحم الراحمین"

نسخۂ گلستان میں اولاً مصنف کا ایک دیباچہ ہی جو دو تین صفحوں میں آیا ہی، اس کے بعد فرہنگ شروع ہوتی ہی، فرہنگ ردیفِ تہجی کی ترتیب کے بجائے گلستان کے ابواب کی ترتیب پر ہے، گلستان کے ابواب "حکایت" اور "حکمت" کے حوالے کے بعد مشکل الفاظ نقل کئے گئے ہیں، اور کاتب نے فرہنگ کی عبارت سے گلستان کے جملوں اور لفظوں کو ان پر سرخ روشنائی کے خط سے ممتاز کر دیا ہی، اور ابواب اور ان کے عنوانات کو بخطِ جلی سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہی،

ملا سعد نے دیباچہ میں اولاً حمد و نعت لکھی ہی، پھر وجہ تالیف اور زمانہ تالیف بیان کرکے دیباچہ ختم کر دیا ہی، ملا صاحب کا طرزِ تحریر بھی وہی ہی، جو عموماً اس دور میں اہل علم کے درمیان رائج تھا مثلاً دیباچہ کی ابتدا میں جو حمد و نعت ہی، اس میں صنعت براعۃ استہلال کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہی، اور حمد میں ایسے ہی الفاظ لائے ہیں جن سے گلستان کے نام کی رعایت کا اظہار ہو، اس کے بعد سبب تالیف ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

"اما العبد فقیر حقیر محمد سعد مشہود ضمایر یاران ارجمند و مکشوف خواطر ......
دشوار پسند میگرداند کہ کتاب گلستان شیخ بزرگوار و مرشد نامدار مصلح الدین سعدی

شیرازی قدس اللہ سرہ بسیار رنگین است وحکایات واشعار او شیرین"

اس کے بعد چند شعرمین گلستان کی تعریف یون کرتے ہین :- نظم

سوے گلستان کہ روضۂ بہشت | خاک وخاشاک او عنبرین سرشت
با بہایش بہشت را ورہا | فیض دہ قصہاش کوثرہا
دلکش ابیات او بسے زیبا | جان فراہم چو صورت دیبا

پھر لکھتے ہین :-

"درین ولا واتیا بنابر التماس واقتراح بعضے عزیزان فضل انتما ومجان دشت صداقت بیا ورقے چند. درحلِ الفاظ لطیف وعبارات شریف آن نسیم نفیسہ مرقوم ومرسوم میشود امید کہ الخ"

اس کے بعد چند شعرمین جنمین سالِ تصنیف بیان کیا گیا ہو لکھتے ہین، مثنوی

درسال ہزار ونود و ... ز ہجرت[1] | من طرح چنین نسیخ فرخندہ نمودم
از بس کہ نوشتم سخن سادہ وپرکار | از خاطر اندیشہ بسے زنگ زدودم
در شرح گلستان کہ بمانا وگلستان | زین کلک گہر بار در فیض کشودم

اور پھر سب سے آخر مین کتاب کا نام یون لکھتے ہین، اور اسی پر دیباچہ ختم ہو جاتا ہو،

"وچون بعنایت الٰہی وفضل نامتناہی این فرہنگ کہ درمعنی کالشرح ہست باتمام رسید بہنگرستان موسوم گردید ان اللہ حمید مجید" (ورق ۲)

گلستان کے جس نسخہ کو سامنے رکھکر ملا اسعد عظیم آبادی نے فرہنگ لکھی ہو، وہ گلستان کے مطبوعہ

---

[1] یہان پر کاتب سے کوئی عدد رہ گیا ہو ... قرینہ سے ... معلوم ہوتا ہی یعنی درسال ہزار ونود وہفت ز ہجرت ... کیونکہ ... کے بعد کی کتاب مین ... مرقوم ہی،

نسخون سے کسی قدر مختلف تھا، ہم پورے استقصار کے ساتھ تو اس اختلاف کو نہین دیکھ سکے لیکن شروع کے ایک دو صفحہ اور آخر کے چند صفحون کو گلستان کے مطبوعہ نسخون سے ملاکر دیکھا تو کسی قدر اختلاف نظر آیا، ذیل مین اس کی ایک دو مثالین پیش کیجاتی ہین، ہمارے سامنے گلستان کے مطبوعہ نسخون مین سے ایک نسخہ مطبوعہ مطبع جعفری کانپور ۱۲۸۰ھ اور دوسرا نسخہ مطبوعہ مطبع احمدی کانپور ۱۳۰۲ھ کا ہے، پہلے نسخہ کی اگرچہ لکھائی چھپائی خراب ہو لیکن صحت اور اختلاف نسخ کے ساتھ شایع ہوا ہو، اور الفاظ اور عبارتون کے اختلاف پر نسخون کا حوالہ دیدیا گیا ہو، دوسرا نسخہ صاف خوشخط چھپا ہو، اور معانی اور فرہنگ پر زیادہ توجہ کی گئی ہو،

ملا سعد کے نسخۂ گلستان اور ان مطبوعہ نسخون کے پہلے ہی جملہ مین فرق موجود ہو، ان نسخون مین پہلا جملہ یون ہو "منت خدا را عزوجل کہ طاعتش موجب قربت است" ملا سعد نے اس پہلے جملہ مین سے "منت"، "عز"، "طاعت"، "موجب" اور "قربت" کی تشریح کی ہو لیکن "منت" اور "عز" کے درمیان لفظ زائد "مر" کی بھی تین چار سطرون مین کی گئی ہو، اس لئے ملا سعد کے نسخہ مین یہ جملہ یون تھا "منت مر خدا را عزوجل کہ طاعتش موجب قربت ست"، چنانچہ "منت" اور "عز" کے درمیان "مر" کے متعلق لکھتے ہین:

"مر بافتح از کلمات زائد است کہ از برائے حسن کلام گویند، مانند آنکہ مرا اورا گفتم یا مرا اورا دیدم مراد آن باشد کہ اورا گفتم و اورا دیدم وگاہی افادہ خصوصیت نیز کند و شیخ بزرگوار آیہ مرا ورا رسد کبریا و منی، کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی" (ورق ۲)

اسی طرح آخری آٹھوین باب آداب صحبت مین نہ صرف الفاظ کا فرق ہو، بلکہ مطبوعہ نسخون مین عبارت کی عبارتین غائب ہین، مثلاً آٹھوین باب مین، دو تین صفحون کے بعد "پند و حکمت" کے درمیان شکرستان کے نسخہ مین مستقل ایک حکمت کا بیان زیادہ ہو، چنانچہ ان دونون "پند"، "پند ہر کہ نصیحت نو در رائی میکند الخ" اور "پند حمق را ستایش خوش آید الخ" کے درمیان شکرستان کے نسخہ مین،

ایک پند زیادہ ہی، جس کو ملا سعد نے "حکمت ہر کہ در حالت الخ" سے شروع کیا ہی، اور اسمین کے دو لفظون "خاکِ مشرق" اور "آدمی زادہ" کی تشریح کی ہے، اسی طرح اس سے پہلے گلستان کی عبارت "حکمت بد خوئی بدست دشمنی الخ" اور "حکمت دشمن چو از ہمہ حیلتی الخ" کے درمیان ایسے چند الفاظ کی فرہنگ ہی جو ان کے درمیان مین موجود نہین (ص ۱۴۰)

اگرچہ یہ وہ تمام الفاظ و فرہنگ جو مطبوعہ گلستان کے برخلاف ان مین موجود ہین انمین سے اکثر اسی آٹھوین باب مین متفرق طور پر مختلف جگہ مطبوعہ گلستان مین بھی موجود ہین، اس لئے غالباً یہی حقیقت معلوم ہوتی ہی کہ شکرستان کے نسخہ گلستان اور ان مطبوعہ نسخون مین صرف ترتیب کا فرق تھا، اکثر حکایتین اور حکمتین وہی ہین، جو مطبوعہ نسخون مین بھی ہین، لیکن انکی جگہ اسمین بدلی ہوئی ہے، نیز معلوم ہوتا ہے کہ چند حکایتین اور حکمتین شکرستان کے نسخہ مین مطبوعہ نسخون سے زیادہ ہین،

لیکن یہ واضح رہے کہ شکرستان کے نسخہ اور ان مطبوعہ نسخون مین یہ جو کچھ فرق ہمین نظر آیا ہی، وہ صرف آٹھوین باب مین اور وہ بھی شکرستان کے آخری چند صفحون مین اگرچہ یہ بھی ممکن ہی، کہ اگر مطبوعہ نسخون سے شکرستان کا باستقصار مقابلہ کیا جائے تو یہ اختلافات اور ابواب مین بھی نظر آئین، لیکن ہم نے ایک دو مقام پر ملا کر دیکھا، دونون مین تطبیق نظر آئی البتہ آٹھوین باب مین چند صفحات کے بعد ان دونون مین بالکل اختلافات ہی، شکرستان کا نسخہ گلستان کی اس حکمت کے فرہنگ پر ختم ہی،

"حکمت ہر کہ در پیش سخن الخ"

اور پھر اسی کے تحت مین حسب ذیل الفاظ "مایہ" "فضل" اور "فراخ سخن" کی فرہنگ درج ہے، اور اسی پر یہ نسخہ تمام ہو گیا ہی،

لیکن کاتب نے اس کے بعد فرہنگ سکندر نامہ کو تین ورق کی بیاض چھوڑ کر شروع کیا ہے، ممکن تھا کہ ایک دوسری کتاب کے آغاز کی وجہ سے بیاض چھوڑی گئی ہو، لیکن شکرستان کے خاتمہ پر پھر کوئی جملہ مختتمہ درج نہیں، اس لئے غالباً گمان یہی ہے کہ شکرستان کے آخر کے چند صفحے کتابت سے رہ گئے ہیں، اور اس لئے آخر سے یہ نسخہ کسی قدر ناقص رہگیا ہے،

اس کے بعد فرہنگ سکندر نامہ ہے، اسمین بھی ابتداءً دو صفحون کا دیباچہ اور آخر مین کاتب کے خاتمہ کے علاوہ مصنف کا بھی خاتمۂ کتاب ہے، اس کے دیباچہ مین بھی صنعت براعۃ استہلال کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، کتاب ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:-

" سپاس بے قیاس و حمد بیحد آفریدگارے راکہ قصص حضرت رسل و انبیاء داستان بادشاہان جلالت انتما موجب عبرت و سبب موعظت اہل فطرت و خداوند فطنت ساخت و درود فرخندہ و سلام مبارک فرجام پیغمبرے راکہ باعجاز بیان و قرآن روشن تبیان غلغلہ در گنبد ہفت فلک انداخت الخ" (ورق ۱۵۰)

اس کے بعد لکھتے ہیں:-

" فقیر سراپا تقصیر محمد سعد معروض ضمایر سخن فہمان سدید میگرداند کہ کتاب شرفنامہ کہ بسکندر نامہ درمیان انام شہرت تمام دارد نسخہ ایست صافی و کتابے است کافی برائے حاصل کردن شمائل الخ"

پھر سبب تالیف یون بیان کرتے ہیں:-

" درین ایام بعضے دوستان سعادت انجام افتراح تمام و الحاح مالاکلام نمودند و فرمودند کہ جہت توضیح و تفسیر بعضے الفاظ مغلق و کلمات مشکل این کتاب مستطاب از کتب لغت مثل صراح و کنز اللغات و مویدالفضلا جز آن حواشی در حیز تحریر باید آورد"

وچندیست دانیزکہ فی الجملہ غموضے باشد واضح کردن ولہذا بادی آن وادی شدہ کمر سعی و اجتہاد بر بستم در تسوید شرح بعضے الفاظ و ابیات در سیوم الخ" (ورق ۱۵۱)

پھر چند شعر کے بعد فرہنگ شروع ہوتی ہے، اور کتاب ختم کر کے آخر مین یون لکھتے ہین اور اسی سے سالِ تصنیف معلوم ہوتا ہی،

" وبا مداد حضرت ذوالجلال این چند ورق در ہزار و نود وشش (۱۰۹۶ھ) از ہجرت رسول برحق ایزد لایزال کہ صد ہزار درود وتحیت خدائے متعال الخ" (ورق ۲۴۲)

بہرحال حبیب گنج اور دار المصنفین کے ان قلمی نسخون سے یہ ثابت ہوتا ہی، کہ انکا نام محمد سعد تھا، عظیم آباد پٹنہ وطن تھا، اس وقت پٹنہ کا نام عظیم آباد نہین پڑا تھا کہ نام عظیم الشان بن عالمگیر کے زمانہ مین پڑا ہی، اس لئے وہ پٹنوی کہلائے، فارسی درسیات کے پڑھنے پڑھانے کا غالباً شغل رکھتے تھے، اس لئے ان کتابون کی شرحین لکھین، انکا زمانہ گیارہوین صدی ہجری کا اخیر اور بارہوین صدی ہجری کا اول تھا،

شرح سکندر نامہ ۱۰۹۶ھ مین تالیف کی، شرح گلستان ۱۰۹۸ھ مین اور باغِ گلچین مثنوی روم کا انتخاب ۱۱۰۵ھ مین کیا ہی، مثنوی مذکور کے چھوون دفترون کے خطبون کا فارسی ترجمہ ۱۱۱۰ھ مین کیا،

فارسی کے شاعر بھی معلوم ہوتے ہین، عربی سے بھی آگاہ ہین کہ مثنوی کے عربی خطبون کا فارسی مین ترجمہ کیا ہی،

تلخیص و تبصرہ

۱۹۳۰ء مین سائنس کی ترقی

معارف مین ماہانہ اخبار علمیہ کے علاوہ سال بسال سائنس کے کارنامے بھی پیش کئے جاتے رہے ہین، ذیل کی سطرون مین اس ترقی کا خلاصہ ہی جو سال گذشتہ مین سائنس کے مختلف شعبون مین ہوئی ہی، کتنی افسوس کی بات ہے کہ اس طویل فہرست مین دنیا کی دوسری سب سے بڑی آبادی ہندوستان کا نام ایک بار بھی نہین آیا ہی، کسی ملک کی تعلیمی ترقی کا راز صرف یونیورسٹیون کی تعداد مین اضافہ نہین، بلکہ اس کی تعلیمی کیفیت مین اضافہ ہی، ہمارے ہان علوم جدیدہ کا شور تو بہت کچھ ہے، مگر جو کچھ سیکھا یا جاتا ہی، وہ بھی ذہنی غلامی کی حد سے آگے نہین بڑھتا، بہرحال یورپ نے پچھلے سال مختلف علوم و فنون کے جن شعبون مین جو کچھ ترقی کی ہی، اس کی مختصر فہرست یہ ہے:-

فن ہوابازی، اس فن مین لفٹنٹ اپالو سوسک (Lient Apollo Soucek) بحری ہواباز نے ۴۳۱۶۶ فٹ یعنی آٹھ میل سے زیادہ کی بلندی تک پرواز کی، یہان تک کسی اور کی رسائی ابھی تک نہین ہوئی تھی،

بحر اٹلانٹک کو مشرق سے مغرب تک عبور کرنا بہت مشکل ہی، مگر اس سفر کو کپتان ڈودونے کوستے (Capt. Dieudonne Coste) اور مارس بلونتے (Maurice Bellonte) نے کامیابی کے ساتھ طے کیا، وہ کوئسچن مارک (Question Mark

نامی طیارہ مین پیرس سے روانہ ہوئے، اور ۳۷ گھنٹے اٹھارہ منٹ مین نیویارک پہونچ گئے،

کونل یونیورسٹی کے ڈاکٹر ولیم جیر (Dr. Wm. Geer) نے ہوائی جہازون کے پرون کیلئے ربر کی ایک پوشش ایجاد کی ہی، جس سے ان پرون پر برف نہین جمنے پاتی،

کیپٹن فرنیک ہاکس (Capt Frank Hawks) نے ۱۲ گھنٹے ۲۵ منٹ ۳ سکنڈ مین براعظم امریکہ کو مغرب سے مشرق تک عبور کیا، اتنے کم وقت مین اسقدر طویل پرواز کی یہ پہلی مثال ہی،

دنیا کے سب سے بڑے طیارہ جرمن ڈواکس (Do - X) نے اپنی پہلی طویل پرواز کو کامیابی کے ساتھ طے کیا،

فارسٹ اوبرین (Forest O Brin) اور ڈیل جکیس (Dale Jackson) نے طیارہ گریٹر سینٹ لوی (Greater St Louis) مین مسلسل ۴۲۰ گھنٹے ۲۱ منٹ ۳۰ سکنڈ سفر کرکے ایک عدیم المثال کارنامہ دنیا کے سامنے پیش کیا،

کرٹس ٹینجر (Curtis Tanger) نامی طیارہ کو (Guggen heim Safe Aircraft) کے مقابلہ پرواز مین ایک لاکھ ڈالر کا انعام ملا،

یو بڈالینا (Il Maddalena) اور الیف سیکونی (F. Cecconi) دو اطالین ہوابازون نے بغیر دوبارہ پٹرول وغیرہ لئے ہوئے مسلسل ۶۷ گھنٹے ۱۳ منٹ پرواز کرکے ایک ایسا کارنامہ پیش کیا ہی جس کی نظیر نہین ملتی، ایک محیط حلقہ مین ان کی ۵۰۸۸،۲۷ میل کی پرواز بھی عدیم المثال ہی،

ڈاکٹر ہیوگو جنگرس (Dr. Hugo Junkers) نے اپنے عظیم الشان طیارہ کو مکمل کرکے سپرد پرواز کیا، یہ تیارہ تین ٹن سے زیادہ وزن برداشت کرسکتا تھا، اور اسمین دو ہزار میل کی مسافت کی طاقت تھی،

برطانیہ کے عظیم الشان طیارہ آر (۱۰۱) کو فرانس مین ایک طوفان کی وجہ سے آگ

لگ گئی اور وہ بالکل برباد ہوگیا،

ہوائی جہاز سے ایک مشین کے ذریعہ سے زمین پر آنکی پہلی کوشش جو لفٹنٹ بارنبی (Lieut. R. S. Barnaby) نے کی تھی، کامیاب ہوئی، چنانچہ وہ اس کے ذریعہ طیارہ لاس اینگلیس (Los Angeles) سے نیچے اترا،

کیپٹن چارلس کنگسفورڈ اسمتھ (Capt. Charles Kingsford Smith) اور اسکے جہازی کارکنون نے آئرلینڈ سے ممالک متحدہ امریکہ تک سدرن کراس (Southern Cross) نامی ایک طیارہ مین پرواز کرکے دنیا کے چارون طرف کا دورہ تکمیل کو پہونچایا،

طیارہ آر۔(۱۰۰) نے کارڈنگٹن (انگلستان) سے مانٹریل (امریکہ) تک بیچ مین کہین رکے بغیر(۳۴۰۰) میل کی پرواز طے کی،

کیپٹن اسٹونس (Capt. Stevens) نے ایک فوجی ہوائی جہاز مین بیٹھکر ۲۷۰ میل کے فاصلہ سے عکسی تصویرین لین جنکی نظیر اس سے قبل موجود نہ تھی،

عورتون مین سب سے زیادہ بلند پروازی کی مثال جس نے قائم کی ہی، وہ مس الینر اسمتھ (Miss Elinor Smith) ہے جس کی عمر اٹھارہ سال کی ہی، اس لڑکی نے ۲۷۴۱۸ میل یعنی پانچ میل سے زیادہ کی بلندی تک پرواز کی،

کیپٹن فان گرونا (Capt. Von Gronau) اور اس کے تین ساتھیون نے بحراوقیانوس کو پہلی بار مشرق سے مغرب کی طرف آئس لینڈ اور گرین لینڈ کے راستہ سے ایک بحری ہوائی جہاز مین عبور کیا،

انگلستان سے اسٹریلیا تک سب سے پہلے جس عورت نے تنہا ہوائی جہاز مین سفر کیا وہ مس ایمی جانسن (Miss Amy Johnson) تھی،

عورتون مین تیز پروازی کی مثال مس امیلیا ایرہارٹ (Miss Amelia Earhart)

نے، ۵۱۱۸۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار پرواز سے قائم کی،

علم الانسان اور علم آثار قدیمہ، نیشنل میوزیم ممالک متحدہ امریکہ کے ماہر آثار قدیمہ نیل ایم جڈ (Neil M. Judd) کی سرکردگی مین ہوائی جہاز سے اُن تمام نہرون کی تصویر لی گئی، جو تقریباً سنہ ۱۲۰۰ء مین امریکہ کے قدیم باشندہ انجنیرون نے بنائی تھین،

دریائے کسکاکوُن کے ایک ایسے خطۂ زمین مین جو تقریباً ناقابل گذر تھا، (Dr. Ales Hrdlicka) نے جن کا تعلق آسمتھسن کے ادارہ سے ہی، امریکہ کے قدیم اور اصلی باشندے تین ہزار کی تعداد مین پائے، یہ لوگ قدیم باشندون کی موجودہ نسل سے مختلف ہین،

ڈاکٹر ہربرٹ اسپنڈن (Dr. Herbert Spinden) کی تحقیقات ہو کہ حضرت مسیح سے آٹھ صدی قبل مایا، یعنی اصلی امریکی باشندے (جنکو انڈین کہتے ہین) چاند اور سورج گرہن کے متعلق نہایت صحیح پیشینگوئیان کرتے تھے،

رومہ (Rome) کے پرانے کھنڈر صاف کئے جارہے ہین، اور نئے مکانات کو بھی گرا رہے ہین، تاکہ قدیم عمارتین بہتر طریقہ سے دکھائی جائین،

پروفیسر ولیم البرائٹ (Prof. William Albright) نے اطلاع دی ہو کہ انجیلی تاریخ کی ایکہزار سال کی شہادت (سنہ ۱۶۰۰ قبل مسیح سے سنہ ۵۸۰ قبل مسیح تک) صرف ایک ٹیلہ مین پائی گئی جو بمقام طل بیت مصرایم واقع ہو،

پنسلوینیا یونیورسٹی کے پروفیسر اسپیسر (Speiser) کا بیان ہو کہ دنیا کے قدیم ترین تمدن کی ابتدا ایشیا کی اس قوم نے کی جسکو یافثی قوم کہتے ہین،

پنسلوینیا یونیورسٹی میوزیم اور برٹش میوزیم کے وفد نے ایک معبد جسے بنو خذ نصر (بخت نصر) نے تعمیر کیا تھا، اور دوسرے آثار قدیمہ کو مقام اور (بابل) مین دریافت کیا،

مٹروپولٹن میوزیم آف آرٹ کے وفد نے ایک مقبرہ کا معائنہ کیا جسمین دو مصری شاہزادیون کی مومیائی کی ہوئی نعشین دفن تھین اور ان کی دفیات کا ایک نفیس نسخہ امریکہ لائے،

مصر کے عہد قدیم کی مومیائی کی ہوئی نعشون کا سب سے بڑا ذخیرہ جو صرف ایک مقبرہ مین پایا گیا ہی وہ یہ ہے جسے مصر قدیم کے امیرون کے قومی گورستان بمقام میڈوم (Meydum) کے ایک مقبرہ سے کھود کر نکالا گیا ہی،

مصری یونیورسٹی کے پروفیسر سلیم حسن آفندی نے مقام جیزہ مین ایک ایسا مقبرہ دریافت کیا ہی جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہی کہ وہ مصر کا سب سے بڑا شخصی مقبرہ ہے جو اب تک معلوم ہو سکا ہی

ہیئت | لاول کے رصدخانہ مین تقریبًا اسی مقام پر ایک نیا سیارہ دیکھا گیا جس کی پیشینگوئی رصدخانہ مذکور کے بانی پروفیسر پرسوال لاول (Percival Lowell) (المتوفی ۱۹۱۶ء) نے کی تھی، یہ سیارہ اور سیارون کی بہ نسبت آفتاب سے زیادہ دور ہی، اس کا نام بعد مین پلوٹو (Pluto) رکھا گیا ہی،

ڈاکٹر اڈون ہبل (Dr. Edwin Hubble) اور ملٹن ہیومیسن (Milton Humason) نے ایک جدید طرز تحقیق سے دریافت کیا ہی کہ بہت سے ستارے چالیس میل فی سکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہے ہین، یعنی کرۂ زمین کی گردش کی جو رفتار خط استوا پر ہی، اس سے ایک سو پچاس گنا زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ،

آکسفرڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ملنے (E. A. Milne) نے یہ نظریہ پیش کیا ہی کہ ستارون کی ساخت انڈے کی طرح ہوتی ہی، درمیان مین زردی کی سی ایک سخت چیز ہوتی ہی اور اس کے چارون طرف ہلکے قسم کا مادہ ہوتا ہی،

رصدخانۂ پیرس کے ڈاکٹر لیو (B. Lyot) کی تحقیقات سے معلوم

ہوتا ہو کہ چاند کی سطح پر بظاہر کوئی آتش فشان کی راکھ پڑی ہوئی ہی،

ڈاکٹر ہلبرٹ (...) نے یہ نظریہ پیش کیا ہو کہ ممکن ہو کہ کرۂ ارض کے ساتھ ہی ایک دمدار ستارا ہو جو کبھی کبھی خفیف سی روشنی کی شکل مین دکھائی دیتا ہے، اور جسے ہیئت دان جگی نیشین (Gegenschein) کہتے ہین،

ڈاکٹر مور (Dr. H. Moore) کی تحقیقات کے بموجب نپتون (Neptune) مین دن تقریباً سوا ۱۵ گھنٹہ کا ہوتا ہی،

ہارورڈ کالج کے رصدخانہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ہارلوث پلے نے کائنات کی ترکیب کے متعلق ایک جدید نظریہ پیش کیا ہی، کہ یہ ایک عظیم الشان نظام ہو جو ستارون کے سیکڑون چھوٹے چھوٹے مجموعون کی یکتگی سے بنا ہی، یہ ستارے ابتداءً پراسرار چکردار سحابیات کی طرح تھے،

ستارون کے قطر کی پیمایش کے لئے کیلیفورنیا کے رصدخانہ ولسن مین پچاس فٹ کا ایک نیا عظیم الشان آلہ بنایا گیا ہی،

کورنل یونیورسٹی کے ماہرین علم کیمیا ڈاکٹر جیکب پیپش اور زیڈا ہانفورڈ نے دریافت کیا ہو کہ بعض شہاب ثاقب مین جو زمین پر گرتے ہین، آرسینک اور جرمنیم دونون چیزین موجود ہوتی ہین

سات شہاب ثاقب کی دریافت کا اعلان دوران سال مین کیا گیا، اگرچہ ان مین سے ایک کے متعلق پوری تحقیق نہین ہوئی، اور دوسرا وہ تھا جو وقتاً فوقتاً نظر آتا رہتا تھا، پہلے اور چوتھے کو رصدخانہ ہمبرگ کے ڈاکٹر شاشمین اور روا چمین نے دریافت کیا، دوسرے کو ہمبرگ ہی مین بیئر (Beyar) نے دریافت کیا، تیسرے کو وولکٹ نے دریافت کیا جو پولینڈ کا رہنے والا ہی، پانچوین کو فوربس نے، چھٹے کو ڈاکٹر جارج وان بیسبروک (George van Biesbroeck) نے اور ساتوین کو ناکامورا (Nakamura) نے دریافت کیا جسکا تعلق کیوٹو امپیریل یونیورسٹی جاپان سے ہی،

علم کیمیا | ڈاکٹر واسٹرلنگ ہنڈرکس اور پروفیسر لائنس پالنگ نے دریافت کیا ہے کہ ٹھوس مرکبون مین گردش کرنے والا سالمہ ہوتا ہے، یہ انکشاف گنجایش حرارت کے ساتھ ایک اہم تعلق رکھتا ہے،

ولیم بریگ وکٹوریہ یونیورسٹی مینچسٹر، اور پروفیسر لائنس پالنگ نے سیلیکیٹ (CiLiCATE) کے قلم کی ساخت کا کیمیائی معاملہ حل کیا،

ٹامس مڈگلے نے برقی آلۂ تبرید مین استعمال کے لئے ایک نیا گیس ایجاد کیا ہے جو زہر سے خالی اور آگ لگجانے کے خطرہ سے بری ہے، یہ گیس کاربن، کلورین، اور فلورین سے مرکب ہے،

کیروٹین (Carotin) یعنی وہ مادہ جو بعض غذاؤن کو زرد بنا دیتا ہے، غذائیت کے لئے اسی قدر اہم ہے، جس قدر سبز کلوروفل (Chlorophyll) کیونکہ وٹامن اے (Vitamin A) ترکاریون، مکھن، اور انڈے کی زردی کے اس رنگ کے ساتھ شامل رہتی ہے،

ربر کے بلوے سب سے پہلے یونائٹڈ اسٹیٹس بوروآف اسٹینڈرڈس کے کیمیائی معملون مین حاصل کیے گئے،

انجنیری | دنیا کی دو سب سے لمبی محرابین بند کر دی گئین، یعنی کل وان کل (Kill van Kull) کا پل نیویارک مین جس کی محراب (۱۶۷۵) فٹ چوڑی تھی، اور دوسرا بندرگاہ سڈنی کا پل آسٹریلیا مین جسکی وسعت (۱۶۵۰) فٹ تھی،

سین فرانسسکو (امریکہ) مین ایک عظیم الشان پل کی تعمیر کا انتظام ہوا ہے جس پر تین کرور پچاس لاکھ ڈالر صرف ہونگے، اس پل کی صدر محراب کی وسعت (۴۲۰۰) فٹ ہوگی، یہ محراب دنیا مین سب سے زیادہ چوڑی ہوگی،

ڈٹرائٹ ونڈزر سرنگ جو کناڈا اور ممالک متحدہ امریکہ کو دریاے ڈٹرائٹ کے نیچے ملاتی ہے، گاڑیون کی آمد و رفت کے لئے کھول دی گئی،

ایک لیوے کار جسمین (۴۰۰) گھوڑونکی طاقت کا ہوائی جہاز کا انجن لگا ہوا تھا (۱۰۰) میل فی گھنٹہ سے زیادہ کی رفتار سے جرمنی کی ایک سیدھی سڑک پر چلی کنکریٹ کی محراب کا دنیا کا سب سے لمبا پل برسٹ فرانس میں تعمیر ہوا جسمین تین طاق ہین اور ہر ایک (۶۱۲ فیٹ) چوڑا ہے،

جرمنی کا نیا جہاز یوروپا (Europa) سمندر مین داخل ہوا اور اپنے ساتھی جہاز برمین (Bremen) نامی سے سبقت لیجا کر شمالی اوقیانوس کا سب سے تیز رفتار جہاز ثابت ہوا،

شکاگو کے تجارتی بازار کی عمارت جو دنیا کی سب سے بڑی عمارت کہی جاتی ہے تکمیل کو پہونچی،

دنیا کا سب سے اونچا پل جو دریائے آرکنساس سے (۱۲۶۰) فٹ کی بلندی پر ہے شہر کینن کے قریب امریکہ کے صوبہ کولوریڈو مین تعمیر ہوا،

ریڈیو ٹیلیفون کا سلسلہ نیویارک اور بونس ایرس (امریکہ) کے درمیان قایم ہوگیا ہے جس سے بذریعہ ریڈیو فون چار براعظموں یعنی شمالی امریکہ جنوبی امریکہ یورپ اور افریقہ کے درمیان رابطہ قایم ہوجانا ممکن ہوگیا ہے،

پٹسبرگ (امریکہ) مین پندرہ لاکھ ڈالر کے صرفہ سے ایک ایسا کارخانہ تعمیر ہونیوالا ہے جسمین کھڑکیاں نہ ہونگی، ہوا اور روشنی کا انتظام دوسرے مصنوعی طریقون سے کیا جائیگا،

طبعیات، ڈاکٹر راس گن نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ آفتاب ایک زبردست برقی قمقمہ کیطرح بجلی سے روشن ہوتا ہے جو (۱۰۰۰۰۰۰۰) وولٹ (volts) کے دباؤ سے آفتاب کے اندر سے نکلتی ہے،

ڈاکٹر رچرڈ ٹولمین نے کائنات کے متعلق ایک جدید نظریہ پیش کیا ہے، کہ یہ غیر سکونی ہے، اور یہ ایسے مادہ سے بنی ہے جو اشعاع سے منتشر ہو رہا ہے،

روبرس (H. C. Roters) اور پالڈنگ (H. L. Paulding) نے ایک ایسی گھڑی بنائی ہے جو خود بخود ریڈیو کے اشارون پر اپنا وقت صحیح کرے گی،

ڈاکٹر میریسن کے زیر نگرانی ایک نئے طرز کی گھڑی تیار کی گئی ہے جو برقی طاقت سے چلیگی، ڈاکٹر لانج نے ایک نئے طرز کا خانہ ایجاد کرکے جسمین تانبے کا آکسائیڈ ہوتا ہے برقی رو کو براہ راست آفتاب کی روشنی سے حاصل کرنا ممکن کر دکھایا ہے،

"ع ۔ ر"

اخبارِ علمیّہ

ہوائی جہاز کا مستقبل

سرعت اگرچہ ہوائی جہازون کو خطرات کا سامنا پڑتا ہو لیکن متعدد ماہرین پرواز کا خیال ہو کہ کہ آیندہ جو ہوائی جہاز تیار ہونگے وہ موجودہ جہازون سے بڑے ہون گے اور اُن مین راحت وحفاظت کے تمام سامان موجود ہونگے، اور جہاز اور ریل کے سفر سے انکا سفر خطرات سے زیادہ محفوظ ہوگا، آیندہ ہر ہوائی جہاز مین فضائی کشتیان لٹکائی جائینگی جنکو حسب ضرورت جہاز سے الگ بھی کر سکین گے، اور پھر اُس سے ملا بھی سکین گے، اس طرح ہر شخص خطرات سے بھی بچ سکے گا، اور سیر و تفریح بھی کر سکے گا،

ایک قابلِ ذکر بات یہ ہو کہ اس وقت ہوائی جہازون کے تمام انجینیر مچھلیون اور چڑیون کے حالات زندگی کا بغور مطالعہ کر رہے ہین، تاکہ ایسے نتیجے تک پہونچ سکین جن سے فن پرواز مین ترقی ہو، غالباً آیندہ زمانے مین ہوائی جہازون کی بیرونی غلافات پر ایسے چھلکے چڑھائے جائین گے جو مچھلیون کے جسم کے چھلکون سے مشابہ ہونگے، کیونکہ ان سے ہوا کے مقابلہ مین آسانی پیدا ہوگی، اور جہاز تیزی کے ساتھ اُڑ سکین گے، یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ سرعت پرواز جہاز کے توازن اور مسافرون کے آرام مین خلل انداز نہین ہوتی،

بقاے شباب

بعض امریکن ڈاکٹرون کا خیال ہو کہ اب ایسے علمی طریقے ایجاد ہو گئے ہین جنکے ذریعہ سے جسم انسانی کی رطوبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہو، وہ جس طریقہ سے خون کی تحلیل کیمیاوی کی جاتی ہو اسی طریقے سے انکو گھٹایا بڑھایا جا سکتا ہو، اور اس طریقہ سے ان مریضون کی عمر کو بڑھایا جا سکے گا، جو مرض "اودیما" مین مبتلا ہین کیونکہ یہ مرض جسم مین رطوبات زائدہ کے جمع ہونے سے پیدا ہوتا ہو لیکن چونکہ یہ طوبات

انھین اسباب سے جمع ہو جاتی ہین، جن سے قبل از وقت آدمی بوڑھا ہو جاتا ہی، اس لئے جب مرض دیوانگی کے علاج کا قابلِ اطمینان طریقہ معلوم ہو جائیگا، تو قبل از وقت بڑھاپے کا بھی علاج ہو سکے گا،

دنیا کا بلند ترین منارہ

شہر شیکاگو مین دنیا کا بلند ترین منارہ قائم ہی، جو سطحِ زمین سے ۷سو اونچا ہی، اور اُس سے جو روشنی پھیلتی ہی، وہ ایکہزار چھ سو ملین کے برابر ہی، اگر زمین مسطح اور ہموار ہوتی، تو اسکی روشنی پانچسو میل کے فاصلے سے نظر آتی، لیکن چونکہ زمین کرہ ی ہی، اس لئے جو شخص منارے سے پانچسو میل کے فاصلے پر ہوتا ہی، اسکو یہ نظر آتا ہی کہ اسکی روشنی کی شعاعین اونچاس میل کی بلندی پر اُس کے سر سے گذر رہی ہین، باانہمہ اُس کی روشنی مین عام اشتہارات سو میل کے فاصلے سے اور عام اخبارات پچاس میل کے فاصلے سے پڑھے جا سکتے ہین،

ستارون کی ترکیبی ساخت

ایک پروفیسر صاحب (جو آکسفورڈ یونیورسٹی مین علم ہیئت کے پروفیسر ہین) کا خیال ہی کہ ستارون کی ترکیب انڈون سے مشابہت رکھتی ہی یعنی انڈون کی زردی کی طرح اُن کے اندر بھی ایک کثیف مادہ ہوتا ہی، جسکے گرد گیسین جمع رہتی ہین، اور فرنہیت کے پیمانے سے اس کی حرارت کا درجہ ایک لاکھ ملین ہوتا ہی، اور اس حرارت کی وجہ سے اس کثیف مادہ کے تمام ترکیبی عناصر کہربائیت مین بدل جاتے ہین،

ریڈیم کے دریافت کرنے کا طریقہ،

معدنی چیزون مین ریڈیم سب سے زیادہ گران قیمت چیز ہی جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک کمیاب اور نادر چیز ہی، لیکن یہ ممکن ہی کہ زمین کے ہر حصے مین ریڈیم کے عناصر پائے جاتے ہون جنکے دریافت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فوٹوگراف کے شیشے کی ایک تختی اندھیرے مین رکھی جائے پھر اس کے اوپر لوہے کا ایک ٹکڑا یا لوہے کی کنجی رکھدی جائے، اس کے بعد ان سب کے اوپر [illegible] مٹی رکھی جائے

جسکی نسبت یہ خیال ہو کہ اس مین ریڈیم کے عناصر شامل ہین اور اس طرح ان سب کو چند دنون اندھیرے مین چھوڑ دیا جائے، اس کے بعد فوٹو گرافر کے شیشے کو جس طرح تصویر اتارتے وقت ہوا جاتا ہو، دھو لیا جائے اگر مٹی مین ریڈیم کے عناصر شامل ہونگے تو اس سے جو روشنی پیدا ہوگی اس سے کنجی کی تصویر فوٹو گرافر کے شیشے پر اترآئیگی لیکن اگر تصویر نہ اتری تو اس سے ثابت ہوگا کہ ریڈیم کے عناصر اس مٹی مین نہین ہین،

کپڑے آواز کو جذب کر لیتے ہین،

بعض تجربات سے ثابت ہوتا ہو کہ کپڑے بالخصوص دبیز کپڑے آواز کو جذب کر لیتے ہین، یہی وجہ ہو کہ تھیٹرون اور گرجاؤن مین بہ نسبت جاڑے کے گرمیون مین آواز صاف سنائی دیتی ہو کیونکہ جاڑون مین موٹے کپڑے آواز کے بڑے حصے کو جذب کر لیتے ہین، اسی بنا پر جن تھیٹرون مین مخمل کے گدے زیادہ بچھائے جاتے ہین ان مین بلند آواز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہو،

آواز کے بلند کرنے کا آلہ

ایک امریکن نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہو جو ٹیلیفون مین اسی غرض سے لگایا جاتا ہو کہ آواز کتنی ہی پست ہو اور ٹیلیفون کے گرد کتنے ہی شور مچایا جائے، لیکن وہ آواز کو بلند کر دے بعض اشخاص قصداً ٹیلیفون کے ذریعہ سے نہایت پست آواز مین گفتگو کرتے ہین، تاکہ اس کے گرد کے لوگ بات کو نہ سننے پائین لیکن اس آلہ کا بڑا فائدہ یہ ہو کہ جس سے گفتگو کیجاتی ہو وہ اس پست آواز کو اچھی طرح سن لیتا ہو،

بچون کی قوت گویائی

اگر بچون کے روز پیدائش سے ان کے گفتگو کرنے تک کے زمانہ کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ وہ چیزون کا نام زبان سے لینے کے پہلے ان کی صورتین پہچان لیتے ہین، مثلاً اگر کسی بچہ کو کسی

پیالہ مین دو تین مرتبہ دودھ پلایا جائے، تو پھر وہ دودھ کا پیالہ اپنے سامنے لاتے دیکھتے ہی سمجھ لیتا ہی کہ دودھ آرہا ہی لیکن دودھ کا مفہوم سمجھنے کے باوجود وہ اپنی زبان سے کچھ مدت کے بعد ہی ادا کرسکتا ہی، تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہی کہ بچہ سب سے پہلے حروف شفیہ یعنی با، میم وغیرہ ادا کرتا ہی، جو لب سے مس ہوکر نکلتے ہین، اور اسی لئے وہ ابتداءً "بابا"، "ماما" آسانی سے کہنا شروع کرتا ہی، ان حروف کے بعد ایسے حروف ادا ہوتے ہین، جو زبان اور دانت کی مدد سے نکلتے ہین، جیسے تا، طا، دال، میم" وغیرہ اور ایسے زمانہ مین، بچے "تاتا"، "دادا"، "نانا"، "لالا" وغیرہ کہتے ہین، اور یہی زمانہ بچون کے آغاز کلام کا ہوتا ہی لیکن کبھی کبھی بچے تین اور چار برس تک قوتِ گویائی سے محروم رہجاتے ہین، لیکن ماہرینِ فن کے نزدیک اس مین ان کی خطا نہین یہ صرف انکی مان کا قصور ہوتا ہی، کیونکہ مان عادۃً بچہ کو لفظ مشق کرانے مین ایسے الفاظ بار بار خود اپنی زبان سے کہہ دیتی ہی، جو بچہ اپنی زبان سے ادا کرنے کا بار بار قصد کرکے رہجاتا ہی،

دنیا مین موٹرون کی تعداد

اس وقت دنیا مین موٹرون کی مجموعی تعداد تین کرور پچاس لاکھ (۳۵۰۰۰۰۰۰) ہے یعنی تمام دنیا کی آبادی کے حساب سے (۵۵) آدمیون کے درمیان ایک موٹر، ہر سال ۳۰۹۲۸۲۶ موٹر تیار ہوتے ہین، اس مجموعی تعداد مین ۸۰ فی صدی سے زیادہ امریکہ کے تیار کردہ ہین، امریکہ مین موٹرونکی موجودہ تعداد ۲۲۶۶۵۳۴۵۰ ہے،

عراق مین ایک قدیم مدفن

امریکہ کی ایک علمی جماعت نے جو شمال عراق مین آثار قدیمہ کی تحقیقات کررہی ہی ایک مقام پر ایک نہایت قدیم مدفن کا سراغ لگایا ہی جسمین ایک مٹی کا تابوت اور کچھ مٹی اور پیتل کے برتن وغیرہ ملے ہین، اور ظن غالب یہ ہی کہ اسکی تاریخ سلطنت ہخمنیہ سے تعلق رکھتی ہی جس نے ۳۳۰ ق م سے ۵۴۰ ق م تک وہان حکومت کی ہی لیکن سکندر کی فتوحات مین چونکہ بہت کم مدفن غارتگری سے محفوظ رہے اسلئے خیال ہی کہ اس مدفن کے ذریعہ سے بہت سے اہم آثار کا سراغ لگ سکے گا، "ع"

ادبیات

مرگ حیات آفرین

از

جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ال ال بی (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈھ

گلکدۂ روزگار سیر کے قابل نہین
اس کی حقیقت ہی زہر اسکا مجاز انگبین
لالۂ رنگین پرند شاہد آتش نشین
سنبل مشکین کمند مار تہِ آستین
قامتِ سرو بلند مصرعِ آہ حزین

اسکا خیابان ہی یا سایہ داغِ پلنگ
اس کا بیابان ہے یا وسعت کام نہنگ
زندگی و موت مین رابطہ جام و سنگ
ذرہ و خورشید مین کشمکشِ صلح و جنگ
عالمِ اجسام مین معرکۂ مہر و کین

ایک نمط پر نہین بزم جہان کو قرار
روز بدلتا ہی رنگ جلوۂ ہستی ہزار
دہر کی طینت گریز وقت کی فطرت فرار
گرم تگاپو ہی ابلقِ لیل و نہار
دیکھئے رکتا ہی بھی جاکے یہ ظالم کہین

فہم سے ہے ماورا بزم جہان کا نظام
تلخی آلام سے اس کا ہی لبریز جام
میکدۂ دہر مین کون نہین تلخ کام
خون شقایق سے ہی دشت زمین لالہ فام
زخم کواکب سے چور سینۂ چرخ برین

بھول بھولیاں ہے یہ دائرۂ شش جہات　　موت سے پہلے کہاں اس سے میسر نجات
کر نہ سکا کوئی حل مسئلۂ کائنات　　شاطرِ ایام سے کھائی نہیں کس نے مات

اس کا گرفتارِ دام چھوٹ کے نکلا نہیں

ہستیٔ ناپائدار کیا ہے تیرا اعتبار　　داغ ہے تری بہار ننگ ہے تیرا وقار
خاک ہے تری مزار موت ہے تیرا انجام　　تیرا مزہ ناگوار تیری فضا برق بار

تیری زمین شعلہ زار تیرا افلاک آتشین

شوکتِ دارا و جم قصۂ ماضی سہی　　کل کی ابھی بات ہے فرۂ امان اللہی
لیٹ گئی ایک آن میں زار کی شاہنشہی　　وارثِ عثمان سے تختِ خلافت تہی

مسندِ قاچار پر ہے اب رضا خان مکین

جائے تحیر نہیں دہر کا یہ انقلاب　　موجِ ہستی ہے خود سلسلۂ پیچ و تاب
جلوہ نیرنگ ہے حسن ازل کی نقاب　　اصل میں ہے ورنہ ایک قطرہ و موج و حباب

شانِ مظاہر ہے صرف گاہ چنان گہ چنین

جلوۂ ہستی ہے کیا صرف فریبِ سراب　　زندگی مستعار کیا ہے بس ایک نقشِ آب
اس کی حقیقت عدم اسکا وجود اضطراب　　خواب ہے یہ زندگی موت ہے تعبیرِ خواب

زندگی ایک وہم ہے موت ہے حق الیقین

ہے یہ فریبِ حیات پرتوِ شانِ صفات　　کرتے نہیں التفات اس پہ طلبگارِ ذات
آ کہ بتاؤں تجھے سرِ حیات و ممات　　موت جسے کہتے ہیں ہے وہی عینِ حیات

قطرہ گم گشتہ ہے بحر میں خلوت گزین

وسعتِ کون و مکان جس کے مقابل خجل　　تنگ ہے اس کے لئے یہ قفسِ آب و گل

موت کے بس کی نہیں زندگیِ اہلِ دل ———— قلزمِ مواج ہی اپنی جگہ مستقل

بن کے مٹا کرتی ہے موج کی چین جبین

خود ترے سینہ مین ہی مہرِ درخشان نہان ———— چاک گریبان سے کر رخِ تجلی عیان

عشق کی سرکار مین نذر تو کر نقدِ جان ———— آ کے قدم لیگی خود زندگیِ جاودان

کرکے ابھی امتحان گر نہ ہو اسکا یقین

حق و صداقت پہ ہی جسکا قدم استوار ———— خدمتِ ملک و وطن جسنے بنایا شعار

شیوۂ اہلِ یقین جس نے کیا اختیار ———— ملت و دین پر کئے جس نے دل و جان نثار

ایسا شہید وفا مر کبھی سکتا نہین

ڈھونڈھنے جاتا ہی تو چشمۂ حیوان کہان ———— اپنا خضر آپ بن کر تو ذرا امتحان،

مزرعہ دہر مین کاشت تو کر تخم جان ———— ہے اسی ایک دانہ مین فطرتِ خرمن نہان

اجرِ شہادت ہی کیا مرگِ حیات آفرین

ایسی موتین تو ہین قابلِ صد احترام ———— جو کہ بدل دیتی ہین بزمِ جہان کا نظام

دیتی ہین جو روح کو عالمِ جان کا پیام ———— بھرتی ہین افراد مین ولولۂ جوشِ عام

دیتی ہین اقوام کو پھر سے حیات نوین

ایسی شہادت تو ہی زیست کا مقصودِ عین ———— ایسی شہادت کی ہی بے ادبی شور و شین

شیوۂ مردان نہین ماتم و فریاد و بین ———— ایسی شہادت تو ہی ارثِ علیؓ و حسینؓ

جس کو یہ دولت ملے اسپر ہزار آفرین

آہ، محمد علی آہ شہیدِ وطن ———— زبدۂ اہلِ کمال مرجعِ اربابِ فن

چھوڑ کر چلدیا آہ دہرۂ [illegible] محن ———— ملتِ اسلام کی سونی ہوئی انجمن

خیر، مبارک تجھے سیر بہشت بریں

پاک گہر پاکباز زندہ دل و زندہ ساز مست شراب حجاز شمع شبستان راز

مرکز صد عز و ناز غازی گردن فراز جامہ گر جان نواز ناشر جادو طراز

نظم تری جانگداز نثر تری دلنشین

یون تو ہر اک صبح کو صبح کہ حشر تک شرق سے ہوگا عیان شاہ سریر فلک

کیون نہ ہو محو فغان آج سما تا سمک آہ نہ دکھلائیگا اب کبھی اپنی جھلک

غرب مین ڈوبا ہی جو شرق کا مہر مبین

عازم مغرب ہوا چھوڑ کر ملک و دیار مشہد ملت پہ کی جان گرامی نثار

قلزم انوار قدس تجھ پہ رشحہ بار شام غریبی مین کی صبح وطن آشکار

ملتی ہے ہر شخص کو ایسی سعادت کہین

کی دم آخر تلک خدمت ملک و وطن تلخی آلام کچھ نہ ہو سکی دل شکن

مژدۂ ہمت بنی شدت رنج و محن کر نہ سکا تجھکو رام خطرۂ دار و رسن

ہاتھ سے چھوٹی نہین دین کی حبل المتین

ہاتھ مین لیکر اٹھا جب علم لا الہ پاؤن سے ٹھکرا دیا سب حشم و مال و جاہ

دیکھئے یون ہوتی ہی فیض ازل کی نگاہ حق نے عطا کی تجھے کتنی بڑی پائگاہ

نام سے معمور ہین تیرے زمان و زمین

مطلع اسلام مین ذات ہی تری آفتاب عارض توحید سے تونے الٹ دی نقاب

سعی تری کامیاب تیری دعا مستجاب مسجد اقصی مین ہی تیرا جسد محو خواب

گلشن لاہوت مین روح ہی مسند نشین

ملتِ بے امام

از

محمد اسد خان، بی اے (ملتان)

ہر آن ملت کہ محروم امام است
چو انبوہِ بہائم بے نظام است

امامے گیر بہرِ حفظِ آئین
کہ ملت را ز آئین انتظام است

بر آئینے است رفتارِ کواکب
ازان این کاروان گردون خرام است

دلے پیدا کن اندر جسم، ورنہ
بچشم و گوش تفریق دوام است

نیابی تا ز ابرِ نے اشارت
اگر قربان شوی مرگ حرام است

جماعت توسنِ تندست و سرکش
ندانم شہسوارِ آن کدام است

بگو آخر زمامش در کفِ کیست؟
گرفتم ناقۂ ما تیز گام است

نگاران بے شمار اما نہ بینم
بتے کو دلبرِ ہر خاص و عام است

ہزار انجم نیفروزند شب را
کجا یک جلوۂ ماہِ تمام است؟

بہ مسجد بین صلوٰتِ بے امامان
"یکے در سجدہ دیگر در قیام است"

اگر در بزم شمعے نیست روشن
دلِ پروانگان در سوزِ خام است

اگر کشتی رود بے ناخدائے
بہ آخر زیرِ دریا یش مقام است

اگر در انجمن ساقی نباشد
چہ سود از بادہ و مینا و جام است؟

بر آن لشکر کہ سر لشکر ندارد
بمیدانِ دغا رفتن حرام است

نباشی تا غلام پختہ کارے　　　خیالِ سروری سودائے خام است
ہر آن ملت کہ آقائے ندارد　　　غلام است و غلام است و غلام است
بمیرم از خجالت چون بپرسند
اسد، میرِ مسلمانان کدام است؟

مطبوعات جدیدہ

تفسیر قرآن، از مولوی شائق احمد صاحب عثمانی عصر جدید پریس نمبر ۵، چونا گلی کلکتہ ۵۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

مولوی شائق احمد صاحب عثمانی اڈیٹر عصر جدید کلکتہ نے اس رسالہ مین پانچ سورتون، سورہ ملک دہر، نباء، بلد اور سورہ عادیات کی تفسیر اپنے رنگ مین لکھی ہے،

تعلیم الصلوٰۃ، مولفہ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل، حیدر آباد دکن، ۴۰ صفحے لکھائی چھپائی بچون کے لائق جلی، قیمت تقریباً ۲ر

حضرت جلیل نے اپنے استاذ مرحوم حضرت امیر مینائی کی فرمائش سے یہ مذہبی رسالہ بچون کو نماز سکھانے کے لئے لکھا تھا اب نظر ثانی کے بعد اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، رسالہ مین نماز کے ضروری مسائل عام فہم انداز مین لکھے گئے ہین،

اسی طرح نماز کے متعلق چند اور رسالے بھی ادر دین اس طرف شائع ہوئے ہین، ان مین سے ایک **ترکیب نماز** ہے جس کو جناب حکیم حافظ علی احمد صاحب کانپوری نے تحریر فرمایا ہے، یہ ایک مبسوط رسالہ ہے جسمین اولاً نماز پڑھنے کے فوائد اور ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر نماز پڑھنے کے طریقے اور نماز کے ضروری مسائل زیادہ استقصار سے جمع کئے گئے ہین، قیمت ۲ر جناب شوکت علیخان صاحب مین گنج مکان نمبر ۴۰۸ کانپور سے دستیاب ہوسکتا ہے، نماز کے متعلق تیسرا رسالہ **تحفۂ نماز** ہے جس کو مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ال ال بی نے مرتب کیا ہے، یہ نہایت مختصر تقطیع پر شائع کیا گیا ہے اور انجمن رفیق الاسلام گوڑگانوہ (پنجاب) سے مفت مل سکتا ہے، اور چوتھا رسالہ **الصلوٰۃ للہ والصیام للرحمن**

ہے، اس کو جناب سید محمد رفیع الدین صاحب نے مرتب کیا ہی، یہ رسالہ فرقہ اہلِ قرآن کی نماز کا معلم ہی، نیز روزے کے بھی مسائل ہین، رسالہ کا ہر ورق مزخرفات قسم کے مسائل ودلائل سے لبریز ہے، مثلاً نماز پانچ وقتون کے بجائے چار وقت اور روزہ رمضان، ماہ رمضان کے بجائے شمسی حساب سے ۲۲ر اکتوبر سے ۲۰ر نومبر تک یہ اور اسی قسم کے مضحکہ انگیز مسائل سے ۴۸ صفحے بھرے گئے ہین،

خلافت رسالت، مصنفہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب، دفتر اہلحدیث امرتسر، ۴۰ صفحے قیمت ۲ر

یہ رسالہ مناظرات سنی وشیعہ مین ہی جسمین خلفاے اربعہ کے کارنامون سے ان کی خلافت کا برحق ہونا ثابت کیا گیا ہی۔

مولانا ثناء اللہ صاحب بیک وقت متعدد محاذون پر جنگ آزمائی فرماتے ہین، چنانچہ اسی مذکورہ بالا رسالہ کے علاوہ ان کے دو اور جدید رسالے بھی پیش نظر ہین ان مین ایک **فیصلہ مرزا** ہی، اسمین مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعواے الہام کو ان کے آخری فیصلہ سے رد کیا گیا ہی، مولاناے موصوف خود مرزا صاحب کی زندگی مین ان کے مقابل کے مناظر تھے، اور مرزا صاحب نے بالآخر تنگ آکر خدا سے دعا کی تھی کہ جو ہم دونون مین کاذب ہو وہ پہلے فوت ہوجائے، مرزا صاحب اپنے اس اعلان کے ایک سال کے بعد فوت ہوگئے، اور مولانا ے موصوف نے مرزا صاحب کے اسی اعلان پر ان کے متبعین سے مناظرہ کیا کہ وہ اعلان ان کے دعوی نبوت کی تکذیب پر آخری مہر ہے، یہ فیصلہ ایک تاریخی مناظرہ مین کیا گیا اور ثالث کی طرف سے مولاناے موصوف کو ان کی فتح پر تین سو روپئے انعام ملے، چونکہ مرزا صاحب کی دعوتِ نبوت عربی زبان مین بھی شائع ہوئی ہی اس لئے مولانا نے اس آخری فیصلہ کو عربی زبان مین قلمبند کرکے شایع کیا ہی، اور اسی کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی مقابل کے صفحہ پر ہی، رسالہ ۴۰ صفحون مین آیا ہی، اور قیمت ۵ر ہے۔

مولانا کا تیسرا رسالہ **کتاب الرحمٰن** ہے، یہ پنڈت دھرم بھکشو آریہ سماجی کے رسالہ کے جواب

مین ہو، پنڈت مذکور نے وید و قرآن کا مقابلہ کرکے قرآن مجید پر وید کو ترجیح دی تھی، مولانائے موصوف نے اس رسالہ مین پنڈت موصوف کے دلائل کا رد کیا ہو، اور قرآن مجید کو وید پر ترجیح دی ہو، مولانائے موصوف مناظرات کے استاذ ہین، اور اس رسالہ کو بھی اپنے دلآویز مناظرانہ رنگ مین تالیف کیا ہو، یہ کتاب کا حصہ اول ہے، جو ۴۴ صفحون مین آیا ہے، جو ۲ر مین مل سکتا ہو، یہ تمام رسالے دفتر اہلحدیث امرتسر کے پتہ پر ملین گے۔

چینی اور جاپانی افسانے، مترجمہ مولوی عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ال ال بی

ناشر مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد، ۱ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۸ر

مکتبہ ابراہیمیہ کے زیر اہتمام دنیا کے شاہکار افسانے کا جو سلسلہ شایع ہو رہا ہو، اس کا یہ ساتوان حصہ ہو، اسکو مولوی عبدالقادر صاحب سروری نے جناب محمد افتخار الدین اور میر خواجہ معین الدین صاحبان کی اعانت سے مرتب کیا ہے، اسمین چین اور جاپان کے چند مختصر افسانون کا ترجمہ ہو، مرتب کا بیان ہو کہ بہترین قصون کے انتخاب کی کوشش کیگئی ہو، لیکن نہین معلوم کہ یہ افسانے براہ راست ان زبانون سے لئے گئے ہین، یا انگریزی سے ترجمہ ہین،

ضحاک، مترجمہ جناب اختر شیرانی، ناشر پنجاب اردو اکاڈمی لاہور، ۱۰۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت عمر

جناب اختر شیرانی نے کسی دوسری زبان سے اسکو اردو مین منتقل کیا ہو، اسمین ضحاک کے افسانے کو ڈرامے کی شکل مین مرتب کیا گیا ہو، مترجم نے کوئی دیباچہ منسلک نہین کیا جس سے معلوم ہو تا کہ مصنف کتاب یہ جناب سامی بے کون ہین، اور کس زبان مین لکھا ہو، عجب کیا کہ یہ فارسی زبان کا افسانہ ہو، کیونکہ مقدمہ مین شاہنامہ کی تاریخی حیثیت کو غیر معتبر بتانے کے بعد افسانۂ ضحاک کو اپنے نظریہ سے تاریخی استناد دینے کی کوشش کرنا، اس کے عجمیت کو ظاہر کر رہا ہو، تاریخ و افسانہ دو جدا گانہ چیزین ہین، اس لئے کسی ڈرامے کے مقدمہ مین کسی افسانہ کی تاریخی حیثیت پر بحث ایک غیر متعلق سی بات ہو، لائق مترجم کو اپنے تعلیق مین مصنف کے دعوی کی تصدیق کی ذمہ داری اپنے اوپر نہ لینا چاہئے تھا، ترجمہ صاف سلیس اور رواں ہو، جناب اختر شیرانی ادب لطیف طرز پر لکھنے کے عادی ہین اور یہی طرز تحریر اسمین بھی نمایاں ہو،

"ر"

رجسٹرڈ نمبر ۱۰۸۷

جون ۱۹۳۱ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت :- پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

جلد بست و ہفتم (۲۷)	ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ جون سنہ ۱۹۳۱ء	عدد ۶

مضامین

ہر علم و فن اور شعبہ کے مشاہیر اسلام کی سب سے مفصل اور مہتم بالشان کتاب خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ کی تاریخ بغداد ہے، لیکن اول تو اس کا نسخہ بہت کمیاب، اور دوسرے کسی کتبخانہ مین اوسکی پوری جلدین بہت کم ملتی تھین، اہل علم اُس کے دیدار کے ہمیشہ مشتاق اور رطاب رہتے تھے، اب یہ خبر کسقدر خوشی اور مسرت کیساتھ سنی جائیگی کہ مصر کے ایک مطبع نے پوری کتاب بہم پہنچا کر بڑے اہتمام سے اوسکی اشاعت کا اعلان کیا ہے، پوری کتاب چار ہزار آٹھ سو صفحون مین تمام ہوگی، اور بارہ جلدون مین منقسم ہوگی، اسوقت تک اسکی دو تین جلدین نکل چکی ہین، اور ارادہ کیا گیا ہے کہ ہر مہینہ مین اوسکی ایک ایک جلد مطبع سے نکلتی رہے، اوسکی ہر جلد کی قیمت عہ ہوگی، مطبع نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جو صاحب ابھی اپنا پورا زرِ چندہ پیشگی ادا کرین اُن کو عٹ مین پوری کتاب مل جائیگی، ہندوستان مین اس کے ایجنٹ ابنائے شرف الدین کتب فروش، بھنڈی بازار بمبئی ہین، شائقین ان کے ذریعہ اپنی فرمایش بھیج سکتے ہین،

انگلستان مین امسال ایرانی مصنوعات کی جو عظیم الشان نمایش ہوئی تھی اس سے ایرانی مصنوعات اور اسلامی تمدن کی حیرت انگیز مثالین دنیا کے سامنے آئین، صرف ایک قالین بافی کو لیجئے تو اسپر انگریزی مین اسی زمانہ مین متعدد کتابین لکھی اور چھاپی گئی ہین، پرشیا نام ایک اور کتاب انگریزی مین لکھی گئی ہے جسمین قبل از اسلام عہد سے لیکر آج تک کے ایرانی فن کی تاریخی پیمایش کیگئی ہے، حسب ذیل کتابین ایران سے متعلق حال مین چھپی ہین،

۱۔ دی پرشینس (اہل ایران) از سر ڈینی سن راس،

۲۔ پینٹنگ اِن اسلام (اسلام مین نقش و تصویر) از سر تھامس آرنلڈ

۳۔ ببلوگرفی آف پرشیا (تصنیفات متعلقہ ایران) از سر آرنلڈ، ٹی ولیسن،

۴- دی پرشین گلف (خلیج فارس) شروع سے بارہوین صدی عیسوی تک کی ایران کی مختصر تاریخ، از سر آرنلڈ ٹی ولسن

۵- پرشین لٹریچر (ایرانی ادبیات) از لیوین ریی،

یہ تمام کتابین لیوزک کمپنی، گریٹ رسل اسٹریٹ لندن سے ملینگی،

اس سلسلہ مین ایک قدیم قلمی مصور شاہنامۂ فردوسی کی عکسی اشاعت ہے، یہ بڑی تقطیع پر نہایت عمدہ پرانے نستعلیق نسخہ کا عکس لیکر چھپ رہا ہے، اُس کے شروع مین ۱۹ صفحون کا مقدمہ ہوگا، جسمین اس نسخہ کی تاریخ، شاہنامہ اور اُس کے مصنف پر مباحث، شاہنامہ کے دیباچہ پر تبصرہ اور افسانون کی تلخیص ہوگی، اصل نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی ملکیت ہے، اسمین ۲۴ مرقعے بھی شامل ہونگے، اکسفورڈ یونیورسٹی پریس مین زیر طبع ہے؛

ہماری زبان مین قرآن پاک کی قرأت اور اُس کے فنی اصول پر ابتک کوئی مستند اور عمدہ کتاب نہین لکھی گئی تھی، جناب قاری ابو محمد محی الاسلام صاحب پانی پتی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہین، کہ اُنھون نے شرح سبعہ قرأت کے نام سے اُردو مین ایک نہایت بسیط و مستند کتاب اس فن مین لکھی اور چھپوائی ہے، شروع مین ایک تمہید ہے، جسمین قرآن پاک کے اتر، قرأت کے تعلیمی مرکزون اور اس کے مستند شیوخ کے تاریخی حالات ہین، پھر ایک مقدمہ ہے، جسمین قرأت کے امور متعلقہ پر کافی بحث ہے، اور قرأت کے ائمہ، اور مشہور رُواۃ، اور صاحب تصانیف بزرگون کے مختصر حالات اور بارہوین صدی ہجری تک کی اس فن کی تصنیفات پر تبصرہ ہے، پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جس کے ۲۰ بابون بسم اللہ سے لیکر ی تک کے تمام مسائل پر محققانہ مباحث ہین، ابھی صرف ایک جلد چھپی ہے، دوسری کا انتظار ہے، مطبوعہ جلد کے غیر مجلد نسخہ کی قیمت ہے، مجلد کی للعہ اور قسم خاص کی سپے ہے، مصنف سے پانی پت ضلع کرنال محلہ انصار سے ملیگی، ہمکو شائقین سے امید ہے کہ وہ مصنف کی حوصلہ افزائی کرکے دوسری جلد کی جلد اشاعت کا سامان بہم پہنچائینگے،

کالی کٹ (ملیبار) سے ایک اسلامی رسالہ "یوودووکم" نام ملیباری زبان مین چھپتا تھا، جسمین معارف کے مضامین کے ترجمے اکثر شائع ہوا کرتے تھے، اب اسکا ادارہ کالی کٹ سے جنوبی ملیبار کے شہر تلی کل کو منتقل ہوگیا ہی لیکن مالی دقتون کے سبب بالفعل اوسکی اشاعت رُک گئی ہی، مگر اوسی دفتر سے نسارالاسلام نام رسالہ نکلتا ہی، دعا ہی کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مسلمانانِ ملیبار کے حق مین مفید و بابرکت گردانے،

شام کے مشہور مسلمان اہل قلم امیر شکیب ارسلان نے فرانسیسی زبان مین "لانامیون عرب" (تمدن عرب) کے نام سے ایک اسلامی رسالہ نکالنا شروع کیا ہے، جسمین عربون کے علوم و فنون و تمدن پر دلچسپ مضمون چھپتے ہین، رسالہ مذکور نے ابھی حال مین اٹلی کے اُن مظالم کی فہرست شائع کی ہی، جو وہ طرابلس الغرب کے مسلمانون پر کر رہے ہی، آج یورپ کو اپنے عدل و انصاف اور اخلاق و تمدن پر بڑا ناز ہے، لیکن اگر اسکے ایک ایک ملک کے اُن مظالم کی تاریخ لکھی جائے جو وہ اپنے مفتوح ملک پر کرتا رہا ہے اور کر رہا ہی تو شاید چنگیز و ہلاکو کے کارنامے بھی اُس کے آگے گرد ہو جائین، یورپ کی اصلی تاریخ وہ نہ ہوگی جو آج لکھی جارہی ہی، بلکہ وہ ہوگی جو کل لکھی جائیگی، فرانس، تونس اور الجیریا مین اور اٹلی طرابلس مین سالہا سال سے جس خونریزی کا سلسلہ قائم کئے ہوئے ہین اور جس آزادی کو اپنے لیے اسقدر عزیز رکھتے ہین، اوسکو دوسری قومون سے چھیننے کے لیے جس شرمناک طریقون کو کام مین لاتے ہین وہ عیسائیت کا نہین انسانیت کا ننگ و عار ہے، اور ہم ہین کہ ابھی تک یورپ یورپ کی آواز لگا رہے ہین،

ہمارے ایک فاضل دوست مولانا یعقوب بخش راغب بدایونی، جنکو اپنے بزرگون سے ترکہ مین بہت سی نایاب کتابین ہاتھ آئی ہین تین عربی ریاضیات کا ایک نایاب مجموعہ بھی ہی اسکو اردو اور انگریزی ترجمون کے ساتھ شائع کرنا چاہتے ہین، یہ رسالے مشہور مسلمان فلاسفر قطب الدین شیرازی کے ہاتھ کے لکھے اور مشہور مسلمان ریاضی دان محقق طوسی کے تصحیح کیئے ہوئے ہین، اہل علم ان رسائل کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہین، ان رسائل کی فہرست حسب ذیل ہی،

۱۔ ایسقلاؤس کا رسالہ "مطالع" جو ۱۶۶ء کا لکھا ہوا ہے،

۲۔ اقلیدس کا رسالہ "ظاہرات فلک"

۳۔ ثاوذوسیوس کا رسالہ "ایام ولیالی"؛

۴۔ طولوقس کا رسالہ "طلوع وغروب"۔

۵۔ اسطرفس کا رسالہ "جرم نیرین"

۶۔ ارشمیدس کا رسالہ "ماخوذات"

۷۔ ثابت بن قرہ کا رسالہ "معروضات"

۸۔ بنوموسیٰ کا رسالہ "مساحۃ اشکال بسیطہ وکریہ"

۹۔ محقق طوسی کا رسالہ "علم مثلث"

ان مین سے پہلا رسالہ دہ عکس سے چھپوا رہے ہین، ان رسالون اوراُن کے مصنفون کے نامون سے اندازہ ہوگا کہ ابھی دنیا مین مسلمانون کے علمی کارنامون کے کتنے خزانے گمنامی کے پردے مین چھپے ہوئے ہین،

ہندوستان مین ہرسال شاید لاکھون کی تعداد مین ہر مطبع مین قرآن پاک کے نسخے چھپتے ہین مگر تجارتی کشمکش اور نفع اندوزی کے جذبہ کا برا ہو، کہ جس قدر زیادہ قرآن چھپتے جاتے ہین، اوتنے ہی زیادہ غلط اور زیادہ بے پروائی سے چھپتے ہین، مدت سے اسکی ضرورت محسوس کیجارہی تھی کہ قرآن پاک کا کوئی عمدہ مستند، صحیح اور خوبصورت اڈیشن چھپے، مصر کی حکومت نے پانچ چھ برس ہوئے اپنے سرکاری اہتمام سے اس قسم کے نسخے چھپوائے ہین، سرکار نظام نے بھی چند پارون کا اہتمام کیا، ہندوستان مین انجمن حمایت اسلام لاہور تمام مسلمانون کے شکریہ کی مستحق ہے کہ اس غریب انجمن نے بادشاہون کے کرنے کے جوکام

تھے، ان کا بوجھ خود اٹھا لیا، اور ساٹھ ستر ہزار روپیے خرچ کرکے اکثر اہل علم کے مشورہ اور رائے سے قرآن پاک کا ایک سستا لیکن صحیح عمدہ خوبصورت، اور مستند اڈیشن چھاپنے کا اہتمام کیا، اور عمدہ خط کا عکس لیکر اس دیدہ ریزی اور صحت کیساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا کہ اس نے اعلان کیا ہے کہ اسمین ایک زیر زبر کی غلطی نکالنے والے کو بھی فی غلطی ایک اشرفی انعام ملے گا، حسن خط، حسن صحت اور حسن صورت کیساتھ ساتھ ہر قسم کی معنوی خوبیاں بھی اسمین جمع کیگئی ہین، ہر حرف اپنی جگہ پر، اور ہر اعراب اپنے محل پر ہے، آیتون پر نمبر لگائے گئے ہین، عمدہ کاغذ اور عمدہ جلد کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، حوالے کی سہولت کے لیے متعدد فہرستین دی گئی ہین، قیمت قسم خاص اعلیٰ درجہ کے کاغذ سنہرے کنارون اور چرمی مخملی جلد کے ساتھ ۲۵ قسم اول سفید اعلیٰ ولایتی کاغذ کپڑے کی نفیس جلد ۵؎، قسم دوم چکنا دیسی کاغذ کپڑے کی جلد ۳؎، قرآن ابھی زیر طبع ہے پیشگی بھیجکر خریدنے والے انجمن مذکور کے اس کام مین امداد کا ثواب بھی حاصل کرسکین گے،

کلکتہ مسلم یوتھ لیگ (نوجوانان اسلام کی انجمن) کا دستور العمل ہمارے پاس بھی آیا ہے، اور اخبارون مین بھی چھپ چکا ہے،، اصول و قواعد سب اچھے، مقاصد بہت بلند، لیکن ہم کو نہین معلوم کہ اس قول کے پیچھے عمل کو کہان تک کامیابی ہوئی ہے، نوجوان مسلمانون کے خیال و دماغ مین جو تنظیمی اور تفکیری تحریکین نشوونما پارہی ہین، وہ کتاب مستقبل کا نہایت خوش آیند دیباچہ ہین، مگر یہ حقیقت کارکنون سے مخفی نہ ہوگی کہ دنیا قول سے نہین عمل سے فتح ہوتی ہے، ایک کارکن شخصیت جو اخلاص اور ایثار کے پورے جذبہ کے ساتھ کام کرے وہ بالآخر پوری جماعت کو فتح کریگی، اور کامیابی کے ساتھ ایک پوری مخلص جماعت اپنی آپ بنا لیگی، اگر یہ نہین تو کچھ نہین، آفتاب ہر روز دنیا کو روشن کرتا ہے، مگر ماہ نخشب کا نور کے دن چمک سکا،

کانگریس کی موجودہ تحریک کے زیر اثر مسلمانون مین مختلف نامون سے خدام اور رضاکار اور والنٹیرز کا

قیام ہو رہا ہے، لیکن ہم کو یہ افسوس کے ساتھ نظر آتا ہے کہ ہمارے نوجوانون مین خدمتگذاری، منتظم ضبط و نظم، اور مخلصانہ فداکاری کا جذبہ ابتک پیدا نہ ہوا، ظاہری نمایش، بھڑکدار وردیان، کلابتون، زردوزی، کلاہ انور، کلاہ پہلوی، کلاہ افغانی، نشان و علم کا شوق زیادہ ہے، اور خدمت کا جذبہ کم، حالانکہ دراصل سادہ سے سادہ کپڑون مین بہتر سے بہتر خدمت کا ولولہ چاہیے، ہمارے والنیٹر کورون مین سے ہر ایک کو اپنی وردی، اپنی پوشاک، اپنی وضع اور سج دھج اور اپنے نشانات سے انور، اور رضا خان اور امان اللہ بننے کا دعویٰ ہوتا ہے، مگر وہ بھولے ہوئے ہین کہ جہان ظاہر ہے، باطن نہین، اور جہان باطن ہے، ظاہر کی احتیاج نہین، عزیزو! روح آراستہ کرو، جسم نہین، باطن سنوارو، ظاہر خود سنور جائیگا، حسن معنی پیدا کرو، رنگ و بو نہین، ایمان، ہمت، شجاعت، نظم، اطاعت، محبت، استقلال پیدا کرو، تو دنیا خود تمھارے سامنے تمھاری تعظیم کو جھک جائیگی، اسلام کو اپنی بلندی کے لیے تمھاری سیرت درکار ہے، صورت نہین، تمھاری روح چاہیے تمھاری وردی نہین، نظم و ضبط کا سررشتہ چاہیے، زردوزی اور کلابتون کے سنہرے دھاگے نہین ۔

ہمارے بہت سے دوستون اور عزیزون کو ہماری یہ گذارش تلخ معلوم ہوگی لیکن اخلاص کا تقاضا ہے کہ جو دل مین ہے وہ زبان پر آئے، اس سے ان فداکارون کی تحقیر مدنظر نہین جو حقیقی جذبہ سے لبریز ہو کر اپنے آپ کو وقفِ ملک و ملت کر رہے ہین، بلکہ یہ کہنا ہے،

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز ۔

سفرحجاز

مقالات

حضرت ابوہریرہؓ پر گستاخانہ جرح

(۲)

از مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

ہمارے "حق گو" ناقد اس زدوکوب کا فرضی مقدمہ قائم کر کے جسکی حقیقت واضح ہو چکی آگے چل کر یہ نتیجہ پیدا کرتے ہین کہ "ابوہریرہؓ کو شاید یہ مار یاد تھی کہ جب ان سے کسی نے سوال کیا کہ کیا تم حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بھی ایسے ہی بے باکی سے حدیثین بیان کرتے تھے، تو انھون نے جواب دیا کہ وہ مجھے درّے سے پیٹ ڈالتے"،

دیانتدار ناقد نے اس نتیجہ مین بھی اپنی قدیم عادتِ تدلیس سے کام لیکر اس واقعہ کی صورت بالکل بگاڑ دی اور "نعکذا" کا ترجمہ "اسی طرح" کے بجائے "اسی بے باکی" کر کے ناظرین کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے، اس تدلیس سے پردہ ہٹانے کیلئے پہلے ایک مختصر سی تمہید سن لینی چاہئے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی قوانین اور شرعی مسائل کی تشریع کا دارومدار زیادہ تر احادیث نبوی پر ہے، اسلئے خلفائے راشدینؓ کے عہد مین جبکہ خلافت الٰہیہ کی تشکیل ہو رہی تھی نئے نئے مسائل اور قوانین کے لئے قدم قدم پر احادیث یعنی رسول اللہ صلعم کی قولی و عملی تصریحات کی ضرورت پیش آتی تھی، اور چونکہ خلفائے راشدینؓ کا فیصلہ اسلامی قانون بنجاتا تھا، اسلئے احادیث کی صحت کی پوری تحقیق اور جانچ کی سخت ضرورت تھی تاکہ کسی مشتبہ حدیث کی بنیاد پر کوئی قانون نہ بننے پائے، اس خطرہ سے بچنے کے لئے حضرت عمرؓ نے حدیث کے رد و قبول کیلئے خاص خاص قوانین بنا دیئے تھے اور احادیث بیان کرنیوالون پر خاص خاص پابندیان عائد کر دی تھین، اس موقع پر اسکی تفصیل کی ضرورت نہین ہے، اسلئے ہم یہان صرف چند شہادتون پر اکتفا کرتے ہین،

سرخیل محدثین حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ مین لکھتے ہین:۔

حضرت عمرؓ نے اس غرض سے کہ صحابہؓ رسول اللہ صلعم سے روایت کرنے مین غلطی نہ کرین انکو حکم دیتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرین اور تاکہ لوگ حدیث مین مشغول ہوکر حفظ قرآن سے غافل نہ ہو جائین، قرظہ بن کعب بیان کرتے ہین کہ جب عمرؓ نے ہم لوگون کو عراق روانہ کیا تو تھوڑی دور تک خود مشایعت کو نکلے اور کہا تمکو معلوم ہے مین کیون تمھاری مشایعت کرتا ہون لوگون نے جواب دیا کہ ہماری عزت افزائی کیلئے فرمایا، ہان اسکے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے لوگون مین جا رہے ہو جنکی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کیطرح قرآن پڑھنے مین گونجتی رہتی ہے تم انکو حدیثون مین نہ پھنسا لینا، قرآن مین آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو مین تمھارا شریک ہون چنانچہ جب قرظہ وہان پہونچے اور لوگون نے ان سے کہا کہ حدیث بیان کیجئے تو انھون نے جواب دیا کہ عمرؓ نے ہمکو منع کیا ہے، ابی سلمہ کہتے ہین کہ مین نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانہ مین بھی اسیطرح حدیثین بیان کرتے تھے انھون نے جواب دیا کہ اگر مین ایسا کرتا تو وہ مجھے درے سے مارتے حضرت عمرؓ نے تین اشخاص ابن مسعودؓ ابو درداؓ اور ابو مسعود انصاری کو قید کر دیا اور کہا کہ تم لوگ رسول اللہ صلعم سے حدیثین روایت کرتے ہو (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲،۷)

مذکورۂ بالا اقتباس سے حدیثون کے بارہ مین حضرت عمرؓ کی احتیاط کا اندازہ ہو گیا ہو گا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ انھون نے مطلق حدیثون کا دروازہ بند کر دیا تھا نہین وہ احادیث قبول کرتے تھے لیکن تائیدی شہادتون کے بعد،

ایک مرتبہ سقط یعنی صدمہ پہونچا کر کسی عورت کے حمل گرا دینے کا مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ کو اس کے متعلق کوئی علم نہ تھا، آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، مغیرہ بن شعبہ نے اس کے متعلق ایک حدیث بیان کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو گواہی لاؤ، چنانچہ محمد بن مسلم نے مغیرہ کے بیان کی تصدیق کی اور حضرت عمرؓ نے اس بیان پر فیصلہ کیا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷،)

اسی طرح حضرت عباسؓ کے ایک معاملہ مین ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے اسکی تصدیق مین شہادت طلب کی اور جب متعدد انصار نے اسکی تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا مین تمکو جھوٹا نہین سمجھتا تھا لیکن اپنے اطمینان کے لئے ثبوت چاہتا تھا (ایضاً)

مشہور واقعہ ہے کہ ایکمرتبہ ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے آپ کسی کام مین مشغول تھے، ابو موسیٰؓ نے تین مرتبہ سلام کیا، لیکن حضرت عمرؓ نے کوئی توجہ نہ کی تیسری مرتبہ کے بعد ابو موسیٰؓ واپس چلے گئے کام سے فراغت کے بعد حضرت عمرؓ نے انکو بلا بھیجا اور واپس جانے کا سبب پوچھا، انھون نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ تین مرتبہ اجازت مانگنی چاہئے، اگر اس کے بعد بھی نہ ملے تو لوٹ جانا چاہئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی شہادت لاؤ ورنہ سزا دونگا، چنانچہ ابو موسیٰؓ نے شہادت پیش کر کے جان بچائی ابی بن کعبؓ انصاری نے اعتراض کیا کہ ابن خطاب رسول اللہ صلعم کے اصحاب کے لئے عذاب نہ بنو، آپ نے جواب دیا، سبحان اللہ مین نے ایک بات سنی تھی، اس کی تصدیق کرانا چاہتا تھا، (یہ واقعہ مسلم کتاب الاستیذان مین کئی طریقون سے مروی ہے)

ان تمام واقعات تفصیلات اور شہادتون کے بعد ابو ہریرہؓ کے اس جواب کا کہ "وہ مجھے درے مارتے" منشا و مقصد خود واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ انھین جھوٹا سمجھتے تھے، اس لئے ابو ہریرہؓ ان کی مار سے ڈرتے تھے، یا وہ حضرت عمرؓ کے اصول و قوانین کے خوف سے روایت کرنے مین احتیاط کرتے تھے، کہ وہ ہر حدیث کے لئے شہادت کہان تلاش کرتے پھرتے، بہت سی باتین آنحضرت صلعم نے ان سے ایسے وقت مین فرمائی ہونگی جب کوئی دوسرا موجود نہ رہا ہوگا، اس بنا پر وہ کہان سے شہادت پیش کرتے، اس کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ ابو ہریرہؓ کا کل وقت آنحضرت صلعم کی خدمت مین بسر ہوتا تھا، اور وہ آپ کے خلوت و جلوت کے انیس تھے، جب تمام صحابہؓ اپنے اپنے کامون مین مصروف رہتے تھے، اسوقت بھی ابو ہریرہؓ خدمت نبویؐ سے علحدہ نہ ہوتے تھے، ایسی صورت مین انھون نے سیکڑون حدیثین عام صحابہؓ کی غیر حاضری مین سنی ہونگی،

اور اگر اس کے بعد بھی حضرت ابو ہریرہؓ کے کذب ہی پر اصرار ہے تو پھر آنحضرت صلعم کے عم محترم حضرت عباسؓ، ابو مسعود بدریؓ، فقیہ العصر ابو موسیٰ اشعریؓ، امام الانصار ابو درداؓ انصاری، حبر الامۃ

ابن مسعودؓ کے متعلق کیا فتویٰ ہی جن سے حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی تھی اور جنمین سے بعضون کو روایت کرنے کے جرم مین قید کر دیا تھا، واقعہ یہ ہو کہ حضرت عمرؓ کے سخت قوانین کے مقابلہ مین بڑے بڑے صحابہؓ حدیث بیان کرنے مین جھجکتے اور خوف کھاتے تھے، لیکن اس سے نعوذ باللہ ان پر کذب و دروغ کا الزام نہین لگایا جا سکتا ،

حضرت عائشہؓ کے بیان مین تدلیس اور عمر بی دائی کا ثبوت

ہمارے فاضل ناقد اور محقق لغوی نے ابوہریرہؓ کی تکذیب اور انکی مرویات کی تضعیف مین ابن عمرؓ اور عمرؓ کے علاوہ تیسری مخالفانہ شہادت مین مسلم سے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نقل کی ہو. وہ روایت یہ ہو؛ عروہ بن زبیر سے روایت ہی حضرت عائشہؓ نے کہا تم تعجب نہین کرتے ابوہریرہؓ میرے حجرے کے ایک طرف بیٹھے حدیث بیان کرنے لگے رسول اللہ صلعم سے. مین سن رہی تھی لیکن مین تسبیح پڑھتی تھی، اور قبل اس کے کہ مین ان کو ٹوکون اور انکی تردید کرون، وہ میرے فارغ ہونے سے پہلے ہی چلدیئے، اگر مین انکو پاتی تو انکار د کرتی، کیونکہ رسول اللہ صلعم نے اس طرح حدیثین بیان نہین کین جسطرح تم بیان کرتے ہو، ولم یکن یسرد الحدیث کسرد کم،

ہمارے محترم ناقد نے حسب عادت اس روایت مین بھی تدلیس سے کام لیکر الفاظ کا غلط ترجمہ کر کے حدیث کا مفہوم بالکل بدل دیا حضرت عائشہؓ انکی احادیث کی تردید نہین، بلکہ انکے انداز بیان اور طرز گفتگو کی تردید کرنا چاہتی تھین، اور نہ صرف انکی بلکہ تمام حاضرین کی،

مذکورۂ بالا روایت مین پہلی تدلیس یہ ہو کہ لبیط مین "سرد" کا ترجمہ ہی جسکی صحت پر اس روایت کے مفہوم و منشا کے سمجھنے کا دار مدار ہو اڑا گئے. دوسری تدلیس یہ ہو کہ یہان پر حدیث کے اصطلاحی معنی نہین بلکہ لغوی معنی "باتین" اور "گفتگو" مراد ہی کہ یہ اصطلاح عہد صحابہؓ مین موجود نہ تھی. تیسری تدلیس یہ ہو کہ "کم" ضمیر جمع کا ترجمہ "تملوگ" کے بجاے واحد "تم" کر کے مغالطہ دیا گیا ہی حالانکہ اس مغالطہ سے کچھ حاصل نہین کیونکہ "کم" سے تنہا ابوہریرہؓ سے خطاب نہین ہو سکتا کیونکہ اولاد وہ موجود نہ تھے، اس لئے حاضر کی ضمیر انکے لئے استعمال نہین ہو سکتی تھی، دوسرے اگر وہ تنہا مراد ہوتے تو "ک" خطاب ہوتا نہ کہ "کم" اس جملہ کا صحیح ترجمہ یہ ہو کہ رسول اللہ صلعم تملوگون

کیطرح جلدی جلدی اور مسلسل باتین نہ کرتے تھے" جسکا ترجمہ غایت دیانت داری سے یہ کیا گیا ہی کہ "رسول اللہ صلعم نے اسطرح حدیثین نہین بیان کین جس طرح تم بیان کرتے ہو"

اگر ہمارے فاضل ناقد الفاظ سے اس جملہ کا صحیح ترجمہ نہین سمجھ سکتے تھے تو مطالعہ اگر وسیع ہوتا تو شمائل ترمذی اٹھا کر دیکھ لیتے، حضرت عائشہ رض ہی کی روایت سے انکے اس جملہ کا منشا واضح ہوجاتا وہ حدیث یہ ہی،

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسرد کسردکم ھذا ولکنہ کان یتکلم بکلام بین فصل یحفظہ من جلس الیہ۔ (شمائل ترمذی ص ۱۷، مصر)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتی تھین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگون کی طرح اسطرح مسلسل اور جلدی جلدی گفتگو نہ فرماتے تھے۔ بلکہ آپ نہایت واضح اور جدا جدا گفتگو فرماتے تھے، اسکو پاس بیٹھنے والا یاد کر لیتا تھا،

اس روایت سے "سرد حدیث" کے معنی پورے طور پر واضح ہوگئے،

اب لغت سے بھی اسکی تصدیق کر لیجئے، صاحب بحار الانوار جسکا لغت احادیث کے الفاظ کے معنی اور اسکی تشریح مین مستند ترین لغت مانا جاتا ہی، لکھتے ہین کہ "لم یکن صلی اللہ علیہ وسلم یسرد الحدیث سرداً" کا مطلب یہ ہی کہ آپ پے در پے مسلسل اور جلدی جلدی گفتگو نہ فرماتے تھے، یعنی آپکی گفتگو ایسی مسلسل نہ ہوتی تھی کہ ایک بات کے بعد فوراً ہی دوسری بات اسطرح فرماتے کہ اسکے سمجھنے مین التباس ہوتا بلکہ اسطرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ اگر سننے والا اسکو گننا چاہتا تو اسکو گن سکتا تھا، اسی سے "سرد الصوم" ہی یعنی مسلسل بلا ناغہ روزہ رکھنا (بحار الانوار ج ۲ ص ۱۰۸ نولکشوری)

ان دونون شہادتون سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت عائشہ رض ابوہریرہ رض کی روایت کی تردید نہین کرنا چاہتی تھین بلکہ انکے اور انکے ساتھ اور حاضرین کے انداز گفتگو اور طرز تکلم کی تصحیح فرمانا چاہتی تھین، کہ یہ لوگ جلدی جلدی باتین کرتے تھے جنکو سننے والا اچھی طرح سمجھ نہ سکتا تھا، اور نہ پوری طرح محفوظ رکھ سکتا تھا، اور اس تردید کا منشا یہ تھا کہ باتین کرنے والے باتین کرتے وقت آنحضرت صلعم کے طریق گفتگو کا لحاظ رکھا کرین، تاکہ سننے والا ان کو اچھی طرح سمجھ کر محفوظ رکھ سکے،

مضمون کا دوسرا حصہ

یہان تک مضمون نگار کے اس حصہ مضمون کا جواب تھا جسمین انھون نے ابوہریرہ کی شخصیت یا ذاتیات پر نقد فرمایا تھا، آیندہ سطور مین باقی حصہ کا جائزہ لینا ہی، اس حصہ کو انھون نے مختلف اجزا پر تقسیم کیا ہی، ان مین سب سے اہم حصہ وہ ہی جسمین انھون نے حضرت ابوہریرہؓ کی وہ روایات نقل کی ہین، جن سے ان کے وہم مین ابوہریرہؓ کی تکذیب یا کم از کم انکی مرویات کی تضعیف ہوتی ہی، باقی اجزا مین ابوہریرہؓ کی اسرائیلیات اور آثار قیامت اور پیشین گوئیون کی حدیثین نقل کرکے ان پر تنقید کی ہی،

ناقد علام نے اس حصہ مین بھی اپنی دیانت، حدیث فہمی، عربی دانی، اور دوسرے علمی کمالات کے ایسے ایسے نادر نمونے پیش کئے ہین کہ کوئی ذوق سلیم رکھنے والا داد دیئے بغیر نہین رہ سکتا، بیان کی تدلیس، ترجمہ کی غلطی، ادب عربی سے ناواقفیت، تاریخ سے بیخبری غرض انکا کوئی ایسا جوہر نہین ہی جسکو انھون نے بازار نقد مین نہ پیش کیا ہو، فاضل مضمون نگار پہلے یہ دعویٰ کرتے ہین کہ "ابوہریرہؓ کی کثر روایت نہایت شک وشبہہ کی نظر سے دیکھی جاتی تھی" پھر اس کے ثبوت مین وہ ان کی مشتبہ روایتین نقل کرتے ہین، چنانچہ ارشاد ہوتا ہی،

(۱) ابوہریرہؓ نے ایکبار یہ حدیث بیان کی قسم ہی کعبہ کے رب کی یہ بات کہ جو کوئی صبح کرے جنابت کی حالت مین وہ افطار کرے، مین نے نہین کہی بلکہ محمد صلعم نے کہی" اس پر ابی بکر بن عبد الرحمن نے کہا کہ میرے باپ تو اس روایت سے انکار کرتے ہین اور ہم دونون حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے پاس گئے، اور عبد الرحمن نے ان سے پوچھا تو دونون نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کو حالت جنابت مین صبح ہو جاتی تھی، اور پھر روزہ رکھتے تھے اور جنابت بغیر احتلام کے ہوتی تھی، ابی بکر نے کہا کہ پھر ہم مروان کے پاس گئے، اور عبد الرحمن نے ان سے ذکر کیا، سو مروان نے کہا مین تم کو قسم دیتا ہون کہ تم ابوہریرہؓ کے پاس جاؤ، اور ان کی بات کا جواب دو، پھر ہم ابوہریرہؓ کے پاس آئے اور ابوبکر ان سب باتون مین حاضر تھا، اور ذکر کیا عبد الرحمن نے تو ابوہریرہؓ

نے کہا کہ ان دونون بیویون نے یہ فرمایا تم سے انھون نے کہا ہان، تو انھون نے کہا بے شک وہ اور لوگون سے زیادہ جانتی ہین، پھر ابو ہریرہؓ نے اس قول کی نسبت فضل بن عباس سے کی اور کہا کہ مین نے یہ بات فضل سے سنی تھی، اور اقرار کیا کہ انھون نے نبی صلی اللہ صلعم سے نہین سنا،،

ناقد کی پوری نقل کردہ روایت انھین کی فصیح و صحیح اردو مین ناظرین کے سامنے پیش کردی گئی، اس کو پڑھکر ہر شخص یہی فیصلہ کریگا کہ آخر مین ابو ہریرہؓ کا فضل بن عباسؓ کی طرف منسوب کرنا اسی وقت ان کی تکذیب کے ثبوت مین پیش کیا جا سکتا ہے، جب اس روایت کا پہلا حصہ یعنی ابو ہریرہؓ کا یہ کہنا صحیح مان لیا جائے کہ "یہ بات مین نے نہین بلکہ رسول اللہؐ نے کہی" لیکن ناظرین کو حیرت ہوگی کہ یہ ٹکڑا خالص مدرس ناقد کے دماغ کا اختراع ہے، چونکہ انکو اس سے ابو ہریرہؓ کی تکذیب کی عمارت قائم کرنی تھی، اس لئے انھون نے سنگ بنیاد کے طور پر اس کو وضع کر دیا، مسلم کی روایت مین کہین اسکا نشان تک نہین ہے جس ٹکڑے کا انھون نے یہ ترجمہ کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہین، عن ابی بکر قال سمعت ابو ھریرۃ یقص فی قصصہ من ادرکہ الفجر جنبا فلا یصم یعنی ابوبکر راوی ہین کہ مین نے ابو ہریرہؓ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو جنابت کی حالت مین صبح ہو جائے وہ روزہ نہ رکھے،،

اس روایت مین کوئی لفظ بھی ایسا نہین ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے، کہ ابو ہریرہؓ اس حکم کے رسول اللہ صلعم سے سننے کے مدعی تھے کہ ان پر یہ الزام عاید ہو سکے کہ پہلے انھون نے رسول اللہ سے سننے کا دعویٰ کیا، پھر عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے انکار پر خود بھی منکر ہو گئے، اور کہدیا کہ مین نے فضل سے سنا تھا، آپ ابو ہریرہؓ کو واضع حدیث کہتے ہین، لیکن ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر؟

واقعہ کی صورت جیسا کہ خود روایت سے ظاہر ہو یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ یہ فتویٰ (حدیث

یا روایت نہین، فضل بن عباس سے قبول کرکے، اسی کے مطابق فتوی دیتے تھے، لیکن جب حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ نے اپنے صحیح علم کی بنا پر اس فتوی کی صحت سے انکار کیا، تو ابو ہریرہؓ نے بھی اس سے رجوع کرلیا، اس ٹکڑے کو آپ اڑا گئے کما رواہ مسلم (فرجع ابو ھریرۃ عما کان یقول فی ذالک مسلم ج اول ص ۴۱۳) اس رجعت سے ابو ہریرہؓ کی کوئی تکذیب نہین ہوتی، بلکہ ان کی صداقت ظاہر ہوتی ہو، کہ پہلے چونکہ یہ فتوی انھون نے ایک صحابی اور رسول اللہ صلعم کے ابن عم سے سنا تھا اور انکے علم پر انھون نے اعتبار کیا تھا، اس لئے وہ بھی یہی فتوی دیتے تھے، لیکن جب ازواج مطہرات نے جنکا بیان اس باب مین فضل سے زیادہ مستند تھا، اسکی تردید کی تو پھر انھون نے اس سے رجوع کرلیا، اس قسم کا رجوع تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی کرتے تھے، یہ ہمارے محقق ناقد کی دیانت کی ادنی مثال ہے، ترجمہ کی جو غلطیان ہین انھین مین نے عمداً نظر انداز کردیا ہے، فتوی سے رجوع کو روایت سے رجوع سمجھ لینا، اس عہد کے مجدد کی خوش فہمی کی کتنی اچھوتی مثال ہو، جن لوگون کے علمی بساط کا یہ عالم ہو زمانہ کی بوالعجبی دیکھو کہ زمانہ بھر کی آنکھون مین خاک ڈالنے کی کوشش کرتے ہین

(۲) دوسرے ثبوت مین فرماتے ہین (زبان کی تہذیب اور طلب ہو) کہ جب ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی تو عبد اللہ بن عمرؓ نے خوب آڑے ہاتھون لیا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص کتا پالیگا بجز ریوڑ کے کتے کے یا شکاری یا کھیت کے اس کے ثواب مین ہر روز گھاٹا ہوگا، زہری نے کہا ابن عمرؓ سے ذکر ہوا کہ ابو ہریرہؓ اپنی روایت مین کھیت کے کتے کو مستثنی کرتے ہین، تو انھون نے کہا رحم کرے اللہ ابو ہریرہؓ پر البتہ وہ کھیت والے تھے"

معلوم نہین سخن شناس ناقد اس روایت کے کس جملہ سے ابن عمرؓ کا آڑے ہاتھون لینا اخذ کرتا ہو، حالانکہ ابن عمرؓ تو ابو ہریرہؓ کی روایت کے اضافہ کو قبول کرکے اسکی تصدیق کرتے ہین کہ چونکہ ابو ہریرہؓ کھیت والے تھے اس لئے کھیت کے کتے پالنے کا حکم انھین زیادہ معلوم ہوگا، اس کی تصدیق اسطرح ہوتی ہو کہ خود ابن عمرؓ کی روایت مین بھی، جنھون نے آپ کے بقول ابو ہریرہؓ کو آڑے ہاتھون لیا تھا

زراعت کا کتا شامل ہی عن ابی الحکم قال سمعت ابن عمر یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اتخذ کلبا الا کلب زرع او غنم او صید ینقص من اجرہ کل یوم قیراط (مسلم ج اول ص ۶۶۰ مصر) اس کے بارہ مین کیا ارشاد والا ہی، کیا ابن عمرؓ بھی نعوذ باللہ ایسے ہی جھوٹے تھے تو پھر سچا کون تھا؟

(۳) تیسری جگہ فرماتے ہین "ایسا ہی جب ابوہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی "جو شخص کسی جنازہ مین شریک ہوتا ہی، اسکو ایک قیراط کا ثواب ملتا ہی، اور قیراط کا وزن ایک پہاڑ کے برابر ہی" تو ابن عمرؓ نے سنکر کہا ابوہریرہؓ کو حدیث بیان کرنے کی عادت ہی"

ابوہریرہؓ کو تو نہین لیکن ہمارے اس عراقی سیاح اور کردستان کے تماشائی کو ضرور تدلیس اور غلط عربی سمجھنے کی عادت ہی آپ نے "اکثر علینا" کا ترجمہ "حدیث بنانیکی عادت ہے" کیا، اور کرکے ابوہریرہؓ کے خلاف پیش کردیا، حالانکہ "اکثر علینا" کا مطلب جیسا کہ سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہی یہ ہی کہ ابوہریرہؓ ہم لوگون کو بہت سے احکام بتاتے ہین، یا انھون نے یہ حدیث بیان کرکے ہمارے لئے بہت زیادہ اجر حاصل کرنے کا موقع بہم پہونچادیا، یہ بھی واضح رہے کہ اس حدیث پر حضرت عائشہؓ کی مہر تصدیق بھی ثبت ہے، چنانچہ جب ابن عمرؓ کو حضرت عائشہؓ کی تصدیق معلوم ہوئی تو انھون نے افسوس کیا کہ ہم نے اس حکم کی ناواقفیت کی وجہ سے ثواب کے بہت سے قیراط کھودیئے (مسلم ج اول ص ۳۵۰ مصر)

(۴) اس کے بعد ارشاد ہوتا ہی "حدیث مین ان کی بیشتر وہ روایتین ہین، جو مکہ کے زمانہ کے واقعات ہین، ظاہر ہے کہ وہ براہ راست اس کے راوی نہین ہوسکتے، مگر انھون نے کنایات (؟) مین اس شخص کا نام نہین لیا ہی، جس سے انھون نے سنا ہی، اور طرہ یہ کہ اسکو ایجاد بندہ ہی کردیتے ہین، مثلاً رسول اللہ صلعم کا یہ قول کہ کوئی تم مین سے کھڑا ہو کر پانی نہ پیئے" ابوسعید انس نے بیان کیا ہی، اگرچہ ابن عباس نے رسول اللہ صلعم کو کھڑے ہو کر پانی پیتے ہوئے دیکھا ہی، مگر ابوہریرہؓ نے اپنی روایت

ن کہا اور چند جملے اور بڑھا کر اسکو مضحکہ خیز بنا دیا یعنی انھون نے رسول اللہ صلعم سے یہ بھی روایت کی کہ جو
بھول سے پی لے وہ تے کر ڈالے ظاہر ہے کہ ایسا لغو اور بہمل حکم آنحضرت صلعم کا نہین ہو سکتا،"

اس پیچ پیچ اعتراض پر میری گذارش ہو کہ یہ محض آپکا قیاسی دعویٰ ہو کہ ابو ہریرہؓ کی بیشتر وہ روایتین ہین جو مکہ کے
مانہ کے واقعات ہین، اگر آپ سچے تھے تو آپ نے اس کے ثبوت مین ایک ہی دو واقعے نقل کر دیے ہوتے
یر ادعوی ہو کہ انھون نے براہ راست کوئی اس قسم کی روایت نہین کی، اگر کھڑے ہو کر پانی پینے
کی ممانعت کی روایت آپ ثبوت مین پیش کرتے ہین تو یہ محتاج دلیل ہو، کہ آپ نے یہ بات قیام مکہ کے
مانہ مین فرمائی تھی، تنہا آپ کے ادعا سے اس کے مکی حکم ہونے کا فیصلہ نہین ہو سکتا، تاریخ اسلام کا
بتدی بھی جانتا ہو کہ آنحضرت صلعم کی مکہ کی ۱۳ سالہ مساعی اکثر توحید کی دعوت اور پند و موعظت
ک محدود تھے،

ناقد کا یہ کہنا بھی بے معنی ہے کہ یہ روایت ابو سعید انس سے مروی ہو، اس لئے ابو ہریرہؓ نے
واہ مخواہ انھین سے نقل کی ہو، احادیث مین ایک ایک روایت کے معلوم نہین صحابہ مین کتنے کتنے
اوی ہوتے ہین، اور سب براہ راست آنحضرت صلعم سے روایت کرتے ہین، لیکن آج تک کسی
نے ان پر یہ اتہام نہین لگایا، کہ وہ ایک دوسرے سے سنکر اپنے سماع کو آنحضرت صلعم کی طرف
منسوب کر دیتے ہین،

قے کر ڈالنے کے ٹکڑے کے اضافہ کا الزام بھی محض معترض کا بے دلیل دعویٰ ہو، اس کا کیا ثبوت
ہے کہ یہ ٹکڑا ابو ہریرہؓ کا اضافہ ہو، جبکہ خود حضرت انسؓ کی روایت مین ہو کہ "آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر
پانی پینے پر تنبیہ فرمائی ہو" (مسلم ج ۲ ص ۱۸۵) یہ کوئی دلیل نہین کہ آنحضرت صلعم اس قسم کا بہمل حکم
نہین دے سکتے تھے، جبکہ یہ مسلم ہو اس قسم کے احکام نہ واجب ہوتے ہین نہ فرض بلکہ انکی حیثیت "آداب مستحسنہ"
کی ہوتی ہو اسی لئے انکی خلاف ورزی پر کوئی وعید اور سزا نہین ہو، ایسی صورت مین ممانعت کی تاکید

کے لئے اگر یہ کہا گیا تو چاہئے کہ قے کرڈالے، تو اس سے مقصود واقعی قے کرنا نہین ہی، بلکہ محض تاکید ہے اور وہ صرف آپ کے لفظی ادعاے بہمل نہین ہو سکتا،

پھر اس حدیث کی نسبت اکابر محدثین مین خود اختلاف ہی، قاضی عیاض کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے بعضون کے نزدیک منسوخ ہے، اور اکثر کے نزدیک اس سے مقصود کراہت تنزیہی ہی، قاضی عیاض کہتے ہین لا خلاف بین اھل العلم ان من شرب ناسیا لیس علیہ ان یتقایاہ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۷۱ مصر) یعنی اہل علم کا اسمین اختلاف نہین، کہ اگر کوئی بھول کر کھڑے کھڑے پانی پی لے تو اس پر قے کرنا ضروری نہین، امام نووی نے لکھا ہی کہ یہ استحبابی حکم ہی،

ابن عباس کے بیان مین بھی آپ نے تدلیس فرمائی ہی کہ انھون نے آنحضرت صلعم کو کھڑے ہو کر پانی پیتے دیکھا ہی، بیشک انھون نے دیکھا ہی لیکن کون پانی؟ زمزم کا، عن ابن عباس قال سقیت رسول اللہ صلعم من زمزم فشرب قائما یعنی مین نے رسول اللہ صلعم کو زمزم کا پانی پلایا آپ نے کھڑے ہو کر پیا،" آپ زمزم کا لفظ بالکل حذف کر گئے، کیونکہ یہ معلوم تھا کہ زمزم کا پانی پینا اس حکم سے مستثنیٰ ہی، اسی طرح وضو کا چھوٹا ہوا پانی بھی مستثنیٰ ہی، یہ بات کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام مطلق یا گناہ عظیم ہی، صحابہؓ نے خود اسکی تردید کی ہی، (دیکھو موطا امام محمد باب الشرب قائما)

(۵) پھر ارشاد ہوتا ہی "غرضکہ لوگ ابو ہریرہؓ کی بے باکی سے اس قدر خائف ہو گئے تھے کہ اگر وہ کوئی معقول بات بھی کہتے تھے تو لوگ اس پر دھیان نہ دیتے تھے، چنانچہ جب انھون نے یہ حدیث بیان کی کہ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب تم مین سے کسی کا ہمسایہ اسکی دیوار پر لکڑیان رکھنے کی اجازت مانگے، تو اس کو منع نہ کرے" تو لوگون نے اس حدیث کو سنکر اپنا منہ پھیر لیا، ابو ہریرہؓ نے یہ دیکھکر کہا کیون کیا ہوا، مین دیکھتا ہون تم اس حدیث سے منہ پھیرتے ہو، خدا کی قسم اس حدیث کو تمھارے مونڈھون پر مارونگا،"

اصل حدیث یہ ہی لا یمنع احدکم جارہ ان یغرز خشبہ فی جدارہ ثم یقول ابو ہریرہؓ مالی اراکم عنہا معرضین واللّٰہ لارمین بہا بین اکتافکم

ہمارے فاضل "عراقی سیاح" نے پہلی غلطی ترجمہ مین یہ فرمائی کہ "غرز خشب" کا ترجمہ انھون نے لکڑی رکھنا کیا ہی، حالانکہ اسکا ترجمہ کھونٹی گاڑنا ہی، معلوم ہوتا ہی کسی مبتدی نے ان احادیث کا ترجمہ کیا ہی، ورنہ وہ اس فرق کو نظر انداز نہ کرتا،

دوسری تدلیس یہ ہی کہ ترجمہ مین خیانت کرکے اس کو ایسے الفاظ مین پیش کیا ہی، جس سے حدیث کا مفہوم بالکل بدل گیا، حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم مین سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کو دیوار مین کھونٹی گاڑنے سے منع نہ کرے"، راوی کا بیان ہی کہ ابو ہریرہؓ یہ حکم سنا کر کہتے تھے کہ "مین دیکھتا ہون تم لوگ اس حکم سے اعراض کرتے ہو" جس کو ہمارے ناقد نے ان الفاظ مین بدل دیا ہی، کہ لوگون نے اس حدیث کو سنکر منہ پھیر لیا، حالانکہ "عنہا معرضین" کا یہ مطلب نہین کہ تم لوگ میری روایت سے اعراض کرتے ہو، بلکہ یہ ہے کہ اس عام حکم پر تم عمل نہین کرتے، اور پڑوسیون کے ساتھ اس لطف و مروت کا برتاؤ نہین کرتے، دونون مین کتنا فرق ہی،

۶۔ پھر ارشاد ہوتا ہی "ان کی نامعقول بات" پر لوگ سبحان اللہ پکارتے تھے، چنانچہ جب انھون نے یہ حدیث بیان کی "رسول اللہؐ نے فرمایا، ایک شخص بیل ہانک رہا تھا، اس پر بوجھ لادے ہوئے، تو بیل نے اس کی طرف دیکھا، اور کہنے لگا مین اس لئے پیدا نہین ہوا مین تو کھیت کے واسطے پیدا ہوا" تو لوگون نے یقین نہ کیا، اور انھون نے سبحان اللہ کہا،

اس روایت کے نقل مین بھی وہی تدلیس کارفرما ہی، اصل حدیث کا ترجمہ یہ ہے "رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ایک شخص بیل پر بوجھ لادے ہوئے اس کو ہانک رہا تھا بیل نے اس شخص سے مخاطب ہوکر کہا مین اس لئے پیدا نہین کیا گیا، بلکہ کھیتی کے لئے پیدا کیا گیا، لوگون نے یہ واقعہ سنکر استعجاباً

کہا سبحان اللہ بیل بھی بولتا ہی، رسول اللہ صلعم نے ان کے استعجاب پر فرمایا کہ مین اس پر ایمان رکھتا ہون اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی (مسلم ج ۲ فضائل ابوبکرؓ)

کہان یہ سبحان اللہ کہنا اور کہان وہ جو ہمارے ناقد نے بیان کیا ہی، لوگون نے "ابوہریرہؓ کے بیان پر سبحان اللہ نہین کہا تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر کہا تھا، آپ نے اس کو ابوہریرہؓ پر ڈھال دیا، اب کیا ارشاد ہی، کیا رسول اللہؐ کی باتون پر بھی لوگ انکاراً سبحان اللہ کہتے تھے، !!

معلوم نہین آپ کو مذکورۂ بالا روایت مین کون سی نامعقول بات نظر آتی ہی، میرا تو بحیثیت مسلمان اس پر ایمان ہی اگر آنحضرت صلعم شجر و حجر کے کلام کرنے کے متعلق بھی فرماتے تو مین اسکو بھی آمنّا وصدقنا کہتا، لیکن اگر اس کو تلمیح و استعارہ کے معنی مین لے لیا جائے تو اس کی ظاہری نامعقولیت بھی دور ہو جاتی ہی، اس حدیث کا منشا یہ ہی کہ دنیا کی ہر چیز کو اس کے محل پر استعمال کرنا چاہئے، بے محل استعمال کرنے سے اس شے اور اس محل دونون مین خرابی پیدا ہو جاتی ہی، اور اس شے کی تخلیق کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہی، اس سے غالباً آپ بھی متفق ہون گے بے محل استعمال سے نہ صرف مقصد فوت ہو جاتا ہی، بلکہ عجب مضحکہ انگیز صورتین پیش آتی ہین، مثلاً ایک شخص عدالت کی کرسی سے جبت لگا کر مسند علم پر بیٹھ جائے، یا وہ دست و بازو جو بغداد و عراق مین ترکون کے خلاف نبرد آزمائی کے لئے موزون ہون مذہبیات کی عقدہ کشائی اور مذہبی مباحث پر خامہ فرسائی مین صرف کرے، تو کیسی دلچسپ اور مضحکہ انگیز صورتین پیش آئینگی اس مثال سے غالباً حدیث کا اصل منشا و مقصد واضح ہو گیا ہوگا، اور اس کی نامعقولیت جاتی رہی ہوگی، قدما کے تمام لٹریچر مین غیر ذوی العقول اور جانورون کی زبان سے جو اخلاقی قصے بیان کئے جاتے ہین، انکی غیر معقولیت کسی عاقل نے کبھی ظاہر نہین کی،

(۷) ساتوین اعتراض مین ہمارا ناقد دوست اپنی تاریخی جہالت کا کتنا بڑا ثبوت پیش کرتا ہے کہتا ہی، "اس دلیری کو دیکھو باوجودیکہ وہ مدینہ مین بہت آخری زمانہ مین رسول اللہ صلعم سے ملے

مگر وہ اس روایت مین باور کرانا چاہتے ہین کہ یہ واقعہ ان کے سامنے گذرا ہی، حالانکہ یہ واقعہ مکہ کا ہی، اور اس وقت کا جبکہ آنحضرت صلعم کفار کے نرغہ مین تھے، پھر دلیری پر دلیری یہ کہ حضرت عمرؓ کے سامنے اپنا ثبوت پیش کرتے ہین،" اس مجہول مبتدا کی خبر اب جاکر نکلتی ہی، ناقد کے الفاظ مین روایت یون ہی "حضرت عمرؓ حسان بن ثابت پر گذرے وہ مسجد مین شعر پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا، حسان نے کہا مین تو مسجد مین شعر پڑھتا تھا جب مسجد مین تم سے بہتر شخص (رسول اللہ صلعم) موجود تھا، پھر ابوہریرہؓ کی طرف دیکھ کر کہا مین تم کو اللہ کی قسم دیتا ہون تم نے رسول اللہ سے سن لیا ہی آپ فرماتے تھے، میری طرف سے جواب دے، اے حسان، یا اللہ مدد کر ان کی روح القدس سے ابوہریرہؓ نے کہا ہان مین نے سنا ہی یا اللہ تو جانتا ہی،"

سخت حیرت ہوتی ہی کہ جو شخص تاریخ اسلام کے ابجد سے بھی واقف نہین وہ بلند مذہبی مباحث پر قلم اٹھانے کی جرأت کرتا ہی! کہان آنحضرت صلعم کی مکی زندگی اور کہان حسان بن ثابت کی شعر خوانی غالباً فاضل ناقد کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ حسان بن ثابت مکی نہین بلکہ مدنی اور انصاری تھے، جس وقت آنحضرت صلعم مکہ مین کفار کے نرغہ مین محصور تھے، وہ غالباً مناذرہ کے دربار مین ہونگے، اس وقت حسان بن ثابت اسلام بھی نہین لائے تھے، وہ آپکی جانب سے مدافعت کیا کرتے؟

اگر آپ نے حضرت حسانؓ کے صرف اس جملہ پر غور فرما لیا ہوتا، کہ" مین تو مسجد مین شعر پڑھتا تھا جب مسجد مین تم سے بہتر شخص موجود تھا" تب بھی آپ ایسی لایعنی بات نہ کہتے، ہجرت سے پہلے مکہ مین کونسی مسجد تھی، جس مین حسان شعر پڑھتے تھے، سب سے پہلی مسجد کی بنیاد، آنحضرت صلعم نے ہجرت کے بعد مدینہ کے قریب قبا ر مین ڈالی، اس کے بعد پھر مدینہ مین تعمیر کی جو مسجد نبوی کہلاتی تھی، حسان کی شعر خوانی کا واقعہ اسی مسجد نبوی کا ہی جسکو آپ مکہ مین بتاتے ہین،

تفو برتو اے چرخ گردان تفو،

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حسان بن ثابت دربار نبوی کے شاعر تھے، اور آنحضرت صلعم کی ہجرت مدینہ کے بعد جو مشرکین آپکی ہجو کرتے تھے، یا جو لوگ مفاخرہ کے لئے آتے تھے، حسان انکا جواب دیتے تھے چنانچہ انکا سب سے مشہور جواب وہ ہی جو انھون نے ۹ھ مین بنو تمیم کے رئیس وفد زبرقان بن بدر کے فخریہ جواب مین کہا تھا (دیکھو سیرۃ ابن ہشام وفد تمیم) کیا انسان کے لئے یہ بہتر نہین کہ وہ زبان سے بات نکالنے سے پہلے بات کو تول لے، یہ بھی ذہن نشین رہے کہ احادیث مین "المسجد" کے بلا تصریح ذکر سے مقصود مسجد نبوی ہوتی ہو، خانہ کعبہ یا کوئی اور مسجد نہین،

(۸) ہمارا فاضل ناقد اس اعتراض مین پھر اپنی عربیت اور تدلیس کا ایک اور نمونہ دکھاتا ہو کہتا ہے "ابوہریرہ غالباً خود اپنے دل مین جانتے تھے کہ ان کی روایت کی کیا وقعت ہو، ورنہ وہ اس طرح کی قسمین روایت بیان کرکے نہ کھاتے "رسول اللہ نے فرمایا عراق کا ملک اپنے درم کو روکے گا، اور شام کا ملک اپنے مد اور دینار کو اور مصر کا ملک اپنے اردب کو روکے گا، اور ہو جاؤگے جیسے تم آگے تھے" ابوہریرہؓ نے آخری الفاظ کو چار بار دہرایا، (اور پھر بھی خوف تھا کہ شاید لوگون کو اس پر بھی باور نہ ہو تو فرماتے ہین، اس حدیث پر ابوہریرہؓ کا گوشت وخون گواہی دیتا ہو،"

اس حدیث کی تدلیس مین ہمارے ناقد نے کمال ہی کر دیا، آنحضرت صلعم کے جملون کی تکرار کو بلا تامل ابوہریرہؓ کی طرف منسوب کرکے فوراً ان پر فرد جرم عاید کر دی، اور ہوشیاری یہ کی کہ حدیث کا پورا ترجمہ نہین دیا، بلکہ آدھا کاٹ چھوڑ دیا، کہ اگر پوری حدیث نقل کرتا، تو ہر شخص پر خود اسکی تدلیس کا پردہ فاش ہو جاتا، پوری حدیث یہ ہو " ابوہریرہؓ روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا عراق نے اپنا درہم اور قفیز روک لیا، شام نے اپنا مد اور دینار روک لیا، مصر نے اپنا اردب اور دینار روک لیا، اور تم لوٹ گئے جس طرح پہلے تھے، تم لوٹ گئے جس طرح پہلے تھے، تم لوٹ گئے جس طرح پہلے تھے" اس حدیث پر ابوہریرہؓ کا گوشت وخون شاہد ہی" (مسلم ج ۲ ص ۳۹۹ مصر)

اس حدیث سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جملون کی تکرار ابوہریرہؓ نے نہین کی، بلکہ خود رسول اللہ صلعم نے فرمائی تھی، اور یہ آپکا طریقۂ ادا تھا، اگر ناقد نے احادیث کا براہ راست مطالعہ کیا ہی، تو انکی نظر سے بیسیون حدیث اس قسم کی گذری ہونگی جنمین جملون کی تکرار ہی، معلوم ہوتا ہی کہ وہ خطابت کے اس نکتہ سے بے خبر ہی کہ زور و قوت یانئی اصطلاح مین "فورس" کے مواقع پر تکرار مناسب ہی، اور اسی سے خطابت مین جان پڑتی ہی، اس تکرار سے یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ خطیب اپنی دروغگوئی کی پردہ پوشی کے لئے تکرار کرتا ہی مضمون نگار کی خوش فہمی ہی، یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ یہ تکرار ابوہریرہؓ نے نہین، بلکہ خود آنحضرت صلعم نے فرمائی، اب غور کیجئے کہ انکی یہ بے تحاشا ناوک افگنی کس ذات اقدس کو اپنا نشانہ بنا رہی ہی، گوشت و خون کی شہادت کے یہ معنی ہین کہ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلعم کی اس پیشینگوئی کی صداقت کو بجان و دل قبول کرتے تھے،

(۹) اس نکتہ رسی کے بعد قرآن فہمی کا ثبوت پیش کیا جاتا ہی ارشاد ہوتا ہی ابوہریرہؓ بعض اوقات قرآن کی آیتون سے مدد لیتے تھے، خواہ وہ آیات روایت پر چسپان ہون یا نہ ہون، ثبوت مین یہ روایت نقل کرتے ہین "رسول اللہ صلعم نے فرمایا قسم اس ذات کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہی البتہ قریب ہے جب اترین گے عیسیٰ بن مریم تم لوگون مین اور حکم کرین گے موافق اس شریعت کے اور انصاف کرین گے، اور توڑ ڈالین گے اس صلیب کو جو نصاری نے تیار کی ہی، اور مار ڈالینگے سور کو اور موقوف کر دینگے جزیہ کو اور بہت دینگے مال کو یہان تک کوئی نہ لیگا، پھر ابوہریرہؓ کہتے تھے، کہ اگر تمھارا جی چاہے تو یہ آیہ پڑھ لو و ان من اھل الکتاب الا لیومنن قبل موتہ الخ ابوہریرہؓ نے جو کہ یہ قرآن شریف کی نقل کی ہی، وہ ان کی روایت کی ہرگز تصدیق نہین کرتی"

فاضل علام سے اسکی توقع رکھنا تو بے کار ہے کہ وہ متن عربی سے اس کے صحیح معنی سمجھ لین گے کیونکہ انھون نے کسی مقام پر اس کا ثبوت نہین دیا، لیکن اگر وہ کسی مترجم قرآن ہی پر نظر ڈال لئے ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ آیہ ان کی روایت پر چسپان ہے یا نہین پوری آیہ یہ ہی،

وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ　　اور ان لوگون کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو جو

وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم	رسول اللہ ہونے کے مدعی تھے قتل کر ڈالا، حالانکہ نہ انھون نے
وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما لہم	قتل کیا اور نہ انکو سولی دی، البتہ ان لوگون کو شبہہ مین ڈال
بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ	دیا گیا، اور جو لوگ اس کے بارے مین اختلاف کرتے ہین وہ
یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً	شک وشبہہ مین گرفتار ہین، انھین اسکا کوئی علم نہین صرف
حکیما وان من اھل الکتاب لیومنن بہ قبل	گمان کے پیرو ہین اور یقیناً عیسیٰ کو ان لوگون نے قتل نہین
موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا	کیا بلکہ انکو خدا نے اٹھا لیا اور اللہ زبردست اور حکمت والا
(نسار رکوع ۲۱)	اور اہل کتاب یقیناً اسکی موت کے پہلے اس پر ایمان لائین گے
	اور قیامت کے دن عیسیٰ ان لوگون پر گواہ ہونگے،

اس آیہ پاک سے کم ازکم اتنا معلوم ہوگیا کہ ابوہریرہؓ نے اس کو بے محل نہین چسپان کیا، کیونکہ دونون مین عیسیٰ بن مریم کا ذکر ہی، اب رہا یہ سوال کہ یہ آیت انکی روایت کی تصدیق کرتی ہی یا نہین علحدہ ہی اور ایک مستقل بحث کا طالب ہی جسکی یہان ضرورت نہین معلوم ہوتی، اگر معترض نے دجال پر بحث کی جسکا اعلان ہوچکا ہی، اور وہ قابل توجہ بھی ہوئی تو اس موضوع پر تفصیلی بحث ہوگی، اس موقعہ پر صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ جو لوگ حیات مسیح اور انکے دوبارہ نزول کے قائل ہین، وہ اسی آیہ پاک سے دلیل لاتے ہین، ابوہریرہؓ بھی اسی عام مسلک کے قائل تھے، اسی لئے انھون نے بھی نزول مسیح کے ثبوت مین اسکو پیش کیا تو کیا گناہ کیا، یہ انکا استنباط ہے، جو بہت سے لوگون کے لئے قابل تسلیم ہی،

(۱۰) دسوین حدیث یہ پیش فرماتے ہین ابو رزین نے کہا ابوہریرہؓ سامنے آئے اور اپنا ہاتھ پیشانی پر مارا پھر کہا تم کہتے ہو مین جھوٹ بولتا ہون رسول اللہ صلعم پر کہ تم ہدایت پاؤ، اور مین گمراہ ہون، خبردار ہو مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہی، آپ فرماتے تھے جب تم مین سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو دوسری جوتی نہ پہنے، جب تک اس کو درست نہ کرلے، اس پر یہ تنقید ہوتی ہی کہ اگر یہ ابو رزین

کا مذاق نہین ہی، تو حدیث کی اہمیت ملاحظہ ہو، اور اس کے ساتھ یہ عہد"

ابو رزمی کے بجائے صحیح نام ابو رزین ہے، ممکن ہو یہ کتابت کی غلطی ہو، دوسری تدلیس جس پر انھین "مذاق" کی پھبتی کہنے کا موقع ملا ہی یہ ہی، کہ انھون نے "فلا یمشی فی الاخری" کا ترجمہ محض "دوسری جوتی نہ پہنے" کیا ہی، حالانکہ اسکا ترجمہ یہ ہی کہ "تنہا دوسری جوتی پہنکر نہ پھرے" یعنی ایک پاؤن مین جوتی اور دوسرا پاؤن خالی نہ پھرنا چاہئے، روایت کا مطلب یہ ہی کہ ایک پاؤن کی جوتی کچھ ٹوٹ جائے، اور دوسری درست ہو، تو یہ نہ کرنا چاہئے کہ ٹوٹی جوتی کو پھینک کر صرف ایک جوتی پاؤن مین پہنکر گھسیٹے چلین بلکہ چاہئے کہ دوسری جوتی بھی اپنے ہی ہاتھون سے سہی، مگر درست کرکے دونون پاؤن مین پہنین، چنانچہ یہ روایت ابن ابی شیبہ مین اس طرح ہی، اذا انقطع شسع احدکم فلا یمشی فی الاخریٰ حتی یصلحہا، یعنی جب تم مین سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے، تو صرف دوسری جوتی پہنکر نہ چلے، یہان تک کہ اسکو درست نہ کرلے" یہ ایک اخلاقی تعلیم تھی، حلال و حرام کا کوئی حکم واجب نہین، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اپنے عمل سے اس شبہہ کو دور فرمایا ہی جیسا کہ ابن ابی شیبہ مین ہی، ظاہر ہے کہ ایک ایسی قوم کے افراد کو جو آئین تہذیب سے ناآشنائے محض تھی اس قسم کی معمولی تعلیم بھی دینا کوئی مضحکہ انگیز بات نہین تعلیم تو طالب علم کی استعداد کے مطابق ہوتی ہی، اگر ایک طرف ناآشنائے تمدن عربون کے لئے یہ تعلیم ہی تو دوسری طرف بڑے بڑے عقلا اور فلاسفہ کے لئے الٰہیات کے باریک سے باریک نکتے بھی بیان فرمائے گئے ہین،

حضرت ابوہریرہؓ کا یہ کہنا کہ تم سمجھتے ہو کہ مین جھوٹ کہتا ہون درحقیقت اس عہد کے بعض ان معترضون کے اس بیان کی طنزیہ تعبیر ہے، جو یہ کہتے تھے کہ ابوہریرہ کو باتون کے موقع و محل کا لحاظ نہین رہتا تھا، کہ آنحضرت صلعم نے کس وقت کن اسباب سے اور کس موقع پر یہ بات فرمائی، کوئی خاص حکم تھا یا عام، کوئی شرعی حکم واجب تھا، یا محض اخلاقی تلقین، اس کو وہ طنزیہ کہتے ہین کہ تم کہتے ہو کہ مین رسول اللہ پر جھوٹ بولتا ہون" اس فقرہ کا طنزیہ ہونا اس کے بعد کے فقرہ سے ثابت ہی کہ "تم ہدایت پاؤ اور مین گمراہ

ہوتا ہے کہ یہ طنز یہ ہے ورنہ کوئی شخص اپنے کو گمراہ ہونا خود اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتا، پھر "تم"
کے مخاطب صحابہ نہیں بلکہ ان کے بعد کے عصر کے نوپیدا لوگ ہیں، الغرض اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ
لوگ ابو ہریرہؓ کو نقل احادیث میں کاذب سمجھتے تھے، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہ لوگ احادیث کے محمل میں
ان کی رائے مستند نہ مانتے تھے، اور اس سے ابو ہریرہؓ خفا ہوتے تھے، اس کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً آنحضرتؐ
کبھی اس قسم کی تعلیم بھی فرماتے تھے جسکا مقصد وجوب و امر نہیں ہوتا تھا بلکہ اسکی حیثیت محض اخلاقی
یا استحبابی ہوتی تھی لیکن ابو ہریرہؓ اپنی قوت ایمانی اور فرمان نبوی پر عمل کے جوش میں، اسکو وجوب
امر کی صورت میں پیش کر دیتے تھے، جیسا کہ یہی ٹوٹی جوتی نہ پہننے والا معاملہ ہے، یا کوئی حکم جو کسی خاص
موقع و محل کے لئے ہوتا تھا، اسکو وہ عام سمجھ لیتے تھے، اس سے انکی روایت کی صداقت مشتبہ نہیں ہوتی
البتہ ان کے تفقہ پر حرف آتا ہے، اور یہ وہ مسئلہ ہے جس پر احناف اور محدثین کی پرانی لڑائی ہے، اور اصول
فقہ میں اس بارہ میں مفصل بحثیں ہیں،

اس کے علاوہ معترض نے اس پر غور نہیں کیا، کہ اس روایت میں کسی دوسرے نے ابو ہریرہؓ
کو جھوٹا نہیں کہا، بلکہ وہ خود سوال کے طور پر طنزاً کہتے ہیں، کہ "تم لوگ کہتے ہو میں رسول اللہؐ پر
جھوٹ بولتا ہوں" اس کے ساتھ یہ تاریخی واقعہ بھی پیش نظر رہے کہ عہد رسالت کے بعد کے ساتھ ساتھ
مسلمانوں کی قوت عمل سست پڑتی گئی تھی، اور خلافت راشدہ کے بعد دوسری قوموں کے اثر و دولت
کی بہتات اور بنی امیہ کی بے پروائی سے نئی نسل و قومیت کے مسلمان زیادہ آزادی پسند ہو گئے تھے،
ان کی طبیعتیں مذہبی قید و بند سے بھاگتی تھیں، اسی لئے وہ احادیث اور رواۃ کو مشتبہ بنا کر ان سے بچاؤ
کی صورت نکالتے تھے، ایسی حالت میں اس عہد کے کسی شخص کا ابو ہریرہؓ کی کسی حدیث سے بھاگنا، جس کو انھوں
نے طنزاً مذکورہ بالا جملہ سے تعبیر کیا ہے، ان کی دروغگوئی کا ثبوت نہیں ہو سکتا، اور نہ اسکو انکی صداقت کے
خلاف شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے، اس واقعہ کو موجودہ زمانہ پر منطبق کر کے دیکھ لیجئے کہ "آزادی پسند"

حضرات مین سے کوئی صاحب حدیث کی صداقت سے انکار کرتے ہین کوئی بزرگ صحابہ پر جرح کرتے ہین، کوئی حضرت الیہ پر زبان طعن دراز کرتے ہین لیکن ان کے اعمال سے، ان مین سے کسی کی عظمت مین کوئی فرق نہین آتا، اسی طرح اس عہد کے "آزادمنش" لوگون کی آزاد پسندی سے ابوہریرہؓ ساقط الاعتبار نہین ہوسکتے ابورزین جو ابوہریرہؓ سے ایک راوی ہین، اگر نعوذ باللہ وہ انکو جھوٹا سمجھتے تو وہ ان سے کسی روایت کو لینا ہی کیسے جائز سمجھتے، ابوہریرہؓ کی اس روایت کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہو کہ اس روایت کے راوی حضرت جابرؓ بھی ہین جنکو ابوہریرہؓ کے مقابلہ مین آپ معتبر و مستند تسلیم کر چکے ہین، جابر کی روایت مسلم کے اسی باب مین ہے جس سے آپ نے ابوہریرہؓ والی روایت نقل کی ہو، ایک کو لینا اور دوسرے کو چھوڑ دینا کیسی اچھی دیانت ہو،

(۱۱) اب اس سلسلہ کا صرف ایک اعتراض رہگیا کہ ابوہریرہؓ ایک زمانہ مین لا عدوی و لا یورد ممرض علی مصح بیان کرتے تھے، لیکن پھر پہلے ٹکڑے سے خاموشی اختیار کر لی اور صرف لا یورد ممرض علی مصح بیان کرنے لگے، اور ابن ابی ذباب کے استفسار پر اس کے بیان کرنے سے منکر ہو گئے،

اس کے متعلق گذارش ہو کہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہو، اس لئے اگر صدہا حدیثون مین سے ابوہریرہؓ کسی ایک حدیث کا کوئی ٹکڑا بھول گئے، تو اسکو آپ صرف دروغگوئی پر کیون محمول کرتے ہین خطا و نسیان سے کیون نہین تعبیر کرتے، جبکہ اس روایت کے راوی ابوسلمہ بن عبدالرحمن خود اس کو ابوہریرہؓ کی بھول یا نسخ بتاتے ہین "فلا ادری انسی ابوھریرۃ ام نسخ احد القولین الآخر" (مسلم ج ۲ ص ۲۵۹ مصر) یعنی مین نہین جانتا کہ ابوہریرہؓ بھول گئے یا ایک قول نے دوسرے قول کو منسوخ کر دیا،

ابوہریرہؓ کے نسیان کا سب سے بڑا قوی ثبوت یہ ہے کہ "لا عدوی" کا ٹکڑا حضرت جابرؓ کی روایت مین بھی موجود ہے، "عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی ولا طیرۃ ولا غول"

(مسلم ج ۲ ص ۵۹۰ مصر)

ان تفصیلی جوابات کے بعد آخر مین یہ گذارش ہر کہ اگر بالفرض ابوہریرہؓ کی روایات مین کوئی روایت عقل صریح کے خلاف ہو یا اس کے خلاف اس سے زیادہ مستند روایت مل جائے تو اسکو کوئی ابوہریرہؓ کی دروغگوئی پر کیون محمول کرے، کیا یہ ممکن نہین کہ درمیان کے راویون مین سے کسی نے ردوبدل کردیا ہو جبکہ ہر روایت کئی واسطون سے مروی ہوتی ہی، ان راویون کا جو عموماً ابوہریرہؓ کے مقابلہ مین زیادہ کم رتبہ اور عہد رسالت سے بعید ہوتے ہین، ابوہریرہؓ کے مقابلہ مین دروغگو ہونا زیادہ ممکن ہے، چند مسلسل واسطون والی کسی روایت کے غلط ہونے سے، خواہ مخواہ پہلے ہی راوی کا جھوٹا ہونا ضروری نہین، اور یہ بات انسان کے روزمرہ کے معاملات سے ظاہر ہی،

یہان تک فاضل مقالہ نگار کے مقالہ کے دوسرے حصے کے پہلے جزو پر تفصیلی تنقید تھی، اس کے بعد کے دونون اجزاء پر ایک اصولی گفتگو کیجاتی ہی، کیونکہ یہ دونون ایک اُصول کے ماتحت آجاتے ہین،

اس جزو مین فاضل نقاد آثار قیامت اور پیشین گوئی کی احادیث کی تنقید کی تمہید مین فرماتے ہین کہ مین غزوات و معجزات کے واقعات بھی بشرطیکہ متواتر ہون کئی صحابیون سے مروی ہون ماننے کو تیار ہون، مگر ان روایتون کا ماننا میرے امکان سے باہر ہے، وہ باتین جنکا علم خود رسول اللہ صلعم کو بغیر وحی والہام کے نہین ہو سکتا مثلاً آثار قیامت بنی اسرائیل کے قصص اور عالم مابعد کی کیفیت یا جزاد سزا وغیرہ،

بڑی مشکل یہ ہی کہ سخن شناس ناقد مختلف مباحث کو باہم مخلوط کر دینے کا عادی ہی، اس کو صرف آثار قیامت اور بنی اسرائیل کی احادیث سے بحث تھی، اس مین عالم مابعد کی کیفیت بھی داخل کر دی حالانکہ آخر الذکر سے بحث ہم دونون کے موضوع سے خارج ہی، یہان پر صرف آثار قیامت یا پیشین گوئی کی احادیث اور اسرائیلیات سے بحث مقصود ہی،

معترض کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہی کہ اسکو اس قسم کی احادیث کے ماننے مین اس لئے تامل

نہین ہے کہ وہ ہماری عقل سے ماورا باتین ہین، کیونکہ وہ متواتر معجزات کو بھی تسلیم کرنے کیلئے تیار ہین بلکہ اسلئے تامل ہے کہ اسکو اسی مین شبہہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اسے فرمایا بھی ہی یا نہین اور رسول اللہ صلعم کو اس کا علم بھی ہو سکتا تھا یا نہین،

پہلے احتمال کے متعلق گذارش ہی کہ جب اس قسم کی روایتین تنہا ابو ہریرہؓ سے مروی ہوتین اس وقت بے شک وہ ان مین شبہہ کر سکتا تھا، کہ وہ اس کے نزدیک ناقابل اعتماد ہین، لیکن مشکل یہ ہی کہ آثار قیامت اور پیشین گوئی کی احادیث اتنے صحابہ سے مروی ہین کہ عام تواتر کی حد تک پہونچ جاتی ہین، جس سے وہ اپنے اصول کے مطابق بھی انکار نہین کر سکتا، اگر اس بیان مین شبہہ ہی تو احادیث کی کتابون کے ابواب فتن و ملاحم کو غور سے پڑھنا چاہئے،

دوسری شق یعنی پیشین گوئی کی احادیث کے رد و قبول کے سلسلہ مین سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم پر بطور الہام یا شرح صدر ایسی باتین جو عام حالات مین عام انسانونکے حدود علم سے باہر ہین منکشف ہوتی تھین یا نہین ؟ ظاہر ہی کہ اس قسم کے کشف اور الہام کا کوئی اسلامی فرقہ مخالف نہین خود قرآن مین اس کے متعلق اشارات بلکہ صراحت موجود ہی، کہ خدا جس چیز کے متعلق چاہتا تھا، آپ پر کشف کر دیتا تھا، اور حدیثون مین تو بہت سے اس قسم کے واقعات ملتے ہین، اس کے علاوہ جب دوسرے انبیاء و رسل مین یہ وصف کسی حد تک موجود تھا تو آنحضرت صلعم سے جو تمام پیغمبرانہ اوصاف کے جامع اور

ع آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

کے مظہر اتم تھے، کیون انکار ہی، توراۃ اٹھا کر دیکھئے، آپکو صفحہ صفحہ پر بشارتین اور پیشین گوئیان ملین گی، آنحضرت صلعم مین یہ وصف مان لینے کے بعد اس قسم کی احادیث کے انکار کی کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی، اور نہ کوئی صحابی محض اس لئے ناقابل اعتبار قرار دیا جا سکتا ہی کہ ایسی احادیث کا راوی ہی جبکہ ایک صحابی نہین بلکہ بہت سے اصحاب رسول اس قسم کی روایات مین برابر کے شریک ہین قیامت کی احادیث مین ایک غلط فہمی آپ کو یہ بھی ہو رہی ہی کہ آپ ان سے قیامت کے دن اور تاریخ کی تعیین سمجھ رہے ہین،

حالانکہ یہ مقصد نہیں بلکہ قرب قیامت کے آثار و علامات مراد ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ قیامت کے دن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں، جیسا کہ قرآن مجید نے بار بار تصریح کی ہے"

اس بحث میں ناقد نے بعض ایسی فروگذاشتیں بھی کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے احادیث کا مقصد ہی نہیں سمجھا مثلاً "ابوہریرہ کی قیامت والی حدیثیں" کی سرخی کے ماتحت اس نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ کسریٰ مر گیا اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا، اور جب قیصر مر جائیگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان دونوں کے خزانے راہ خدا میں خرچ کروگے" اس حدیث کو قیامت سے کیا تعلق؟ اس میں تو قیامت کی طرف اشارہ تک نہیں ہے، بلکہ اس میں مسلمانوں کو فتوحات کی بشارت دی گئی ہے،

اس پر یہ تنقید حدیث فہمی اور تاریخ دانی کا اور بھی ثبوت ہے کہ "دیکھو اس پیشین گوئی کا دوسرا حصہ خلاف توقع پورا نہ ہوا، قیصر اور اس کے بعد بعد ہا قیصر ہوئے، ظاہری قرائن تو یہی تھے، کہ جس وقت معاویہ کے زمانہ میں عرب قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رہے تھے قیصریت کا خاتمہ ہو جاتا، مگر قیصر اس وقت بھی باقی رہے، جبکہ خود عربوں کی سلطنت ختم ہو چکی تھی"

اس سخن فہمی پر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ "شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد" جناب والا! کسریٰ اور قیصر کی موت کا مطلب ان دونوں کی شخصی موت نہیں، بلکہ انکی قومی موت انکے اقتدار کا خاتمہ اور انکی حکومت کا زوال ہے، خود جناب نے بھی غالباً کبھی نہ کبھی قومی حرارت میں فرمایا ہوگا کہ مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹ دیا، اس قسم کے استعارے تو ہم روزمرہ استعمال کرتے ہیں، کہ فلاں ختم ہو گیا، فلاں میں دم باقی نہیں ہے، اور اس سے فلاں کی حقیقی موت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اسکی قوت کا خاتمہ اور اسکا زوال ہوتا ہے، اس توضیح کے بعد بھی کیا آپ یہی فرماتے رہیں گے کہ "قیصر اور اسکے بعد صدہا قیصر ہوئے،،

لیکن اگر آپ کو قیاصرہ کے زوال مین بھی شک ہو، تو تاریخ اسلام پر نظر ڈالئے، آپ کو زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہ ہوگی، اور عہد صحابہ ہی مین نظر آجائیگا کہ انھون نے فلسطین، شام، مصر، تیونس، مراکش اور الجزائر مین اسلامی پرچم لہرایا، اور جزائر مین روڈس، قبرص وغیرہ فتح کرکے بحر روم مین اسلامی بیڑے دوڑادیئے، خصوصاً قیاصرہ کا کعبہ اور مذہبی مرکز بیت المقدس چھین کر انکی قومیت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ پھر رومی قوم پنپ نہ سکی اور قیصر روم شہنشاہِ قسطنطنیہ ہرقل (HERACLIUS.) کو مسلمانون کے مقابلہ مین بے بس و لاچار ہوکر ان حسرت انگیز کلمات کے ساتھ شام جیسا محبوب ملک اور بیت المقدس چھوڑنا پڑا کہ "اے شام تجھکو آخری سلام ہو، اب مین تجھ سے جدا ہوتا ہون، افسوس ہے کہ اس سرزمین مین جسپر مین نے صدیون حکمرانی کی ہو اطمینان خاطر کے ساتھ نہ آسکونگا"[1] کیا ایک زندہ قیصر کے منہ سے ایسے ہی مردہ الفاظ نکل سکتے ہین!!

تمام مورخین اس پر متفق اللفظ ہین اور واقعہ بھی یہی ہو کہ مسلمانون نے پہلی صدی ہجری کے نصف اول ہی مین مشرق سے قیصری حکومت کا خاتمہ کرکے اسکو تنگنائے قسطنطنیہ مین محدود کردیا تھا، پھر الفاظ نبوی مین یہ نہین ہو کہ جب آنحضرت صلعم کے زمانہ والا قیصر مرجائیگا، تو دوسرا قیصر نہ ہوگا، بلکہ یہ ہو کہ جب قیصر برباد ہوجائیگا تو دوسرا قیصر نہ ہوگا یعنی جب رومیون کے قیصر کی حکومت تباہ ہوجائیگی تو پھر انکا کوئی دوسرا قیصر نہ ہوگا، اس پیشینگوئی کی صداقت مین کس کو شک ہو کہ مسلمانون کے ہاتھ سے قیصر کا خاتمہ ہوا تو پھر روم والون کی سلطنت قایم نہ ہوسکی، یہان تک کہ خود رومی قوم فنا ہوگئی، اور صفحۂ زمین پر اس کا نشان نہین ملتا،

اس کے بعد ہمارے فاضل علام نے مولانا سید سلیمان ندوی پر چوٹ فرماکر اپنی تاریخ دانی کا مزید ثبوت دیا ہے، ارشاد ہوتا ہو کہ "مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی سیرت نبوی مین نہایت جوش وخروش

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۸۴ طبع یورپ،

سے ابوہریرہؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے، جو نسائی میں ہے، اور جس میں ہندوستان کی فتح کی بشارت ہے، جوش خوش عقیدگی میں وہ تاریخ سے بھٹک کر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ نسائی کے قبل فتح محمود غزنوی کے لکھا ہے، اور اس واسطے صحیح ہے۔ سبحان اللہ ہندوستان پر محمد بن قاسم کا حملہ کئی سو سال قبل کا واقعہ ہے، اور یہ زمانہ حجاج کا ہے، عین اسی وقت جبکہ ابوہریرہؓ آثار قیامت کی احادیث شائع کر رہے تھے"

اس تنقید پر کیا میں بھی عرض کر سکتا ہوں کہ سبحان اللہ آپ نے ابوہریرہؓ سے بدعقیدگی اور اعتراض کے جوش و خروش میں تاریخ سے بھٹک کر اپنی تاریخ دانی کا ایک اور نادر نمونہ پیش کیا ہے، جناب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ابوہریرہؓ کی وفات محمد بن قاسم کے حملہ کے برسوں قبل ہو چکی تھی، باتفاق ارباب سیر ابوہریرہؓ ۵۷ھ یا ۵۸ھ کے اندر ہی وفات پا چکے تھے، اور سندھ پر محمد بن قاسم کا پہلا حملہ ولید بن عبد الملک عہد ۹۳ھ میں ہوا (ملاحظہ ہو ابن اثیر ج ۴ ص ۴۲۷ مطبوعہ یورپ و فتوح البلدان بلاذری ذکر فتح سندھ) خیر یہ حملہ تو بہت بعد کا ہے، خود حجاج جس کے عہد میں یہ حملہ ہوا، اور جس کے آپ بھی معترف ہیں ۷۵ھ میں یعنی حضرت ابوہریرہؓ کی وفات کے پندرہ سولہ سال بعد عراق کا گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا تھا (حوالہ مذکور ص ۳۰۳)

ایسی صورت میں آپ کا یہ ارشاد کہاں تک صحیح ہے کہ ابوہریرہ محمد بن قاسم کے سندھ کے حملہ کے وقت پیشین گوئی کی احادیث بیان کرتے تھے جس زمانہ میں ابوہریرہؓ نے ہندوستان کی فتح کی بشارت سنائی ہے، اس وقت تو غریب محمد بن قاسم پیدا بھی نہ ہوا تھا، کہ اسکی عمر سندھ کے حملہ کے وقت ۱۷ یا ۱۸ سال سے زیادہ نہ تھی،

خیر یہ تو "فاضل مورخ" کا ایک تاریخی تسامح تھا، دوسرا سوال یہ ہے کہ محمد بن قاسم کو ہندوستان کا فاتح کیونکر کہا جا سکتا ہے، جبکہ وہ اس کے بہت معمولی اور حقیر حصہ ملک سے آگے نہیں بڑھا، اگر فتح کا معیار یہی ہے، تو آج ہم فرانس اور پرتگال کو بھی ہندوستان کے فاتح اعظم کے لقب سے ملقب کر سکتے ہیں

کہ ہندوستان کے مغربی سواحل مین ان کے مقبوضات موجود ہین، محمد بن قاسم کو آج تک کسی مورخ نے ہندوستان کا فاتح نہین قرار دیا ہی، البتہ وہ سندھ کا فاتح کہا جاتا ہی،

پھر شاید اس کی بھی آپ کو خبر نہ ہو کہ عربون کی زبان مین سندھ اور ہند دو لفظ ہین، اور انکا اطلاق دو مستقل ملکون پر ہوتا ہی، جیسا کہ عربی کی پرانی جغرافیہ کی کتابون اور سفرنامون سے واضح ہی، اسلئے سندھ کی فتح پر ہند کا اطلاق نہین ہو سکتا، یہ آپ کی تقسیم ہی کہ سندھ کو ایک صوبہ کی حیثیت سے ہندوستان کا ایک جز بنا لیا ہی، لیکن عربون کے نزدیک سندی اور ہندی دو مقابل لفظ ہین،

اس کے بعد تیسرا نمبر اسرائیلیات کا ہی، ان مین ہمارے محتسب صاحب حسب ذیل قانونی نقائص بتاتے ہین کہ "ابوہریرہ سے کثرت سے بنی اسرائیل کے عجیب و غریب واقعات مروی ہین، بعض عرائب تو ایسے ہین جسمین بائبل اور تالمود کی صدائے بازگشت ہے، اور اسکو شاید انھون نے کعب احبار یا اور کسی بے علم یہودی سے لیکر نقل کیا ہی، اور بعض وہ ہین جنکا کوئی سر پیر نہین انمین زیادہ تر مہمل قصے ہین جو یا تو خود ان کے دماغ و عقل کی کارستانی ہی یا سوقی اہل کتاب کی"

مذکورہ بالا ایراد کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہی کہ فاضل ناقد کو اسرائیلیات کی روایت کی صداقت مین اس لئے کلام ہے کہ انکو اسمین دو نقائص نظر آتے ہین، ایک یہ کہ اسرائیلیات کے قصص و حکایات بائبل اور تالمود سے ملتے جلتے ہوئے ہین، اس لئے آپکو ان کے یہودیون سے نقل کئے جانے کا شک ہوتا ہی، دوسرے یہ کہ اسمین آپکو بے سر پیر کے مہمل قصے نظر آتے ہین، اس لئے آپ انھین ابوہریرہ رضی کے ذہن کی خلاقی یا سوقی اہل کتاب کی گپ سمجھتے ہین،

پہلے شبہہ کے متعلق یہ گذارش ہی کہ کسی حدیث کی صحت اور عدم صحت کا یہ معیار صحیح نہین ہی کہ اس کا مضمون بائبل یا اور کسی صحیفہ آسمانی کے مضمون سے ملتا جلتا ہوا ہی، اس لئے وہ حدیث خواہ مخواہ کسی اہل کتاب سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ مماثلت تو میرے نزدیک اس حدیث کی صداقت کی اور تائید

ہے، غالباً اس سے آپ بھی بے خبر نہ ہونگے، اور ہر مذہب کا واقف کار جانتا ہی کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہین پیش کرتا ہی بلکہ وہ ادیان سابقہ کے سلسلہ کی آخری تکمیلی کڑی ہی، اور وہ اس لئے دنیا مین بھیجا گیا تھا کہ گذشتہ امتون نے اپنے اپنے مذاہب مین جو آمیزشین کر دی تھین، ان سے انکو پاک وصاف کرکے "اصل اسلام" یعنی اس مذہب کی شکل مین جسکی ابراہیم موسیٰ، وعیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء ورسل دعوت دیتے چلے آئے تھے دنیا کے سامنے پیش کر دے،

اور ان مذاہب مین ایسی ضروری ترمیم وتنسیخ کرکے جس سے یہ آخری مذہب انسانون کی تمام دنیاوی اور اخروی صلاح وفلاح کا کفیل ہو جائے، ایسا بدیہی لائحۂ عمل بنا دے جس کے بعد پھر کسی قانون کی حاجت باقی نہ رہے، قرآن خود اس حقیقت کو ان الفاظ مین واضح کرتا ہی،

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (شوریٰ رکوع - ۱)

لوگو خدا نے تمھارے لئے بھی وہی راستہ مقرر کیا ہی جسکا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور اے محمد ہم اسی کی تمھارے طرف بھی وحی کی ہی اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم کرو اور اسمین تفرقہ نہ ڈالو،

اس لئے ظاہر ہی کہ اسلام مین بہت سے اخلاقی اصول اور عبرت آمیز قصص وحکایات گذشتہ مذاہب کے اصولون اور ان کے قصص وحکایات سے ملتے جلتے ہوئے ہون گے، اگر تالمود وبائبل کے ساتھ مشابہت حدیث کے ضعف یا اس کے انکار کا سبب ہوسکتی ہی، تو قرآن پاک کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہی جسمین بنی اسرائیل کے اکثر قصص وحکایات بائبل کے قصص سے اتنے مشابہ ہین کہ دونون مین امتیاز مشکل ہی، توکیا آپ اس مشابہت کی بنا پر قرآن کے بھی یہود سے ماخوذ ہونے کا فتویٰ دیدینگے، یا اس کی صداقت سے بھی منکر ہو جائینگے، کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم،

دوسرے شبہہ کا جواب یہ ہے کہ کسی قصہ کے مہمل یا بے سر وپا ہونے کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہی،

اس کے لئے اشخاص کی عقل کو معیار بنانا صحیح نہین ہی، بہت ممکن ہو کہ کوئی قصہ یا اخلاقی تعلیم ایک کے نزدیک مہمل ہو اور دوسرے کے نزدیک عین دانائی ہو، مثلاً آپ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق آپ کی نقل کردہ اسرائیلیات کی یہ مہمل اور بے سرو پا حدیث کہ "ابوہریرہؓ روایت کرتے ہین کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائیگا، قیامت کے دن اے ابن آدم مین بیمار ہوا، تونے میری خبر نہ لی وہ کہیگا اے پروردگار مین تیری خبر کیونکر لیتا تو ایک ہو سارے جہان کا پروردگار، اللہ تعالیٰ فرمائیگا تجھکو نہین معلوم میرا فلان بندہ بیمار تھا تونے اس کی خبر نہ لی اگر تو اس کی خبر لیتا تو مجھکو اس کے نزدیک پاتا، تجھ سے کھانا مانگا، تونے اسے نہ کھلایا اگر تو اسکو کھلاتا تو اسکا ثواب میرے پاس پاتا، اے ابن آدم مین نے تجھ سے پانی مانگا تونے نہ دیا، بندہ کہیگا مین تجھکو کیونکر پلاتا تو مالک ہو سارے جہان کا، پروردگار فرمائیگا میرے فلان بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تونے اسکو نہ پلایا اگر تو اس کو پلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا"

اس حدیث کو آپ نے مہمل اسرائیلیات مین نقل کیا ہو، لیکن ہر اوس شخص کے نزدیک جو موثر و بلیغ کلام کے طرق سے واقف ہو، اسمین خدمتِ خلق اور بےکسون کی دستگیری کی نہایت موثر طرز ادا مین تعلیم دیگئی ہو، جب حدیثون کی اچھائی اور برائی کا آپ کے نزدیک یہی معیار ہو، تو وہ کہان تک عقل سلیم کے نزدیک قابل قبول ہوسکتا ہو؟

اس اصولی جواب کے بعد آخر مین یہ بھی گذارش ہو کہ اسرائیلات کو نہ عقائد سے کوئی تعلق ہے، اور نہ قوانین سے، بلکہ اسمین زیادہ تر عبرت آمیز قصص وحکایات یا اخلاقی تعلیمات ہین، اس لئے اگر ان کی صحت مین آپ کو شک ہو تو انکو جانے دیجئے، ان کے رد و قبول سے اسلام پر کوئی اثر نہین پڑتا چنانچہ محدثین کے نزدیک بھی احادیث کا یہ حصہ زیادہ قابل وثوق نہین ہو، لیکن اس لئے نہین کہ اس کے راوی ابوہریرہؓ ہین یا اس کے قصص وحکایات بائبل سے ملتے جلتے ہوئے ہین، بلکہ اسلئے کہ انکے اسناد کے سلسلے اکثر کمزور، اور بعض موضوع ہین۔

آخر مین مضمون نگار نے ابوہریرہؓ کی اختراعات کے نام سے مختلف نمونون کی حدیثین نقل کی ہین، مین چاہتا ہون کہ مضمون تمام کرنے سے پہلے ان پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیجائے کہ اس مین اس نے کیا کیا گل افشانیان کی ہین،

اس حصہ کے دیکھنے سے ایک خاص بات معلوم ہوتی ہو، کہ وہ حدیث کے معنی مراد لینے مین الفاظ کے ظاہری معنی اور استعارہ و کنایہ کے فرق کو دانستہ یا نادانستہ نظرانداز کردیتا ہو، اور اسی فرق ہیئات کو نظرانداز کردینے سے اسکو حدیث کا اصل مفہوم و منشاء سمجھنے مین دقت ہوتی ہو، اور وہ اس پر اعتراض کر بیٹھتا ہو، حالانکہ بہت سی احادیث مین اس کے الفاظ کے لفظی معنی نہین بلکہ ان سے کنایہ اور استعارہ مقصود ہوتا ہو، مثلاً اختراعات" ابوہریرہؓ کی یہ حدیث" رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اترتا ہو پروردگار ہمارا ہر کسی والا ہر رات دنیا کے آسمان پر جب آخر کی تہائی رات رہجاتی ہو، اور فرماتا ہو کون ہو کہ مجھ سے دعا کرے مین قبول کرون کون ہے کہ مجھ سے مانگے مین اس کو دون، کون ہے، مجھ سے بخشش چاہے مین اسے بخشون"

اور اس پر اس کا یہ بھولا بھالا اعتراض کہ "دنیا مین ہر وقت کہین نہ کہین رات رہتی ہو، ایسی حالت مین غالباً متعدد خدا اترتے ہونگے" حالانکہ ظاہر ہو کہ مذکورۂ بالا حدیث مین خدا کے اترنے کا مقصد یہ نہین ہے کہ خدا کوئی مجسم شے ہے جو عرش اعلیٰ پر متمکن ہے، اور صحیح ہوتے ہوئے وہ مادی جسم کی طرح دنیا کے آسمان پر اترتا ہو، بلکہ اترنے کا مقصد توجہ الٰہی ہے، اور یہ کوئی ایسی چیز نہین کہ بیک وقت ایک ہی جانب مبذول ہو سکتی ہو، کہ اس سے یہ استحالہ لازم آئے کہ چونکہ دنیا کے کسی نہ کسی حصہ مین ہر وقت کہین نہ کہین رات رہتی ہو، اس لئے خدا ہر جانب توجہ مبذول نہین کرسکتا، بلکہ اس کی توجہ کی وسعت و پہنائی ایک آن اور ایک لمحہ مین کروڑون ارض و سما اور کروڑون شب و روز کو اپنے آغوش مین لے سکتی ہو،

اور پچھلے پہر کی تخصیص اس لئے ہو کہ یہی وقت سب سے زیادہ سکون و اطمینان کا ہوتا ہو کہ اس وقت دنیا کے تمام ہنگامے محو خواب ہوتے ہین اور ہر گوشہ مین سکون مطلق طاری ہوتا ہو اور قلب و دماغ جس یکسوئی اور توجہ سے اس وقت کام کرتے ہین دوسرے وقت مین ممکن نہین، اسی لئے تمام مذاہب مین دعا و مناجات کے واسطے جسکے لئے سب سے زیادہ یکسوئی اور توجہ کی ضرورت ہو، یہ وقت بہتر مانا جاتا ہو، چنانچہ تقریباً اکثر مذاہب مین پچھلے پہر سے لیکر طلوع آفتاب تک اپنے اپنے اوقات مین عبادت ہوتی ہو، یہ دونون باتین خیال شریف مین آجانے کے بعد حدیث کا منشا بہت آسانی سے واضح ہوجاتا ہو کہ اس سے مسلمانون کو پچھلے پہر مین عبادت کی تشویق و ترغیب دلانا مقصود ہو، کہ یہ بندون کے سکون قلب، اخلاص اور عدم ریا و نمائش کے لئے موزون وقت ہو،

اسی طریقہ سے ابوہریرہؓ کی اس "مخترعہ" حدیث پر کہ "رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص نہا کر نماز جمعہ مین اول وقت جائے اس نے گویا اونٹ کی قربانی کی اور جو اس کے بعد گیا، اس نے گویا گائے کی قربانی کی، اور جو تیسرے وقت مین گیا اس نے گویا دنبہ کی قربانی کی، اور جو چوتھی ساعت مین گیا اس نے گویا ایک مرغی قربانی کی اور جو پانچوین وقت مین گیا اس نے گویا انڈا قربان کیا اور پھر نماز پڑھی اور خطبہ سے فارغ ہونے تک چپ رہا پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی اس کے گناہ گذشتہ جمعہ سے لیکر اس جمعہ تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ تک بخش دیئے گئے"

اسکا یہ لطیف اور ظریفانہ اعتراض کہ "میرا یہ خیال تھا کہ بکرے کی قربانی سے آگے اللہ میان کو اور قربانی کم پسند آتی ہو، مگر معلوم ہوا کہ وہ مرغی اور انڈے کی قربانی بھی لے لیتے ہین، بشرطیکہ مرغا کا انڈا گندہ نہ ہو"

کاش اس نے یہ برمحل ظرافت کسی ظریف اخبار کے صفحات پر صرف فرمائی ہوتی تو اسکو اسکی واقعی داد ملتی، خدا کے مقابلہ مین اس ظرافت کی کون "کافر" داد دیگا، خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، حدیث کے

معنی بالکل ظاہر ہین کہ اونٹ گاے اور بکرے وغیرہ کی قربانی سے مراد ان کے لفظی معنی نہین بلکہ ثواب کی کمی اور زیادتی کا استعارہ ہو کہ جو لوگ نماز جمعہ مین اول وقت شریک ہون گے انکو بہت زیادہ اور جو لوگ اس کے بعد شریک ہونگے انھین اس سے کم ثواب ملیگا، اسی طریقہ سے اول وقت کے آنے والے کے مقابلہ مین بالکل آخری وقت مین شریک ہونے والا بہت کم ثواب کا مستحق ہوگا، اور حدیث کا مقصد مسلمانون کو نماز جمعہ مین اول وقت شرکت کی ترغیب دلانا ہو،

اس حدیث کے حاشیہ پر ارشاد ہوتا ہو کہ "ماتقدم من الذنب وما تاخر یعنی اگلے اور پچھلے گناہ معاف کا جملہ حدیث کا بہت کثیر الاستعمال جملہ ہو، حالانکہ اس سے زیادہ فتنہ پیدا کرنے والا اور مسلمانون کو بداعمال کرنے والا شاید ہی کوئی جملہ ہو" اللہ اللہ مسلمانون مین بداعمالی اور ان مین فتنہ پیدا ہونے کا خوف اس دل مین پیدا ہورہا ہو جسکی ساری کوششین احادیث وسنن کو مٹانے اور اس کے ناقابل استناد ٹھہرانے مین صرف ہورہی ہین عمل وقول کی یہ نیرنگی بھی طرفہ تماشا ہو،

حدیث کی تردید کے جوش مین قرآن بھی جس کی عصمت کے مدعی بھی پاک نہین ہوتا، وہ حدیث کا کثیر الاستعمال جملہ نہین بلکہ کلام پاک کی آیت کا ایک ٹکڑا اور مختصات محمدی مین ہو، یہ آیت شان نبوی مین نازل ہوئی ہے:-

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (سورۂ فتح، ع، ۱)	تاکہ اللہ تمھارے اگلے اور پچھلے گناہون کو معاف کردے اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کرے اور تم کو سیدھی راہ دکھائے،

اس آیت کو عام مسلمانون سے کوئی تعلق نہین، بلکہ مخصوص آنحضرت صلعم کی شان مین نازل ہوئی ہے، اگر یہ ٹکڑا صحاح کی کسی حدیث مین حج کے علاوہ ہو تو کم از کم میری نظر سے نہین گذرا، کاش مدعی نے وہ احادیث نقل کردی ہوتین، یا کم از کم انکا حوالہ ہی دیدیا ہوتا تو بھی اس کے ساتھ حسن ظن قائم

رہتا، لیکن ہمارے محقق کو تو بات کہدینے سے کام اس کی صحت کی ذمہ داری تو خدانخواستہ آپ لیتے نہین اور اگر بالفرض یہ ٹکڑا کسی ایک حدیث مین نکل بھی آئے جسکا مجھکو یقین نہین تو اسکو حدیث کا کثیر الاستعمال جملہ کہنا کہان تک صحیح ہی،

سب سے آخر مین اس نے ابوہریرہ کی مرویات کی تردید مین دو چار ایسی روایتین نقل کی ہین جو اسکے بلند اور پاکیزہ معیار کے مطابق عریان یا فحش ہین، اس لئے اس نے یہ نتیجہ نکالا ہو کہ وہ ارشاد نبوی نہین ہوسکتین، اس اصول مخترعہ پر گذارش ہو کہ فحش و عریانی کے متعلق اسکا خود ساختہ معیار ہی صحیح نہین فحش تو وہ ہی جسکا مقصد صرف فحش گوئی ہو لیکن اگر تعلیم و تادیب کے سلسلہ مین عریان الفاظ استعمال کرنے پڑجائین تو اس کو فحش نہین کہہ سکتے، اور اسکی وجہ سے کوئی معلم یا طبیب یا مقنن اپنی تعلیم اور قانون سازی نہین چھوڑ سکتا، کیا زنا بالجبر یا اس قسم کا اور کوئی قانون محض اس لئے نہ بنایا جائیگا کہ اسمین الفاظ عریان آئین گے، محض الفاظ کی عریانی کے خیال سے کوئی تعلیم نہین ترک کیجا سکتی، آنحضرت صلعم نے اس زرین اصول کو اسی قسم کے ایک موقعہ پر ان الفاظ مین ارشاد فرمایا ہی، "لا تاتوا النساء فی اعجازھن فان اللہ لا یستحی من الحق، عورتون کے پاس غیر فطری راستون سے نہ آؤ خدا حق کے بیان و اظہار مین نہین شرماتا" کیا رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد گرامی کے بعد بھی کسی کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ جس حدیث کے الفاظ عریان ہون وہ حدیث جھوٹی ہی،

آپ تو ماشاء اللہ خود حاکم ہین، تعزیرات ہند نوک زبان ہوگی، آپ کی نظر سے تو بہت سے اس قسم کے قوانین گذرے ہونگے جو آپ کے ملکوتی معیار کے لحاظ سے فحش و عریان ہونگے، لیکن کیا آپنے انکی عریانی کے خیال سے انکی تشریح نہ فرمائی ہوگی، یا انکو تحریر مین نہ لائے ہون، اسکو تو معمولی سمجھ کا انسان بھی ماننے کے لئے تیار نہین، ہوسکتا کہ کوئی تعلیم یا قانون محض عریانی الفاظ سے بچنے کے لئے نظر انداز کیا جاسکتا ہی،

آپ کہہ سکتے ہیں اور کہا بھی ہو کہ ایسے مواقع پر قرآن کی طرح استعارہ اور کنایہ سے کام لینا چاہئے تھا، اوپر کے اصولی جواب کے بعد عرض ہو کہ آپ نے غور نہیں فرمایا، آپکی نقل کردہ روایتوں میں جہانتک ممکن تھا استعارہ ہی سے کام لیا گیا ہو مثلاً واجب الغسل مباشرت کی تمام فقہی صورتوں کو ان الفاظ اذا جلس احدکم بین شعبھا الاربع ثم جھدھا سے تعبیر کیا ہو، کیا واجب الغسل مباشرت کی تمام صورتوں کو اس سے زیادہ بلیغ کنایہ سے ادا کیا جا سکتا ہو،

یہان تک آپ کے تنقیدی مقالہ کا جواب تھا، اب میں اس امید پر چند نئی گذارشات کرتا ہون کہ آپ ان پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے، بعض احادیث بلا شبہہ ایسی ہین جو ہماری محدود عقل و فہم سے باہر ہین، ان میں انفرادی عقول کو معیار قرار دینا صحیح نہین، کہ انسانوں کی عقلیں باہم متفاوت ہوتی ہین، بہت ممکن ہو کہ ایک شے کسی خاص انسان کی عقل کے مخالف ہو لیکن وہی شے دوسرے آدمی کی فہم کے عین مطابق ہو جسکی متعدد مثالیں اوپر جا بجا گذر چکی ہین، اسکا یہ منشا نہین ہو کہ ہر رطب و یابس کو جو حدیث کے نام سے مشہور ہو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا جائے اور عقل کو مطلق دخل نہ دیا جائے محدثین نے خود اصول نقد مین عقل کو ملحوظ رکھا ہو، کہ جو حدیث عقل صریح کے خلاف ہو وہ ناقابل قبول ہے، بلکہ مقصد یہ ہو کہ کسی حدیث کے کسی خاص انسان کی عقل کے نزدیک خلاف عقل ہونے اور واقعۃً خلاف ہونے مین فرق ہو، اس لئے انفرادی عقول کے بجائے عقل عمومی کا لحاظ رکھنا چاہئے،

دوسری گذارش یہ ہے کہ عقل مین بھی اسی عقل کو معیار نہ بنانا چاہئے، جیسے یورپ نے پیش کیا ہو بلکہ کچھ اپنی گرہ کی عقل اپنے مذاق اپنی روایات اور اپنی خصوصیات کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے، اسی اندھی تقلید کا یہ نتیجہ ہو کہ ہم اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں کو یورپ ہی کی لگائی ہوئی عینک سے دیکھتے ہین، بلکہ اسی کے دل و دماغ سے سوچتے اور سمجھتے ہین، چنانچہ آج مذہب کے خلاف اسکی اصلاح کے پردہ مین جتنی آوازین بلند ہو رہی ہین، وہ سب اسی کی صدائے بازگشت ہین، لیکن ہمارے جدید مصلحین

امت یہ نہین سمجھتے کہ اگر یورپ عیسائیت کی مخالفت پر آمادہ ہو رہا ہی تو بجا ہو کہ وہ اس بیسوین صدی کے دور ترقی مین اسکا ساتھ نہین دیسکتی اور دور حاضر کی رہنمائی سے قاصر ہی لیکن اسلام تو انتہائی ترقی یافتہ اور ابدی مذہب ہی جو انسانی زندگی کے ہر دور مین خواہ وہ کتنا ہی بلند اور ترقی یافتہ کیون نہ ہو، اسکا ہادی و رہنما اور اس کی تمام دنیوی اور اخروی ضروریات کا کفیل ہی کیا یہ قرین دانشمندی ہے کہ ہم محض اس ریس مین کہ چونکہ یورپ اپنے اس ناقص مذہب کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہی جو اس کی موجودہ ترقی مین اسکا ساتھ نہین دے سکتا، ہم بھی اپنے "دین کامل" کی بیخ کنی پر آمادہ ہو جائین؟ ہم کو تو اسلام کے "سراج منیر" کی روشنی مین خود یورپ کو راہ دکھانی چاہئے نہ کہ الٹے اس "شمع ہدایت" پر پھونک مارین؛

یہ کوئی نہین کہتا کہ عوام کے بدعات و خرافات کو مذہب کا درجہ دیجئے، اور نہ اس پر کسی کو اصرار ہے کہ موضوعات کو صحاح مان لیجئے، اور نہ اس پر کہ گذشتہ علما اور مجتہدین کے تنہا اجتہادات اور مستحسنات کو ضروری تسلیم کر لیجئے، مگر یہ کیا قیامت ہے کہ آپ قرآن کو تحریفات اور احادیث و سنن کو مکذوبات قرار دیکر پھر اسلام کی تجدید و اصلاح کا دعوی کیجئے؛ خدارا اس نکتہ پر انصاف کے ساتھ غور کیجئے؛ وحی الٰہی، اور سنت نبوی یہ دونون چیزین باہم لازم ملزوم ہین، ایک کے چھوڑنے سے دوسری کبھی زندہ نہین رہ سکتی، ان دونون کا باہم رشتہ ایسا ہی ہی جیسے قانون اور ضوابط کا، کہ ضابطون کے علم کے بغیر قانون پر عمل کرنا مشکل بلکہ محال ہی، اور قانون کے بغیر تنہا ضابطے بیکار ہین، والسلام علی من اتبع الھدیٰ،

چین مین اشاعتِ اسلام

از

مولوی عبد القدوس ہاشمی ندوی سب اڈیٹر بزم گیا،

اسلامی تاریخ کے واقعات جس طرح محفوظ ہین، اسکا اقتضا تو یہ تھا کہ چین مین بھی اس مذہب کے ابتدا کی پوری تاریخ محفوظ و مرتب ہوتی اور نہین کہا جا سکتا کہ مرتب و محفوظ نہ ہو گی، قرون وسطی کے عالمگیر فسادات مین جس قدر اسلامی تاریخ اور مسلمانون کے علمی خزانے ضائع ہوئے، شاید کبھی دنیا نے اتنا بڑا علمی نقصان نہ سہا ہوگا، ممکن ہو کہ ان مین چین کی اسلامی تاریخ، وہان اسلام کا داخل ہونا، اس کا پھیلنا اور یہان تک کہ چینیون کی ایک بڑی تعداد کا حلقہ بگوش اسلام ہو جانا، یہ تمام واقعات محفوظ ہون، ان کی بھی علماے اسلام نے بڑی بڑی کتابین لکھی ہون، مگر افسوس کہ آج عربی، انگریزی، اردو اور فارسی زبان مین اس کے متعلق اطمینان بخش سرمایہ موجود نہین، جو چین مین اسلام کی رفتہ رفتہ اشاعت و ترقی کا صحیح نقشہ بتا سکے،

یورپین مصنفین کا تو ذکر ہی کیا کہ بجز اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے کسی نے حتی کہ ہسٹری آف ورلڈ اور ہسٹری آف نیشنس کے مرتبین نے بھی چین مین اسلام کا مطلق ذکر ہی نہین کیا، مسلمان اور مشرقی مصنفین نے بھی جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی ایک ہلکے سے خاکے سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا،

چینیون کا بیان ہے کہ چین مین اسلام کی ابتدا رشاہ ٹائیچونگ کے عہد سے ہوئی، اس بادشاہ کا زمانہ ساتوین صدی عیسوی ہو، ان کے بیان کے مطابق سب سے پہلا مسلمان خاندانِ نبوت کا ایک فرد ابن حمزہ نامی چین مین آیا، یہ شخص تین ہزار ساتھیون کے ساتھ آکر چینگ آن یو مین رہنے لگا، اور اس کے

بعد پھر اور مسلمان بحری و بری راستوں سے آتے رہے، اور یون نان کے قریب قریب آباد ہوتے رہے، یہی وجہ ہے کہ چین کے اور صوبوں کی بہ نسبت یون نان میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہی،

چین کے بعض مورخین کا بیان جو ہم تک فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا کے ذریعہ پہونچا ہی، وہ یہ ہے کہ ۸۷۸ء میں سواحل چین پر عرب لیٹروں کا ایک گروہ ظاہر ہوا، یہ کنارے پر پڑی ہوئی کشتیاں چرا لیجایا کرتے تھے، کچھ دنوں کے بعد یہ وہیں کنارے پر آکر آباد ہوگئے، حکومت کی کمزوری نے ان کو وہاں رہکر پھلنے پھولنے کا موقع دیدیا، اور آہستہ آہستہ وہ کاروبار سلطنت میں بھی حصہ لینے لگے، یہاں تک کہ ایک ہی صدی کے بعد وہ حکومت کا غالب عنصر بن گئے،

مندرجۂ بالا بیان خود چینی مورخین کا ہی، مگر عربی تاریخوں میں اس ابن حمزہ نامی شخص کا کہیں پتہ نہیں چلتا، اور نہ کوئی ایسا قصہ ملتا جو اس فسانہ کی کسی حد تک بھی تائید کرتا ہو، مسعودی نے اپنی تاریخ میں چین میں ایک مسلمان کی آمد کا قصہ البتہ بیان کیا ہی، اس کا خلاصہ یہ کہ ایک قریشی عرب جو ہبار بن اسود کے خاندان سے تھا شہر سیراف میں آیا، آدمی چالاک وچست تھا، نچلا نہ بیٹھ سکا کسی کشتی پر بیٹھکر ہندوستان روانہ ہوگیا، مدتوں شہر بہ شہر مارا پھرا، یہاں تک کہ چین جا پہونچا، یہاں یہ شخص شہر خانفو میں مقیم ہوا، سیاحت کی غرض سے وہ چین کے شہروں میں گھومنے لگا، چین کا دار السلطنت اس وقت ہمدان تھا، جب یہ شخص یہاں پہنچا تو اس نے بادشاہ سے بھی ملاقات چاہی، چنانچہ مدت تک وہ اسی امید میں باب عالی پر پڑا رہا، مہینوں کے بعد اس کی عرضی دربار میں پیش ہوئی، اس عرضی میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں رسول عربی صلعم کے خاندان کا ایک شخص ہوں، اور اس دیار میں سیاحت کے لئے آیا ہوں، بادشاہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو شہر خانفو میں بطور شاہی مہمان کے ٹھہرایا جائے اور ساتھ حاکم خانفو کو یہ بھی لکھ بھیجا کہ اس شخص کے صحیح حالات معلوم کرکے بارگاہ سلطانی میں پیش کئے جائیں، حاکم خانفو نے لکھ بھیجا کہ واقعی یہ شخص رسول عربی صلعم کے خاندان کا ایک آدمی ہی، اور چین تجارت وسیاحت کے سلسلہ میں آگیا

بات اس کے بعد بادشاہ نے ... بلایا، اس عرب نے شاہ چین کے دربار میں حاضر ہوکر اسلام اور تعلیم اسلام پر دیر تک گفتگو کی، بادشاہ اسکی گفتگو سے بہت خوش ہوا، اور بہت سے انعامات کے ساتھ واپس بھیجدیا، اس کے بعد دربار دمشق سے حکومت چین کے تعلقات قائم ہوگئے، اور چین میں مسلمانوں کی آمد و رفت بڑھنے لگی،

ممکن ہے کہ ابن حمزہ کے نام سے چینی مورخین نے اسی شخص کا ذکر کیا ہو، مگر تین ہزار آدمیوں کے ساتھ آکر آباد ہو جانے کا کہین تاریخ سے پتہ نہین چلتا،

تواریخ عرب سے معلوم ہوتا ہو کہ مسلمان پہلے چینی ترکستان مین آئے، چنانچہ سنہ ۹۶ھ مین کاشغر دارالاسلام بنالیا گیا تھا، اس سنہ مین مسلم بن قتیبہ باہلی مشہور سپہ سالار نے خلیفہ ولید بن عبد الملک کی حکومت کا شغر پر حملہ کیا، اس حملہ کا مفصل حال ابن اثیر نے اس طرح لکھا ہو کہ:

"مسلم بن قتیبہ باہلی مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ چین کی طرف روانہ ہوئے، سمرقند اہل و عیال کو چھوڑ کر یہ لوگ آگے بڑھے اور فرغانہ تک بلا روک ٹوک بڑھتے چلے گئے، اب اس کے کوہستانی علاقوں کی گھاٹیون کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، اس لئے انھون نے ایک دستہ سہل راستہ کی تلاش مین روانہ کیا، ان علاقون مین کئی جگہ معمولی لڑائیان بھی ہوئین جنمین مسلمانون کو کافی مال غنیمت ہاتھ آیا، یہ لوگ کاشغر تک اسی طرح چلے آئے، شاہ چین نے مسلم بن قتیبہ کو کہلا بھیجا کہ وہ چند معزز اور شریف آدمیون کو بطور ایلچی کے ہمارے پاس بھیجدین، جو ان کے مذہب، اعتقادات اور تعلیم سے ہمیں اچھی طرح باخبر کر سکے، مسلم بن قتیبہ نے دس وجیہ اور سمجھدار آدمیون کا انتخاب کیا، اور ہبیرہ بن مشمرج کلابی کو امیر بنا کر روانہ کیا، چلتے وقت ہبیرہ کو سمجھا دیا، کہ بادشاہ سے کہ دینا "ہم نے قسم کھائی ہے کہ زمین کو پیرون سے روند دین گے، بیشانیون پر غلامی کی مہر لگا دین گے، اور تم سے جزیہ وصول کرین گے" اور کہ دینا کہ ہم اس کے بغیر واپس نہین جا سکتے"

یہ وفد ہبیرہ بن مشمرج کلابی کی سرکردگی مین روانہ ہوا، انواع و اقسام کے تحائف بھی ساتھ تھے، دربار مین پہونچکر آداب و القاب کے بعد اسلامی تعلیمات پر گفتگو شروع ہوئی، آخر مین شاہ چین نے کہا، کہ جاؤ اور اپنے سردار سے کہہ دو کہ تمھاری قلتِ تعداد ہمین معلوم ہے، اپنی جانون پر رحم کرو، اور واپس چلے جاؤ، ہبیرہ نے اس تہدید کے جواب مین مسکراکر کہا، مجھے نہایت تعجب ہو کہ اس لشکر کو قلیل اور تھوڑا بتاتے ہین جسکا اگلا حصہ تو آپ کے سامنے ہے، اور پچھلا حصہ زیتونون کے باغ (شام) مین ہے، رہا آپ کا قتل و خون سے خوف دلانا، اس کے بارے مین مین جناب کو یقین دلادینا چاہتا ہون کہ ہماری موت کا ایک وقت مقرر ہے، اجل اس وقت اور صرف اسی وقت آئیگی، جب یہ وقت آجائے تو ہماری انتہائی خوش نصیبی ہے، کہ ہم اللہ کی راہ مین اپنی جانین نثار کردین، ہماری قوم ایسی موت کو ہمیشہ خوش قسمتی شمار کرتی رہی ہے، اس کے بعد ہبیرہ نے سردار مسلم بن قتیبہ کا پیام پہونچایا، اور کہا کہ ہمارے سردار نے آپ کے پایہ تخت کی خاک کو پیرون سے روند دینے، غلامون کی پیشانیون پر اپنی مہر لگا دینے اور آپ سے جزیہ وصول کرلینے کی قسم کھائی ہے، وہ اس کے بغیر ہرگز واپس نہین جاسکتا، شاہ چین اس وقت اپنے داخلی فتنون کی وجہ سے بہت پریشان تھے، اس لئے انھون نے مسلمان سردار کی قسم پوری کردینے کا انتظام کیا اور پایہ تخت کی مٹی، غلام اور جزیہ کی ایک بہت بڑی رقم بھیجدی، مسلمانون نے بھی کسی وجہ سے اس وقت جنگ مناسب نہ جانی اور جزیہ قبول کرکے قسم پوری کرلی گئی، اسی واقعہ کے متعلق ایک عربی شاعر سواد بن عبد الملک اسلوبی لکھتا ہے:-

لا عیب فی الوفد الذین بعثتھم ۔۔۔ للصین ان سلکوا طریق المنہج

کسروا الجفون علی القذی خوف الردی ۔۔۔ حاشی الکریم ھبیرۃ بن مشمرج

ادی رسالتک التی استدعیتہ ۔۔۔ فاتاک من حنث الیمین بمخرج

اسی غزوہ مین مسلم بن قتیبہ کو خلیفہ ولید کے انتقال کی خبر ملی، اور اسی سال وہ خود بھی قتل

کر دیا گیا، یہ بعید نہ تھا کہ اگر یہ جوان ہمت سپہ سالار کچھ دنون اور زندہ رہتا تو دوبارہ چین پر حملہ کرتا، بلاشبہہ اس کے بعد سے مسلمانون کی آمد شد چین مین بڑھتی گئی، اور یہان تک کہ چین کی آبادی مین مسلمانون کا ایک بڑا حصہ پیدا ہو گیا،

سنہ ۱۳۲ھ مین امویون کی خلافت کا مشرق سے خاتمہ ہو گیا، اس وقت سے عباسیون کا دور شروع ہوتا ہے، چین سے تعلقات بدستور باقی رہے، اگرچہ عربی تواریخ مین ان کے تعلقات کا کوئی مفصل بیان موجود نہین ہے، مگر تاہم جابجا مختلف اوقات مین آمدرفت کا پتہ چلتا ہے،

عبد العزیز ی قوبجی ایک چینی عالم ہین جو مدت تک ترکستان مین بھی رہے ہین، سلطان عبد الحمید خان کے دور مین قسطنطنیہ مین تھے، انھون نے ترکی زبان مین اسلامی چین پر ایک رسالہ لکھا ہے، اس رسالہ کا عربی ترجمہ شیخ محمد مصری قاہرہ کے ایک اخبار نویس نے کیا ہے، یہ رسالہ اس وقت میرے پاس موجود ہے، اس مین فاضل موصوف کا بیان ہے کہ بلاد منچوریا مین قوبجہ کے شمالی حصہ مین سویدون کا پورا قلعہ جب چینی حکومت نے مسمار کرا کر بنا تعمیر کرانا شروع کیا تو قلعہ کی دیوارون اور کھنڈرون سے بہت سے قدیم سکے نکلے، ان مین سے ایک سکہ مجھے بھی مل گیا تھا، وہ آج تک میرے پاس محفوظ ہے، یہ سکہ ربع ریال عثمانی سے کچھ بڑا ہے، اس پر کوفی خط مین دونون طرف مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے:

رخ :- لا الہ الا اللہ :- اس کے چارون طرف حلقہ مین : بسم اللہ الرحمن الرحیم ضرب ھذا الدرھم فی سنۃ احدی و ستین و مائتہ

پشت :- محمد رسول اللہ اس کے چارون طرف حلقہ مین : - ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و لو کرہ الکافرون،

یہ زمانہ خلیفہ مہدی عباسی کا ہو گا، اس کے سکہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان علاقون مین مسلمان آتے جاتے تھے، اور ان کے ساتھ یہ سکہ بھی آگیا ہو گا، کیونکہ اس علاقہ مین خلیفہ مہدی کی حکومت

تو یقیناً کبھی قایم نہین ہوئی، ورنہ عرب مورخین ضرور لکھتے، یقیناً یہ لوگ تجار کے ساتھ یہان آئے ہونگے،

ابن اثیر جزری نے اپنی تاریخ مین لکھا ہو کہ ۲۶۴ھ مین چین مین ایک شخص ظاہر ہوا جس نے جرائم پیشہ جوانون کا ایک گروہ ساتھ لیکر شہر خانقو کا محاصرہ کیا، آگے چل کے اسی واقعہ کے سلسلہ مین شہر خانقو کی نسبت لکھتا ہے:-

وھی حصینۃ ولھا نہر عظیم وبھا عالم کثیر من المسلمین والنصاری والیھود والمجوس وغیرھم من الصینیین،

یہ تیسری صدی کا واقعہ ہے اور پھر اس کے بعد چینی مسلمانون کے حالات عربی تواریخ مین بکثرت مل جاتے ہین، ابوالعباس احمد قلقشندی متوفی ۸۲۱ھ نے شریف حسن بن الجلال سمرقندی سے بیان کیا ہے:

"چین مین سلطان خان کی سلطنت ہے، بادشاہ اگرچہ غیر مسلم ہو، مگر یہان مسلمانون کی بڑی تعداد آباد ہو، بادشاہ ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتا ہو، یہی لوگ اسکی سلطنت کے جزو اعظم اور روح روان ہین، قاعدہ ہے کہ جب کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کو قتل کر دیتا ہو تو اسے قتل کر دیا جاتا ہو، اور اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کر دیتا ہو، تو اس کو بدلے مین قتل نہین کرتے بلکہ اس سے دیۃ لیتے ہین، مگر یہان قتل کے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے ہین، یہان کے انتظامات بہت درست ہین"

چین کے شاہی خاندان مین اسلام نہین داخل ہوا، بجز اس تھوڑے حصہ کے جو چنگیز خان اور اس کی اولاد کے زیر نگین رہا، ابن خلدون نے ترکون کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہو:-

"ان کی ایک چھوٹی سی سلطنت تھی جو ترکستان چینی اور کاشغر کے علاقون مین پھیلی ہوئی تھی اس سلطنت کے ملوک اس دیار مین بہت زیادہ اسلام پھیل جانے کے بعد اسلام لائے، ان مین اور سامانیون مین جو بنی عباس کی طرف سے ماوراء النہری علاقہ مین حکومت کرتے تھے ہمیشہ صلح و

ل شریف حسن ان سیاحون مین ہو جنھون نے سالہا سال ایشیا کا سفر کیا ہو، یہ سیاح کئی سال تک چین مین بھی رہا تھا، (صبح الاعشیٰ)

جنگ رہا کرتی تھی۔

یحییٰ بن علی انسابی کاتب جلال الدین خوارزم شاہ نے تاریخ خوارزم مین لکھا ہو کہ چین قدیم زمانے سے نو ٹکڑون پر منقسم ہے، ان مین سے ہر ایک ٹکڑے پر ایک سردار حکومت کرتا ہی جو انکی اصطلاح مین خان کہلاتا ہی۔ یہ خان اعظم کا نائب ہوتا ہی چنگیز خان بھی ایک صوبہ دار خان تھا، اس نے طاقت حاصل کر لی، اور خان اعظم ہوگیا، مدت تک اسکی اولاد مسلمانون کی بیخ کنی مین مصروف رہی، یہان تک کہ اللہ نے ہدایت دی اور ان مین سے ایک بادشاہ نے اسلام قبول کرلیا۔

ابن خلدون نے جہان ترکستان، کاشغر اور ماوراء النہر مین چغتائی سلطنت کا ذکر کیا ہی، ان کے متعلق لکھتا ہی کہ یہ سب پہلے مجوس تھے اور مسلمانون سے سخت بغض رکھتے تھے، مگر جب ترماشین تخت پر آیا تو ۷۲۶ھ مین اسلام لے آیا اور مسلمانون کی فلاح و بہبودگی مین بڑی دلچسپی لینے لگا، اس کے بعد سے سلطنت کا مذہب اسلام رہا۔

ابو الفداء نے اپنی تاریخ مین دمرتس خان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہو کہ دمرتس خان چنگیز خان کی اولاد سے تھا، جب دوشی خان نے انتقال کیا تو اس کی جگہ باطو خان تخت نشین ہوا اس کے بعد اسکا بیٹا طرطوخان تخت پر آیا، اس بادشاہ نے کوئی اولاد نہ چھوڑی اس لئے اس کی جگہ اسکا بھائی برکت خان وارث تخت و تاج ٹھہرا، برکت خان مولانا شمس الدین باخوری کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ یہ بزرگ ان دنون بخارا مین مقیم تھے، یہین سے انھون نے برکت شاہ کو دعوت اسلام لکھ بھیجی تھی، اللہ نے اسکو ہدایت دی اور وہ مسلمان ہوگیا، مولانا سے ملنے کے لئے وہ بخارا بھی آیا تھا، اس کے ساتھ اور بہت سے غیر مسلم ملازمین بھی تھے مولانا نے غیر مسلمون کے ساتھ ملنے سے انکار کردیا، اس کے بعد وہ اکیلا مولانا سے ملا، اس بادشاہ نے بہت سی مسجدین و خانقاہین تعمیر کرائین، اس کے بعد ازبک بن طغرلجائے اور خربندا و تکدار بن ہلاکو وغیرہ اسلام لائے، (Alisa Recloos) جغرافیہ

کی مشہور کتاب مین ہو کہ بلاد کانسو کے باشندے پہلے لاما کے پرستار تھے، یہ نساطرہ کہلاتے تھے، جب چغتائی بادشاہ مسلمان ہوگیا، تو اس کے ساتھ تمام شمالی و مغربی باشندے بھی اسلام لے آئے، اس کے بعد ان لوگون مین مشرقی ترکستان کے باشندے آآکر ملتے رہے، مسلمان مغلون کی بھی ایک بڑی جماعت ان مین آکر ملی، اس طرح چین مین مسلمانون کی کافی تعداد ہوگئی،

ابن بطوطہ جب چین آیا ہو، اس وقت مسلمانون کی بہت بڑی تعداد ہو چکی تھی، یہ آخر آٹھوین صدی کا زمانہ ہو، اس وقت چین مین مسلمانون کی حالت کے متعلق اپنے سفرنامہ کے جزء چہارم مین لکھتا ہے:

وفی کل مدینۃ من مدن الصین مدینۃ للمسلمین ینفردون فیھا بسکناھم ولھم فیھا المساجد لاقامۃ الجمعۃ وھم معظمون محترمون،

چین کے ہر شہر مین مسلمانون کا ایک الگ شہر آباد ہو جسمین صرف مسلمان ہی رہتے ہین، وہان انکی جمعہ مسجدین ہین، مسلمان چینیون مین محترم و معظم شمار ہوتے ہین،،

سیاح موصوف شہر زیتونہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہو کہ یہان اور تمام بلادِ چین مین ہر شخص کے باغ اور اس کی کھیتیان اس کے مکان کے گرد ہین، جیسا کہ میرے وہان سجلماسہ مین مکان اور کھیتی وغیرہ سب ایک ہی جگہ ہوتی ہو، یہان مسلمان غیر مسلمون کے ساتھ مل کر رہنا پسند نہین کرتے، بلکہ شہر کے ایک حصہ مین ان کی الگ آبادی ہوتی ہو، اس کے بعد ان علماء و افاضل کا ذکر کرتا ہے جن سے وہان ملاقات ہوتی ہو، لکھتا ہو کہ مین یہان تاج الدین اردبیلی سے ملا، یہ بڑے فاضل و کریم آدمی ہین اس شہر کے قاضی یہی ہین، شیخ الاسلام کمال الدین عبداللہ الاصفہانی سے ملاقات کی، یہ بڑے ولی اللہ اور صالح بزرگ ہین، ان کے علاوہ تاجرون کا بھی ذکر کیا ہو، شرف الدین تبریزی ایک بہت بڑے تاجر کے متعلق لکھتا ہو کہ ان سے یہان ملاقات ہوئی، یہ وہی تاجر ہین جن سے مین نے ہندوستان مین قرض لیا تھا، یہ لوگ چونکہ کفار مین آباد ہین، اس لئے جب کوئی مسلمان بلاد اسلامیہ سے ان کے یہان آجاتا ہو

تو یہ بڑی قدر کرتے وہ جب تک ان کے یہان رہتا ہو خیر و برکت سمجھتے ہین،

چین کیری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہو کہ اس کے نواح مین مسلمانون کی بڑی آبادی ہو، ان کے شہر آباد ہین جنمین ان کی جوامع، بازار اور مدرسے ہین، چین کے ہر شہر مین ایک شیخ الاسلام اور ایک قاضی ضرور ہوتا ہے، ان کے تمام امور ان ہی سے متعلق ہوتے ہین، مین یہان ایک فاضل و دولتمند شخص اوحد الدین کے یہان مقیم ہون،

شہر خنجفو کے بارے مین لکھتا ہو، کہ مسلمان اس شہر مین تیسری فصیل کے اندر آباد ہین، یہان مین شیخ الاسلام ظہیر الدین قرلانی کے یہان ٹھہرا ہوا ہون، یہ شہر چھ ٹکڑون پر منقسم ہے، دوسرے مین یہود و نصاری آباد ہین، اور تیسرے مین مسلمان رہتے ہین، یہان ان کی بڑی بڑی مسجدین اور مدارس ہین، اس شہر مین عثمان بن عفان مصری کی اولاد کا ایک خاندان آباد ہے، یہان ان کی ایک خانقاہ بھی ہے، جو خانقاہ عثمانیہ کہلاتی ہے، یہ لوگ یہان کے باشندون مین سربرآوردہ و محترم شمار ہوتے ہین،

ان بیانات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہو کہ چین مین اسلامی آبادی روز بروز بڑھتی رہی، اور آٹھوین صدی ہجری تک بہت کافی تعداد ہو چکی تھی، مگر ابتدائے اسلام کے متعلق کوئی صحیح حال معلوم نہ ہو سکا ہے، کہ چین مین مسلمان کب کس طرح اور کیونکر پہونچے،

انگریزی اور دوسری یورپین زبانون مین اسلامی چین پر مجلدات و اسفار لکھے جا چکے ہین مگر وہان بھی ابتدائی واقعات کا فقدان ہے، اور یہ صحیح پتہ نہین چل سکا ہے کہ مسلمان بحری راستے سے پہونچے یا بری راستہ سے؟

مسٹر شیر سان (Yheer Sant) نے اپنی کتاب (Mohammad-anism in China) مین لکھا ہے:-

کہا جاتا ہو کہ مسلمان چین مین ایک معزول شدہ چینی بادشاہ کی سازش سے آئے، اس نے چینیؤ

طور پر ماوراء النہر علاقہ سے کچھ مسلمانون کو اپنے پاس بلالیا، اور ان کی مدد سے اپنی چھوٹی سی ریاست قائم کرلی، یہی وجہ ہے کہ چینی فوج و محافظین قلعہ مین مسلمانون کی تعداد زیادہ ہے، اور امراء و قواد مین صرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہین،"

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے بیان کے مطابق مسلمان چین مین تجارت کے ذریعہ داخل ہوئے، عباسیون کی حکومت کے ایک مضبوط و مستحکم حکومت ہو جانے کے بعد مسلمانون کی بحری تجارت نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ ہونے لگی، چنانچہ ان کے جہاز خلیج فارس سے سواحل چین و ہند تک آتے جاتے رہے، اس طرح روز بروز باہمی اختلاط نے اس مذہب کی اشاعت شروع کردی، مگر اس کے بعد خشکی کی راہ سے بھی مسلمان شمالی چین مین آئے،

"باقی"

الجہاد فی الاسلام

از

مولوی ابوالعلاء صاحب مودودی رفیق اعزازی دار المصنفین

جسمین اسلامی جہاد کی حقیقت اور اسلام کے قوانین جنگ و صلح معترضین کے جوابات اور شکوک و شبہات کا ازالہ اسلامی قانون کا دوسرے مذاہب اور دوسری قومون کے قوانین جنگ سے مقابلہ و موازنہ اور موجودہ یورپین قوانین جنگ پر مفصل تبصرہ، اور ان پر اسلامی قانون کی برتری، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۴۹۲ صفحے، قیمت للعہ

"مینیجر"

تلخیص و تبصرہ

قدیم اردو بول چال

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ کا مسئلہ گو ابتک زیر پردہ ہی، تاہم اسمین شک نہین کہ دارالمصنفین نے
[illegible] جناب مولانا [illegible] صاحب مرحوم [illegible] شایع کی، لوگون کی ادھر توجہ ہوئی، صوفیون
اور بادشاہون کے ملفوظات تلاش ہونے لگے، اور بہت سے فقرے ڈھونڈ کر نکالے جانے لگے، یہ شوق
اب ہندوستان سے نکل کر یورپ تک پہونچ گیا ہی، اورینٹیل اسٹڈیز آف لندن کے رسالہ جلد ۶ حصہ اول
مین مسٹر گریہم بیلی (Grahame Bailey) کا ایک مضمون شایع ہوا ہی جسمین
مضمون نے اردو کی مختلف کتابون سے اردو کے ان ابتدائی فقرون کو جمع کیا ہی، اور شاید بعض فقرے
انھون نے خود بھی تلاش کئے ہین، وہ لکھتے ہین :-

"اردو کی ابتدا کے تمامتر حالات تقریباً ادبی یا اسی طرح کی دوسری کتابون مین ملتے ہین تاہم
دو قسم کی کتابین ایسی ہین جنمین قدیم اردو بول چال کے فقرے ملتے ہین، اول بزرگان دین کی سوانحعمریان
(خصوصاً دکن اور گجرات مین) جن کے پیرؤون نے ان کے اقوال اور حالات قلمبند کر لئے ہین اور کہین کہین
ان کے اصل الفاظ کو بھی نقل کر لیا ہی، دوم فرشتہ اور ابوالفضل وغیرہ کی تاریخین جنمین ہمین بادشاہون
کے منہ سے نکلے ہوئے اردو جملے ملتے ہین، اسمین شبہہ نہین کہ اونچے طبقون مین بھی اردو اکثر بول چال مین
استعمال کیجاتی تھی اگرچہ سرکاری زبان فارسی ہی تھی، ان پرانے اردو فقرون مین سے چند محمود شیرانی

شمس اللہ قادری اور عبد الحیٰ ندوی کی تصنیفوں مین ملتے ہین بعض مطبوعہ کتابون مین بھی پائے جاتے ہین، اور بعض قلمی نسخون سے لیے گئے ہین، گو ان فقرون کی قدامت کا تعین ہم نہین کر سکتے تاہم وہ ہمارے شکوک کے باوجود کافی دلچسپ ہین، اگر پورے طور پر چھان بین کیجائے تو اس قسم کے اور بہت سے فقرے ہمکو مل سکتے ہین،

بول چال کے فقرون مین سے پہلے مین ایک شعر نقل کرتا ہون، جس کے متعلق کہا جاتا ہی کہ وہ بابر کے ترکی دیوان سے لیا گیا ہے، اسکا ڈیڑھ مصرعہ اردو مین ہی،

مجکا نہ ہوا کچھ ہوس مانک و موتی فقرا ہلینہ بس بولغوسیدر پانی و روتی

(یعنی مجھکو جواہر اور موتی کی خواہش نہین ہی، فقرا کو پانی اور روٹی کافی ہی) بابر کے دیوان کا یہ قلمی نسخہ نواب صاحب رامپور کے کتبخانہ مین ہی اور وہ ۱۵۲۹ء کا لکھا ہوا ہی، شیخ فرید الدین گنج شکر (متوفی ۱۲۶۷ء) اپنے ایک دوست کو "بھیا" کہا کرتے تھے، آپ سے دریافت کیا گیا کہ ذہن کا مقام کہان ہی، فرمایا "بیچ سر کے" خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (متوفی ۱۳۵۶ء) نے ایک دوسرے بزرگ سے انکا موازنہ کرتے ہوئے اپنے خلیفہ سے فرمایا "تم اوپر وے تلے" (فرشتہ) خواجہ بندہ نواز کا ایک جملہ آپ کے ایک مرید عبد اللہ بن رحمان چشتی نے اپنی تصنیف "عشق نامہ" مین نقل کیا ہی:-

"پھوکون موے سو خدا کچھ اپرتا ہی، خدا کو اپرنے کی استعداد اور ہی" ایک روز ایک دوست نے آپ سے کہا "خواجہ برہان الدین بالا ہی" آپ نے جواب مین فرمایا "یو نو کا چاند بالا ہی" (یعنی پورا چاند بلند ہے)[1] تاریخ فیروز شاہی کی روایت ہی کہ فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء) نے سندھ فتح کرنیکے بعد یہ کہا "برکت شیخ دیا"[2]

---

[1] معارف: مضمون نگار کو غلط فہمی ہوئی، یہ فقرہ فیروز شاہ تغلق نے نہین کہا تھا، بلکہ ۷۵۲ھ مین محمد شاہ تغلق کے سندھ پر حملہ کرتے ہی وفات پاجانے اور ۷۶۲ھ مین فیروز شاہ تغلق کے حملۂ سندھ کے ناکام رہجانے پر سندھیون نے کہا، دیکھو فیروز شاہی سراج عفیف ص ۲۳۱ کلکتہ،

[2] معارف:- دیا کی جگہ تھیا چاہئے،

اک مواک تہا" (یعنی شیخ کی برکت سے ایک مرگیا ایک نہ مرا)[1] فیروزشاہ تغلق[2] کے جانشینون نے ان غلامون مین سے بیشتر کو نکال دینے کے احکام صادر کئے، جنھین فیروزشاہ ہندوستان کے دوسرے حصون سے لایا تھا، بہت سے روپوش ہوگئے، اور جب گرفتار کئے گئے تو انھون نے دہلی کے باشندے ہونے کا دعویٰ کیا، چنانچہ انکا امتحان یون لیا گیا، کہ ان سے "خرا کھری"[3] صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرنے کو کہا گیا لیکن وہ اسے اصلی باشندگان شہر کی طرح نہ ادا کرسکے، قطب عالم گجرات کے مشہور بزرگ جنکا وصال ۸۵۶ھ اور ۸۵۷ھ کے درمیان ہوا، ان کے صاحبزادہ کا نام سراج الدین تھا، شاہ بارک اللہ چشتی نے برہان الدین کا نام شاہ عالم رکھا، یہ سنکر ان کے والد نے فرمایا "چشتیون نے پکائی اور بخاریون نے کھائی" قطب عالم اور شاہ عالم بخاری تھے،

مراۃ سکندری مین چھ جملے منقول ہین، ان مین سے دو قطب عالم کیجانب منسوب ہین جنکا ذکر ابھی ہوچکا ہی، ان جملون کی تاریخ تقریباً ۸۴۳ھ ہی، ایک روز فجر کی نماز کو جاتے ہوئے انکا پیر کسی ٹھوس چیز سے زخمی ہوگیا جو زمین پر پڑی ہوئی تھی، انکی زبان سے بیساختہ یہ فقرہ نکلا "لوہے یا لکڑ یا پتھر" یا گیا ہے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ شہابہ کا ایک ٹکڑا تھا جسمین ان تینون کی صفتین پائی جاتی ہین، جب ان کے صاحبزادہ شاہ عالم کی منسوبہ کو محمد شاہ فرمانروائے گجرات نے لے لیا، اور دوسری بہن کی نسبت جو حسن وجمال مین کمتر تھی شاہ عالم سے ہوئی، تو انھون نے اپنے والد سے شکایت کی، اس پر قطب عالم نے فرمایا "بیٹے تسا نصیب دُہون دیجہ" (یعنی بیٹے تیری قسمت مین دونون ہین) یہ پیشینگوئی

---

[1] معارف:- ترجمہ بھی صحیح نہین، صحیح یہ ہو کہ ایک مرگیا ایک بھاگ گیا،

[2] معارف:- حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب 'پنجاب مین اردو' صفحہ مین اس موقع پر سلطان فیروز شاہ خلجی ۶۸۹ھ-۶۹۵ھ کا نام لکھا ہی جو صحیح نہین، سلطان فیروز شاہ تغلق چاہئے، اسی طرح ۶۹۸ھ مین فیروز شاہ خلجی کا نام سندھ کے فتح کے سلسلہ مین حافظ صاحب نے لکھا ہی وہ بھی انکا سہو قلم ہی،

[3] معارف:- صحیح "کھرا کھری"

پوری ہوئی، کیونکہ بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ اپنی بہن شاہ عالم کی بیوی کے پاس چلی گئی، اور اس بہن کے انتقال کے بعد اس نے شاہ عالم سے نکاح کر لیا،

ایک دوسرا جملہ خود شاہ عالم کی طرف منسوب ہے، سلطان احمد شاہ بادشاہ گجرات نوعمر شہزادون مین سے ایک شہزادہ محمود شاہ نامی کی جان کا خواہان تھا، محمود شاہ کو شاہ عالم نے اپنے مکان مین پناہ دے رکھا تھا، بادشاہ بغیر اطلاع شاہ عالم کے مکان پر پہونچ گیا، لیکن اس ولی اللہ نے اس لڑکے کو ایک مرد بزرگ بنا دیا، جس وقت بادشاہ اندر داخل ہوا، شاہ عالم نے لڑکے سے کہا "بڈھو ڈوکرے" (یعنی پڑھ بڈھے) لڑکے کو نہ پاکر احمد شاہ واپس گیا، یہی محمود شاہ ۱۴۵۹ء سے ۱۵۱۱ء تک گجرات کا حکمران تھا،

ایک مرتبہ اپنی توہین پر اس نے کہا "نیچی بیری ہر کوئی جھوے" سکندر شاہ کی طرف جو ولیعہد سلطنت تھا، اور بعد مین ڈھائی ماہ کے لئے گجرات کا بادشاہ ہوا، یہ قول منسوب کیا جاتا ہے "پیر موا مرید جوگی ہوا" جب بہادر شاہ بادشاہ گجرات کو رومی خان کی نمکحرامی سے ۱۵۳۲ء مین ہمایون کے مقابلہ مین شکست ہوئی تو اس کا طوطا ہمایون کے ہاتھ آیا، جس وقت رومی خان کی آمد کی اطلاع ہمایون کے سامنے کی گئی، طوطے نے چیخنا شروع کیا "پھٹ رومی خان حرامخور پھٹ رومی خان حرامخور" (یعنی لعنت ہو رومی خان نمکحرام پر) معلوم ہوتا ہے کہ یہ فقرہ طوطے نے بہادر شاہ کے محل مین اکثر سنا تھا، شیخ وجیہ الدین علوی بھی گجرات کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے، ان کے مریدین نے ان کے اقوال کو بحر الحقائق نامی ایک کتاب مین جمع کیا ہے، ان مین سے بعض حسب ذیل ہین، یہ سنکر کہ شیخ فضل اللہ نے درس دینا ترک کر دیا، انھون نے فرمایا "جب ترقی پکڑین گے تب آپ سے درس دینگے" دوسرا مقولہ یہ تھا "اس سے اور کیا خوب ہے اس دنیا مین کہ دل خدا سو مشغول ہوئے" پھر فرمایا "عارف اسے کہوے جو خدا سے بھر یا ہوے" ایک اور موقع پر فرمایا "اگر کسی کو تھوڑی بھی صفا ہوئے، جو حرام لقمہ کھائے یا حرام فعل کرے تو تنک یاد دے، دو بے بار بھی یاد دے، تیجے بار بھی یاد دے" شاہ ہاشم علوی شیخ وجیہ الدین کے بھتیجے تھے، ان کے

اقوال ایک مرید نے مقصود العاشقین مین جمع کئے ہین، ان مین سے تین یہان نقل کئے جاتے ہین:-

"دنیا چھوڑے سیشیخ کہا ے　　　یہ حجاب تجھ بہوے ناے

دینی شیخی سو یک میدان　　　پہلے جھوٹے دوجے شیطان"

"ہاشم جی کی سنئے بات، جنے رکھی باسی بہات، اس کا جاوے ہاتے ہات"

"باپ کے اتنا دیوے سو پوت، باپ نہ دیوے سو سپوت، باپ کا دیا چھینے سو کپوت"

اسی کتاب مین شاہ نظام الدین کا جو وجیہ الدین کے شاگرد تھے یہ مقولہ منقول ہی:

نظام بندگی کرے تو کیا ہوے،　　　اول جس کا نہ دل صفا،

جامہ سوندھے مین ڈوب رہا،　　　اسے خوشبو لگانے تو کیا نفع

(خوشبو)

"ع ز"

ہندوستان مین اسلام کی موجودہ حالت پر عیسائی نقطۂ نگاہ سے تبصرہ

ہندوستان مین جدید تعلیم کا رواج عیسائی انگریزون نے جس غرض سے دیا تھا اُس کا مقصد یہ تھا کہ رفتہ رفتہ اس زہر سے مسلمانون اور ہندوؤن کے پرانے مذہبی جذبات فنا ہو جائین گے، اور وہ ہندوستان مین چین کی نیند سوئینگے لیکن فطرت اپنے انتظام سے معطل نہین کیجا سکتی، مذہبی جذبات تو فنا ہو گئے، مگر ان کی جگہ سیاسی قومی اور وطنی جذبات نے لی، اور نتیجہ وہی ہوا، گو عام سیاسی انگریزون کا منشا اس جدید تعلیم کی اشاعت سے سیاسی فوائد تھے، مگر عیسائی مشنریون کو خوشی یہ تھی کہ وہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانون کے اسلامی جذبات سے سادہ قلوب پر اپنی مسیحائی کا نیا نقش رقم فرمائین گے، ہم ذیل مین امریکہ کے مشہور مشنری رسالہ اسلامک ورلڈ اپریل ۱۹۳۱ء کے ایک مضمون "ہندوستان مین اسلام" کا آخری حصہ نقل کرتے ہین، جس سے معلوم ہوگا کہ وہ مسلمان بد اندیش جو محض ذاتی نام و نمود کے لئے اصلاح کے نام سے اسلام کی بربادی کے لئے کوشان ہین عیسائی مشنریون

کو ان کی کوششون کے ساتھ کس قدر توقعات قائم ہین، اس سلسلہ مین علی گڈھ کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اسکی صداقت پر ہمکو غور کرنا چاہئے، وہ لکھتا ہی:-

"مسیحی مبلغون اور ان تعلیم یافتہ مسلمانون کی جنھون نے دین عیسوی قبول کر لیا ہی، اور کالج کے پروفیسرون کی یہ متفقہ رائے ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرف سے مسلمانون کی فطری بے تعلقی اور اجتناب کے ساتھ ساتھ اُن مین نرمی اور فراخ دلی روز بروز زیادہ پائی جارہی ہی، اور مذہبی روشنخیالی کا مطالبہ زیادہ کثرت سے ہورہا ہی، مسیحی تبلیغ اور عیسائیت سے متعلق جو قدیم اندیشے تھے ان مین کمی ہو رہی ہی، مسلمان طلبہ ایک خاص حالت مین ہین، ان مین سے اکثر کے سامنے تو صرف سند اور روٹی حاصل کرنیکا سوال ہی، اگر طالب علم مذہبی ہی، تو اس مین مذہب کا جوش پایا جاتا ہی لیکن بہیترے تو محض بے تعلق اور لاپروا ہین، مخالف خیالات و آرار کی باہمی جنگ مین وہ اسلام مین کوئی دلکشی نہین پاتے، کیونکہ اسلام فی نفسہٖ اطمینان بخش نہین ہی، اس سے حقیقی روحانی غذا نہین حاصل ہوتی،

گورنمنٹ کالجون کے بہ نسبت، مشنری کالجون مین مذہبی دلچسپی زیادہ پائی جاتی ہی، کیونکہ گورنمنٹ کالجون مین مذہبی حرارت فنا کر دی جاتی ہی، اور مسیحی کالجون مین یہ کم و بیش قائم رکھی جاتی ہی علی گڈھ پر مین نے خاص توجہ صرف کی تھی، لیکن اسکی مذہبی حالت کی طرف سے مجھے مایوسی ہوئی، سرسید احمد خان کا حوصلہ یہ تھا کہ جدید تعلیم کو اسلامی تمدن اور عقائد کی بنیاد پر قائم کرین، یہ خیال ان کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتا ہی کہ فلسفہ ہمارے داہنے ہاتھ مین ہوگا، سائنس بائین ہاتھ مین، اور توحید کا تاج ہمارے سر پر ہوگا، ان کا حوصلہ پورا نہ ہوا، اسلام یعنی مذہب علی گڈھ کی زندگی کا حیات بخش اور اخلاق نواز عنصر نہین ہی، سرسید کے بعد علی گڈھ کو ایسے اشخاص نصیب نہ ہوئے، جنھون نے کم از کم اس کا تجربہ بھی کیا ہوتا، اس ناکامی کی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ سرسید کا مقصد خالص مذہبی ہونے کی نسبت زیادہ تر تمدنی اور تعلیمی تھا، اور یہ ایک ایسی کمزوری ہی جو مذہب کے متعلق عام طور سے تقریبًا تمام جدید تعلیم یافتہ مسلمانون مین

پائی جاتی ہی، مذہبی تعلیم علی گڈھ کے نصاب کا جس طرح پہلے ایک جز تھا اب بھی ہی نماز لازمی ہی لیکن مذہبی مضامین سے دلچسپی کم ہوتی جاتی ہی، اور نماز کی پابندی مین اکثر بے پروائی برتی جاتی ہی، یہ صورتِ حال صرف علی گڈھ کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ تمام غیر سرکاری اسلامی کالجون کی یہی کیفیت ہی، ہر جگہ مین نے یہی سنا کہ طلبہ عموماً دینیات کے سبق اور نماز سے بچنے کی غرض سے تمام ممکن عذرات پیش کرتے رہتے ہین، یہ امر قابلِ افسوس ہی، مگر فطری ہی، جدید سائنس اور مذہب کا تعلق تمامتر مصنوعی اور خارجی ہی، مذہبی تذہ اکثر قدیم طرز کے اشخاص ہین یا ایسے لوگ ہین جنکی آزاد خیالی متوسط اور غیر نفع بخش ہی، لہذا علی گڈھ سے جو توقعات وابستہ تھین ان کے پورا نہ ہونے پر کثرت سے والدین کی شکایتین سنی جاتی ہین، علی گڈھ کے متعلق انھین بھروسہ تھا کہ وہان جدید دنیوی تعلیم کا نتیجہ عقائد کی بربادی نہ ہوگا لیکن وہ دیکھتے ہین کہ کس کثرت سے وہان کے گریجویٹ مذہب سے یکسر بے تعلق ہوکر واپس آتے ہین، بہرحال یہ تمام باتین ایک عام کلیہ کی حیثیت سے نہین پیش کی گئی ہین، میرے تجربہ مین جو کچھ آیا وہ بالکل اتفاقی طور پر تھا، مین صرف اپنے خیالات کا اظہار کر دیتا ہون اور ساتھ ساتھ ایسے اشخاص کی رائین بیان کر دیتا ہون جنھین مدتون اس قسم کے لوگون سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہی، ہر جگہ ایسے روشنخیال افراد ملتے ہین جو اسلامی نظام اور مسلم قوم کے دقیانوسی اور موجبِ ننگ و عار عناصر کی بے تکلف نکتہ چینی اور جدید روحانی آزادی کی وکالت کرتے ہین، اس موضوع پر "ہندوستان ٹائمس" کے کانگرس نمبر مین مسٹر آصف علی کا ایک نہایت دلچسپ مضمون تھا، جس وجہ سے مین مجبوراً مسلمانون کی عام بے پروائی کی طرف خصوصاً جو غیر سرکاری اسلامی ادارون مین برتی جاتی ہی، توجہ دلانا چاہتا ہون، وہ یہ ہی کہ ایسے بیانات سے جو پروپگنڈا کی غرض سے استعمال کئے جاتے ہین، ہمیشہ گمراہی کا اندیشہ رہتا ہی، اصل زندگی سے ذاتی تعلق ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے اسکا صحیح اندازہ ہو سکتا ہی، میرا تعلق اس قدر چند روزہ رہا ہی کہ وہ دماغ انسانی کی غیر محسوس رو کے متعلق اظہارِ خیالات کرنے مین زیادہ قابلِ سند نہین ہو سکتا، آخر مین

اتنا کھونگا کہ ہندوستان مین اسلام ابتری اور تبدیلی کی حالت مین ہی"

معارف:- یہ اُسی قسم کی رائے ہے جو چودہوین اور پندرہوین صدی کے ہنگامہ آرا مذہبی وسیاسی وتمدنی انقلابات کی وجہ سے جو اسلام کے تصادم سے عیسائی مذہب مین پیدا ہوگیا تھا عیسائیت کے متعلق اُس وقت ظاہر کی جارہی تھی، ظاہر ہے کہ اسلام کی یہ موجودہ کیفیت اُس عہد کا نمونہ ہے جب کوئی زندہ مذہب، کسی انقلاب کی خاطر وقت کے ان خیالات سے مطابقت کے لئے جدوجہد کرتا ہی اور آخر کامیاب ہوتا ہی، "ع ز"

ایرانی فنون کی نمایش،

برلنگٹن ہاؤس کی نمایش کے ساتھ ساتھ ایرانی صنعت کاری کی نمایش کا جو اہتمام کیا گیا ہے، اور برٹش میوزیم کے مختلف شعبون سے ایرانی فن وصنعت کے جو نمونے حاصل کئے گئے ہین، اب جبکہ یہ تمام سامان پہلی بار اکٹھا کیا گیا ہے، اکثر لوگون کو حیرت ہے کہ میوزیم مین کس کثرت سے ایرانی صنعتون کے منتخب نمونے ہین، اگرچہ گنجایش نہ ہونے کے باعث پرسپولس (ایران کے قدیم دارالسلطنت) کے سنگین مجسمون کے اجزا دو سے زیادہ نہ رکھے جاسکے، حالانکہ میوزیم مین ان کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے، تاہم زمانہ قبل اسلام کی صنعت کے دوسرے کارنامے جو پیش کئے گئے ہین، وہ نہایت دلچسپ ہین، قدیم کوزہ گری کے نمونون کے علاوہ یہ خاص چیزین نمایش مین رکھی گئی ہین:-

الاباسٹر کا بنا ہوا مٹکا جو ہلیکارنیسس (HALICARNASSUS) مین پایا گیا تھا، اور جس پر کیخسرو کا نام تین زبانون اور مصر کے تصویری خط مین لکھا ہوا ہے، لورستان کے کانسے کے برتن جو حال مین دریافت ہوئے ہین، مہرین، جواہرات، اور سکے، اور سب سے بڑھکر "خزانہ آکسس" مع اپنے لاجواب طلائی اور نقرئی ظروف کے، عہد اسلامی کی صنعتون

مین کوزہ گری دھات کے کام، سکے قلمی کتابین، تصویرین اور جلد سازی کے نمونے ہین، مٹی کے برتن نوین صدی سے اٹھارہوین صدی تک کے بنے ہوئے ہین، ان پچپن قلمی نسخون سے جو منتخب کئے گئے ہین، تیرہوین صدی سے انیسوین صدی تک کی ایرانی مصوری کی رفتار معلوم ہوتی ہے، عباسی طرز (تیرہوین یا چودہوین صدی) بھی اچھی طرح دکھایا گیا ہی، ایرانی قلمی نسخون مین دو نسخے خاص اہمیت رکھتے ہین، یہ ۱۳۹۶ء اور ۱۳۹۷ء کے ہین، اور غالباً تیمور کے زمانہ کے یہی دو نسخے ہین جن سے یورپ کو واقفیت ہی، ان کے علاوہ نظامی کے تین نسخے ہین، ایک ۱۴۴۲ء کا جسمین بہزاد کی تصویرین ہین، دوسرا پندرہوین صدی کے آخری حصہ کا جسمین قاسم علی اور دوسرون کی بنائی ہوئی تصویرین ہین، اور تیسرا ۱۵۲۹-۱۵۴۳ء کا جسے میرک اور سلطان محمود کے دوسرے اساتذۂ وقت نے مصور کیا تھا، علاوہ ازین مصوری اور نقاشی کے پچاس اور نمونے ہین، جنمین ایران کے حسن فن کا مطالعہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہی، (برٹش میوزیم جرنل)

دار المصنفین کی نئی کتاب

سیر الصحابہؓ کے حصہ مہاجرین کی تیسری جلد

از شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

جس مین حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ دوسی، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر ۱۰۱ مہاجر صحابہ کے حالات و سوانح، اخلاق و فضائل، اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی، مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہی، حجم ۴۶۳ صفحات قیمت للعہ "منیجر"

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مکتوباتِ محمد علی

مکتوبِ اول

بنام سید سلیمان ندوی

مولانا محمد علی مرحوم کو سب سے پہلے ۱۹۱۱ء میں اس وقت مین نے کلکتہ مین دیکھا جب بلقان کے ہنگامہ کے سلسلہ مین کامریڈ پر مظالمِ بلقان کی اشاعت کا جرم قائم تھا، اور وہ کلکتہ مین، کامریڈ کے ممنوعہ پرچہ کو پیش کرکے کلکتہ ہائی کورٹ مین اس کے لئے مقدمہ شروع کرانا چاہتے تھے، اور اسی کے لئے وہ کلکتہ آئے تھے، الہلال کے دفتر مین یہ نیم ملاقات ہوئی پھر ۱۹۱۲ء مین قیصر باغ لکھنؤ مین مسلم یونیورسٹی کی بحثِ الحاق اور وائسرائے کے ویٹو پاور کے طے کرنے کے لئے جو ہتم بالشان جلسہ ہوا تھا، جسمین ایک دن کے بعد دوسرے دن کی صبح کو مرحوم نے "ایک بلینک چک" پر مسلمانون سے دستخط مانگے تھے، مین نے انکو دیکھا، پھر ۱۹۱۳ء مین دار العلوم ندوہ کے طالب علمون کی مشہور اسٹرائک مین جسمین قومی درسگاہون کے مہتمم اور [illegible] پرست ایک طرف، اور طالب العلم اور طرابلس و بلقان و کان پور کے ہنگامون کے پر جوش احرار دوسری طرف تھے، اور اس کے لئے تمام ملک مین شورش برپا تھی، اس کی مصالحت کیلئے مسیح الملک مرحوم نے دہلی مین اہل ملک کا ایک نمایندہ جلسہ طلب کیا تھا، اور انھین نے اسکا انتظام کیا تھا، درسگاہون کے مہتممون اور منتظمون کی طرف سے صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم نے جلسہ مین

تقریر کی، اور طلبا اور حریار کی طرف سے محمد علی مرحوم نے جواب دیا، اور اس مین صاحبزادہ مرحوم کی طرف اشارہ کرکے محمد علی مرحوم نے کہا تھا کہ اگر استبداد مجسم دیکھنا ہے تو اد ھر دیکھو، افسوس نہ اب وہ استبداد مجسم باقی ہے، نہ حریت مجسم، صرف ان کی یاد باقی ہے، طلبہ نے مرحوم محمد علی کے ایک تار پر اپنی اسٹرائک بند کرکے انکے ہاتھ مین اپنا فیصلہ دیدیا تھا،

اس کے بعد جنگ عظیم کے زمانہ مین وہ نظربند ہوکر چھندواڑہ گئے، اور اتفاق سے ۱۹۱۸ء مین ناگپور مین ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس تھا، وہان ایک مخفی قاصد نے آکر مجھے اور میرے عزیز ترین دوست مولانا مسعود علی صاحب ندوی کو چھندواڑہ کی دعوت دی، جس طرح ڈرتے ڈرتے یہ سفر منزل مقصود تک طے ہوا، وہ اب تک یاد ہے، صبح کو اس مسجد مین پہونچے، جسمین "بڑے مولانا صاحب" (شوکت علی صاحب) اور "چھوٹے مولانا صاحب" (محمد علی مرحوم) (چھندواڑہ مین یہ ان کے نام تھے) نماز پڑھنے آتے تھے، گھر پر ملاقات ہوئی اس وقت ان دونون بھائیون پر ڈاکٹر سر اقبال کی تازہ مثنوی "رموز بیخودی" کا نشہ چھایا ہوا تھا

وہان سے واپسی کے بعد باہم خط وکتابت کا سلسلہ شروع ہوا، محمد علی مرحوم خط لکھنے مین اور خط کا جواب دینے مین بہت سست تھے، وہ ضروری خطوط کا جواب انتظار کا پورا وقت گذار کر آخر مین دو پیسہ کے بجائے بارہ آنے خرچ کرکے تار مین دیا کرتے تھے، اور اگر جواب لکھنے بیٹھ گئے تو دو سطر جواب کے بجائے صفحون مین جاکر اسکو تمام کرتے تھے،

آج کل ہمارے فاضل دوست مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مولانا محمد علی مرحوم کی مکمل و مفصل سوانحعمری کا اہتمام کر رہے ہین، اس لئے مرحوم کے ان خطوط کی جو ان کے ابتدائی حالات اور روز افزون مذہبی جذبات کے تغیر و انقلاب کا آئینہ ہین اشاعت مفید ہوگی،

"پیغامبر ملک سبا" یعنی سلیمان کا "تحفہ" مطبوعہ غزل ہر چند یوسف زندان یعنی محمد علی کی غزل کے جواب مین لکھی گئی، اور معارف مین یہ سب غزلین اسی زمانہ مین چھپی تھین،

"سلیمان"

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؀

چھنڈواڑہ (ممالک متوسط) ۱۳ر جولائی ۳۱ئہ

برادرم۔ السلام علیکم،

محجوب ہون کہ آپکے محبت نامہ اور ارض القرآن اور معارف کی رسید تک کم و بیش تین ہفتہ گذر جانے سے پیشتر نہ ارسال کر سکا شکریہ ادا کرنا تو دوسری بات ہی، افسوس ہی کہ اس وقت بھی فرصت اس قدر کم اور پریشانی اس قدر زیادہ ہی کہ جس قسم کی مفصل تحریر ارسال کرنے کا ارادہ تھا وہ اب بھی نہین لکھ سکتا، ابتدا مئی سے میری ایک لڑکی سخت علیل ہی، پہلے فصلی بخار مین مبتلا معلوم ہوتی تھی، تین ہفتہ کے بعد طبیعت درست ہوئی تھی، اور وہ بھی ڈاکٹری علاج سے تھک کر ہومیوپیتھی کی طرف رجوع کرنے کے بعد، اور جو تکلیف اس بچی کو اس عرصہ مین ہوئی تھی اس نے صاف ظاہر کر دیا تھا کہ مرض شدید ترین صورت بن آیا تھا، لیکن دو ہفتہ بھی بخار سے نجات نہ ملی تھی کہ پھر اسی مرض مین مبتلا ہوئی اور اس بار کی شدت مرض اور تکلیف نے پہلے بار کی شدت اور تکلیف کو بالکل بھلا دیا، ہومیوپیتھی سے ابتدا ہوئی، مگر بے سود، ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا اور یہان تک نوبت پہونچی کہ حب کونین کی معمولی خوراک سے کام نہ چلا اور جاڑا بخار دن رات مین چار چار پانچ پانچ بار آنے لگا، اور ۱۰۴ اور ۱۰۵ ڈگری سے بھی حرارت متجاوز ہونے لگی تو اس چھ سات برس کی بچی کو دس بارہ دن تک ۲۰ ،۲۴ گرین بلکہ اس سے بھی زیادہ کونین روز دیجانے لگی، بخار کم ہوا، اور جاڑا جاتا رہا، مگر حرارت کچھ نہ کچھ روز ہو جاتی ہی، اب سقل سول سرجن جو دو ماہ کے لئے ناگپور چلے گئے تھے واپس آئے ہین، انھون نے تشخیص کی ہی کہ مرض انٹرک (موتی جھرا) ہے مگر اب اس کا ڈھال شروع ہو گیا ہی، سوا اس کے کہ آنتون کو دوا سے صاف کیا جاتا رہی، کوئی علاج نہین، بخار کے ٹوٹنے کا انتظار ہی لیکن چونکہ بار بار حرارت کا اندازہ کرنا اور دوائین بدل بدل کر دینا اب ضروری نہین اس لئے اتنی فرصت مل گئی ہی کہ آپ کو یہ عریضہ ارسال کر سکون، خداوند کریم کو منظور ہی تو ہفتہ عشرہ بعد ارض القرآن کو بغور پڑھنے کے لئے اٹھاؤنگا اور معارف

کے تمام پچھلے پرچون کو بھی دیکھونگا، اس وقت تک تو صرف کہین کہین سے جستہ جستہ پڑھ لیا گیا ہی، مگر یہ بھی
مشکوریت اہل اسلام کے اظہار کے لئے کافی ہی، خداوند دوعالم آپکو اجر دیگا، پہلے حصہ مین بنی اسرائیل قبل از خروج
وزمانہ خروج وبعد از خروج کے حالات کیون شامل نہین کئے گئے، اور انڈکس کیون غائب ہی، مکرمی یورپ سے
کم از کم انڈکس تو ضرور ہی اخذ کر لینا چاہئے، مجھے خود قرآن پاک کی انڈکس کی ضرورت ہوتی ہی، تو انگریزی تراجم
مین دیکھنا پڑتا ہی، اس کمی کو ضرور پورا کر دیجئے، اگر قوم کی عام حالت نے اپنی طرف متوجہ نہ کر لیا ہوتا، تو مین
بھی شاید دار المصنفین مین شرکت کا استحقاق پیدا کرنے کی کوشش کرتا، مطالعہ کا شوق عرصہ سے ہے اور آکسفرڈ
نے تحقیق کی طرف اور بھی بہت کچھ کھینچا، مگر جس قوم کے عمل کی حالت اس قدر زبون ہو، پھر اس کی علمی حالت
پر کہان غور کیا جا سکتا ہی، مجبور ہو کر اس کوچہ کو دور ہی سے سلام کیا، میرا ارادہ تھا کہ بجائے معمولی بی اے
کی ڈگری لینے کے مین آکسفرڈ مین تحقیق کی ڈگری (بیچلر آف لٹریچر) حاصل کرون، اور اسی لئے مین نے حسب قواعد
یونیورسٹی درخواست دی کہ مجھے اس کی امیدواری اور اس کے لئے تیاری کے لئے اجازت دیجائے اور
تحقیق کے لئے نور الدین زنگی اتابک موصل کی سیرۃ اور کارنامے اور اُس کے زمانہ کے حالات کو انتخاب کیا،
بشپ اسٹبس جو آکسفرڈ کے بڑے نامور محقق و مورخ تھے اس جلسہ مین موجود تھے جسمین میری درخواست
امیدواری پیش ہوئی اور انھون نے اس موضوع کو بہت پسند کیا، اور کہا کہ میرا بھی جی چاہتا ہی کہ
اس پر تحقیقات کے سلسلہ کی ابتدا کرون، اجازت ملنے کے لئے شرط تھی کہ یا تو آکسفرڈ یا اسی کے برابر کی
کسی یونیورسٹی کا گریجویٹ ہو، اس وقت مین صرف الہ آباد کا گریجویٹ تھا، مگر خاص رعایت کی گئی اور
مجھے اجازت مل گئی اور کالج کے تمام درسون سے آزادی حاصل ہو گئی، پروفیسر مارگولیتھ (لعنۃ اللہ علیہ)
میری امداد اور میری تحقیق کی جانچ کے لئے یونیورسٹی کی طرف سے مقرر کئے گئے، مگر سول سروس کے
امتحان مین ناکامی کے بعد یہ خیال ہوا کہ تحقیقات کو کون پوچھیگا، بہتر ہے کہ معمولی ڈگری پر قناعت
کیجائے، چنانچہ بلا مزید تیاری کے بی اے کے امتحان مین شریک ہو گیا، اور پاس ہوتے ہی واپس

ہندوستان کو آیا، عاشق کامل نہ تھا، جلد گھبرا گیا لیکن اب بھی لٹک باقی ہی، عالمگیر کے متعلق سب سے اول مولانا شبلی مرحوم کو مین ہی نے متوجہ کیا تھا، بلکہ چند موٹی موٹی باتون کے متعلق اپنی تحقیقات کے نتائج سے بھی مولانا مرحوم کو مطلع کیا تھا جبکہ وہ میرے بار بار کے لکھنے پر بڑودہ تشریف لائے تھے، اُسی کے بعد مولانا نے عالمگیر پر الندوہ مین مضامین لکھے اور مجھے ترجمہ کے لئے عطا فرمائے، افسوس کہ جب سے اب تک فرصت نہ ملی، اور اس موضوع سے جو تعلقِ خاطر مجھے تھا اس نے مجبور کر دیا کہ مین ان مضامین کو کسی دوسرے شخص کو دینے بھی نہ دون چنانچہ آج تک وہ اسی طرح بلا انگریزی ترجمہ کے موجود مین یہ تمہید اس لئے اٹھائی گئی ہی کہ آپ کو یقین آجائے کہ مین ضرور اس کا مستحق ہون کہ مجھے اپنی تحقیقات سے وقتاً فوقتاً مستفیض فرماتے رہیئے،

گو وان نہین، یہ وان کے نکالے ہوئے تو ہین کعبہ سے ان بتون کو بھی نسبت ہی دور کی

مگر مین ہرگز اسکا قائل نہین کہ ایک مصنف کی اور مشکلات پر مالی مشکلات کا بھی اضافہ کرون اور مفت اسکی تصنیفات حاصل کرتا رہون، دراصل ہمدرد نکالتے وقت میرا ارادہ اس کے اسٹاف کے ساتھ ساتھ ایک گروہ مصنفین کے رکھنے کا تھا جنکو قوت لا یموت دیکر تصانیف تیار کرائی جائین اور ان کو مناسب و موزون طریقہ پر طبع کرایا جائے اور اخراجاتِ طبع و اشاعت کے منہا کرنے کے بعد جو رقم بچے اس مین سے ۲۵ فیصدی رقم کو یا کچھ زائد کو نقصات کے بیمہ کے طور پر نکال لیا جائے، اور باقی مصنف کو بطور رائلٹی کے دیدی جائے، اس خیال سے مولانا شرر کو ہمدرد کے عملہ مین رکھا تھا اور ہاشمی صاحب فریدآبادی کو بھی گو اس وقت عبدالحق صاحب کے آنے سے تو باوجود ان کے قول وقرار کے مایوسی ہو چکی تھی، اسی لئے سید محفوظ علی صاحب کو بھی رکھا گیا تھا، اور مصنف البرامکہ کو بھی بلایا جا رہا تھا، مگر خداوند کریم کو یہ منظور نہ ہوا، اور ع "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

اسلامی دنیا مین اس قسم کے واقعات پیش آئے اور خود ہندوستان مین ایسے وقوعات ظہور پذیر ہونے کہ علم

غیرباد کہکر تمامتر توجہ عمل کی طرف منعطف کرنا پڑی، آپ کہیگا کہ اب فرصت ہی، مگر یہ گمان غلط ہوگا مجھے اسقدر فرصت درکار ہی ؎

جی چاہتا ہی پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہین تصور جانان کئے ہوئے

پڑھنا لکھنا سب بند ہی، چشم انتظار البتہ وا ہی، نظربندی کا احسان ہی کہ اس نے قرآن کریم کھلوایا اور اس کے پڑھنے کے لئے آنکھین دین، اس زمانہ مین ارض القرآن جیسی کتاب کی سخت ضرورت درپیش تھی، میرا تو گمان ہی کہ خدا وند کریم نے آپ کو صرف میری اس ضرورت کے دور کرنے کے لئے اسی کی تصنیف پر آمادہ کیا، جب یہ ہی تو پھر مجھ سے زیادہ کون مشکور و ممنون ہوگا، یہ محض بیعانہ ہی، اصل قیمت پڑھنے کے بعد ادا ہوگی، رہی وہ قیمت جسکا ویلیو پے ایبل پارسل آپ کو ارسال کرنا چاہئے تھا، سو چتا ہون کہ اسے بھیجون یا نہ بھیجون، اس وقت تو یہ خیال ہی کہ اخباری اور علمی برادری کا اس زمانہ مین جسقدر ہو سکے کھاؤن، مگر جب اس نظربندی سے چھوٹون تو سب کو خوب کھلاؤن، اس لئے قیمت کتاب کا قرض حسنہ میرے ذمہ رہا، رہا معارف سو وہ "تبادلہ" کی مد مین مثل اور بے شمار اخبارون کے جاری رہیگا، تبادلہ مین نہ کامریڈ اس وقت آسکتا ہی نہ ہمدرد نہ وہ علمی اور سیاسی رسالے جنکے نکالنے کا ارادہ تھا، مگر یہ اخبار بند نہیں ہین، ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون، اسی لئے جو کوئی بھی مجھے سابق اڈیٹر کامریڈ و ہمدرد لکھتا ہی اس سے الجھ پڑتا ہون، ہان یہ مانا کہ مین خود زمانۂ حال کی اصطلاح مین زندہ نہین، اس لئے تمام احباب سے التجا ہی کہ مجھے "محمد علی مرحوم" لکھا کرین، شاید اسی بہانہ سے مجھ پر رحم کیا جائے،

"پیغام بر ملک سبا" کا تحفہ بھی ملا اور بخوشی تمام "قبول یوسف زندان" ہوا، مگر برادرم دعا کرتے رہو کہ سنت یوسفی کی تقلید کی آخر وقت تک توفیق عطا ہو، اس وقت تک تو یہی ہی کہ "رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ" اور ارباب متفرقون سے کہین زیادہ اس واحد القہار کے قہر سے

ڈرتا ہون، جو اصلی ہستی ہی، اور اُس گروہ سے الگ ہی جنکی اصلیت اس سے کچھ زیادہ نہین کہ اسماء سمیتموھا انتم و اٰبائکم ما انزل اللہ بھا من سلطان مگر ابتدائے عشق ہی، خدا انجام بخیر کرے، اب رخصت ہوتا ہون،

والسلام

آپکا نیازمند

محمد علی

مکرر یہ کہ آپکو تو غالباً معلوم ہوگا کہ دار المصنفین کی تحریک مین ہی نے کانفرنس مین بمقام راولپنڈی پیش کی تھی اس سے ظاہر ہے کہ مجھے اس تحریک سے کس قدر دلچسپی ہی، افسوس کہ جب یہ پودا لگایا گیا مین نظر بند ہونے کے قریب ہی تھا، اور اب جبکہ یہ بارآور ہو رہا ہی، اسی طرح نظر بند ہون، تاہم اسکے حالات و ضروریات سے مطلع فرماتے رہئے، مین جن تصانیف یا تراجم کی ضرورت محسوس ہوگی اس کے متعلق لکھتا رہونگا، تاکہ اگر آپ حضرات کو فرصت ہو تو اس طرف متوجہ ہون، سب سے زیادہ ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارک کی ہی، اور اس سے کسی قدر زائد ہی، ایک عمدہ صحیح اور ادبی حیثیت سے اعلیٰ درجہ کے مولود شریف اور شہادت نامہ کی عوام کا مذاق درست کرنا خواص کی تصحیح سے کہین زیادہ ضروری ہی،

سال گذشتہ مین مین نے کوئی سولہ سترہ موقعون پر یہان محافلِ میلاد مین کچھ بیان کیا، یہان کے لوگ ہمارے ہان کے عوام سے بھی کم علمیت رکھتے ہین، اسلئے ان کے لئے واقعات کو اور زیادہ سہل الفہم طریقہ پر بیان کیا گیا، خوف تھا کہ لوگ اس پر بھی پرانے زمانہ کو زیادہ پسند کرین گے، اور اسی لئے اسکو بھی نباہا گیا، اور دوسرے صاحبون نے اس طریقہ پر بھی کچھ پڑھا اور کچھ گایا، مگر آپکو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ لوگ نئے طریقہ ہی کے مشتاق تھے، اور اسی کے منتظر رہتے تھے، اور نہایت کثرت سے شریک ہوئے،

"محمد علی"

بین الاقوامی تاریخی کانگرس

بین الاقوامی تاریخی کانگرس کا ساتوان اجلاس وارسا (پولینڈ) مین ۲۱ رسے ۲۸ راگست ۱۹۳۳ء تک ہوگا، مقالات حسب ذیل عنوانون پر پڑھے جائینگے :-

(۱) امدادی علوم، تاریخی کام کی تنظیم اور اسکے دفاتر (۲) احوال قبل زمانہ تاریخ اور علم آثار قدیمہ (۳) تاریخ قدیم، (۴) تاریخ قرون وسطی و عہد بازنطین، (۵) تاریخ جدید و تاریخ دور حاضر، (۶) مذہبی اور کلیسائی تاریخ (۷) تاریخ قانون و ادارات، (۸) معاشی، تمدنی اور نوآبادیاتی تاریخ (۹) تاریخ سائنس وطب، (۱۰) ادبی تاریخ، (۱۱) تاریخ فن، (۱۲) تاریخ طریقہ ونظریہ تاریخ (۱۳) تاریخ تعلیم (۱۴) تاریخ یورپ مشرقی،

امید ہے کہ ذیل کے مخصوص مضامین پر متعدد مقالات موصول ہونگے :۔

(۱) سلطنت بازنطینی مین نظام زمینداری (۲) تاریخ علوم سولھوین صدی مین (۳) مغرب کے ساتھ پولینڈ کے ادبی تعلقات، (۴) مختلف ممالک مین مذہب استبداد، (۵) انیسوین صدی مین آبادیون کی ترقی، (۶) سرحد کے خیال کا ارتقا، (۷) شہرون کی ساخت (۸) امریکہ کی قدیم تاریخ (۹) فتح مکسکو (۱۰) امریکہ کی دریافت اور اسکا تعلق مشرقی یورپ کے ساتھ، (۱۱) بنک کے کاروبار کی تاریخ

ترکی میں جدید تعلیم

اس وقت ترکی کے عوامی مدارس مین (۵۶۹۰۰۰) طلبہ تعلیم پارہے ہین، لوگون نے اکثر مقامات پر خود اپنے ذاتی اخراجات سے ایسے مدارس قائم کرلئے ہین، امسال اس قسم کی (۱۲۶۹۲) مدارس جاری کئے گئے ہین جنمین (۱۱۰۰۳) اساتذہ تعلیم دیتے ہین، طلبہ مین عورتون کی تعداد (۱۹۹۱۵۶) اور مردون کی (۳۵۰۰۰۲) ہے، یعنی (۶۵) فیصدی مرد اور (۳۵) فیصدی عورتین ہین، دار المطالعے بھی مسلسل قایم کئے جارہے ہین، چنانچہ اس وقت انکا شمار (۱۲۵۰) ہے، اور بہت سے امسال قایم کئے جائینگے، انکے علاوہ گشتی کتبخانے بھی جاری کئے جائینگے، وزارتِ تعلیم نے (۱۱۵۰۰) لیرا[1] کے صرفہ سے (۵۶۹۱) کتابین خریدکر دار المطالعون کو دی ہین، حکومت ان تمام مواضعات مین مدرسہ کھولنے کا انتظام کررہی ہو، جہان ابتک مدرسے نہ تھے، ایک اہم سوال مجلسِ اساتذہ مین جو انگورا مین منعقد کی گئی تھی، یہ تھا کہ رسم خط کی تبدیلی اور ترکی زبان کو سہل بنانے کے بعد قدیم لٹریچر کو نصاب مین داخل کرنا کہان تک مناسب ہوگا" آخر طول طویل بحث کے بعد یہ طے پایا کہ اسے بہت مختصر طور پر اور صرف ایک کورس مین پڑھانا چاہئے،

ایرانی تعلیم مین پارسیون کی امداد

مسلم آوٹ لوک کی اطلاع ہو کہ بمبئی کے پارسی محبانِ بنی نوع انسان نے چندے کرکے بڑی بڑی رقمین جمع کی ہین، اور ان کو حکومت ایران کے پاس اس غرض سے بھیجا ہو کہ رفاہ عام کے مختلف کامون مین صرف کردیجائین، ایک لاکھ روپیہ زرتشتی یتیم خانہ اور مکتب کو دیا گیا ہو، اور اسی قدر لڑکیون کے مدرسہ کو ملا ہو، پندرہ ہزار قدیم ایرانی لٹریچر کے مطالعہ کی ترغیب کیلئے علیحدہ کردیا گیا ہو، ایک لاکھ کی رقم طہران مین لڑکیون کے ایک مدرسہ کو دی گئی ہو، پینتیس[۳۵] ہزار سے غربا کے لئے ایک طبی ادارہ کی

---

[1] ترکی کا ایک سونے کا سکہ،

تعمیر ہوگی، اور پچیس ہزار کی لاگت سے اسی ادارہ مین ایک شفاخانہ قایم کیا جائیگا اس کے علاوہ پھر ۱۲ طہران مین لڑکون کے ایک مدرسہ کو دیا گیا ہی، بنی نوع انسان کے ایک زرتشتی بہی خواہ نے طہران کی زرتشتی لائبریری اکاڈمی کو دو ہزار کتابین پیش کی ہین، ان مین ایک بڑی تعداد ان کتابون کی ہی جو تاریخ ایران اور علوم قبل اسلام سے متعلق ہین،

بلندی پر سر کیون چکراتا ہی،

یہ ایک عام تجربہ ہے کہ بلند میارون پر اور پہاڑ کی چوٹیون کے کنارے کھڑے ہونے سے اکثر آدمیون کے سر چکرانے لگتے ہین، مسٹر میکس بیکر (انگلستان) نے اسکی تاویل یون کی ہی، کہ یہ کیفیت گرنے کے خوف کے باعث نہین پیدا ہوتی، بلکہ اس کا سبب محض یہ ہے کہ آنکھ ایک ہی وقت مین دو چیزون کو ماسکہ پر لانے کی کوشش کرتی ہی یعنی نظر بہ یک وقت اس نظارہ پر بھی پڑتی ہی، جو بہت دو نیچے واقع ہوتا ہی، اور اس کنارہ پر بھی صاف دیکھنے والا کھڑا ہوتا ہی، مسٹر بیکر کے اس نظریہ سے ایک اور عجیب بات سمجھ مین آجاتی ہی، جسکا ذکر اکثر مشاہدہ کرنے والون نے کیا ہی یعنی ہوائی جہاز پر سے نیچے دیکھنے مین بہت کم لوگون کو چکر آتا ہی، مسٹر بیکر کے خیال مین اسکی وجہ یہ ہے کہ نیچے بجز زمین کے نظر اور کہین پڑتی ہی نہین آنکھین صرف زمین ہی کو ماسکہ پر لاتی ہین، اور انکے اس فعل مین کوئی دوسری شے مخل نہین ہوتی لیکن جب نظر اس کے علاوہ مینار کی دیوار پر پڑتی ہی، جس پر دیکھنے والا کھڑا ہوتا ہی یا پہاڑ کے اس ڈھال پر جو اس کے پیر دن کے نیچے واقع ہوتا ہی، تو نگاہ مین انتشار پیدا ہوتا ہے، اور یہی سر چکرانے کا باعث ہوتا ہی،

ایک نئے قسم کا ہوائی جہاز

بہت دنون سے ماہرین فن ایک ایسے طیارہ کے بنانے کی کوشش مین ہین جو زمین سے بخط انتصاب اوپر اڑ سکتا ہو، اور پھر اسی طرح بغیر کسی چکر کے نیچے اتر سکتا ہو، ایسے طیارہ کی پرواز کیلئے

بہت تھوڑی سی جگہ بھی کافی ہوگی اور بڑے بڑے میدانون کی ضرورت باقی نہ رہجائیگی، رسالہ کمنیکل انجنیرنگ (نیویارک) کے ایک مقالہ سے معلوم ہوتا ہو کہ ایسی مشین آخرکار تیار کرلی گئی ہو، یہ طیارہ اگرچہ ابھی تجربہ کے مرتبہ مین ہی، تاہم کئی کامیاب پروازین کرچکا ہو، اسمین صرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ ہے، اور اس کا انجن (۹۵) اسپی طاقت کا ہی، یہ ایک کیلومیٹر (۵/۸ مل) کے دور مین پرواز کرچکا ہی، اور ۸ منٹ ۵۴ سکنڈ تک ہوا مین رہا ہی، یہ ایجاد فن ہوابازی کی ترقی مین آیندہ بہت مفید ثابت ہوگی،

ایک عجیب وغریب درخت

ایک ایسا زبردست درخت کیلفورنیا (امریکہ) کے جنگلون مین پایا گیا ہی جو اپنا جواب آپ ہے، اس کی بلندی (۴۰۰) فٹ اور زمین سے پانچ فٹ اوپر تنے کا قطر (۲۰) فٹ ہی، اس کی چھال کی ضخامت (۱۱) انچ ہی، اونچائی کے اعتبار سے یہ درخت غیر معمولی نہین ہی جنگلون مین متعدد ایسے درخت دیکھے گئے ہین جو (۴۰۰) فٹ سے زیادہ بلند ہین، لیکن انمین سے کسی ایک کا قطر بھی اس درخت کے قطر کے برابر نہین ہی، اور نہ ان کے تنے کا اتار چڑھاؤ اس قدر ہموار ہی جتنا اس درخت کا، مثلاً حال مین ایک درخت پایا گیا ہی جس کی بلندی (۴۷۶) فٹ ہی، مگر قطر اس کا صرف ۱۲ فٹ ہی، برخلاف اس کے جو بات کیلفورنیا کے اس درخت کے ساتھ مخصوص ہی وہ اس کے تنے کی موٹائی ہی، زمین سے (۲۴۰) فٹ کی اونچائی پر بھی اس کا قطر (۱۲) فٹ سے زیادہ ہی، اس مین سولہ فٹ کی لمبان کے چودہ لٹھے نکل سکتے ہین،

المپس کی تلوار

برٹش میوزیم نے حال مین کانسے کی ایک قدیم یونانی تلوار حاصل کی ہو جسکی خاص اہمیت یہ ہے کہ وہ کوہ المپس کے قریب دستیاب ہوئی ہی، اسکی لمبان ۲۴ ۱/۲ انچ ہے، معلوم ہوتا ہو کہ پہلے اس کا دستہ مین منڈھا ہوا تھا، تعجب ہے کہ دستہ مین کیل کا کوئی سوراخ نہین ہی، دستہ کی دونون شاخین اور کنارے کانسے کے بنے ہوے ہین، یہ یونان کے عہد عتیق کا قدیم ترین حربہ ہی جو ابتک مل سکا ہی،

"ع ز"

باب التقریظ والانتقاد

سفر حجاز

مرتبہ مولینا عبد الماجد صاحب دریابادی،

پتہ دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ و الناظر بک ڈپو لکھنؤ ضخامت ۴۰۰ صفحہ تقطیع متوسط قیمت عار

ہندوستان سے کم و بیش بیس ہزار حاجی ہر سال مکۂ معظمہ جاتے ہین، ان مین دو چار ایسے صاحب ذوق ضرور ہوتے ہین، جو اپنے سفر کے واقعات اور اپنے دل کے جذبات کو کاغذ کے منظر عام پر لاتے اور دوسرون کو سناتے اور دکھاتے ہین، اور ان سے اہل ضرورت حسب ضرورت فائدہ اٹھاتے ہین

ہندوستان مین شاید شیخ عبد الحق محدث دہلوی پہلے بزرگ ہین جنھون نے ۹۹۸ھ مین اس سفر کی یادگار مین "جذب القلوب الی دیار المحبوب" کا تحفہ اہل وطن کے سامنے پیش کیا، اور جو کچھ وہان دیکھا تھا وہ یہان آکر دوسرون کو دکھایا، اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ۱۱۴۴ھ مین فیوض الحرمین وغیرہ رسائل مین اپنے روحانی مناظر و مشاہدات کی کاغذ کے صفحون پر تصویر کھینچی لیکن سفرنامہ کی حیثیت سے شاہ صاحب کے ایک ذی رتبہ شاگرد مولانا رفیع الدین مرادآبادی قابل ذکر ہین جنھون نے ۱۲۰۱ھ مین حرمین کا سفر کیا اور احوال الحرمین کتاب لکھی،

اس نئے عہد مین ہر سال حاجیون مین سے کوئی نہ کوئی بزرگ واپس آکر اپنا سفرنامہ عموماً ترتیب دیتے ہین، اور ان مین مختلف پہلوؤن سے ہر صاحب ذوق اپنی پسند اور دلچسپی کی باتین لکھتے ہین

خصوصیت کے ساتھ قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی مرحوم کا سفرنامہ سبیل الرشاد، اور برنی صاحب کا سفرنامہ صراط الحمید ذکر کے قابل ہین،

ہمارے صاحب دل اور درد آشنا دوست مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی زندگی مین مدت سے بتدریج جو انقلاب ہو رہا تھا، میرے خیال مین اسکی تکمیل ۱۳۴۸ھ مین ہوئی جب وہ حجاز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے، اور جو احوال ومشاہد انھون نے کتابون مین پڑھے تھے، انکا سفر حج مین جاکر برای العین مشاہدہ کیا، اور وہان جو عینی مشاہدات قلبی کیفیات، اور روحانی تاثرات ان پر وارد ہوئے انھون نے اپنے اخبار سچ کے صفحات مین خطوط کی صورت مین منعکس کیا، موجودہ مجموعہ انھین مسلسل مقالات کا یکجا ذخیرہ ہے،

اس سے پہلے جو سفرنامے لکھے گئے تھے، یا وہ صرف عالم جذبات کی باتین تھین یا محض ایک سیاح و وقائع نگار کے روزنامچے تھے، یا فقیہانہ مسائل اور حج ومناسک کے ہدایت نامے تھے، یا حجاز وسفر حج کے لئے مسافرون کی گائڈ بکین تھین، اس سفرنامہ کی خصوصیت ان سب متفرق حیثیتون کی دلکش جامعیت ہے، سفرنامہ کے مختلف ابواب اور مباحث مین اس کا مصنف کہین مورخ ہے کہین فقیہ، کہین محدث کہین صوفی، کہین شاعر اور کہین سیاسی، غرض اس کتاب مین وہ سب کچھ ہے، جسکی حاجی کو اپنے سفر کے اتار چڑھاؤ کی مختلف حالتون اور کیفیتون مین ضرورت پیش آتی ہے، سفر کے واقعات، حج ومناسک کے مسائل، مختلف مقامات کی دعائین، سفر کے ضروری ہدایات، حجاز کے ملکی حالات آمدورفت اور سفر کے وسائل، سواری، پانی، کرایہ مکانات، مطوفین، راستے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، امکنۂ مقدسہ اور وہان کے ضروری آداب، یہ تمام ضروری معلومات اس مین یکجا ہین،

لیکن اس سفرنامہ کی اصلی حیثیت اور حقیقی عزت میری نگاہ مین دو باتون سے ہے، ایک اسکی انشا پردازی کہ مصنف کے قلم نے اس مین انتہائی سادگی کا کمال حسن دکھایا ہے، سہل الفاظ، سادہ ترکیبین

اور پھر شاعرانہ تخیل، اس لئے انشا کی حیثیت سے اسکی اہمیت بہت کافی ہی، دوسری چیز وہ تاثرات اور وجدانیات ہین، جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ سے نمایان ہین، ایسا معلوم ہوتا ہی کہ صاحب دل مصنف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے ٹکڑے پھیلا دیئے ہین،

مین تو سفرِ حجاز کی یہی برکت سمجھتا ہون کہ ان کے قلم نے ان کے دل کی ایسی ترجمانی کی ہے، اور روح نے جسم کا ایسا قالب اختیار کیا ہی، کہ باطن ظاہر محجوب منکشف، اور نادیدہ، دیدنی ہوگیا ہی مجھے امید ہے کہ فاضل مصنف کی تصنیفات مین ان کے قلم کی یہ سرسری تحریرین، سب سے زیادہ دیرپا، سب سے زیادہ سودمند اور سب سے زیادہ مقبول ہونگی،

مسئلہ حجاز مین موصوف کے سیاسی مسلک سے ہر چند ہمکو پورا اتفاق نہ ہو تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا، کہ انھون نے یہ صفحات لکھکر ہماری زبان، ادب، تاریخ، جغرافیہ، فقہ اور تصوف سب پر احسان کیا ہے، اور ظاہر و باطن، لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نظارہ گاہ تیار کیا ہی، کہ ہر خیال و ذوق کا آدمی اپنے اپنے خیال ذوق کے مطابق اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہی،

"س"

جامِ صہبائی

مصنفہ جناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی بی اے (آنرز)

پتہ:- شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور لکھائی چھپائی عمدہ چھوٹی تقطیع قیمت ۸؎

اردو شاعری نے اگرچہ تمام اصنافِ سخن مین معتدبہ ترقی کی لیکن ایک صنف شاعری یعنی رباعی کو کسی نے خاص اپنا موضوع نہین بنایا، فارسی زبان مین صوفیہ و حکما کے شاعرانہ خیالات کا مظہر صرف رباعی تھی، بالخصوص سلطان ابوسعید و خیام و سحابی نے تو اس صنف کو خاص اپنا موضوع بنا لیا،

اردو زبان کے شعرا مین مرثیہ گویون نے بے شبہہ بہت سی رباعیان لکھین لیکن یہ انکا خاص فن نہ تھا، بلکہ اس سے وہ مرثیہ پڑھنے کی تمہید کا کام لیا کرتے تھے، لیکن اب موجودہ دور کے شعرا مین جناب امجد حیدرآبادی اور جناب عبد السمیع پال اثر صہبائی نے اس کمی کی طرف توجہ کی ہی، اور وقتاً فوقتاً وہ حکیمانہ رباعیان تصنیف فرماتے رہتے ہین، اور حقیقت یہ ہے کہ اس دور مین اردو مین ان دونون صاحبون نے اس صنفِ سخن مین غیر معمولی کامیابی حاصل کی ہی جس سے ہماری زبان مین ایک بڑی کمی پوری ہوئی ہی، جناب اثر نے اب اپنے قطعات و رباعیات کا ایک چھوٹا سا مجموعہ جامِ صہبائی کے نام سے شائع کیا ہی،

معلوم ہوتا ہی کہ خاص اس صنف کی طرف انکی توجہ رباعیاتِ خیام نے مبذول کرائی ہی، چنانچہ شروع ہی مین خیام کی شان مین چند عقیدت مندانہ اشعار لکھے ہین، اور ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رباعیان خیام ہی کے رنگ مین لکھی گئی ہین، ان رباعیات کے مضامین پر ڈاکٹر اقبال کی مثنوی اسرارِ خودی اور پیامِ مشرق کا اثر بھی پڑا ہی، اور بھی بہت سے لوگون نے ان کی لفظی و معنوی خوبیون پر اثر ڈالا ہی، اور ان اثرات سے یہ تمام رباعیان رندانہ، صوفیانہ، حکیمانہ غرض مختلف خیالات کا مجموعہ بنگئی ہین، چنانچہ ذیل کی رباعیون سے اسکا اندازہ ہوگا،

ہر چند ہے شغل سے و مینا اچھا — چھپ چھپ کے ہی پینے سے نہ پینا اچھا
مینا کی روح سے ہی ہستی ہستی، — مرمر کے تو جینے سے نہ جینا اچھا

ظاہر کی نظر نے تجھے پنہان پایا — باطن کی نظر نے تجھے عریان پایا
تھی عقل بھی جویا ترے جلوے کی مگر — کمبخت کو سرگشتہ و حیران پایا

دنیا کی نظر مین کیون معما ہون مین کیون دہر کی محفلون مین تنہا ہون مین

کیون اہل فلک سے ہے محبت مجھکو کس عرش کا ٹوٹا ہوا تارا ہون مین

اکثر رباعیون مین سرمستی کے خیالات پائے جاتے ہین، جو نہایت کیف و مستی کے ساتھ شگفتہ الفاظ مین ظاہر کئے گئے ہین قطعات کے لئے اگرچہ رباعیون کی طرح صرف چار مصرعون کی تحدید نہین ہے، تاہم اس مجموعہ کے قطعات بھی صرف دو شعرون کے ہین، اس لئے درحقیقت وہ بھی رباعی ہی ہین، گو رباعی کی مخصوص بحر مین نہین کہے گئے ہین،

ان قطعات و رباعیات مین رندی و سرمستی کے خیالات کے علاوہ اور بھی بہت سے مضامین عالیہ ادا کئے گئے ہین جنمین ہم چند کو اس موقع پر نقل کرتے ہین، مثلاً یہ خیال کہ انسان اگرچہ دنیا کی جدوجہد مین سخت تکلیفین اٹھاتا ہی، اور بالآخر فنا ہو جاتا ہی، تاہم دنیا کی رونق انسان ہی سے قایم ہی، اس رباعی مین نہایت خوبی سے ادا کیا گیا ہی،

گو ہستی آتشین ہے فانی میری ہے بزم جہان مین ضوفشانی میری

خود جلنا مگر جہان کو روشن کرنا مانند شرر ہے زندگانی میری

یہ خیال کہ دنیوی آسائشین اور مسرتین بھی موجبِ زحمت ہین، یا کم از کم زحمت سے حاصل ہوتی ہین، اس رباعی مین اس طرح ظاہر کیا گیا ہی،

کہتے ہین کہ ہے دامنِ گلشن ہستی گلہاے بہار کا ہے خرمن ہستی

آتش کو سمجھ رہے ہین ہم رنگِ بہار یعنی ہے، خسِ شعلہ بدامن ہستی

مسئلۂ تقدیر کو کس شاعرانہ بلند آہنگی کے ساتھ حل کیا ہی،

کیا رنگِ بہار تیری تدبیر سے ہے، کیا بادِ سموم تیری تقصیر سے ہے

اندیشۂ انجام مین کیون گھلتا ہی؟ تقدیر سے ہے، تمام تقدیر سے ہے،

تنازع للبقار کے مسئلہ کو کس خوبی سے ادا کیا ہی:-

ہنگامۂ رزم زندگانی ہے مجھے ، پیکارِ حیات، شادمانی ہے مجھے،
وہ ذوقِ ستیز ہے کہ ہر ایک شکست ، دیباچۂ فتح و کامرانی ہے مجھے

یہ مسئلہ کہ انسان کو کچھ معلوم نہین کس سادگی اور بے بسی کے ساتھ ظاہر کیا ہی،

جب وادیِ کہکشان مین کھو جاتا ہون ، دنیاے طرب مین جذب ہو جاتا ہون
کھلتا نہین کچھ بھی راز جب سوچ کے بعد ، تھک جاتا ہون اور تھک کے سو جاتا ہون

مسئلۂ تسلیم و رضا کی حقیقت اس طرح ظاہر کی ہی،

تقدیر سے درسِ خامشی لیتا ہون ، ہو جاتا ہون چپ لبون کو سی لیتا ہون
زہرِ غمِ زندگی ہو یا جامِ نشاط ، جو کچھ بھی ملے خوشی سے پی لیتا ہون

اسی مسئلہ کو اس رباعی مین اور بھی زیادہ دلآویزی و بیاختگی سے ظاہر کیا ہی،

سرشارِ طرب نہین ہی محسود مرا ، تختِ جم و کے نہین ہی مقصود مرا
وہ دل کہ گزار دے خوشی سے غم کو ، معبود مرا وہی ہے معبود مرا

کسی اعلیٰ مقصد کے لئے مصائب سہنے اور اس پر عزم و استقلال کے ساتھ قائم رہنے کی دعوت کس پر جوش طریقے سے دی ہی:-

یا سوے فلک جراتِ پرواز نہ کر ، یا شکوۂ جورِ چرخِ کجباز نہ کر
یا دعوے عاشقی کو باطل ٹھہرا ، یا بارشِ سنگ پر بھی آواز نہ کر

حسنِ معانی کیساتھ ان رباعیات و قطعات مین حسنِ الفاظ اور حسنِ ترکیب کا بھی بڑا ذخیرہ ملتا ہی، مثلاً:-

ہاے کیا شے ہے بادۂ گلریز ، روح سرمست، چشم بینا تیز
مے ہر اک درد کی دوا ہے اثر ، غم ربا، جانفزا، نشاط انگیز

ع

انتخاب مثنویات میر، از آنریبل جسٹس ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان ایم اے ایل ایل ڈی بیرسٹر ایٹ لا جج ہائیکورٹ الہ آباد، مطبوعہ نظامی پریس بدایون، ضخامت مع مقدمہ ۲۰۰+۷۶ صفحے لکھائی چھپائی کاغذ متوسط قیمت عہ،

شعرائے اردو میں میر تقی میر، غزل کی طرح مثنوی کے بھی استاد تسلیم کئے گئے ہیں، لیکن ان مثنویوں میں جابجا فحش مضامین اور فحش الفاظ پائے جاتے ہیں، اور بعض قصے ایسے بھی نظم کئے گئے ہیں جنکو موجودہ تہذیب یافتہ لوگ قابلِ اعتراض سمجھتے ہیں، اس کے ساتھ میر کے کلام میں رطب و یابس ہر قسم کے اشعار پائے جاتے ہیں، اس بنا پر جسٹس ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم اے نے انکی تمام مثنویات کا ایک انتخاب شایع کیا ہی، اور اسمین یہ لحاظ رکھا ہی کہ فحش اشعار اور فحش قصے اور پست اشعار چھوڑ دیئے جائین اور اس کے ساتھ قصے کی صورت بھی نہ بدلنے پائے، اس اصول کے مطابق اگرچہ دو یا تین مثنویوں کے سوا اور مثنویات کے پورے قصے پیش نہ کئے جاسکے، تاہم بہر حال مثنویات میر کا ایک بہترین انتخاب موجودہ زمانہ کے مذاق کے مطابق تیار ہوگیا ہی،

ڈاکٹر سر سلیمان نے اس انتخاب کے ساتھ ۷۶ صفحات کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہی جسمین میر کے حالات، اخلاق و عادات، اور کلام پر تبصرہ ہی، اور سودا کے ساتھ انکا موازنہ کیا گیا ہی، اب تک میر کے متعلق جو کچھ لکھا جاچکا تھا اسب کو یکجا کر دیا ہی، اور جابجا ان پر تنقید کی ہی، اور دوسرے مصنفین سے بجا اختلاف بھی کیا ہی، اشعار کے بعض مشکل لفظوں اور پیچیدگیوں کو حاشیہ مین حل بھی کیا ہی، ڈاکٹر سر سلیمان کی ان تمام مصروفیتوں کو دیکھتے ہوئے انکی

کبھی کبھی کی یہ علمی و ادبی مصروفیت بیحد مبارکباد کے لایق ہی،

اسلامی روایات، مولفہ محمد حفیظ اللہ صاحب پھلواروی، پتہ مصنف سے پھلواری ضلع پٹنہ

لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، چھوٹی تقطیع، ضخامت ۸۰ صفحے قیمت غیر مجلد ۸؍ مجلد ۱۱؍

اس رسالہ مین مختلف اخلاقی عنوانات مثلاً مہمان نوازی، خاکساری، دیانتداری اور ہمدردی وغیرہ کے متعلق نظم و نثر مین رسول اللہ صلعم، خلفاے راشدین اور سلاطین اسلام کے واقعات درج کئے گئے ہین، تاکہ وہ بچون کو پڑھائے جائین، اور ان پر انکا اخلاقی اثر پڑے، عبارت صاف، سادہ، روان، اور بچون کی سمجھ مین آنے کے قابل ہی، رسالہ بچون کے لئے مفید ہی،

فہرست اردو مخطوطات، مرتبہ عبدالقادر سروری ایم اے ایل ایل بی، مطبوعہ دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن، ضخامت ۳۴۴ صفحے، لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ قیمت درج نہین،

اس کتاب مین کتبخانہ کلیہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے اردو مخطوطات یعنی اردو کی قلمی کتابون کی فہرست درج کی گئی ہی، مثلاً پہلے مختلف عنوانات مثلاً علوم قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ قایم کئے گئے ہین پھر ان عنوانات کے نیچے ان تمام قلمی کتابون کے نام لکھے گئے ہین، جو اردو زبان مین نظم و نثر مین تصنیف ہوئین، لیکن صرف کتاب اور مصنف کے نام ہی پر اکتفا نہین کیا گیا ہی، بلکہ مصنف کے حالات، اُسکی تصنیفات کی فہرست، کتاب کی خصوصیات بھی نمایان کی گئی ہین، اور اصل کتاب کا نمونہ بھی دیا گیا ہی، جو لوگ اردو ادبیات یعنی اردو زبان کی نظم و نثر کی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہین، ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہی، اور گویا یہ کہنا چاہئے کہ اردو قلمی کتابون کی یہ پہلی علمی فہرست ہمارے ملک مین شایع ہوئی ہی،

زہر عشق، مرتبہ مجنون گورکھپوری، ضخامت ۶۴ صفحات لکھائی چھپائی عمدہ تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ :- ایوان اشاعت گورکھپور،

نواب مرزا شوق کی مثنویون مین سب سے زیادہ مقبول مثنوی زہر عشق ہی، اگرچہ اکثر نقاد اخلاقی

حیثیت سے اسکا پایہ گرا ہوا سمجھتے ہین، تاہم زبان، محاورہ اور سلاست و روانی کے لحاظ سے وہ ایک بیمثل مثنوی تسلیم کی گئی ہے، اور اس حیثیت سے بیحد مقبول ہے، اس کے معمولی نسخے اگرچہ بازارون مین مل سکتے ہین لیکن اب جناب مجنون گورکھپوری نے اپنے ایوانِ اشاعت کی طرف سے اسکا ایک نہایت عمدہ اڈیشن شایع کیا ہے، ابتدا مین ۷۶ صفحات کا ایک مقدمہ ہے جسمین خود جناب مرتب اور مولانا عبد الماجد دریابادی اور جناب نیاز فتحپوری کی تحریرین شامل ہین، اور ان مین مثنوی کی تمام خصوصیات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، اس کے بعد سے اخیر صفحہ تک مثنوی ہے، جس کے اخیر مین ایک تصویر بھی دیگئی ہے، جو لوگ شاعری مین لطف زبان کے دلدادہ ہین، ان کے لئے اس مثنوی کا مطالعہ ذوق سے خالی نہین،

سرگذشت وزیر خان لنکران

مترجمہ مولانا عبد القوی صاحب فانی ایم اے پروفیسر فارسی لکھنؤ یونیورسٹی، مطبوعہ آسی پریس لکھنؤ، لکھائی چھپائی متوسط، ضخامت صفحات

یہ ایک جدید فارسی ڈرامہ کا ترجمہ ہے، جس کو مولوی عبد القوی صاحب فانی نے اس غرض سے کیا ہے کہ اس وقت ایران مین جو جدید فارسی زبان بولی جاتی ہے، لوگون کو اس سے واقفیت حاصل ہو، اور اس غرض سے یہ ڈرامہ لکھنؤ یونیورسٹی کے نصاب فارسی مین داخل کر لیا گیا ہے، مترجم نے اصل ڈرامہ کی عبارت کے سامنے اسکا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا ہے، اور ابتدا مین مختلف قومون اور ملکون کے ڈرامون کے متعلق ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے، جس مین ڈرامہ کی تاریخ اور اس کے مقاصد واضح کئے ہین، اور اخیر مین جدید الفاظ و محاورات کی ایک فرہنگ بھی شامل کی ہے، جو لوگ جدید فارسی زبان سے واقف ہونا چاہتے ہین، ان کے لئے یہ ڈرامہ نہایت مفید ہے،

"ع"

سیر الصحابہ

مسلمانوں کو از سرِ نو اپنی زندگی کے انقلاب اور پھر ترقی و عروج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس طرزِ زندگی اور مقصدِ حیات سے واقف ہوں جو ان کے سب سے مقدس اور پاک عہد میں نمایاں تھا، نہ صرف مذہبی، روحانی اور اخلاقی حیثیت سے بلکہ دینی و دنیاوی فیوض و کمالات اور دولت و ثروت اور فتوحات کے لحاظ سے بھی وہ دور مسلمانوں کے تمام عہدوں میں ممتاز ہے، اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لیکر مسلمان کیونکر ترقی کر سکتے ہیں،

اسی غرض سے دار المصنفین کے رفقاء نے پندرہ برس کے مسلسل مطالعہ، محنت، تلاش اور تحقیق سے اس عہد کے حالات اور سوانح کو متعدد جلدوں میں قلمبند کر کے مسلمانوں کی نگاہوں کے سامنے، اس عہد کی زندگی کی پوری تصویر کھینچدی ہے جس کو رسول اللہ صلعم نے دنیا میں پیش کیا تھا، اور اس طرح یہ مبارک سلسلہ سیر الصحابہؓ وہ آئینہ ہے جس میں اس عہد کا مقدس چہرہ تیرہ سو برس کے بعد بھی بعینہ مسلمانوں کو نظر آسکتا ہے،

اب تک اس کے حسب ذیل حصے شائع ہو کر نظر افروز ہو چکے ہیں،

۱۔ خلفائے راشدینؓ، چاروں خلفائے راشدین کے مذہبی، سیاسی، علمی، اخلاقی حالات خصوصیات حکومت وغیرہ . . . . . . عہ

۲۔ مہاجرین جلد اول، بڑے بڑے مہاجر صحابہ کے حالات و کمالات بہ ترتیب نام . . . . للعہ

۳۔ " جلد دوم، عام مہاجر صحابہ کے حالات و سوانح عہ ۴۔ انصار جلد اول، انصار کرام کے ایمان پرور حالات، عہ

۵۔ انصار جلد دوم، انصار کرام کے ایمان پرور حالات، عہ ۶۔ صحابیات، صحابی خواتین کے حالات بہ ترتیب نام. عہ

۷۔ اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق، طرزِ معاشرت کی مقدس مجموعی تصویر . . . . عہ

۸۔ اسوۂ صحابہ جلد دوم، صحابۂ کرام کے سیاسی، حکومتی، مذہبی اور علمی خدمات کی تفصیل . . . . للعہ

۹۔ اسوۂ صحابیات، صحابی خواتین کے مذہبی، علمی، اور اخلاقی خدمات و کمالات . . . . . . عہ

لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ، ایک تقطیع پر،

پورے سٹ کی قیمت ؏ روپیے ہوتی ہے، لیکن پورے سٹ کے عام خریدار کو ؏ روپیے میں ملیگی، اور تاجروں کے ساتھ ؏ فیصدی کی رعایت ہوگی،

"منیجر"

مولانا شبلی کے مجموعۂ مضامین کی پہلی جلد

فہرست مضامین

لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت عہر "منیجر"

(طابع و ناشر محمد ادریس دہلی)